

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ يُسَبِّحُونَ (الفتح)

الحق المختوم

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ
سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول آئے والی عربی کتاب کا
اردو ترجمہ

ترجمہ و تصنیف

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

المکتبة السلفية

مشہد محل روڈ، لاہور، پاکستان

Registration number 4371 Copyright

اس کتاب کے جملہ حقوقِ ترجمہ، نقل و اشاعت
پاکستان میں ”المکتبۃ السلفیۃ“ لاہور، اور
ہندوستان میں مولانا صفی الرحمن مبارک پوری
کے حق میں محفوظ ہیں۔

محرم الحرام ۱۴۲۱ھ / مئی ۲۰۰۰ء

قیمت: مجلد (سفید آفس پیپر) -/۲۸۰ روپے

شیش محل روڈ - لاہور 54000 پاکستان
ٹیلیفون: 042-7237184 - فیکس: 042-7227981
باہتمام: احمد شاکر - مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز - لاہور
واحد تقسیم کنندگان - دارالکتب السلفیۃ - شیش محل روڈ - لاہور



تمنا

ہر مسلمان زندگی بھر ایسے اعمال کرنے میں کوشاں
رہتا ہے جن کے باعث اُس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

یہی تمنا، آرزو اور خواہش ”الزحیق المخبوم“ کی
سعی طباعت کا باعث بنی۔

”الزحیق المخبوم“ سے اگر اُسوۂ حسنہ پر شوقِ عمل
کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں رُوحِ جہاد بھی بیدار ہو جائے
تو الحمد للہ، کیونکہ یہی اس کتابِ بیرت کا اطمینان ہے۔

امیدار شفا: لعنہ اللہ

عرضِ ناشر (طبعِ جدید)

الرحیق المہتموم کی یہ تازہ اشاعت جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کا جدید ایڈیشن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بابرکت کتاب کو جس مقبولیت سے نوازا اور صاحب ذوق قارئین نے جس طرح اس کی پذیرائی فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ۔ طبعِ اول میں بعض اہل علم اور اصحابِ دانش بالخصوص جناب ڈاکٹر سعید اقبال قریشی اور محترم جناب محمد عام مختار الحق نے بعض تسامحات کی نشاندہی فرمائی، ان مقامات کا اصل عربی کتاب سے تقابل کا مرحلہ برادر م مولانا نعیم الحق نعیم نے اور صحتِ کتابت کا جناب محمد صدیق گلزار نے طے کیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ طبع ہذا میں "الرحیق المہتموم" سے مستفید ہونے والے ایک دوست جناب ذوالفقار کاظم نے دورانِ مطابقت کتاب میں آمدہ بعض مشکل ناموں پر اعراب، نامانوس الفاظ کا ترجمہ اور وقوف وغیرہ کی از خود نشاندہی کر کے ایک نسخہ ارسال فرمایا، جن میں سے اکثر مشورے عربی کتاب سے تقابل کے بعد قبول کر لیے گئے۔ علاوہ ازیں اس اشاعت میں کاغذ کی موجودہ ہوشربا گرانی کے سبب فی صفحہ تین سطریں اضافہ کر کے مختصراً کم کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ کتاب عام قاری کی قوتِ خرید میں رہے، اس کے ساتھ ساتھ معیار میں بہتری کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اس ترتیب نو کو برادر عزیز جناب علی احمد صاحب رشتہ نے پایہ تکمیل تک پہنچایا نیز انہوں نے کتاب کے عربی متن اور عنوانات کی از سر نو کتابت فرما کر زادِ آخرت بنا لیا۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنْہ۔ اس بابرکت کتاب میں اب تک جس ساتھی نے بھی تعاون کیا اس کے پیش نظر سیرتِ نبویہ شریفہ کی خدمت برائے حصولِ سعادت ہی رہی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

الرحیق المہتموم

احمد شاکر

مغفلاً ولوالدہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۳	ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال	۱۳	عرض نامہ
۸۳	ولادت باسعادت	۱۶	مقدمہ طبع سوم (عربی)
۸۴	بنی سعد میں	۱۹	پیش لفظ
۸۶	واقعہ شقی صدر	۲۲	عرض مؤلف
۸۶	مال کی آغوشِ محبت میں	۲۴	اپنی سرگزشت
۸۶	دادا کے سایہ شفقت میں	۳۱	زیر نظر کتاب کے بارے میں (از مؤلف)
۸۸	شفیق چچا کی کفالت میں	۳۳	عرب۔ محل وقوع اور قومیں
۸۸	روتے مبارک سے فیضانِ باران کی طلب	۳۴	عرب قومیں
۸۸	بحیرا راہب	۳۶	عرب ستبریہ
۸۹	جنگِ فجار	۳۳	عرب۔ حکومتیں اور سرداریاں
۸۹	حلف الفضول	۳۳	یمن کی بادشاہی
۹۰	بھانسی کی زندگی	۳۵	یہود کی بادشاہی
۹۱	حضرت خدیجہ سے شادی	۳۶	شام کی بادشاہی
۹۲	کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کے تنازعہ کا فیصلہ	۳۸	حجاز کی امارت
۹۳	نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت	۵۴	بقیہ عرب سرداریاں
۹۴	نبوت و رسالت کی چھاؤں میں	۵۵	سیاسی حالت
۹۶	غارِ حرا کے اندر	۵۷	عرب۔ ادیان و مذاہب
۹۷	جبریل وحی لاتے ہیں	۶۳	دین ابراہیمی میں قریش کی بدعات
۹۷	آغازِ وحی کا مہینہ، دن اور تاریخ (حاشیہ)	۶۷	دینی حالت
۱۰۱	وحی کی بندش	۶۸	جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں
۱۰۱	جبریل دوبارہ وحی لاتے ہیں	۶۸	اجتماعی حالات
۱۰۲	وحی کی اتمام	۷۱	اقتصادی حالت
۱۰۳	تبلیغ کا حکم اور اس کے مضمرات	۷۲	احسناق
۱۰۷	دعوت کے ادوار و مراحل	۷۵	خاندانِ نبوت
	پہلا مرحلہ:	۷۵	نسب
۱۰۸	کاوشیں تبلیغ	۷۶	خانوادہ
۱۰۸	خفیہ دعوت کے تین سال	۷۸	چاہ زمزم کی کھدائی
۱۰۸	اولین رہروانِ اسلام	۷۹	واقعہ فیل
۱۱۰	نماز	۸۰	عبداللہ۔ رسول اللہ ﷺ کے والدِ محترم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۷	غم ہی غم	۱۱۱	قریش کو اجمالی خبر
۱۶۸	حضرت سوڈہ سے شادی		دوسرا مرحلہ :
	ابتدائی مسلمانوں کا صبر و ثبات اور اس کے	۱۱۲	کھلی تبلیغ
۱۶۹	اسباب و عوامل	۱۱۲	اظہار دعوت کا پہلا حکم
	تیسرا مرحلہ :	۱۱۲	قرابت داروں میں تبلیغ
۱۸۰	بیرون مکہ دعوت اسلام	۱۱۳	کوہ صفا پر
۱۸۰	رسول اللہ ﷺ طائف میں	۱۱۳	حق کا انکشاف اعلان اور مشرکین کا رد عمل
۱۸۷	قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت	۱۱۶	قریش، ابوطالب کی خدمت میں
۱۸۷	وہ قبائل جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی	۱۱۶	حجاج کو رد کرنے کے لیے مجلس شوریٰ
۱۸۹	ایمان کی شعائیں کتبے سے باہر	۱۱۸	معاذ آرائی کے مختلف انداز
۱۹۲	یثرب کی چھ سعادت مند روہیں	۱۱۹	معاذ آرائی کی دوسری صورت
۱۹۴	حضرت عائشہ سے نکاح	۱۲۰	معاذ آرائی کی تیسری صورت
۱۹۷	اسراء اور معراج	۱۲۱	معاذ آرائی کی چوتھی صورت
۲۰۵	پہلی بیعت عقبہ	۱۲۲	ظلم و جور
۲۰۶	مہینہ میں اسلام کا سفیر	۱۳۰	دارِ اہل تمیم
۲۰۶	قابل رشک کامیابی	۱۳۱	پہلی ہجرت حبشہ
۲۱۰	دوسری بیعت عقبہ	۱۳۲	دوسری ہجرت حبشہ
	گفتگو کا آغاز اور حضرت عباس کی طرف سے معافی	۱۳۵	مہاجرین حبشہ کے خلاف قریش کی سازش
۲۱۱	کی نزاکت کی تشریح	۱۳۹	ابوطالب کو قریش کی دھمکی
۲۱۲	بیعت کی دفعات	۱۴۰	قریش ایک بار پھر ابوطالب کے سامنے
۲۱۳	خطرناکی بیعت کی مکرر یاد دہانی	۱۴۱	نبی ﷺ کے قتل کی تجویز
۲۱۴	بیعت کی تکمیل	۱۴۲	حضرت حمزہ کا قبول اسلام
۲۱۵	بارہ نقیب	۱۴۵	حضرت عمر کا قبول اسلام
۲۱۶	شیطان معاہدے کا انکشاف کرتا ہے۔	۱۵۲	قریش کا نامزدہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں
۲۱۶	قریش پر ضرب لگانے کیلئے انصار کی مستعدی	۱۵۵	ابوطالب، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو جمع کرتے ہیں
۲۱۷	نوسا، یثرب سے قریش کا احتجاج	۱۵۷	مکمل بائیکاٹ
۲۱۷	خبر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب	۱۵۷	ظلم و ستم کا پیمان
۲۱۹	ہجرت کے ہراول دستے	۱۵۸	تین سال شعب ابی طالب میں
۲۲۳	قریش کی پارلیمنٹ دار الندوہ میں	۱۵۹	صحیفہ چاک کیا جاتا ہے۔
	پارلیمانی بحث اور نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ	۱۶۲	ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد
۲۲۴	قرارداد پر اتفاق	۱۶۵	عزم کا سال
۲۲۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	۱۶۵	ابوطالب کی وفات
۲۲۷	رسول اللہ ﷺ کے مکان کا گھیراؤ	۱۶۶	حضرت خدیجہ جواریہ رحمت میں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۷۹	غزوے کا سبب	۲۲۸	رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں
۲۷۹	اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم	۲۲۹	گھر سے غارتگ
۲۸۰	بدر کی جانب اسلامی لشکر کی روانگی	۲۳۰	غار میں
۲۸۱	مکے میں خطرے کا اعلان	۲۳۱	قریش کی تنگ و دو
۲۸۱	جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری	۲۳۲	مدینے کی راہ میں
۲۸۱	مکی لشکر کی تعداد	۲۳۸	قباء میں تشریف آوری
۲۸۲	قبائل بنو بکر کا مسئلہ	۲۴۰	مدینے میں داخلہ
۲۸۲	جیش مکہ کی روانگی	۲۴۳	مدنی زندگی
۲۸۲	قافلہ بچ نکلا		پہلا مرحلہ:
۲۸۳	مکی لشکر کا ارادہ واپسی اور باہمی پھوٹ	۲۴۴	ہجرت کے وقت مدینے کے حالات
۲۸۳	اسلامی لشکر کے لیے حالات کی نزاکت	۲۵۲	نئے معاشرے کی تشکیل
۲۸۴	مجلس شوریٰ کا اجتماع	۲۵۲	مسجد نبوی کی تعمیر
۲۸۶	اسلامی لشکر کا بقیہ سفر	۲۵۵	مسلمانوں کی بھائی چارگی
۲۸۶	جاسوسی کا امتداد	۲۵۷	اسلامی تعاون کا پیمانہ
۲۸۷	لشکر مکہ کے بارے میں اہم معلومات کا حصول	۲۵۹	معاشرے پر معجزات کا اثر
۲۸۸	بازار رحمت کا نزول	۲۶۳	یہود کے ساتھ معاہدہ
۲۸۸	اہم فوجی مراکز کی طرف اسلامی لشکر کی سبقت	۲۶۳	معاہدے کی دفعات
۲۸۹	مرکز قیادت	۲۶۵	سلیح کشاکش
۲۸۹	لشکر کی ترتیب اور شب گزاری		ہجرت کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش کی
۲۹۰	میدان جنگ میں مکی لشکر کا باہمی اختلاف	۲۶۵	فتنہ خیزیاں اور عبداللہ بن ابی سے نامہ و پیام
۲۹۲	دونوں لشکر آمنے سامنے	۲۶۶	مسلمانوں پر مسجد حرام کا دروازہ بند کیے جانے کا اعلان
۲۹۴	نقطہ صفر اور معرکے کا پہلا ایندھن	۲۶۷	مہاجرین کو قریش کی دھکی
۲۹۴	مبارزت	۲۶۷	جنگ کی اجازت
۲۹۵	عام ہجوم	۲۶۹	سرایا اور غزوات
۲۹۵	رسول اللہ ﷺ کی دُعا	۲۶۹	سرتیہ سیف البحر
۲۹۶	فرشتوں کا نزول	۲۷۰	سرتیہ رابغ
۲۹۷	جوابی حملہ	۲۷۰	سرتیہ حستار
۲۹۹	میدان سے ابلیس کا فرار	۲۷۱	غزوہ ابوار یا ودان
۲۹۹	شکست فاش	۲۷۱	غزوہ بواط
۲۹۹	ابوجہل کی اڑ	۲۷۲	غزوہ سفوان
۳۰۰	ابوجہل کا قتل	۲۷۲	غزوہ ذی العشرہ
۳۰۲	ایمان کے تباہ کن نقوش	۲۷۳	سرتیہ نخذ
۳۰۲	فریقین کے مقتولین	۲۷۹	غزوہ بدر کبریٰ اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۶	بقیہ اسلامی لشکر دامن اُحد میں	۳۰۷	کٹے میں شکست کی خبر
۳۴۷	دفاعی منصوبہ	۳۰۹	مدینے میں فتح کی خوش خبری
۳۴۹	نبی ﷺ شجاعت کی روح پھونکتے ہیں	۳۱۰	باہل کیفیت کا مسئلہ
۳۴۹	مکی لشکر کی تنظیم	۳۱۱	اسلامی لشکر مدینے کی راہ میں
۳۵۰	قریش کی سیاسی چال بازی	۳۱۲	تہنیت کے وفد
۳۵۱	جوش و ہمت دلانے کیلئے قریشی عورتوں کی ٹنگ تاز	۳۱۳	قیدیوں کا قضیہ
۳۵۲	جنگ کا پہلا ایجنڈا	۳۱۵	قرآن کا تبصرہ
۳۵۲	معرکہ کا مرکز ثقل اور علم داروں کا صفایا	۳۱۶	متفرق واقعات
۳۵۲	بقیہ حصوں میں جنگ کی کیفیت	۳۱۹	بدر کے بعد جنگی سرگرمیاں
۳۵۴	شیر خدا حضرت حمزہؓ کی شہادت	۳۲۰	غزوہ بنی سنیم بہ مقام کدر
۳۵۷	مسلمانوں کی بالادستی	۳۲۱	نبی ﷺ کے قتل کی سازش
۳۵۷	عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار پر	۳۲۳	غزوہ بنی قینقاع
۳۵۷	تیر اندازوں کا کارنامہ	۳۲۳	یہود کی عیاری کا ایک نمونہ
۳۵۸	مشرکین کی شکست	۳۲۵	بنی قینقاع کی عہد شکنی
۳۵۸	تیر اندازوں کی خوفناک غلطی	۳۲۷	محاصرہ، سپردگی اور جلا وطنی
۳۵۹	اسلامی لشکر مشرکین کے زرخے میں	۳۲۹	غزوہ سویق
۳۶۰	رسول اللہ ﷺ کا پُرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام	۳۳۰	غزوہ ذی امر
۳۶۱	مسلمانوں میں انتشار	۳۳۱	کعب بن اشرف کا قتل
۳۶۳	رسول اللہ ﷺ کے گرد خوں ریز معرکہ	۳۳۵	غزوہ بجران
۳۶۳	رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہؓ کے اکٹھا ہونے کی ابتداء	۳۳۶	سرتیہ زید بن حارثہ
۳۶۷	مشرکین کے دباؤ میں اضافہ	۳۳۸	غزوہ اُحد
۳۶۹	نادرہ روزگار جاں بازی	۳۳۸	استحاثی جنگ کے لیے قریش کی تیاری
۳۷۰	نبی ﷺ کی شہادت کی خبر اور معرکہ پر اسکا اثر	۳۳۹	قریش کا لشکر، سامان جنگ اور کھان
۳۷۲	رسول اللہ ﷺ کی پیغم معرکہ آرائی اور حالات پر قابو	۳۴۰	مکی لشکر کی روانگی
۳۷۲	ابن بن خلف کا قتل	۳۴۰	مدینے میں اطلاع
۳۷۳	حضرت طلحہؓ، نبی ﷺ کو اٹھاتے ہیں	۳۴۰	ہنگامی صورتحال کے مقابلے کی تیاری
۳۷۵	مشرکین کا آخری حملہ	۳۴۱	مکی لشکر مدینے کے دامن میں
۳۷۵	شہداء کا مُششد	۳۴۱	مدینے کی دفاعی حکمت عملی کے لیے مجلس شوریٰ
۳۷۶	آخر تک جنگ لڑنے کیلئے مسلمانوں کی مستعدی	۳۴۱	کا اجلاس
۳۷۷	گھاٹی میں دستارِ یابی کے بعد	۳۴۲	اسلامی لشکر کی ترتیب اور جنگ کے لیے روانگی
۳۷۸	ابوسفیان کی شہادت اور حضرت عمرؓ سے دو دو باتیں	۳۴۳	لشکر کا معاہدہ
۳۷۹	بدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا عہد و پیمانہ	۳۴۵	اُحد اور مدینے کے درمیان شب گزاری
		۳۴۵	عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۰	سُریۃ خبث	۳۷۹	مشرکین کے موقف کی تحقیق
۳۳۲	غزوة بنی المصطلق یا غزوة مرثعہ	۳۸۰	شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری
۳۳۴	غزوة بنی المصطلق سے پہلے منافقین کا رویہ		رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی شاکرتے اور
۳۳۹	غزوة بنی المصطلق میں منافقین کا کردار	۳۸۳	اس سے دُعا فرماتے ہیں
۳۳۹	مدینے سے ذلیل ترین آدمی کو نکالنے کی بات	۳۸۴	مدینے کو واپسی اور محبت و جاں سپاری کے نادر واقعہ
۳۵۲	واقعہ انکب	۳۸۵	رسول اللہ ﷺ مدینے میں
۳۵۲	غزوة مرثعہ کے بعد کی فوجی مہمات	۳۸۵	مدینے میں ہنگامی حالت
۳۵۲	سُریۃ دار بنی کلب . علاقہ دومتہ الجندل	۳۸۶	غزوة حمرہ الاسد
۳۵۲	سُریۃ دیار بنی سعد . علاقہ فدک	۳۸۹	جنگ اُحد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ
۳۵۲	سُریۃ وادی اہتساری	۳۹۱	اس غزوے پر قرآن کا تبصرہ
۳۵۶	سُریۃ عربین	۳۹۱	غزوے میں کارفرما خدائی مقاصد اور حکمتیں
۳۵۹	صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶۱۰ء)	۳۹۲	اُحد کے بعد کی فوجی مہمات
۳۵۹	عمہ حدیبیہ کا سبب	۳۹۲	سُریۃ ابوسلمہ
۳۵۹	مسلمانوں میں روانگی کا اعلان	۳۹۵	عبداللہ بن ابیہ کی مہم
۳۵۹	کنعے کی جانب مسلمانوں کی حرکت	۳۹۵	رجیع کا حادثہ
۳۶۰	بیت اللہ سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش	۳۹۸	بزمعونہ کا المیہ
۳۶۰	خول ریز ٹکراؤ سے بچنے کی کوشش اور راستے	۴۰۰	غزوة بنی نضیر
۳۶۰	کی تبدیلی	۴۰۲	غزوة نجد
۳۶۱	بیل بن ورقار کا توسط	۴۰۲	غزوة بدر دوم
۳۶۲	قریش کے ایچی	۴۰۷	غزوة دومتہ الجندل
۳۶۳	وہی ہے جس نے اُن کے ہاتھ تم سے روکے	۴۰۹	غزوة احزاب (جنگ خندق)
۳۶۳	حضرت عثمانؓ کی سفارت	۴۲۶	غزوة بنو قریظہ
۳۶۵	شہادت عثمانؓ کی انوار اور بیعت رضوان	۴۳۳	غزوة احزاب و قریظہ کے بعد کی جنگی مہمات
۳۶۵	صلح اور دفعات صلح	۴۳۴	سلام بن ابی الحقیق کا قتل
۳۶۵	ابو جندل کی واپسی	۴۳۶	سُریۃ محمد بن مسلمہ
۳۶۷	حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کٹائی	۴۳۷	غزوة بنو لعیان
۳۶۸	ہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار	۴۳۸	سُریۃ غمر
۳۶۹	اس معاہدے کی دفعات کا حاصل	۴۳۸	سُریۃ ذوالقصد (۱)
۳۷۲	مسلمانوں کا غم اور حضرت عمرؓ کا مناقشہ	۴۳۹	سُریۃ ذوالقصد (۲)
۳۷۳	کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہو گیا	۴۳۹	سُریۃ جحوم
۳۷۴	برادران قریش کا قبول اسلام	۴۳۹	سُریۃ عیص
	دوسرا مرحلہ :	۴۴۰	سُریۃ طرف یا طرق
۳۷۵	نئی تبدیلی	۴۴۰	سُریۃ وادی القرئی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۱۳	وادی ہشتری	۴۷۶	بادشاہوں اور اُمراء کے نام خطوط
۵۱۴	تیمار	۴۷۶	نجاشی شاہ حبش کے نام خط
۵۱۴	مدینہ کو واپسی	۴۷۹	مشوقس شاہ مصر کے نام خط
۵۱۵	سریۃ ابان بن سعید	۴۸۱	شاہ فارس خسرو پرویز کے نام خط
۵۱۶	غزوة ذات الرقاع (سۃ)	۴۸۳	قیصر شاہ روم کے نام خط
۵۱۹	سۃ کے چند سرایا	۴۸۷	منذر بن ساوی کے نام خط
۵۱۹	سریۃ قدید (صفر یا ربیع الاول سۃ)	۴۸۸	ہوزہ بن علی صاحب یمامہ کے نام خط
۵۱۹	سریۃ خمسی (جمادی الآخرہ سۃ)	۴۸۹	حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام خط
۵۲۰	سریۃ توبہ (شعبان سۃ)	۴۸۹	شاہ عمان کے نام خط
۵۲۰	سریۃ اطراف فدک (شعبان سۃ)	۴۹۲	صلح حدیبیہ کے بعد کی فوجی سرگرمیاں
۵۲۰	سریۃ میفہ (رمضان سۃ)	۴۹۲	غزوة غابہ یا غزوة ذی مسترد
۵۲۰	سریۃ خیبر (شوال سۃ)	۴۹۷	غزوة خیبر اور غزوة وادی القرئی
۵۲۰	سریۃ یمین وجبار (شوال سۃ)	۴۹۸	خیبر کو روانگی
۵۲۱	سریۃ غابہ	۴۹۸	اسلامی لشکر کی تعداد
۵۲۲	عمرة قضا	۴۹۹	یہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں
۵۲۵	چند اور سرایا	۴۹۹	خیبر کا راستہ
۵۲۵	سریۃ ابو العوجا (ذی الحجہ سۃ)	۵۰۰	راستے کے بعض واقعات
۵۲۵	سریۃ غالب بن عبد اللہ (صفر سۃ)	۵۰۱	اسلامی لشکر، خیبر کے دامن میں
۵۲۵	سریۃ ذات الطلح (ربیع الاول سۃ)	۵۰۲	جنگ کی تیاری اور خیبر کے قلعے
۵۲۵	سریۃ ذات عرق (ربیع الاول سۃ)	۵۰۳	معرکے کا آغاز اور قلعہ نامم کی فتح
۵۲۶	معرکہ موتہ	۵۰۵	قلعہ صعب بن معاذ کی فتح
۵۲۶	معرکے کا سبب	۵۰۵	قلعہ زبیر کی فتح
۵۲۶	لشکر کے اُمراء اور نبی ﷺ کی وصیت	۵۰۶	قلعہ ابی کی فتح
۵۲۷	اسلامی لشکر کی روانگی اور عبد اللہ بن رواحہ کا گریہ	۵۰۶	قلعہ تزار کی فتح
۵۲۷	اسلامی لشکر کی پیش رفت اور خوذناک ناگمانی حالت سے سابقہ	۵۰۷	خیبر کے نصف ثانی کی فتح
۵۲۸	معان میں مجلس شوریٰ	۵۰۷	صلح کی بات چیت
۵۲۸	دشمن کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی	۵۰۸	ابو الحقیق کے دونوں بیٹوں کی بد عمدی اور انکا قتل
۵۲۸	جنگ کا آغاز اور سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت	۵۰۹	اموال غنیمت کی تقسیم
۵۲۹	بھنڈا، اندک تلواروں میں سے ایک تلوار کے ہاتھ میں	۵۱۰	جعفر بن ابی طالب اور اشعری صحابہ کی آمد
۵۳۱	خاتمہ جنگ	۵۱۱	حضرت صفیہ سے شادی
۵۳۲	فریقین کے مقتولین	۵۱۱	زہرا اور بکری کا واقعہ
		۵۱۲	جنگ خیبر میں فریقین کے مقتولین
		۵۱۲	فدک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۲	دشمن کے جاسوس	۵۲۲	اس معرکے کا اثر
۵۶۲	رسول اللہ ﷺ کے جاسوس	۵۳۲	سرتیہ ذات السلاسل
۵۶۳	رسول اللہ ﷺ کو سے حنین کی طرف	۵۳۳	سرتیہ خضرہ (شعبان سنہ ۶)
۵۶۳	اسلامی لشکر پر تیراندازوں کا اچانک حملہ	۵۳۵	غزوہ فتح مکہ
۵۶۶	دشمن کی شکست فاش	۵۳۵	اس غزوے کا سبب
۵۶۶	تعاقب	۵۳۸	تجدید صلح کے لیے ابوسفیان مدینہ میں
۵۶۶	غنیمت	۵۴۰	غزوے کی تیاری اور انصار کی کوششیں
۵۶۶	غزوہ طائف	۵۴۲	اسلامی لشکر مکہ کی راہ میں
۵۶۹	حیرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم	۵۴۲	مراظران میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ
۵۶۰	انصار کا حزن و اضطراب	۵۴۴	ابوسفیان دربار نبوت میں
۵۶۲	وقف ہوازن کی آمد	۵۴۶	اسلامی لشکر مراظران سے نکلنے کی جانب
۵۶۳	عمرہ اور مدینہ کو واپسی	۵۴۷	اسلامی لشکر اچانک قریش کے سر پر
۵۶۴	فتح مکہ کے بعد کے سرایا اور عمال کی روانگی	۵۴۸	اسلامی لشکر ذی طوی میں
۵۶۴	تحصیل داران زکوٰۃ	۵۴۸	نکلنے میں اسلامی لشکر کا داخلہ
۵۶۵	سرایا	مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ	
۵۶۵	سرتیہ غیبیہ بن حصن فزاری	۵۴۹	اور بتوں سے تطہیر
۵۶۶	سرتیہ قطبہ بن عامر		خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش
۵۶۶	سرتیہ ضحاک بن سفیان کلابی	۵۵۰	سے خطاب
۵۶۶	سرتیہ علقمہ بن مجرز بدلمی	۵۵۱	آج کوئی سرزنش نہیں
۵۶۶	سرتیہ علی بن ابی طالب	۵۵۱	کعبے کی کنجی (حق بمقتدر رسید)
۵۶۹	غزوہ تبوک	۵۵۲	کعبہ کی چھت پر اذان بلالی
۵۶۹	غزوہ کا سبب	۵۵۲	فتح یا شکرانے کی نماز
۵۸۰	روم و غتان کی تیاریوں کی عام خبریں	۵۵۲	اکابر مجرمین کا خون رائیگاں قرار دے دیا گیا۔
۵۸۱	روم و غتان کی تیاریوں کی خاص خبریں	۵۵۴	صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر کا قبول اسلام
۵۸۲	حالات کی نزاکت میں اضافہ	۵۵۴	فتح کے دو روزے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ
۵۸۲	رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ	۵۵۵	انصار کے اندیشے
۵۸۲	رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان	۵۵۵	بیعت
۵۸۳	غزوہ کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ	۵۵۷	مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام
۵۸۴	اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں	۵۵۷	سرایا اور وفود
۵۸۶	اسلامی لشکر تبوک میں	۵۶۰	تیسرا مرحلہ
۵۸۷	مدینہ کو واپسی	۵۶۱	غزوہ حنین
۵۸۸	مغلیض	۵۶۱	دشمن کی روانگی اور اوطاس میں پڑاؤ
		۵۶۱	ماہر جنگ کی زبانی سپہ سالار کی تغلیظ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۲۶	چار دن پہلے	۵۹۰	اس غزوے کا اثر
۶۲۷	ایک یا دو دن پہلے	۵۹۱	اس غزوہ سے متعلق قرآن کا نزول
۶۲۸	ایک دن پہلے	۵۹۱	اس سن کے بعض اہم واقعات
۶۲۸	حیات مبارکہ کا آخری دن	۵۹۲	حج سہمہ (زیر اہدات حضرت ابو بکر صدیقؓ)
۶۲۹	نزع رواں	۵۹۳	غزوات پر ایک نظر
۶۳۰	غم ہائے سیکراں	۵۹۶	اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ
۶۳۱	حضرت عیسیٰ کا موقف	۵۹۷	دُور
۶۳۱	حضرت ابو بکرؓ کا موقف	۶۱۲	دعوت کی کامیابی اور اثرات
۶۳۲	تجئزہ تکفین اور تدفین	۶۱۳	حجۃ الوداع
۶۳۳	خانہ نبوت	۶۲۲	آخری فوجی مہم
۶۳۳	اخلاق و اوصاف	۶۲۳	رفیقِ اعلیٰ کی جانب
۶۳۳	حدیہ مبارکہ	۶۲۳	الوداعی آثار
۶۳۸	کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق	۶۲۴	مرض کا آہستہ
۶۵۴	کتب حوالہ	۶۲۴	آخری ہفتہ
...	...	۶۲۴	وفات سے پانچ دن پہلے

عرضِ ناشر (طبعِ اول)

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله
اللهم صل على محمد النبي الامي وازواجه امهات المؤمنين
وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔

المكتبة السلفية کی پہلی کتاب پیارے رسول کی پیاری دعائیں ۱۹۵۳ء میں طبع ہوئی تھی۔
اس کتاب کے مرتب والدِ گرامی حضرت مولانا محمد عطاء اللہ ضیف حفظہ اللہ تعالیٰ کو اس کتاب کی ترتیب و
طباعت میں حُسنِ نیت کا صلہ اللہ عزوجل نے یہ دیا کہ اس کے بعد المكتبة السلفية نے ایسی ایسی
گرائنڈر کُتب اتنے عمدہ معیار پر شائع کیں کہ پاکستان کے اکثر مذہبی و دینی کتب کے ناشرین نے اس
کو مشعلِ راہ بنایا۔

المكتبة السلفية کا آواز حضرت والدِ گرامی مدظلہ العالی نے ”پیارے رسول کی پیاری دعائیں“
کی ترتیب و اشاعت سے کر دیا تھا لیکن المكتبة السلفية کو ایک با مقصد اور با ضابطہ ادارہ
تشکیل دیتے وقت انہوں نے اپنے تلمیذِ رشید (اور میرے استاذِ محترم) مولانا حافظ عبدالرحمن گوہر ٹوی
کو رفاقت و شراکت کے لیے منتخب کر لیا۔

استاذ و شاگرد کی اسی رفاقت و شراکت ہی میں دراصل المكتبة السلفية کا نام متعارف،
بلکہ روشن ہوا۔ بارک الله سعيهم۔

”پیارے رسول کی پیاری دعائیں“ کے بعد المكتبة السلفية نے اُس دور کے حُسنِ کتابت و
طباعت اور تصحیحِ اصلاط کا اعلیٰ معیار قائم کرتے ہوئے الفوز الكبير عربی (ٹائپ) اور حیات ولی (اُردو)
جیسی کتابوں کی اشاعت سے کام کا آغاز کیا۔

اس کے بعد المكتبة السلفية کو عالمِ اسلام میں متعارف کرنے والی کتاب التعلیقات
السلفية علی سنن النسائی کو عمدہ ترین معیار پر شائع کر کے پاکستان میں جدید حواشی کے ساتھ متونِ حدیث کی اشاعت
کا آغاز اور مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کی جلد اول شائع کر کے شروع حدیث کی طباعت میں

اولیت کا شرف حاصل کیا۔ والحمد لله على ذلك۔

بعد ازاں قرآنِ فہمی کے لیے مختصر اور احکام القرآن کی جامع تفسیر تفسیر احسن التفاسیر (اردو) کو جدید طرز تحقیق سے شائع کرنا شروع کیا۔ نیز اردو زبان میں ائمہ کی تفصیلی اور تحقیقی سوانح تعلیق و حواشی کے ساتھ (حیات امام احمد بن حنبل، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حیات امام ابو حنیفہ) شائع کرنے کی طرح ڈالی۔ علاوہ ازیں اکل البیان فی تائید تقویۃ الایمان اور شاہ ولی اللہ کی قلمی کتاب اتحاف النبیین فی ما یحتاج الیہ المحدث والفقہ کو تعلیقات و حواشی سے مزین کر کے پہلی مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

مدارس عربیہ میں مشہور داخل نصاب کتاب دیوان الحماہ مترجم مع عربی حواشی ہندوستان میں طبع تو ہوا تھا لیکن جل لغات کے ساتھ اس کی اشاعت بھی المکتبۃ السلفیہ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

محمدیہ پاٹ بک بچواب احمدیہ پاٹ بک، سب سے معلقہ مترجم مع عربی شرح، البلاغ المبین فارسی تحفہ الموحدین مترجم و اردو، الاتباع عربی، الایقان مترجم رسالہ عمل بالحديث مترجم، تقویۃ الایمان، نصیحة المسلمین، جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث اور حدیث کی تشریحی اہمیت جیسی کتب متذکرہ بالا ضخیم کتب کے علاوہ ہیں۔

غرضیکہ اسٹاذ و شاگرد کی بہترین رفاقت و شراکت کا یہ دور بے مثال تھا۔

سنہ ۱۹۷۰ء کے بعد راقم الحروف نے حضرت والد صاحب مدظلہ العالی کے سایہ شفقت میں جب کام کا آغاز کیا تو اس وقت ملک میں قدیم کتب کو قلم پازٹیو پر شائع کرنے کا رجحان تھا۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی)، (شاہ ولی اللہ) کتاب الصلوۃ (عربی) (ابن قیم) منہاج السنۃ النبویہ، اقتصار الصراط المستقیم (عربی)، الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان (عربی) (اردو) ابن تیمیہ اور صراط مستقیم (فارسی) کو قلم پازٹیو پر شائع کرنے کے علاوہ احسن التفاسیر کی بقایا ۳ جلدیں اسلامی خطبات کا ۳ جلد، جزر القراءۃ عربی (ٹائپ) (مترجم) رد الاشرک (عربی ٹائپ) مجموعہ ثلاث رسائل السلفیہ (عربی ٹائپ) کے علاوہ بعض چھوٹے چھوٹے رسائل (جو بقامت کہتر بہ قیمت بہتر کا مصداق تھے) بھی شائع کئے اور امکانی حد تک المکتبۃ السلفیہ کے ماضی کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔ والحمد لله على ذلك۔

سنہ ۱۹۷۹ء میں جب علم ہوا کہ رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ نے جس عربی کتاب کو — دنیا بھر میں —

اول انعام سے نوازا وہ ہمارے ہندوستانی مصنف کی ہے تو اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی لہر دل و داغ

سے ہو کر گزر گئی

۱۹۸۰ء میں جب مولانا صفی الرحمن مبارکپوری سے بیت اللہ شریف میں بحیثیت مصنف "الرحیق المختوم" تعارف ہوا تو وہ گزری ہوئی لہر القاط کا لبادہ اوڑھ کر فوراً مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

مولانا نے محترم نے خود ہی ترجمہ کر کے "مسودہ" المكتبة السلفية کو عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور جب مولانا موصوف دسمبر ۱۹۸۵ء میں لاہور تشریف لائے تو اپنا وعدہ وفا کر دیا جزا ہمارا اللہ تعالیٰ۔ مسودہ ملنے کے ۲۰-۲۱ ماہ بعد "الرحیق المختوم" کا اردو ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ اس کی طباعت میں جو حسن و کمال آپ کو نظر آئے گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ساتھ ساتھ والد گرامی حفظہ اللہ کی سرپرستی، اُستاد محترم مولانا حافظ عبدالرحمن گوہر وی کی راہ نمائی، برادر عزیز خالد جاوید یوسفی کی مخلصانہ توجہ اور فاضل دوست مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کے علمی مشوروں کا نتیجہ ہے اور جو کوتاہی ہے اس کا یہ راقم آثم ہی ذمہ دار ہے۔

برادر گرامی پروفیسر عبدالجبار شاکر کا بھی بہت ممتون ہوں جنہوں نے بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود کتاب پڑھ کر مختصر لیکن جامع تبصرہ سے — فیلیپ کی صورت میں — نوازا۔ جزا ہمارا اللہ تعالیٰ۔

ناپاسی ہوگی اگر میں اس کے خطاط صاحبان مشتاق احمد جھٹ، محمد صدیق گلزار، محمد ریاض محمد الیاس صاحبان اور خصوصاً مشتاق احمد جھٹ صاحب کا شکر یہ ادا نہ کروں جنہوں نے بار بار تصحیح کتاب نہ صرف بڑی خندہ پیشانی بلکہ سعادت سمجھ کر کی۔ ایسے ہی عزیز پر خوردار ابن یوسف (آرٹسٹ) کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کے حسن میں عملاً حصہ لیکر زائد آخرت بتایا۔

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زوال پذیر امت مسلمہ کی اصلاح کا باعث بنائے اور فاضل مصنف حفظہ اللہ، ناشر، ان کے والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کو نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے جس نے کسی بھی مرحلہ پر تعاون فرمایا ہو۔ آمین ثم آمین!

اللہم صل علی محمد وبارک وسلم علیہ

الراجحالی رحمة ربہ الغافر

بندۃ اللہ احمد شاکر حفظہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع سوم (عربی)

ازعزت مآب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی، مکہ المکرمہ
 الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، وأشهد ان لا اله الا الله وحده
 لا شریک له، وأشهد ان محمدا عبده ورسوله وصفیه وخلیفه، أدى الرسالة
 وبلغ الأمانة، ونصع الأمة، وترکها على المحجة البيضاء لیلها کنهارها، صلى الله
 علیه وعلى آله وصحبه اجمعین، ورضی عن کل من تبع سنته وعمل بها إلى
 يوم الدين، وعنا معهم بعفوك ورضاک یا ارحم الراحمین. أما بعد
 سنت نبویہ مطہرہ، جو ایک تجدید پذیر عطیہ اور تاقیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ اور جس کو بیان
 کرنے اور جس کے مختلف عنوانات پر کتابیں اور صحیفے لکھنے کے لیے لوگوں میں نبی ﷺ کی بعثت کے
 وقت سے مقابلہ اور تنافس جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ سنت مطہرہ مسلمانوں کے سامنے
 وہ عملی نمونہ اور واقعاتی پروگرام رکھتی ہے جس کے سانچے میں ڈھل کر مسلمانوں کی رفتار و رفتار اور کردار و اطوار
 کو نکلتا چاہیے۔ اور اپنے پروردگار سے ان کا تعلق اور اپنے کنبہ و قبیلہ، برادران و انخوان اور افراد اُمت
 سے ان کا ربط اس کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ
 وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

” یقیناً تمہارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے جو اللہ

اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔“

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے

تھے انہوں نے فرمایا کہ ان خلقہ القرآن۔ بس قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔

لہذا جو شخص اپنی دنیا اور آخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر چل کر اس دنیا سے نجات

چاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ رسول اعظم ﷺ کے اسوہ کی پیروی کرے۔

اور خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اس لقین کے ساتھ نبی ﷺ کی سیرت کو اپنائے کہ یہی پروردگار کا سیدھا راستہ ہے جس پر ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ ﷺ عملاً اور واقعہً تمام شعبہ ہائے زندگی میں گامزن تھے۔ لہذا اسی میں قائمین و متبعین، حکام و محکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کی رشد و ہدایت ہے۔ اور اسی میں سیاست و حکومت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لیے اسوۂ و نمونہ ہے۔

آج جبکہ مسلمان اس ربانی منہج سے دور ہٹ کر جہل و پسماندگی کے کھڈ میں جا کر رہے ہیں ان کے لیے کیا ہی بہتر ہوگا کہ وہ ہوش کے ناخن لیں۔ اور اپنے تعلیمی نصابوں اور مختلف اجتماعات و مجالس میں اس بنا پر سیرت نبوی کو سرفہرست رکھیں کہ یہ محض ایک کمری متاع ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہی اللہ کی طرف واپسی کی راہ ہے۔ اور اسی میں لوگوں کی اصلاح و فلاح ہے۔ کیونکہ یہی اخلاق و عمل کے میدان میں اللہ عزوجل کی کتاب قرآن مجید کی ترجمانی کا علمی اسلوب ہے، جس کے نتیجہ میں مومن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کا تابع فرمان بن جاتا ہے۔ اور اسے انسانی زندگی کے جملہ معاملات میں حکم بنا لیتا ہے۔

یہ کتاب "الرحیق المختوم" اپنے فاضل مؤلف شیخ صفی الرحمن مبارک پوری کی ایک خوشگوار گوشتش اور قابل قدر کارنامہ ہے جسے موصوف نے رابطہ عالم اسلامی کے منعقد کردہ مقابلہ سیرت نویسی ۱۳۹۶ھ کی دعوت عام پر لیکر کہتے ہوئے انجام دیا۔ اور پہلے انعام سے سرفراز ہوئے۔ جس کی تفصیل رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری جنرل مرحوم فضیلۃ الشیخ محمد علی الحکران تفعده اللہ برحمته و جزاء عناخیر الجزاء کے مقدمہ طبع اول میں مذکور ہے۔

اس کتاب کو لوگوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور یہ ان کی مدح و ستائش کا مرکز بن گئی۔ چنانچہ پہلے ایڈیشن کے کل کے کل (دس ہزار) نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور اس کے بعد جناب محترم ح—ح (حسان جموی حفظہ اللہ) نے ازراہ کرم مزید پانچ ہزار نسخے نسخوں کی طباعت کا بیڑہ اٹھایا۔ و جزاء اللہ خیر الجزاء۔

اس موقع پر محترم موصوف ح—ح نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس تیسرے ایڈیشن کا ویباچہ لکھ دوں۔ چنانچہ ان کی خواہش کے احترام میں نے یہ مختصر سا ویباچہ قلم بند کر دیا۔ مولیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو اپنے رُخ کریم کے لیے خالص بناتے۔ اور اس سے مسلمانوں کو ایسا نفع پہنچاتے کہ ان کی موجودہ خستہ حالی بہتری میں تبدیل ہو جائے۔ اُمتِ محمدیہ کو اس کا گم گشتہ مجدد و شرف

اور اقوامِ عالم کی قیادت کا مقام بلند واپس مل جائے۔ اور وہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی عملی تصویر بن جائے
 کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
 وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ○

تم خیر امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ بُرائی سے روکتے ہو۔
 اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وصلی اللہ علی المبعوث رحمة للعالمین، رسول الہدی و مرشد الانسانیة
 الی طریق النجاة والفلاح، وعلی الہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین۔

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیبت

سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ

معالی شیخ محمد علی الحریکان سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

الحمد لله رب العلمین ، خالق السموت والارض وجاعل الظلمات والنور، وصلى الله على سيدنا محمد خاتم الأنبياء والرسل أجمعين ، بشر وانذر، ووعد وأوعد ، أنقذ الله به البشر من الضلالة ، وهدى الناس إلى الصراط المستقيم، صراط الله الذي له ما في السموت وما في الارض، الا الى الله تصير الامور- وبعد:

چونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مقام شفاعت اور درجہ بلند عطا فرمایا ہے۔ اور آپ سے ہم مسلمانوں کو محبت کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اور آپ کی پیروی کو اپنی محبت کی نشانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
یعنی اے پیغمبر کہہ دو! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو تمہارے لیے بخش دے گا۔

اس لیے یہ بھی ایک سبب ہے جو دلوں کو آپ کا گرویدہ و وارث بنا کر ان اسباب ذرائع کی جستجو میں ڈال دیتا ہے جو آپ کے ساتھ تعلق خاطر کو پختہ تر کر دیں۔ چنانچہ طلوع اسلام ہی سے مسلمان آپ کے محاسن کے اظہار اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی نشر و اشاعت میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ نام ہے آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور اخلاق کریمانہ کا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی قرآن کریم ہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا اور معلوم ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے کلمات تامہ کا نام ہے۔ لہذا جس ذات گرامی کا یہ وصف ہے وہ یقیناً سارے انسانوں سے بہتر اور کامل ہے۔ اور ساری خلق خدا کی محبت کی سب سے زیادہ حقدار ہے۔

یہ گراں مایہ محبت ہمیشہ مسلمانوں کا سرمایہ دل و جان رہی۔ اور اسی کے افق سے سیرت نبویہ شریفہ کی پہلی کانفرنس کا نور پھوٹا۔ یہ کانفرنس ۱۳۹۶ھ میں پاکستان کی سرزمین پر منعقد ہوئی۔ اور رابطہ نے اس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ذیل کی شرائط پر پورے اترنے والے سیرت کے پانچ سب سے عمدہ مقالات پر ڈیڑھ لاکھ سعودی ریال کے مالی انعامات دیتے جائیں گے۔ شرائط یہ ہیں۔

(۱) مقالہ مکمل ہو۔ اور اس میں تاریخی واقعات زمانہ وقوع کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کئے گئے ہوں۔

(۲) مقالہ عمدہ ہو۔ اور اس سے پہلے شائع نہ کیا گیا ہو۔

(۳) مقالے کی تیاری میں جن مخطوطات اور علمی ماخذ پر اعتماد کیا گیا ہو ان سب کے حوالے مکمل دیتے گئے ہوں۔

(۴) مقالہ نگار اپنی زندگی کے مکمل اور مفصل حالات قلم بند کرے۔ اور اپنی علمی اسناد اور اپنی تالیفات کا۔ اگر ہوں تو۔ ذکر کرے۔

(۵) مقالے کا خط صاف اور واضح ہو۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ ٹائپ کیا ہوا ہو۔

(۶) مقالے عربی اور دوسری زندہ زبانوں میں قبول کئے جائیں گے۔

(۷) یکم ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ سے مقالات کی وصولی شروع کی جائے گی۔ اور یکم محرم ۱۳۹۷ھ کو ختم کر دی جائے گی۔

(۸) مقالات رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے میگزین ٹریٹ کو مہربند لگانے کے اندر پیش کئے جائیں۔ رابطہ ان پر اپنا ایک خاص نمبر شمار ڈالے گا۔

(۹) اکابر علماء کی ایک اعلیٰ کمیٹی تمام مقالات کی چھان بین اور جانچ پڑتال کرے گی۔

رابطہ کا یہ اعلان محبت نبوی سے سرشار اہل علم کے لیے ہمیشہ ثابت ہوا۔ اور انہوں نے اس مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ادھر رابطہ عالم اسلامی بھی عربی، انگریزی، اردو اور دیگر زبانوں میں مقالات کی وصولی اور استقبال کے لیے تیار تھا۔

پھر ہمارے محترم بھائیوں نے مختلف زبانوں میں مقالات بھیجنے شروع کئے۔ جن کی تعداد ۱۷۱ تک جا پہنچی۔ ان میں ۸۴ مقالے عربی زبان میں تھے، ۶۴ اردو میں، ۲۱ انگریزی میں، ایک فرانسیسی میں اور ایک ہوسا زبان میں۔

رابطہ نے ان مقالات کو جانچنے اور استحقاق انعام کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کرنے کیلئے کبار علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اور انعام پانے والوں کی ترتیب یہ رہی۔

- ۱۔ پہلا انعام۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری، جامعہ سلفیہ، ہند۔ پچاس ہزار سعودی ریال۔
 - ۲۔ دوسرا انعام۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں، جامعہ طیبہ اسلامیہ، نئی دہلی، ہند۔ چالیس ہزار سعودی ریال۔
 - ۳۔ تیسرا انعام۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، صدر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور پاکستان۔ تیس ہزار سعودی ریال۔
 - ۴۔ چوتھا انعام۔ استاد حامد محمود، محمد منصور لیموڈ مصر۔ بیس ہزار سعودی ریال۔
 - ۵۔ پانچواں انعام۔ استاد عبدالسلام ہاشم حافظ، مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ: دس ہزار سعودی ریال۔
- رابطہ نے ان کامیاب افراد کے ناموں کا اعلان، ماہ شعبان ۱۳۹۸ھ میں کراچی (پاکستان) کے اندر منعقد پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس میں کیا۔ اور اشاعت کے لیے تمام اخبارات کو اس کی اطلاع بھیج دی۔

پھر تقسیم انعامات کے لیے رابطہ نے مکہ مکرمہ میں اپنے مستقر پر امیر سعود بن عبدالرحمن بن عبدالعزیز کی سرپرستی میں سنیچر ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ کی صبح ایک بڑی تقریب منعقد کی۔ امیر سعود مکہ مکرمہ کے گورنر امیر فواز بن عبدالعزیز کے سیکرٹری ہیں۔ اور اس تقریب میں ان کے نائب کی حیثیت سے موصوف نے انعامات تقسیم کیے۔

اس موقع پر رابطہ کے سیکرٹریٹ کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا گیا کہ ان کامیاب مقالات کو مختلف زبانوں میں طبع کر کے تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کو رو بہ عمل لاتے ہوئے شیخ صفی الرحمن مبارکپوری جامعہ سلفیہ ہند کا (عربی) مقالہ سب سے پہلے طبع کر کے قاہرہ میں پیش کیا گیا۔ کیونکہ موصوف ہی نے پہلا انعام حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد بقیہ مقالے بھی ترتیب وار طبع کیے جائیں گے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال اپنے لیے خالص بنائے۔ اور انہیں شرف قبولیت سے نوازے۔ یقیناً وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔ وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

محمد علی المرکان

سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

مکہ مکرمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه - اما بعد
 یہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ (مارچ ۱۹۷۶ء) کی بات ہے کہ کراچی میں عالم اسلام کی پہلی سیرت کانفرنس
 ہوئی جس میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کانفرنس کے اختتام پر ساری دنیا
 کے اہل قلم کو دعوت دی کہ وہ سیرت نبوی کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی زندہ زبان میں مقالے لکھیں۔ پہلی
 دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علی الترتیب پچاس، چالیس، تیس
 بیس اور دس ہزار ریال کے انعامات دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان رابطہ کے سرکاری ترجمان اخبار العالم
 الاسلامی کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا۔ لیکن مجھے اس تجویز اور اعلان کا بروقت علم نہ ہوسکا۔

کچھ دنوں بعد جب میں بنارس سے اپنے وطن مبارکپور گیا تو میرے پھوپھا زاد بھائی اور محترم
 استاد مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ (ابن شیخ الحدیث مولانا عبدالشہید صاحب رحمانی
 حفظہ اللہ) نے مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اور زور دیا کہ میں بھی اس مقابلے میں حصہ لوں۔ میں نے اپنی علمی کم
 مائیگی اور ناتجربہ کاری کا غدر کیا۔ مگر مولانا مصر رہے۔ اور بار بار کی معذرت پر فرمایا کہ میرا مقصود یہ نہیں ہے
 کہ انعام حاصل ہو۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اسی "بہانے" ایک کام ہو جائے۔ میں نے ان کے اصرار مسلسل
 پر خاموشی تو اختیار کر لی۔ لیکن نیت یہی تھی کہ اس مقابلے میں حصہ نہیں لوں گا۔

چند دن بعد جمعیت اہل حدیث ہند کے آرگن اور نقیب پندرہ روزہ ترجمان دہلی میں رابطہ کی اس
 تجویز اور اعلان کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو میرے لیے ایک عجیب صورت حال پیدا ہو گئی۔ جامعہ سلفیہ کے
 متوسط اور منتہی طلبہ میں سے عموماً جس کسی سے سامنا ہوتا وہ مجھے اس مقابلے میں شرکت کا مشورہ دیتا۔
 خیال ہوا کہ شاید "خلق کی یہ زبان" خدا کا تقارہ ہے۔ تاہم مقابلے میں حصہ نہ لینے کے اپنے قلبی فیصلے پر میں
 قریب قریب اٹل رہا۔ کچھ دنوں بعد طلبہ کے "مشورے" اور تقاضے "بھی تقریباً ختم ہی ہو گئے۔ مگر چند
 ایک طالب علم اپنے تقاضے پر قائم رہے۔ بعض نے مقالے کے تصنیفی خاکے کو موضوع گفتگو بنا رکھا تھا۔
 اور بعض بعض کی ترغیب اصرار کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ بالآخر میں خاصی ہچکچاہٹ کے ساتھ آمادہ ہو گیا۔
 کام شروع کیا۔ لیکن تھوڑا تھوڑا کبھی کبھی اور آہستہ خرامی کے ساتھ۔ چنانچہ ابھی بالکل ابتدائی مرحلے

ہی میں تھا کہ رمضان کی تعطیل کلاں کا وقت آگیا۔ ادھر رابطہ نے آنے والے محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو مقالات کی وصولی کی آخری تاریخ قرار دیا تھا۔ اس طرح مہلت کار کے کوئی ساڑھے پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ اور اب زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین ماہ میں مقالہ مکمل کر کے حوالہ ڈاک کر دینا ضروری تھا۔ تاکہ وقت پر پہنچ جائے۔ اور ادھر ابھی سارا کام باقی تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس مختصر عرصے میں ترتیب و تسوید، نظر ثانی اور نقل و صفائی کا کام ہو سکے گا۔ مگر اصرار کرنے والوں نے چلتے چلتے تاکید کی کہ کسی طرح کی غفلت یا تذبذب کے بغیر کام میں جُت جاؤں۔ رمضان بعد سہارا دیا جائے گا۔ میں نے بھی فرصت کی با غنیمت سمجھی۔ اٹھبیس ستمبر کو مہینہ لگائی۔ اور کدو کاوش کے بھر بیکراں میں کود پڑا۔ پوری تعطیل سہانے خواب کے چند لمحوں کی طرح گذر گئی۔ اور جب یہ حضرات واپس پلٹے تو مقالے کا دو تہائی حصہ مرتب ہو چکا تھا۔ چونکہ نظر ثانی اور تنقیض کا موقع نہ تھا اس لیے اصل مسودہ ہی ان حضرات کے حوالے کر دیا کہ نقل و صفائی اور تقابل کا کام کر ڈالیں۔ باقی ماندہ حصے کے کچھ دیگر لوازمات کی فراہمی و تیاری میں بھی ان سے کسی قدر تعاون لیا۔ جامعہ کی ڈیوٹی اور سہما ہی شروع ہو چکی تھی۔ اس لیے زمانہ تعطیل کی رفتار برقرار رکھنی ممکن نہ تھی۔ تاہم ڈیڑھ ماہ بعد جب عید اضحیٰ کی تعطیل کا وقت آیا تو شب بیداری کی ”برکت“ سے مقالہ تیاری کے آخری مرحلے میں تھا۔ جسے سرگرمی کی ایک جست نے تمام و کمال کو پہنچا دیا۔ اور میں نے آغاز محرم سے بارہ تیرہ دن پہلے یہ مقالہ حوالہ ڈاک کر دیا۔

مہینوں بعد مجھے رابطہ کے دو جسر ڈکٹوب ہفتہ عشرہ آگے پیچھے موصول ہوئے۔ خلاصہ یہ تھا کہ میرا مقالہ، رابطہ کے مقررہ شرائط کے مطابق ہے۔ اس لیے شریک مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد دن پر دن گزرتے گئے۔ حتیٰ کہ ڈیڑھ سال کا عرصہ بیت گیا، مگر رابطہ مہربان ہے۔ میں نے دوبارہ خط لکھ کر معلوم کرنا بھی چاہا کہ اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے تو مہر سکوت نہ ٹوٹی۔ پھر میں خود بھی اپنے مشاغل اور مسائل میں الجھ کر یہ بات تقریباً فراموش کر گیا کہ میں نے کسی مقابلہ میں حصہ لیا ہے۔

اوائل شعبان ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۶ء/۷ جولائی ۱۹۷۶ء) کو کراچی (پاکستان) میں پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ مجھے اس کی کارروائیوں سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اس سے متعلق اخبار کے گوشوں میں دبی ہوئی خبریں بھی ڈھونڈھ کر پڑھتا تھا۔ ایک روز بھدوہی اسٹیشن پر ٹرین کے انتظار میں۔ جولیت تھی۔ اخبار دیکھنے بیٹھ گیا۔ اچانک ایک چھوٹی سی خبر پر نظر پڑی کہ اس کانفرنس کے کسی اجلاس کے اندر رابطہ نے سیرت نگاری کے مقابلے میں کامیاب ہونے والے پانچ ناموں کا اعلان کر دیا ہے۔ اور ان میں ایک مقالہ نگار ہندوستانی

بھی ہے۔ یہ خبر پڑھ کر اندر ہی اندر طلبہ جستجو کا ایک ہنگامہ محشر بپا ہو گیا۔ بنارس واپس آ کر تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کی، مگر لا حاصل۔

۱۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو چاشت کے وقت — پوری رات مناظرہ بھر ڈیبہ کے شرائط طے کرنے کے بعد بے خبر سو رہا تھا کہ اچانک حجرے سے متصل سیڑھیوں پر طلبہ کا شور و ہنگامہ سُنانی پڑا۔ اور آنکھ کھل گئی۔ اتنے میں طلبہ کا ریلا حجرے کے اندر تھا۔ ان کے چہروں پر بے پناہ مسرت کے آثار اور زبانوں پر مبارکبادی کے کلمات تھے۔

”کیا ہوا؟ کیا مخالف مناظر نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا؟“ میں نے لیٹے ہی لیٹے سوال کیا۔

”نہیں۔ بلکہ آپ سیرت نگاری کے مقابلے میں اول آگئے۔“

”اللہ! تیرا شکر ہے۔“ آپ حضرات کو اس کا علم کیسے ہوا؟ میں اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

”مولوی عزیز! تمس یہ خبر لائے ہیں۔“

”مولوی عزیز یہاں آپکے ہیں؟“

”جی ہاں۔“

اور چند لمحوں بعد مولوی عزیز مجھے تفصیلات سُنا رہے تھے۔

پھر ۲۲ شعبان ۱۳۹۸ھ (۲۹ جولائی ۱۹۷۸ء) کو رابطہ کاربٹر ڈمکتوب وارد ہوا جس میں کامیابی کی اطلاع کے ساتھ یہ مُژدہ بھی رقم تھا کہ ماہ محرم ۱۳۹۹ھ میں مکہ مکرمہ کے اندر رابطہ کے مستقر پر تقسیم انعامات کے لیے ایک تقریب منعقد کی جائے گی۔ اور اس میں مجھے شرکت کرنی ہے یہ تقریب محرم کے بجائے ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۹۹ھ کو منعقد ہوئی۔

اس تقریب کی بدولت مجھے پہلی بار حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۰ ربیع الآخر یوم جمعرات کو عصر سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ کی پُر نور فضاؤں میں داخل ہوا۔ تیسرے دن ۸ بجے رابطہ کے مستقر پر حاضری کا حکم تھا۔ یہاں ضروری کارروائیوں کے بعد تقریباً دس بجے تلاوت قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ سعودی عدلیہ کے چیف جسٹس شیخ عبداللہ بن جمیل صدر مجلس تھے۔ مکہ کے نائب گورنر امیر سعود بن عبدالرحمن۔ جو مرحوم ملک عبدالعزیز کے پوتے ہیں۔ تقسیم انعامات کے لیے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مختصر سی تقریر کی۔ ان کے بعد رابطہ کے نائب سیکرٹری جنرل شیخ علی المنہار نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے قدرے تفصیل سے بتایا کہ یہ انعامی مقابلہ کیوں منعقد کرایا گیا۔ اور فیصلے کے لیے کیا طریقہ کار اپنایا گیا۔ انہوں نے وضاحت

فرمائی کہ رابطہ کو اعلان مقابلہ کے بعد ایک ہزار سے زائد (یعنی ۱۱۸۲) مقالات موصول ہوئے جن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ابتدائی کمیٹی نے ایک سو تراسی (۱۸۳) مقالات کو مقابلے کے لیے منتخب کیا۔ اور آخری فیصلے کے لیے انہیں وزیر تعلیم شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ کی سرکردگی میں قائم ماہرین کی ایک آٹھ رکنی کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ کمیٹی کے یہ آٹھوں ارکان ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی شاخ کلیتہ التشریح (اور اب جامعہ اُم القری) مکہ مکرمہ کے استاد اور سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام کے ماہر اور متخصص ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :

ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط	ڈاکٹر احمد سید دراج
ڈاکٹر عبدالرحمن فہمی محمد	ڈاکٹر فائق بکر صوات
ڈاکٹر محمد سعید صدیقی	ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم
ڈاکٹر فکری احمد عکاز	ڈاکٹر عبدالفتاح منصور

ان اساتذہ نے مسلسل چھان بین کے بعد متفقہ طور پر پانچ مقالات کو ذیل کی ترتیب کے ساتھ انعام کا مستحق قرار دیا۔

- ۱۔ الرقیق المختوم (عربی) تالیف صفی الرحمن مبارکپوری جامعہ سلفیہ، بنارس، ہند (اول)
 - ۲۔ خاتم النبیین ﷺ (انگریزی) تالیف ڈاکٹر ماجد علی خاں جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ہند (دوم)
 - ۳۔ پیغمبر اعظم و آخر (اردو) تالیف ڈاکٹر نصیر احمد ناصر و انس چانسلر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور پاکستان (سوم)
 - ۴۔ منشی النقول فی سیرۃ اعظم رسول (عربی) تالیف شیخ حامد محمود بن محمد منصور لہمود، جیزہ مصر (چہارم)
 - ۵۔ سیرۃ نبی الہدی والرحمۃ (عربی) استاد عبدالسلام ہاشم حافظہ مدینہ منورہ، مملکت سعودیہ عربیہ (پنجم)
- نائب سیکرٹری جنرل محترم شیخ علی المختار نے ان توضیحات کے بعد حوصلہ افزائی، مبارکباد، اور دعائیہ کلمات پر اپنی تقریر ختم کر دی۔

اس کے بعد مجھے اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ میں نے اپنی مختصر سی تقریر میں رابطہ کو ہندوستان کے اندر دعوت و تبلیغ کے بعض ضروری اور متروک گوشوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس کے متوقع اثرات و نتائج پر روشنی ڈالی۔ رابطہ کی طرف سے اس کا حوصلہ افزا جواب دیا گیا۔

اس کے بعد امیر محترم سعود بن عبدالحسن نے ترتیب وار پانچوں انعامات تقسیم فرمائے۔ اور تلاوت قرآن مجید

پر تقریب کا اختتام ہو گیا۔

۱۰ اربعہ الآخریوم جمعرات کو ہمارے قافلے کا رخ مدینہ منورہ کی طرف تھا۔ راستے میں بڑی تاریخی رزمگاہ کا مختصر مشاہدہ کر کے آگے بڑھے تو عصر سے کچھ پہلے حرم نبوی کے در و بام کا جلال و جمال نگاہوں کے سامنے تھا۔ چند دن بعد ایک صبح خیر بھی گئے۔ اور وہاں کا تاریخی قلعہ اندر و باہر سے دیکھا پھر کچھ تفریح کر کے سر شام مدینہ منورہ کو واپس ہوئے۔ اور پونچھ آخراً الزماں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ کی اس جلوہ گاہ، جبریل امین کے اس مہبط، قدوسیوں کی اس فرود گاہ اور اسلام کے اس مرکز انقلاب میں دو ہفتے گزار کر طائر شوق نے پھر حرم کعبہ کی راہ لی۔ یہاں طواف سعی کے ہنگامے میں مزید ایک ہفتہ گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ عزیزوں دوستوں، بزرگوں اور علماء و مشائخ نے کیا ملکہ، کیا مدینہ، ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یوں میرے خوابوں اور آرزوں کی سر زمین حجاز مقدس کے اندر ایک ماہ کا عرصہ چشم زدن میں گزر گیا۔ اور میں پھر صنم کدہ ہند میں واپس آ گیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیرندیدیم و بہار آخر شد
حجاز سے واپس ہوا تو ہندوستان و پاکستان کے اردو خواں طبقے کی طرف سے کتاب کو اردو جان پہنانے کا تقاضا شروع ہو گیا۔ جو کئی برس گذر جانے کے باوجود برابر قائم رہا۔ ادھر نئی نئی مصروفیات اس قدر دامنگیر ہوتی گئیں کہ ترجمہ کے لیے فرصت کے لمحات میسر ہوتے نظر نہ آئے۔ بالآخر مشاغل کے اسی ہجوم میں ترجمہ شروع کر دیا گیا۔ اور اللہ کا بے پایاں شکر ہے کہ چند ماہ کی جزوی کوشش سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا
وَلِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔

اخیر میں میں ان تمام بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کا شکر یہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کام میں کسی بھی طرح مجھ سے تعاون کیا۔ خصوصاً استاد محترم مولانا عبدالرحمان صاحب رحمانی، اور عزیزان گرامی شیخ عزیز صاحب اور حافظ محمد الیاس صاحب فاضلان مدینہ یونیورسٹی کا کہ ان کے مشورے اور ہمت افزائی نے مجھے وقت مقررہ پر اس مقالے کی تیاری میں بڑی مدد پہنچائی۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے۔ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ کتاب کو شرف و تبول بخشے اور مولف و معادین اور مستفیدین کے لیے فلاح و نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اپنی سرگزشت

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد الاولين والآخرين
محمد خاتم النبیین ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، أما بعد :

چونکہ رابطہ عالم اسلامی نے سیرت نویسی کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے
حالات زندگی بھی قلم بند کریں۔ اس لیے ذیل کی سطور میں اپنی سادہ زندگی کے چند خاکے پیش کر رہا ہوں۔
سلسلہ نسب | صنفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبر بن محمد علی بن عبدالمومن بن فقیر اللہ مبارک پوری اعظمی۔

تاریخ | سند میں میری تاریخ پیدائش ۶ جون ۱۹۲۳ء درج ہے۔ مگر یہ تخمینہ اندراج ہے۔ تحقیق سے
پیدائش | معلوم ہوا ہے کہ پیدائش ۱۹۲۲ء کے وسط کی ہے۔ مقام پیدائش موضع حسین آباد ہے
جو مبارکپور کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کا ایک
معروف علمی اور صنعتی قصبہ ہے۔

تعلیم | میں نے بچپن میں قرآن مجید کا کچھ حصہ اپنے دادا اور چچا سے پڑھا۔ پھر ۱۹۳۸ء میں مدرسہ
دارالتعلیم مبارکپور میں داخل ہوا۔ وہاں چھ سال رہ کر پرائمری درجات اور ڈل کورس کی تعلیم
مکمل کی۔ قدرے فارسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جون ۱۹۵۲ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوا
اور وہاں عربی زبان و قواعد، نحو و صرف اور بعض دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ دو سال
بعد مدرسہ فیض عام مٹو پنچا۔ اس مدرسہ کو اس علاقہ میں ایک اہم دینی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔
اور مٹو ناٹھ بھنجن، قصبہ مبارکپور سے ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

فیض عام میں میرا داخلہ مئی ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ میں نے وہاں پانچ سال گزارے۔ اور عربی زبان و
قواعد اور شرعی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔
جنوری ۱۹۶۱ء میں میری تعلیم مکمل ہو گئی۔ اور مجھے باقاعدہ شہادۃ التخریج (یعنی سند تکمیل) دیدی گئی۔ یہ
سند فضیلت فی الشریعہ اور فضیلت فی العلوم کی سند ہے۔ اور تدریس و افتاء کی اجازت پر مشتمل ہے۔
میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمام امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل ہوتی رہی۔

دورانِ تعلیم، میں نے الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کی۔ فروری ۱۹۵۹ء میں مولوی اور فروری ۱۹۶۶ء میں عالم کے امتحانات دیئے۔ اور دونوں میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد مدرسین سے متعلق جدید حالات کے پیش نظر میں نے فروری ۱۹۷۶ء میں فاضل ادب (اور فروری ۱۹۷۶ء میں فاضل دینیات) کا امتحان دیا۔ اور پھر اللہ (دونوں میں) فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔

۱۹۶۱ء میں مدرسہ فیض عام سے فارغ ہو کر میں نے ضلع الہ آباد پھر شہر کارگاہِ علم ویتا میں ناگپور میں درس و تدریس اور تقریر و خطابت کا شغل اختیار کیا۔ دو سال بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں مادر علمی مدرسہ فیض عام کے ناظم اعلیٰ نے مجھے تدریس کے کام پر مدعو کر لیا لیکن میں نے وہاں مشکل دو سال گزارے تھے کہ حالات نے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ اگلا سال "جامعۃ الرشاد" اعظم گڑھ کی نذر ہوا۔ اور فروری ۱۹۶۶ء سے مدرسہ دارالحدیث موٹی دعوت پر وہاں مدرس ہو گیا۔ تین سال یہاں گزارے۔ اور تدریس کے علاوہ بحیثیت نائب صدر مدرس تعلیمی امور اور داخلی انتظامات کی نگہداشت میں بھی شریک رہا۔

آخری ایام میں مدرسہ کی انتظامیہ کے درمیان اتنے سخت اختلافات برپا ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا مدرسہ بند ہو جائے گا۔ ان اختلافات سے بدل ہو کر میں نے عین عید کے روز استعفا دیدیا۔ اور چند دن بعد مدرسہ دارالحدیث سے مستعفی ہو کر مدرسہ فیض العلوم سیونی کی خدمت پر جا مورا ہوا۔ جو متوناتھ بھنجن سے کوئی سات سو کیلومیٹر دور مدھیہ پردیش میں واقع ہے۔

سیونی میں میری تقرری جنوری ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔ میں نے وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ صدر مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام داخلی و خارجی انتظامات کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور جمعہ کا خطبہ دینا اور گرد و پیش کے دیہاتوں میں جا جا کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا بھی اپنے معمولات میں شامل کیا

میں نے سیونی میں چار سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ۱۹۷۲ء کے اخیر میں سالانہ تعطیل پر وطن واپس آیا تو مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کے اراکین نے یہاں کے تعلیمی انتظامات سنبھالنے اور تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے حد درجہ اصرار کیا۔ اور مجھے یہ پیش کش قبول کرنی پڑی۔ اب میں نے اپنی اولین مادر علمی کے اندر نئی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ دو سال بعد جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ نے

مدرسہ دارالتعلیم کے سرپرست سے گفتگو کی کہ مجھے جامعہ سلفیہ منتقل کر دیں۔ جامعہ کی خیر خواہی اور دیرینہ روابط کے پیش نظر بات طے ہو گئی۔ اور میں اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جامعہ سلفیہ آ گیا۔ جب سے یہیں کام کر رہا ہوں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے اس طویل عرصے میں درس و تدریس کے پہلو بہ پہلو تالیفات و تصنیف کا بھی کچھ نہ کچھ شغل جاری رکھا۔ چنانچہ مختلف مضامین و مقالات کے علاوہ اب تک آٹھ عدد (بلکہ اب کوئی بیس عدد) کتابوں اور رسائل کی تالیف یا ترجمے کا کام بھی ہو چکا ہے، جو یہ ہیں۔

- ① شرح اذہار العرب (عربی)، اذہار العرب علامہ محمد سورتیؒ کا جمع کردہ نفیس عربی اشعار کا ایک منتخب اور ممتاز مجموعہ ہے۔ شرح ۱۹۶۲ء میں لکھی گئی، مگر قدرے ناقص رہی۔ اور طبع نہیں کرائی جا سکی۔
- ② المصابیح فی مسالۃ التراویح للشیوٹی کا اردو ترجمہ (۱۹۶۳ء) چند بار طبع ہو چکا ہے۔
- ③ ترجمہ الکلم الطیب لابن تیمیہ (۱۹۶۶ء) غیر مطبوع۔
- ④ ترجمہ توضیح کتاب الاربعین للسنووی (۱۹۶۹ء) غیر مطبوع۔
- ⑤ صحف یہود و نصاریٰ میں محمد ﷺ کے متعلق بشارتیں (اردو، ۱۹۶۵ء) غیر مطبوع۔
- ⑥ تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (۱۹۶۲ء) یہ کتاب تین بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ اصلاً محکمہ شرعیہ قطر کے قاضی شیخ احمد بن حجر کی عربی تالیف کا ترجمہ ہے۔ لیکن اس میں کسی قدر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔
- ⑦ تاریخ آل سعود (اردو، ۱۹۶۲ء) تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔
- ⑧ اشعار الکرام تعلیق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی) ۱۹۶۴ء مطبوع۔
- ⑨ قادیانیت اپنے آئینہ میں (اردو، ۱۹۶۶ء) مطبوع۔
- ⑩ فقہ قادیانیت اور مولانا شامیؒ کی تفسیر (اردو، ۱۹۶۶ء) مطبوع۔
- ⑪ پیش نظر کتاب جو رابطہ عالم اسلامی میں پیش کرنے کے لیے تالیف کی گئی (اور اس کے بعد مزید چند رسالے سپرد قلم کیے گئے جو یہ ہیں۔
- ⑫ انکار حدیث کیوں؟ (اردو، ۱۹۶۶ء) مطبوع
- ⑬ انکار حدیث حق یا باطل (اردو، ۱۹۶۶ء) مطبوع
- ⑭ رزم حق و باطل (مناظرہ بجز ڈیبہ کی روداد، ۱۹۶۸ء) مطبوع

- ۱۵) ابراز الحق و الصواب فی مسألة السفور و الحجاب (عربی ۱۹۶۸ء) پورے سے متعلق علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہالی کراچی حفظہ اللہ کی رائے پر نقد ہے۔ اور مجلہ الجامعة السلفیہ میں قسط وار شائع ہوا ہے۔
- ۱۶) تطور الشعوب و الديانات فی الهند و مجال الدعوة الاسلامیة فیہا (عربی ۱۹۶۹ء) چند قسطیں مجلہ الجامعة السلفیہ میں شائع ہو چکی ہیں۔
- ۱۷) الفرقۃ التاجیہ و الفرق الاسلامیة الأخری (عربی ۱۹۸۲ء) غیر مطبوع
- ۱۸) اسلام اور عدم تشدد (اردو ۱۹۸۲ء) مطبوع
- ۱۹) بہجۃ النظر فی مصطلح اہل الاثر (عربی) مطبوع
- ۲۰) اہل تصوف کی کارستانیاں (اردو ۱۹۸۶ء) مطبوع
- ۲۱) الاحزاب السیاسیة فی الاسلام (عربی ۱۹۸۶ء) زیر طبع
- علاوہ انہیں ماہنامہ ”محدث“ بنارس کی (اسکے پورے زمانہ اشاعت میں یعنی ۱۹۴۴ برس تک) ایڈیٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔

واللہ العوفق و ازمۃ الامور کلہا بیدہ۔ ربنا تقبلہ منا بقبول حسن و انبئہ بنا قاسنا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله فجعله شاهداً ومبشراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، وجعل فيه أسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً، اللهم صل وسلم وبارك عليه وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين و فجر لهم ينابيع الرحمة والرضوان تفجيرا - أما بعد :

یہ بڑی مسرت اور شادمانی کی بات ہے کہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ میں پاکستان کے اندر منعقدہ

سیرت کانفرنس کے اختتام پر رابطہ عالم اسلامی نے سیرت کے موضوع پر مقالہ نویسی کا ایک عالمی مقابلہ منعقد کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل قلم میں ایک طرح کی امنگ اور ان کی فکری کاوشوں میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا ہو۔ میرے خیال میں یہ بڑا مبارک قدم ہے۔ کیونکہ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت سیرت نبوی اور اسوۂ محمدی ہی وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بے شمار درود و سلام ہو۔

پھر یہ میری سعادت و خوش بختی ہوگی کہ میں بھی اس مبارک مقابلے میں شرکت کروں۔ لیکن میری بساط ہی کیا ہے کہ میں سید الاولین والآخرین ﷺ کی حیات مبارکہ پر روشنی ڈال سکوں۔ میں تو اپنی ساری خوش بختی و کامرانی اسی میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ ﷺ کے انوار کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے۔ تاکہ میں تاریکیوں میں بھٹک کر ہلاک ہونے کے بجائے آپ ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے آپ کی روشن شاہراہ پر چلتا ہوا زندگی گزاروں۔ اور اسی راہ میں میری موت بھی آئے۔ اور پھر آپ ﷺ کی شفاعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں پر قلم عفو پھیر دے۔

ایک چھوٹی سی بات اپنی اس کتاب کے اندازِ تحریر کے متعلق بھی عرض کرنے کی ضرورت

محسوس کر رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے کتاب لکھنے سے پہلے ہی یہ بات طے کر لی تھی کہ اسے بارِ خاطر بن جانے والے طول اور ادائیگی مقصود سے قاصر رہ جانے والے اختصار دونوں سے بچتے ہوئے متوسط درجے کی ضخامت میں مرتب کروں گا۔ لیکن جب کتب سیرت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ واقعات کی ترتیب اور جزئیات کی تفصیل میں بڑا اختلاف ہے۔ اس لیے میں نئے فیصلہ کیا کہ جہاں جہاں ایسی صورت پیش آئے وہاں بحث کے ہر پہلو پر نظر دوڑا کر اور بھرپور تحقیق کر کے جو نتیجہ اخذ کروں اسے اصل کتاب میں درج کر دوں۔ اور دلائل و شواہد کی تفصیلات اور ترجیح کے اسباب کا ذکر نہ کروں۔ ورنہ کتاب غیر مطلوب حد تک طویل ہو جائے گی۔ البتہ جہاں یہ اندیشہ ہو کہ میری تحقیق قارئین کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث بنے گی، یا جن واقعات کے سلسلے میں عام اہل قلم نے کوئی ایسی تصویر پیش کی ہو جو میرے نقطہ نظر سے صحیح نہ ہو وہاں دلائل کی طرف بھی اشارہ کر دوں۔

یا اللہ! میرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی مقدر فرما۔ تو لقیبتاً غفور و ودود ہے۔ عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے۔

صفی الرحمن مبارکپوری

جامعہ سلفیہ
بنارس، ہند

جمعة المبارک
۲۳ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۹۶ء

عرب — محل وقوع اور قومیں

سیرت نبوی درحقیقت اس پیغامِ ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے انسانی جمعیت کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جس کے ذریعے انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں اور بندوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کر دیا تھا۔ چونکہ اس سیرتِ طیبہ کی مکمل صورت گری ممکن نہیں جب تک کہ اس پیغامِ ربانی کے نزول سے پہلے کے حالات اور بعد کے حالات کا تقابل نہ کیا جائے اس لیے اصل بحث سے پہلے پیش نظر باب میں اسلام سے پہلے کی عرب اقوام اور ان کے نشوونما کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان حالات کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

لفظ عرب کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب و گیاہ زمین۔ عہدِ قدیم سے **عرب کا محل وقوع** یہ لفظ جزیرہ نمائے عرب اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔

عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب ہے جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ٹنک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ ان میں سے بعض سرحدوں کے متعلق اختلاف بھی ہے۔ کل رقبہ کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اندرونی طور پر یہ ہر چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جس کی بدولت یہ ایسا محفوظ قلعہ بن گیا ہے کہ بیرونی قوموں کے لیے اس پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر و نفوذ پھیلانا سخت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلب جزیرۃ العرب کے باشندے عہدِ قدیم سے اپنے جملہ معاملات میں مکمل طور پر آزاد و خود مختار نظر آتے ہیں حالانکہ یہ ایسی دو عظیم طاقتوں کے ہمسایہ تھے کہ اگر یہ ٹھوس قدرتی رکاوٹ نہ ہوتی تو ان کے حملے روک لینا باشندگانِ عرب کے بس کی بات نہ تھی۔

بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پرانی دنیا کے تمام معلوم بڑے اعظموں کے بچوں بیچ واقع ہے اور

خشکی اور سمندرو دونوں راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس کا شمال مغربی گوشہ، بڑا عظیم افریقہ میں دغلے کا دروازہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ یورپ کی کنجی ہے۔ مشرقی گوشہ ایران، وسط ایشیا اور مشرق بعید کے دروازے کھولتا ہے اور ہندوستان اور چین تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ہر بڑا عظیم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نمائے عرب سے جڑا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں پر براہ راست لنگر انداز ہوتے ہیں۔

اس جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی گوشے مختلف قوموں کی آماجگاہ اور تجارت و ثقافت اور فنون و مذاہب کے لین دین کا مرکز رہ چکے ہیں۔

مؤرخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

عرب قومیں

(۱) عرب باندہ — یعنی وہ قدیم عرب قبائل اور قومیں جو بالکل ناپید ہو گئیں اور ان کے متعلق ضروری تفصیلات بھی دستیاب نہیں۔ مثلاً عاد، ثمود، طسم، جیس، عمالقہ وغیرہ۔

(۲) عرب عاریہ — یعنی وہ عرب قبائل جو یعرب بن لثیب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

(۳) عرب شمریہ — یعنی وہ عرب قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ انہیں عدنانی عرب کہا جاتا ہے۔

عرب عاریہ یعنی قحطانی عرب کا اصل گہوارہ ملک یمن تھا۔ یہیں ان کے خاندان اور قبیلے مختلف شاخوں میں پھوٹے، پھیلے اور بڑھے۔ ان میں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

(الف) حمیر — جس کی مشہور شاخیں زید الجہور، قضاعہ اور سکابک ہیں۔

(ب) کہلان — جس کی مشہور شاخیں ہمدان، انمار، طی، مذحج، کندہ، لخم، جذام، ازد و اوس، خزرج اور اولادِ جنتہ ہیں، جنہوں نے آگے چل کر ملک شام کے اطراف میں بادشاہت قائم کی اور آل غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔

عام کہلانی قبائل نے بعد میں یمن چھوڑ دیا اور جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ان کے عمومی ترک وطن کا واقعہ سیلِ عرم سے کسی قدر پہلے اس وقت پیش آیا جب رومیوں نے

مصر و شام پر قبضہ کر کے اہل یمن کی تجارت کے بحری رستے پر اپنا تسلط جمایا، اور بڑی شاہراہ کی سہولیات غارت کر کے اپنا دباؤ اس قدر بڑھا دیا کہ کہلانیوں کی تجارت تباہ ہو کر رہ گئی۔

کچھ عجیب نہیں کہ کہلانی اور حمیری خاندانوں میں چشمک بھی رہی ہو اور یہ بھی کہلانیوں کے ترک وطن کا ایک مؤثر سبب بنی ہو۔ اس کا اشارہ اس سے بھی ملتا ہے کہ کہلانی قبائل نے تو ترک وطن کیا۔ لیکن حمیری قبائل اپنی جگہ برقرار رہے۔

جن کہلانی قبائل نے ترک وطن کیا ان کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ اُرد — انہوں نے اپنے سردار عمران بن عمرو مزقیار کے مشورے پر ترک وطن کیا۔ پہلے تو یہ یمن ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور حالات کا پتا لگانے کے لیے آگے آگے ہر اول دستوں کو بھیجتے رہے لیکن آخر کار شمال کا رخ کیا اور پھر مختلف شاخیں گھومتے گھاتے مختلف جگہ دائمی طور پر سکونت پذیر ہو گئیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اس نے اولاً حجاز کا رخ کیا اور ثعلبیہ اور ذی قار کے درمیان اقامت اختیار کی۔ ثعلبہ بن عمرو کی۔ جب اس کی اولاد بڑی ہو گئی اور خاندان مضبوط ہو گیا تو مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ اسی ثعلبہ کی نسل سے اوس اور خزرج ہیں جو ثعلبہ کے صاحبزادے حارثہ کے بیٹے ہیں۔

یعنی خزاعہ اور اس کی اولاد یہ لوگ پہلے سرزمین حجاز میں گردش کرتے ہوئے حارثہ بن عمرو مراً نظہران میں خیمہ زن ہوتے۔ پھر حرم پر دھاوا بول دیا اور بنو جزم کو نکال کر خود مکہ میں بود و باش اختیار کر لی۔

عمران بن عمرو اس نے اور اسکی اولاد نے عمان میں سکونت اختیار کی اسلیے یہ لوگ ازد عمان کہلاتے ہیں۔ نصر بن ازد اس سے تعلق رکھنے والے قبائل نے تہامہ میں قیام کیا۔ یہ لوگ ازد شنوؤۃ کہلاتے ہیں۔

اس نے مکہ شام کا رخ کیا۔ اور اپنی اولاد سمیت وہیں متوطن ہو گیا۔ یہی شخص حفصہ بن عمرو بادشاہوں کا جدِ اعلیٰ ہے۔ انہیں آلِ غُٹان اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے شام منتقل ہونے سے پہلے حجاز میں غُٹان نامی ایک چشمے پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔

۲۔ لحم و جذام — ان ہی لخمیوں میں نصر بن ربیعہ تھا جو حیرہ کے شاہان آلِ مُنذر کا جدِ اعلیٰ ہے۔

۳۔ بنو طی — اس قبیلے نے بنو اُرد کے ترک وطن کے بعد شمال کا رخ کیا اور اجاد اور سلمیٰ نامی دو پہاڑیوں کے اطراف میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا، یہاں تک کہ یہ دونوں پہاڑیاں قبیلہ طی کی نسبت مشہور ہوئیں۔

۴۔ گنڈہ — یہ لوگ پہلے بحرین — موجودہ الأحساء — میں خیمہ زن ہوتے۔ لیکن مجبوراً وہاں

سے دیکھ کر حضرت موت گئے۔ مگر وہاں بھی امان نہ ملی اور آخر کار نجد میں ڈیرے ڈالنے پڑے۔
یہاں ان لوگوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ مگر یہ حکومت پائیدار نہ ثابت ہوئی اور اس کے آثار جلد ہی ناپید ہو گئے۔

کہلان کے علاوہ حمیر کا بھی صرف ایک قبیلہ قضاہ ایسا ہے۔ اور اسکا حمیری ہونا بھی مختلف فیہ ہے۔ جس نے یمن سے ترک وطن کر کے حدود عراق میں بادیت السماوہ کے اندر بود و باش اختیار کی۔
عرب مغربہ | ان کے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اصلاً عراق کے ایک شہر اُور کے باشندے تھے۔ یہ شہر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کونے کے قریب واقع تھا۔ اس کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان سے اس شہر کے متعلق بہت سی تفصیلات منظر عام پر آئی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی بعض تفصیلات اور باشندگان ملک کے دینی اور جماعتی حالات سے بھی پردہ ہٹا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں سے ہجرت کر کے شہر حزان تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے فلسطین جا کر اسی ملک کو اپنی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا تھا اور دعوت تبلیغ کے لیے یہیں سے اندرون و بیرون ملک مصروف ہو کر تازرہا کرتے تھے۔ ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے۔ فرعون نے آپ کی بیوی حضرت سارہ کی کیفیت سنی تو ان کے بارے میں بدینت ہو گیا اور اپنے دربار میں بے ارادے سے بلایا لیکن اللہ نے حضرت سارہ کی دعا کے نتیجے میں غیبی طور پر فرعون کی ایسی گرفت کی کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے اور پھینکنے لگا۔ اس کی نیت بد اس کے منہ پر اڑی گئی اور وہ حادثے کی نوعیت سے سمجھ گیا کہ حضرت سارہ اللہ تعالیٰ کی نہایت خاص اور مقرب بندی ہیں اور وہ حضرت سارہ کی اس خصوصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو ان کی خدمت میں دے دیا۔ پھر حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔

۱۔ ان قبائل کی اور ان کے ترک وطن کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخصری ۱۱/۱-۱۳ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۱-۲۳۵۔ ترک وطن کے ان واقعات کے زمانہ اور اسباب کے تعین میں تاریخی مآخذ کے درمیان بڑا سخت اختلاف ہے۔ ہم نے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے جو بات راجح محسوس کی اسے درج کر دیا ہے۔

۲۔ مشہور ہے کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں لیکن علامہ منصور پوری نے مفصل تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد تھیں اور فرعون کی بیٹی تھیں۔ دیکھئے رحمۃ اللعالمین ۲/۲۶۶-۲۶۷۔

۳۔ ایضاً ۲/۲۴۷ واقعے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری ۱/۲۸۴۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کو ہمراہ لے کر فلسطین واپس تشریف لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک فرزند ارجمند۔ اسماعیلؑ۔ عطا فرمایا لیکن اس پر حضرت سارہ کو جو بے اولاد تھیں بڑی غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ حضرت ہاجرہ کو ان کے نوزائیدہ بچے سمیت جلا وطن کر دیں۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ انہیں حضرت سارہ کی بات ماننی پڑی اور وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو ہمراہ لے کر حجاز تشریف لے گئے اور وہاں ایک بے آب گیاہ وادی میں بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہرا دیا۔ اُس وقت بیت اللہ شریف نہ تھا۔ صرف ٹیلے کی طرح ابھری ہوئی زمین تھی۔ سیلاب آتا تھا تو دائیں بائیں سے کترا کر نکل جاتا تھا۔ وہیں مسجد حرام کے بالائی حصے میں زمزم کے پاس ایک بہت بڑا درخت تھا۔ آپ نے اسی درخت کے پاس حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑا تھا۔ اس وقت مکہ میں نہ پانی تھا نہ آدم اور آدم زاد۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے ایک توشہ دان میں کھجور اور ایک مشکیزے میں پانی رکھ دیا۔ اس کے بعد فلسطین واپس چلے گئے۔ لیکن چند ہی دن میں کھجور اور پانی ختم ہو گیا اور سخت مشکل پیش آئی مگر اس مشکل وقت پر اللہ کے فضل سے زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا اور ایک عرصہ تک کے لیے سامانِ رزق اور متاعِ حیات بن گیا۔ تفصیلات معلوم و معروف ہیں یہ

کچھ عرصے بعد من سے ایک قبیلہ آیا جسے تاریخ میں جرہم ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی مال سے اجازت لے کر مکہ میں ٹھہر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پہلے مکہ کے گرد و پیش کی وادیوں میں سکونت پذیر تھا۔ صحیح بخاری میں اتنی صراحت موجود ہے کہ رہائش کی غرض سے یہ لوگ مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور ان کے جوان ہونے سے پہلے وارد ہوئے تھے۔ لیکن اس وادی سے ان کا گذر اس سے پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے متروکات کی نگہداشت کے لیے وقتاً فوقتاً مکہ تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس طرح ان کی آمد کتنی بار ہوئی۔ البتہ تاریخی ماخذ میں چار بار ان کی آمد کی تفصیل محفوظ ہے جو یہ ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھلایا

کہ وہ اپنے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک طرح کا حکم الہی تھا اور باپ بیٹے دونوں اس حکم الہی کی تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ اور جب دونوں نے تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو اللہ نے پکارا: "اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور اللہ نے انہیں فدیے میں ایک عظیم ذبیحہ عطا فرمایا۔"

مجموعہ بائبل کی کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے اور قرآن کا سیاق بتلاتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پیش آیا تھا۔ کیونکہ پورا واقعہ بیان کر چکنے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کا ذکر ہے۔

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جوان ہونے سے پہلے کم از کم ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کا سفر ضرور کیا تھا۔ بقیہ تین سفروں کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے!

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہو گئے۔ جرہم سے عربی سیکھ لی اور ان کی نگاہوں میں چنے لگے تو ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے آپ کی شادی کر دی۔ اسی دوران حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اپنا ترکہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ مکہ تشریف لے گئے۔ لیکن حضرت اسماعیل سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے حالات دریافت کئے۔ اس نے تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام آئیں تو کہنا اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ اس وصیت کا مطلب حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے بیوی کو طلاق دے دی اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی جو جرہم کے سردار مضا بن عمرو کی صاحبزادی تھی۔

۳۔ اس دوسری شادی کے بعد ایک بار پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لے گئے مگر اس دفعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے احوال دریافت کئے تو اس نے اللہ کی حمد و ثناء کی۔ آپ نے وصیت کی کہ اسماعیل علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھٹ بربقار رکھیں اور فلسطین واپس ہو گئے۔

۴۔ اس کے بعد پھر تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام زم زم کے قریب درخت کے نیچے تیر گھڑ رہے تھے۔ دیکھتے ہی لپک پڑے اور وہی کیا جو ایسے موقع پر ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ ملاقات اتنے طویل عرصے کے بعد ہوئی تھی کہ ایک نرم دل اور شفیق باپ اپنے بیٹے سے اور ایک اطاعت شعار بیٹا اپنے باپ سے بمشکل ہی اتنی لمبی جدائی برداشت کر سکتا ہے۔ اسی دفعہ دونوں نے مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ بنیاد کھود کر دیواریں اٹھائیں اور بڑا ہم علیہ السلام نے ساری دنیا کے لوگوں کو حج کے لیے آواز دی۔

اللہ تعالیٰ نے مضامین کی صاحبزادی سے اسماعیل علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے جن کے نام یہ ہیں۔ نابت یا نبا یوط، قیدار، ادبائل، مبشام، مشامع، دوما، میشا، حدو، تیما، یطور، نفیس، قیدمان ان بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے وجود میں آئے اور سب نے مکہ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ ان کی معیشت کا دار و مدار زیادہ تر مین اور مصر و شام کی تجارت پر تھا۔ بعد میں یہ قبائل جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں — بلکہ بیرون عرب بھی — پھیل گئے اور ان کے حالات، زمانے کی دبیز تاریکیوں میں دب کر رہ گئے۔ صرف نابت اور قیدار کی اولاد اس گمنامی سے مستثنیٰ ہیں۔

نبطیوں کے تمدن کو شمالی حجاز میں فروغ اور عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے ایک طاقتور حکومت قائم کر کے گرد و پیش کے لوگوں کو اپنا باجگزار بنا لیا۔ بطراران کا دار الحکومت تھا۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ پھر رومیوں کا دور آیا اور انہوں نے نبطیوں کو قصبہ پارینہ بنا دیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک دلچسپ بحث اور گہری تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ آل غسان اور انصاری یعنی اوس و خزرج قحطانی عرب نہ تھے۔ بلکہ اس علاقے میں نابت بن اسماعیل (علیہ السلام) کی جو نسل بچی کھچی رہ گئی تھی وہی تھے۔ قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل مکہ ہی میں پھلتی پھولتی رہی یہاں تک کہ عدنان اور پھر ان کے بیٹے معد کا زمانہ آگیا۔ عدنانی عرب کا سلسلہ نسب صحیح طور پر یہیں تک محفوظ ہے۔

عدنان، نبی ﷺ کے سلسلہ نسب میں اکیسویں پشت پر پڑتے ہیں۔ بعض روایتوں میں یہاں کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب اپنا سلسلہ نسب ذکر فرماتے تو عدنان پر پہنچ کر رک جاتے اور آگے نہ بڑھتے۔ فرماتے کہ ماہرین انساب غلط کہتے ہیں۔ مگر علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ عدنان سے

آگے بھی نسب بیان کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں ہیں۔

بہر حال مُعَدّ کے بیٹے نزار سے — جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ مُعَدّ کی کوئی اولاد نہ تھی — کئی خاندان وجود میں آئے۔ درحقیقت نزار کے چار بیٹے تھے اور ہر بیٹا ایک بڑے قبیلے کی بنیاد ثابت ہوا۔ چاروں کے نام یہ ہیں۔ ایاد، اثمار، ربیعہ اور مُضَر، ان میں سے مؤخر الذکر دو قبیلوں کی شاخیں اور شاخوں کی شاخیں بہت زیادہ ہوئیں۔ چنانچہ ربیعہ سے اَسَد بن ربیعہ، عمنزہ، عبد القیس، وائل، بکر، تغلب اور بنو حنیفہ وغیرہ وجود میں آئے۔ مُضَر کی اولاد دو بڑے قبیلوں میں تقسیم ہوئی۔

۱۔ قیس عیلان بن مضر۔ ۲۔ الیاس بن مضر۔

قیس عیلان سے بنو سلیم، بنو ہوازن، بنو عطفان، غطفان سے عیس، ذبیان — اشجع اور غنم بن اَعْمَر کے قبائل وجود میں آئے۔

الیاس بن مضر سے تیم بن مرہ، ہذیل بن مدرکہ، بنو اسد بن خزیمہ اور کنانہ بن خزیمہ کے قبائل وجود میں آئے۔ پھر کنانہ سے قریش کا قبیلہ وجود میں آیا۔ یہ قبیلہ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ پھر قریش بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہوئے۔ مشہور قریشی شاخوں کے نام یہ ہیں۔ جمح، سہم، عدی، مخزوم، تیم، زہرہ اور قُصَی بن کلاب کے خاندان۔ یعنی عبدالدار، اسد بن عبد العزی اور عبد مناف۔ یہ تینوں قُصَی کے بیٹے تھے۔ ان میں سے عبد مناف کے چار بیٹے ہوئے، جن سے چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے۔ یعنی عبید شمس، نوفل، مُطَلِب اور ہاشم۔ انہیں ہاشم کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے خلق کی تخلیق فرمائی تو مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا پھر ان کے بھی دو گروہوں میں سے زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا، پھر قبائل کو چنا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا، پھر گھرانوں کو چنا مجھے سب سے اچھے

گھرانے میں بتایا، لہذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہوں، اور اپنے گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔^{۱۴}

بہر حال عدنان کی نسل جب زیادہ بڑھ گئی تو وہ چائے پانی کی تلاش میں عرب کے مختلف اطراف میں بکھر گئی چنانچہ قبیلہ عبد القیس نے، بکر بن وائل کی کئی شاخوں نے اور بنو تمیم کے خاندانوں نے بحرین کا رخ کیا اور اسی علاقے میں جا بسے۔

بنو حنیض بن صعوب بن علی بن بکر نے یمامہ کا رخ کیا اور اس کے مرکز جحر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ بکر بن وائل کی بقیہ شاخوں نے، یمامہ سے لے کر بحرین، ساحل کاظمہ، خلیج، سوادِ عراق، ابلکہ اور ہیت تک کے علاقوں میں بودوباش اختیار کی۔

بنو ثعلب جزیرہ فراتیہ میں اقامت گزریں ہوئے۔ البتہ ان کی بعض شاخوں نے بنو بکر کے ساتھ سکونت اختیار کی۔

بنو تمیم نے بادیہ بصرہ کو اپنا وطن بنایا۔

بنو سلیم نے مدینہ کے قریب ڈیرے ڈالے۔ ان کا منکن وادی القری سے شروع ہو کر خیبر اور مدینہ کے مشرق سے گذرتا ہوا حرمہ بنو سلیم سے متصل دو پہاڑوں تک منتهی ہوتا تھا۔

بنو ثقیف نے طائف کو وطن بنالیا اور بنو ہوازن نے مکہ کے مشرق میں وادی اوطاس کے گرد و پیش ڈیرے ڈالے۔ ان کا سکن مکہ۔ بصرہ شاہراہ پر واقع تھا۔

بنو اسد تیمار کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں خمیزن ہوئے۔ ان کے اور تیمار کے درمیان بنو طی کا ایک خاندان بچتر آباد تھا۔ بنو اسد کی آبادی اور کوفہ کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔

بنو ذبیان تیمار کے قریب حوزان کے اطراف میں آباد ہوئے۔

تہامہ میں بنو کنانہ کے خاندان رہ گئے تھے۔ ان میں سے قرشی خاندانوں کی بودوباش مکہ اور اس کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ پراگندہ تھے، ان کی کوئی شیرازہ بندی نہ تھی تا آنکہ قصی بن کلاب ابھر کر منظر عام پر آیا اور قرشیوں کو متحد کر کے شرف و عزت اور بلندی و وقار سے بہرہ ور کیا۔^{۱۵}



عرب۔ حکومتیں اور سرداریاں

اسلام سے پہلے عرب کے جو حالات تھے ان پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی حکومتوں سرداریوں اور مذاہب و اڈیان کا بھی ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ ظہور اسلام کے وقت جو پوزیشن تھی وہ باسانی سمجھ میں آسکے۔

جس وقت جزیرۃ العرب پر خورشید اسلام کی تابناک شعاعیں ضوؤء فلکن ہوئیں وہاں دو قسم کے حکمران تھے۔ ایک تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد و خود مختار نہ تھے اور دوسرے قبائلی سردار جنہیں اختیارات و امتیازات کے اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی لیکن ان کی اکثریت کو ایک مزید امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد و خود مختار تھے بلکہ پیش حکمران یہ تھے، شاہانِ مین، شاہانِ آلِ غسان (شام) اور شاہانِ حیرہ (عراق) بقیہ عرب حکمران تاجپوش نہ تھے۔

عرب عاربہ میں سے جو قدیم ترین یہانی قوم معلوم ہو سکی وہ قوم سبا ہے۔ مین کی بادشاہی اور (عراق) سے جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان میں ڈھائی ہزار سال قبل مسیح اس قوم کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے عروج کا زمانہ گیارہ صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اس کی تاریخ کے اہم اڈوار یہ ہیں:

۱۔ ۶۵۰ ق م سے پہلے کا دور۔ اس دور میں شاہانِ سبا کا لقب مکرِب سبأ تھا۔ ان کا پایہ تخت صروح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مارب کے مغرب میں ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں اور خریبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے مین کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں سلطنتِ سبا کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انہوں نے عرب کے اندر اور عرب سے باہر جگہ جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کر لی تھیں۔

۲۔ ۶۵۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تک کا دور۔ اس دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرِب کا لفظ چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا اور صروح کے بجائے مارب کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

اس شہر کے کھنڈر آج بھی صنعاہ کے ۶۰ میل مشرق میں پائے جاتے ہیں۔

۳۔ ۵۱۳ ق م سے ۳۳۰ ق م تک کا دور۔ اس دور میں سبا کی مملکت پر قبیلہ حمیرہ کو غلبہ حاصل رہا اور اس نے مآرب کے بجائے ریدان کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ پھر ریدان کا نام ظفار پڑ گیا جس کے کھنڈرات آج بھی شہر ”ریم“ کے قریب ایک مدور پہاڑی پر پائے جاتے ہیں۔

یہی دور ہے جس میں قوم سبا کا زوال شروع ہوا۔ پہلے ببطیوں نے شمالی حجاز پر اپنا اقتدار قائم کر کے سبا کو ان کی نوآبادیوں سے نکال باہر کیا پھر رومیوں نے مصر و شام اور شمالی حجاز پر قبضہ کر کے ان کی تجارت کے بحری راستے کو مخدوش کر دیا اور اس طرح انکی تجارت رفتہ رفتہ تباہ ہو گئی۔ ادھر قحطانی قبائل خود بھی باہم دست و گریباں تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحطانی قبائل اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر ادھر ادھر پر اگندہ ہو گئے۔

۴۔ ۳۳۰ ق م کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دور۔ اس دور میں یمن کے اندر مسلسل اضطراب و انتشار برپا رہا۔ انقلابات آئے، خانہ جنگیاں ہوئیں اور بیرونی قوموں کو مداخلت کے مواقع ہاتھ آئے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یمن کی آزادی سلب ہو گئی۔ چنانچہ یہی دور ہے جس میں رومیوں نے عدن پر فوجی تسلط قائم کیا اور ان کی مدد سے حبشیوں نے حمیر و ہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۳۳۰ ق م میں پہلی بار یمن پر قبضہ کیا جو ۳۳۰ ق م تک برقرار رہا۔ اس کے بعد یمن کی آزادی تو بحال ہو گئی مگر ”مآرب“ کے مشہور بند میں رخنے پڑنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ بالآخر ۳۲۵ ق م یا ۳۲۵ ق م میں بند ٹوٹ گیا اور وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن مجید (سورہ سبا) میں سئل عرم کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ بڑا زبردست حادثہ تھا۔ اس کے نتیجے میں بستیوں کی بستیاں ویران ہو گئیں اور بہت سے قبائل ادھر ادھر بکھر گئے۔

پھر ۶۲۳ ق م میں ایک اور سنگین حادثہ پیش آیا یعنی یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر ایک میہبت ناک حملہ کر کے انہیں عیسائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا اور جب وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو ذونواس نے خندقیں کھدوا کر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ قرآن مجید نے سورہ بروج کی آیات قُتِلَ أَصْحَابُ الْأَنْدُلُسِ دِالْمِ مِیْنِ اسی لرزہ خیز واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس واقعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت، جو رومی بادشاہوں کی قیادت میں بلاد عرب کی فتوحات اور توسیع پسندی کے لیے پہلے ہی سے چست و چابکدست تھی، انتقام لینے پر ٹل گئی اور حبشیوں کو یمن پر حملے کی ترغیب دیتے ہوئے انہیں بحری بیڑہ مہیا کیا۔ حبشیوں نے رومیوں کی شہ

پاکستان ۱۹۴۷ء میں اریاط کی زیر قیادت ستر ہزار فوج سے یمن پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ قبضہ کے بعد ابتداءً تو شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے اریاط نے یمن پر حکمرانی کی لیکن پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت کمانڈر۔ ایزہمہ نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا اور شاہ حبش کو بھی اپنے اس تصرف پر راضی کر لیا۔

یہ وہی ایزہمہ ہے جس نے بعد میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی اور ایک لشکر جبار کے علاوہ چند ہاتھیوں کو بھی فوج کشی کیلئے ساتھ لایا جس کی وجہ سے یہ لشکر اصحاب فیل کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ادھر واقعہ فیل میں حبشیوں کی جوتبا ہی ہوئی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل یمن نے حکومت فارس سے مدد مانگی اور حبشیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے سیف ذمی یزن حمیری کے بیٹے معدی کرب کی قیادت میں حبشیوں کو نلک سے نکال باہر کیا اور ایک آزاد و خود مختار قوم کی حیثیت سے معدی کرب کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ یہ ۶۴۵ء کا واقعہ ہے۔

آزادی کے بعد معدی کرب نے کچھ حبشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جلو کی زینت کے لیے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان حبشیوں نے ایک روز معدی کرب کو دھوکے سے قتل کر کے ذمی یزن کے خاندان سے حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔ ادھر کسریٰ نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صنعا پر ایک فارسی لشکر گورنر مقرر کر کے یمن کو فارس کا ایک صوبہ بنا لیا اس کے بعد یمن پر یکے بعد دیگرے فارسی گورنروں کا تقرر ہوتا رہا یہاں تک کہ آخری گورنر باذان نے ۶۲۸ء میں اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ ہی یمن فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی عملداری میں آ گیا۔

عراق اور اس کے نواحی علاقوں پر کوروش کبیر خورس یا سائرس ذوالقرنین
حیرہ کی بادشاہی ۵۵۰ ق م۔ ۵۲۹ ق م کے زمانے ہی سے اہل فارس کی حکمرانی چلی
 آرہی تھی۔ کوئی نہ تھا جو ان کے مد مقابل آنے کی جرات کرتا یہاں تک کہ ۵۲۹ ق م میں سکندر مقدونی نے دارا اول کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے تاریخ ارض القرآن جلد اول میں صفحہ ۱۳۳ سے خاتمہ کتاب تک مختلف تاریخی شواہد کی روشنی میں قوم سب کے حالات بڑی بسط و تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ مولانا مودودی نے تفہیم القرآن ۱۹۵۷ء-۱۹۸۰ء میں کچھ تفصیلات جمع کی ہیں لیکن تاریخی ماخذ میں سنہین وغیرہ کے سلسلے میں بڑے اختلافات ہیں حتیٰ کہ بعض محققین نے ان تفصیلات کو پہلوں کا افسانہ قرار دیا ہے۔

ہو گیا اور طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ یہ انتشار ۶۲۳ء تک جاری رہا اور اسی دوران قحطانی قبائل نے ترک وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے شاداب سرحدی علاقے پر بود و باش اختیار کی۔ پھر عدنانی تارکین وطن کا ریلا آیا اور انہوں نے لڑ بھڑ کر جزیرہ فراتیہ کے ایک حصے کو اپنا مسکن بنایا۔ ادھر ۶۲۶ء میں اُردشیر نے جب ساسانی حکومت کی داغ بیل ڈالی تو رفتہ رفتہ فارسیوں کی طاقت ایک بار پھر پلٹ آئی۔ اُردشیر نے فارسیوں کی شیرازہ بندی کی اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کیا۔ اسی کے نتیجے میں قضاہ نے ملک شام کی راہ لی، جبکہ حیرہ اور تبارک کے عرب باشندوں نے باجگذار بننا گوارا کیا۔

اُردشیر کے عہد میں حیرہ، بادیتہ العراق اور جزیرہ کے زمینی اور مضر قبائل پر جزیہ الواضاح کی حکمرانی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردشیر نے محسوس کر لیا تھا کہ عرب باشندوں پر براہ راست حکومت کرنا اور انہیں سرحد پر لوٹ مار سے باز رکھنا ممکن نہیں بلکہ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ خود کسی ایسے عرب کو ان کا حکمران بنا دیا جائے جسے اپنے کنبے قبیلے کی حمایت و تائید حاصل ہو۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ بوقت ضرورت رومیوں کے خلاف ان سے مدد لی جاسکے گی اور شام کے روم نواز عرب حکمرانوں کے مقابل عراق کے ان عرب حکمرانوں کو کھڑا کیا جاسکے گا۔

شاہان حیرہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی جس سے بادیتہ نشین عرب باغیوں کی سرکوبی کا کام لیا جاتا تھا۔

۶۲۶ء کے عرصے میں جزیہ فوت ہو گیا اور عمرو بن عدی بن نصر لُحئی اس کا جانشین ہوا۔ یہ قبیلہ لُحیم کا پہلا حکمران تھا اور شاپور اُردشیر کا معاصر تھا۔ اس کے بعد قباذ بن فیروز کے عہد تک حیرہ پر لُحیوں کی مسلسل حکمرانی رہی۔ قباذ کے عہد میں مُزُوک کا ظہور ہوا جو اباحیت کا علمبردار تھا۔ قباذ اور اس کی بہت سی رعایا نے مُزُوک کی ہمنوائی کی۔ پھر قباذ نے حیرہ کے بادشاہ منذر بن مار السمار کو پیغام بھیجا کہ تم بھی یہی مذہب اختیار کر لو۔ منذر بڑا غیرت مند تھا انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قباذ نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ مُزُوک کی دعوت کے ایک پیروکار حارث بن عمرو بن جھر کندی کو حیرہ کی حکمرانی سونپ دی۔ قباذ کے بعد فارس کی باگ ڈور کسریٰ نوشیرواں کے ہاتھ آئی۔ اسے اس مذہب سے سخت نفرت تھی۔ اس نے مُزُوک اور اس کے ہمنواؤں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کروا دیا۔ منذر کو دوبارہ حیرہ کا حکمران بنا دیا اور حارث بن عمرو کو اپنے ہاں بلا بھیجا لیکن وہ بنو کلب کے علاقے میں بھاگ گیا اور وہیں اپنی زندگی گزار دی۔

مُنذر بن ماز السہام کے بعد نَعْمَان بن مُنذر کے عہد تک حیرہ کی حکمرانی اسی کی نسل میں چلتی رہی، پھر زید بن عدی عبادی نے کسریٰ سے نَعْمَان بن منذر کی جھوٹی شکایت کی۔ کسریٰ بھڑک اٹھا اور نَعْمَان کو اپنے پاس طلب کیا۔ نَعْمَان چپکے سے بنو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اس کی امانت میں دے کر کسریٰ کے پاس گیا۔ کسریٰ نے اسے قید کر دیا اور وہ قید ہی میں فوت ہو گیا۔

ادھر کسریٰ نے نَعْمَان کو قید کرنے کے بعد اس کی جگہ ایاس بن قبیسہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا اور اسے حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سے نَعْمَان کی امانت طلب کرے۔ ہانی غیرت مند تھا اس نے صرف انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اعلانِ جنگ بھی کر دیا۔ پھر کیا تھا ایاس اپنے جلو میں کسریٰ کے لاؤ لشکر اور مرزبانوں کی جماعت لے کر روانہ ہوا اور ذی قار کے میدان میں فریقین کے درمیان گھسان کی جنگ ہوئی جس میں بنو شیبان کو فتح حاصل ہوئی اور فارسیوں نے شرمناک شکست کھائی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد کا ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش حیرہ پر ایاس کی حکمرانی کے آٹھویں مہینہ میں ہوئی تھی۔

ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ پر ایک فارسی حاکم مقرر کیا لیکن ۶۳۲ء میں لخمیوں کا اقتدار پھر بحال ہو گیا اور مُنذر بن معرور نامی اس قبیلے کے ایک شخص نے باگ ڈور سنبھالی، مگر ابھی اس کو بڑا اقتدار آئے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کا یل رواں لے کر حیرہ میں داخل ہو گئے۔

جس زمانے میں عرب قبائل کی ہجرت زوروں پر تھی قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں

شام کی بادشاہی

حدود شام میں آکر آباد ہو گئیں۔ ان کا تعلق بنی سلیم بن حلوان سے تھا اور ان ہی میں ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیم تھی جسے ضجاعمہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ قضاعہ کی اس شاخ کو رومیوں نے صحرائے عرب کے بدوؤں کی ٹوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنا ہمنوا بنایا اور اسی کے ایک فرد کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ اس کے بعد مدتوں ان کی حکمرانی رہی۔ ان کا مشہور ترین بادشاہ زیاد بن ہیولہ گذرا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ضجاعمہ کا دور حکومت پوری دوسری صدی عیسوی پر محیط رہا ہے۔ اس کے بعد اس دیار میں آل غسان کی آمد آمد ہوئی اور ضجاعمہ کی حکمرانی جاتی رہی۔ آل غسان نے بنو ضجعم کو شکست دے کر ان کی ماری قلمرو پر قبضہ کر لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رومیوں نے بھی آل غسان کو دیار شام کے عرب باشندوں کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ آل غسان کا پایہ تخت دومتہ الجوزل

تھا۔ اور رومیوں کے آلہ کار کی حیثیت سے دیارِ شام پر ان کی حکمرانی مسلسل قائم رہی تا آنکہ خلافتِ فلوقی میں ۳۱۱ء میں یزید بن مویز کی جنگِ پیش آئی اور آلِ غسان کا آخری حکمراں جبکہ بن ائیم حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ (اگرچہ اس کا غرورِ اسلامی مساوات کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ اور وہ مرتد ہو گیا۔)

یہ بات تو معروف ہے کہ مکہ میں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ آپ

حجاز کی امارت

نے ۱۲۷ سال کی عمر پائی تھی اور تاحیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادگان — نابت پھر قیدار، یا قیدار پھر نابت — یکے بعد دیگرے

مکہ کے والی ہوئے۔ ان کے بعد ان کے نانا مضاہ بن عمرو جرہمی نے زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بنو جرہم کی طرف منتقل ہو گئی اور ایک عرصے تک انہیں کے ہاتھ میں رہی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام چونکہ اپنے والد کے ساتھ مل کر بیت اللہ کے بانی و معمار تھے اس لیے ان کی اولاد کو ایک باوقار مقام ضرور حاصل رہا، لیکن اقتدار و اختیار میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔

پھر دن پر دن اور سال پر سال گذرتے گئے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد گوشہ بگوشہ سے نہ نکل سکی، یہاں تک کہ نخت نصر کے ظہور سے کچھ پہلے بنو جرہم کی طاقت کمزور پڑ گئی اور مکہ کے افق پر عدنان کا سیاسی ستارہ جگمگانا شروع ہوا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نخت نصر نے ذاتِ بقرہ میں عربوں سے جو معرکہ آرائی کی تھی اس میں عرب فوج کا کمانڈر جرہمی نہ تھا۔

پھر نخت نصر نے جب ۵۸۷ ق م میں دوسرا حملہ کیا تو بنو عدنان بھاگ کر یمن چلے گئے۔ اس

وقت بنو اسرائیل کے نبی حضرت یزہویاہ تھے۔ وہ عدنان کے بیٹے معد کو اپنے ساتھ ملک شام لے گئے اور جب نخت نصر کا زور ختم ہوا اور معد مکہ آئے تو انہیں مکہ میں قبیلہ جرہم کا صرف ایک شخص جرہم

بن جلمہ ملا۔ معد نے اس کی لڑکی معانہ سے شادی کی اور اسی کے بطن سے نزار پیدا ہوا۔

اس کے بعد مکہ میں جرہم کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انہیں تنگ دستی نے آگھیرا، نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے زائرینِ بیت اللہ پر زیادتیاں شروع کر دیں اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ادھر بنو عدنان اندر ہی اندر ان کی ان حرکتوں پر کڑھتے اور بھڑکتے رہے اسی لیے جب بنو خزاعہ

۱۔ محاضراتِ خضریٰ ۱/۳۴، تاریخِ ارض القرآن ۲/۸۰-۸۲

۲۔ پیدائشِ مجموعہ بانیوں، ۲۵: ۱۷۔ ۳۔ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰، ۲۳۱

۴۔ ایضاً ایضاً و ابن ہشام ۱/۱۱۱-۱۱۳، ابن ہشام نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف نابت کی تولیت کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۰ - ۲۳۱۔ ۶۔ رحمتہ للعالمین ۲/۴۸۔ ۷۔ قلب جزیرۃ العرب، ص ۲۳۱

نے مَرّ الظہر ان میں پڑاؤ کیا اور دیکھا کہ بنو عدنان بنو جرہم سے نفرت کرتے ہیں تو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک عدنانی قبیلے بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ کو ساتھ لے کر بنو جرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انہیں مکہ سے نکال کر اقدار پر خود قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔ بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کر کے اس کے نشانات بھی مٹا دیئے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث بن مضاض جعری نے خانہ کعبہ کے دونوں نلچوں اور اس کے کونے میں لگا ہوا پتھر — حجر اسود — نکال کر زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا اور اپنے قبیلہ بنو جرہم کو ساتھ لے کر یمن چلا گیا۔ بنو جرہم کو مکہ سے جلا وطنی اور وہاں کی حکومت سے محروم ہونے کا بڑا قتل تھا چنانچہ عمرو مذکور نے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے۔

کان لریکن بین الحجون إلى الصفا انیس ولسر یسمر بمکة سامر
بلی نحن کنا اهلها فابادنا صروف اللیالی والمجدود العواشر

” لگتا ہے حجُون سے صفا تک کوئی آشنا تھا ہی نہیں اور نہ کسی قصہ گو نے مکہ کی شبانہ محفلوں میں قصہ گوئی کی۔ کیوں نہیں! یقیناً ہم ہی اس کے باشندے تھے لیکن زمانے کی گردشوں اور ٹوٹی ہوئی قسمتوں نے ہمیں اُجارت پھینکا۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار برس قبل مسیح ہے۔ اس حساب سے مکہ میں قبیلہ جرہم کا وجود کوئی دو ہزار ایک سو برس تک رہا اور ان کی حکمرانی لگ بھگ دو ہزار برس تک رہی۔ بنو خزاعہ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بنو بکر کو شامل کئے بغیر تنہا اپنی حکمرانی قائم کی، البتہ تین اہم اور امتیازی مناصب ایسے تھے جو مضرّی قبائل کے حصے میں آئے۔

۱۔ عابیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النفر — ۱۳ رذی الحجہ کو جو کہ حج کے سلسلہ کا آخری دن ہے — منیٰ سے روانگی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز الیاس بن مضر کے خاندان بنو غوث بن مرہ کو حاصل تھا جو صوفہ کہلاتے تھے۔ اس اعزاز کی توضیح یہ ہے کہ ۱۳ رذی الحجہ کو حاجی کنکری نہ مار سکتے تھے جب تک کہ پہلے صوفہ کا ایک ایک آدمی کنکری نہ مار لیتا۔ پھر حاجی کنکری مار کر فارغ ہو جاتے اور منیٰ سے

۹ یہ وہ مضاض جعری نہیں ہے جس کا ذکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعے میں گذر چکا ہے۔
۱۰ مسعودی نے لکھا ہے کہ اہل فارس پچھلے دور میں خانہ کعبہ کے لیے اموال و جواہرات بھیجتے رہتے تھے۔ ساسان بن بابک سوزی کے بیٹے ہونے دوہرن جواہرات، تلواریں اور بہت سا سونا بھیجتا تھا۔ عمرو نے یہ سب نعمتیں میں لالیا تھا۔ (مروج الذهب ۱/۲۰۵)
۱۱ ابن ہشام ۱/۱۱۳، ۱۱۵۔

روانگی کا ارادہ کرتے تو صوفہ کے لوگ منیٰ کی واحد گذرگاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گذر نہ لیتے کسی کو گذرنے نہ دیتے۔ ان کے گذر لینے کے بعد بقیہ لوگوں کے لیے راستہ خالی ہوتا۔ جب صوفہ ختم ہو گئے تو یہ اعزاز بنو تمیم کے ایک خاندان بنو سعد بن زید مناتہ کی طرف منتقل ہو گیا۔

۲۔ ارضی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب فاضلہ (روانگی) یہ اعزاز بنو عدوان کو حاصل تھا۔

۳۔ حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا۔ یہ اعزاز بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔

مکہ پر بنو خزاعہ کا اقتدار کوئی تین سو برس تک قائم رہا اور یہی زمانہ تھا جب عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد، اطراف عراق اور بحرین وغیرہ میں پھیلے اور مکہ کے اطراف میں صرف قریش کی چند شاخیں باقی رہیں جو خانہ بدوش تھیں۔ ان کی الگ الگ ٹولیاں تھیں اور بنو کنانہ میں ان کے چند متفرق گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا یہاں تک کہ قُصّی بن کلاب کا ظہور ہوا۔

قُصّی کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ابھی گود ہی میں تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی والدہ نے بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ چونکہ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا اس لیے قُصّی کی والدہ وہیں چلی گئی اور وہ قُصّی کو بھی اپنے ساتھ لیتی گئی۔ جب قُصّی جوان ہوا تو مکہ واپس آیا۔ اس وقت مکہ والی حُئیل بن جشیہ خزاعی تھا۔ قُصّی نے اس کے پاس اس کی بیٹی جہی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ حُئیل نے منظور کر لیا اور شادی کر دی۔ اس کے بعد جب حُئیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لیے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہو گئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قُصّی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

جنگ کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں تین بیانات ملتے ہیں، ایک یہ کہ جب قُصّی کی اولاد خوب پھیل پھول گئی اس کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہو گئی اور اس کا وقار بھی بڑھ گیا اور ادھر حُئیل کا انتقال ہو گیا تو قُصّی نے محسوس کیا کہ اب بنو خزاعہ اور بنو بکر کے بجائے میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کا کہیں زیادہ حقدار ہوں۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ قریش خالص اسماعیلی عرب ہیں اور بقیہ آل اسماعیل کے سردار بھی ہیں لہذا سربراہی کے مستحق وہی ہیں، چنانچہ اس نے قریش

۱۳ ابن ہشام ۲۲/۱، ۱۱۹-۱۲۲ ۱۳ یاقوت: مادہ مکہ

۱۴ محاضرات خضریٰ ۳۵/۱، ابن ہشام ۱۱۴/۱ ۱۵ ابن ہشام ۱۱۴/۱، ۱۱۸

اور بنو خزاعہ کے کچھ لوگوں سے گفتگو کی کہ کیوں نہ بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکال باہر کیا جائے۔ ان لوگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔^{۱۷}

دوسرا بیان یہ ہے کہ — خزاعہ کے بقول — خود علیل نے قُصَی کو وصیت کی تھی کہ وہ کعبہ کی نگہداشت کرے گا اور مکہ کی باگ ڈور سنبھالے گا۔^{۱۸}

تیسرا بیان یہ ہے کہ علیل نے اپنی بیٹی حبیبہ کو بیت اللہ کی تولیت سونپی تھی اور ابو عبیدان خزاعی کو اس کا وکیل بنا دیا تھا۔ چنانچہ حبیبہ کے نائب کی حیثیت سے وہی خانہ کعبہ کا کلید بردار تھا جب علیل کا انتقال ہو گیا تو قُصَی نے ابو عبیدان سے ایک مشک شراب کے بدلے کعبہ کی تولیت خرید لی لیکن خزاعہ نے یہ خرید و فروخت منظور نہ کی اور قُصَی کو بیت اللہ سے روکنا چاہا۔ اس پر قُصَی نے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے لیے قریش اور بنو کنانہ کو جمع کیا اور وہ قُصَی کی آواز پر بیک کہتے ہوئے حُجَّع ہو گئے۔^{۱۸}

بہر حال وجہ جو بھی ہو، واقعات کا سلسلہ اس طرح ہے کہ جب علیل کا انتقال ہو گیا اور صوفہ نے وہی کرنا چاہا جو وہ ہمیشہ کرتے آئے تھے تو قُصَی نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو ہمراہ لیا اور عقبہ کے نزدیک جہاں وہ جمع تھے ان سے آکر کہا کہ تم سے زیادہ ہم اس اعزاز کے حقدار ہیں۔ اس پر صوفہ نے لڑائی چھیڑ دی مگر قُصَی نے انہیں مغلوب کر کے ان کا اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا جب خزاعہ اور بنو بکر نے قُصَی سے دامن کشی اُختیار کر لی۔ اس پر قُصَی نے انہیں بھی للکارا، پھر کیا تھا، فریقین میں سخت جنگ چھڑ گئی اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں اور بنو بکر کے ایک شخص نَعْمَر بن عوف کو حکم بنایا گیا۔ نَعْمَر نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کے بجائے قُصَی خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کے اقتدار کا زیادہ حقدار ہے۔ نیز قُصَی نے جتنا خون بہایا ہے سب رائیگاں قرار دے کر پاؤں تلے روند رہا ہوں۔ البتہ خزاعہ اور بنو بکر نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے ان کی دیت ادا کریں اور خانہ کعبہ کو بلا روک ٹوک قُصَی کے حوالہ کریں۔ اسی فیصلے کی وجہ سے نَعْمَر کا لقب شَدَاخ پڑ گیا۔^{۱۹} شَدَاخ کے معنی ہیں پاؤں تلے روندنے والا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں قُصَی اور قریش کو مکہ پر مکمل نفوذ اور سیادت حاصل ہو گئی، اور قُصَی بیت اللہ

کا دینی سربراہ بن گیا جس کی زیارت کے لیے عرب کے گوشے گوشے سے آنے والوں کا تانا باندا ہوا رہا تھا۔ مکہ پر قبضے کے تسلط کا یہ واقعہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط یعنی ۶۳۰ء کا ہے۔^{۲۱}

قبضے نے مکہ کا بندوبست اس طرح کیا کہ قریش کو اطراف مکہ سے بلا کر پورا شہر ان پر تقسیم کر دیا اور ہر خاندان کی بود و باش کا ٹھکانا مقرر کر دیا۔ البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والوں کو، نیز آلِ صفوان، بنو عدوان اور بنو مرہ بن عوف کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔ کیونکہ قبضے سمجھتا تھا کہ یہ بھی دین ہے جس میں رد و بدل کرنا درست نہیں ہے۔^{۲۲}

قبضے کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔ اس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا، دارالندوہ درحقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ قریش پر دارالندوہ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے اچھے ہوئے مسائل بحسن و خوبی طے ہوتے تھے۔^{۲۳}

قبضے کو سربراہی اور عظمت کے حسبِ ذیل مظاہر حاصل تھے:

- ۱۔ دارالندوہ کی صدارت، جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے تھے اور جہاں لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی کرتے تھے۔
- ۲۔ لوہے سے جنگ کا پرچم قبضے ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔
- ۳۔ حجابت — یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا دروازہ قبضے ہی کھولتا تھا اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام انجام دیتا تھا۔
- ۴۔ ستیہ (پانی پلانا) — اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ حوض میں حاجیوں کے لیے پانی بھر دیا جاتا تھا اور اس میں کچھ بھورا اور کھمبش ڈال کر اسے شیریں بنا دیا جاتا تھا۔ جب حُجَّاج مکہ آتے تھے تو اسے پیتے تھے۔^{۲۴}

۵۔ رقادہ (حاجیوں کی میزبانی) — اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجیوں کے لیے بطور ضیافت کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے قبضے نے قریش پر ایک خاص رقم مقرر کر رکھی تھی، جو موسم حج میں قبضے کے پاس جمع کی جاتی تھی۔ قبضے اس رقم سے حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرتا تھا جو لوگ

۲۱۔ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۲ ۲۲۔ ابن ہشام ۱/۱۲۳، ۱۲۵ ۲۳۔ ایضاً ۱/۱۲۵۔ محاضرات خضریٰ ۱/۳۶، اخبار الکرام ص ۱۵۲ ۲۴۔ محاضرات خضریٰ ۱/۳۶

تنگ دست ہوتے، یا جن کے پاس توشہ نہ ہوتا وہ یہی کھانا کھاتے تھے۔

یہ سارے مناصب قُضیٰ کو حاصل تھے۔ قُضیٰ کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا، مگر اس کے بچتے دوسرا بیٹا عبدمناف، قُضیٰ کی زندگی ہی میں شرف و سیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس لیے قُضیٰ نے عبدالدار سے کہا کہ یہ لوگ اگرچہ شرف و سیادت میں تم پر بازی لے جا چکے ہیں۔ مگر میں تمہیں ان کے ہم پلہ کر کے رہوں گا۔ چنانچہ قُضیٰ نے اپنے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لیے کر دی، یعنی دارالندوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سقایت اور رقادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا۔ چونکہ کسی کام میں قُضیٰ کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس کی کوئی بات مسترد کی جاتی تھی، بلکہ اس کا ہر اقدام، اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی واجب الاتباع دین سمجھا جاتا تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔ لیکن جب عبدمناف کی وفات ہو گئی تو اس کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چھیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا۔ اس کے نتیجے میں قریش دو گروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہو جاتی مگر پھر انہوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کر لیا۔ چنانچہ سقایت اور رقادہ کے مناصب بنو عبدمناف کو دیئے گئے اور دارالندوہ کی سربراہی لواء اور حجابت بنو عبدالدار کے ہاتھ میں رہی۔ پھر بنو عبدمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبدمناف کے نام نکلا۔ لہذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سقایہ و رقادہ کا انتظام کیا۔ البتہ جب ہاشم کا انتقال ہو گیا تو انکے بھائی مُطلب نے ان کی جانشینی کی، مگر مُطلب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب بن ہاشم نے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے۔ یہ منصب سنبھال لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی یہاں تک کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب اس منصب پر فائز تھے۔^{۲۵} ان کے علاوہ کچھ اور مناصب بھی تھے جنہیں قریش نے باہم تقسیم کر رکھا تھا ان مناصب اور انتظامات کے ذریعے قریش نے ایک چھوٹی سی حکومت۔ بلکہ حکومت نما انتظامیہ۔ قائم کر رکھی تھی جس کے سرکاری ادارے اور تشکیلات کچھ اسی ڈھنگ کی تھیں جیسی آج کل پارلیمانی مجلسیں اور ادارے ہوا کرتے ہیں۔ ان مناصب کا خاکہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ایسا۔ یعنی فال گیری اور قسمت دریافت کرنے کے لیے بتوں کے پاس جو تیر رکھے رہتے تھے ان کی تولیت۔ یہ منصب بنو جحج کو حاصل تھا۔

۲۔ مالیات کا نظم۔ یعنی بتوں کے تقرب کے لیے جو نذرانے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کا انتظام کرنا، نیز جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ یہ کام بنو سہم کو سونپا گیا تھا۔

۳۔ شوری۔ یہ اعزاز بنو اسد کو حاصل تھا۔

۴۔ اشاق۔ یعنی دیت اور جرمانوں کا نظم۔ اس منصب پر بنو شیم فائز تھے۔

۵۔ عقاب۔ یعنی قومی پرچم کی علمبرداری۔ یہ بنو اُمیہ کا کام تھا۔

۶۔ قبه۔ یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور شہسواروں کی قیادت۔ یہ بنو مخزوم کے حصے میں آیا تھا۔

۷۔ سفارت۔ بنو عدی کا منصب تھا۔

بقیہ عرب سرداریاں | ہم پچھلے صفحات میں قحطانی اور عدنانی قبائل کے ترک وطن کا ذکر کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ پورا ملک عرب ان قبائل کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امارتوں اور سرداریوں کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ جو قبائل حیرہ کے ارد گرد آباد تھے انہیں حکومت حیرہ کے تابع مانا گیا۔ اور جن قبائل نے بادیہ الشام میں سکونت اختیار کی تھی انہیں غسانی حکمرانوں کے تابع قرار دیا گیا مگر یہ ماتحتی صرف نام کی تھی، عملاً نہ تھی۔ ان دو مقامات کو چھوڑ کر اندرون عرب آباد قبائل بہر طور آزاد تھے۔

ان قبائل میں سرداری نظام رائج تھا۔ قبیلے خود اپنا سردار مقرر کرتے تھے۔ اور ان سرداروں کے لیے ان کا قبیلہ ایک مختصر سی حکومت ہوا کرتا تھا۔ سیاسی وجود و تحفظ کی بنیاد، قبائلی وحدت پر مبنی عصبیت اور اپنی سرزمین کی حفاظت و دفاع کے مشترکہ مفادات تھے۔

قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا، قبیلہ صلح و جنگ میں بہر حال اپنے سردار کے فیصلے کے تابع ہوتا تھا اور کسی حال میں اس سے الگ تھلک نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار کو وہی مطلق العنانی اور استبداد حاصل تھا جو کسی ڈکٹیٹر کو حاصل ہوا کرتا ہے حتیٰ کہ بعض سرداروں کا یہ حال تھا کہ اگر وہ بگڑ جاتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جاتیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

تاہم چونکہ ایک ہی کنبے کے چچیرے بھائیوں میں سرداری کے لیے کشاکش بھی ہوا کرتی تھی اس لیے اس کا تقاضا تھا کہ سردار اپنے قبائلی عوام کے ساتھ رواداری بہتے۔ خوب مال خرچ کرے مہمان نوازی میں پیش پیش رہے، کرم و بڑدباری سے کام لے، شجاعت کا عملی مظاہرہ کیے اور غیر تمدانہ امور کی طرف سے دفاع کرے تاکہ لوگوں کی نظر میں عموماً، اور شعراء کی نظر میں خصوصاً خوبی و کمالات کا جامع بن جائے۔ کیونکہ شعراء اس دور میں قبیلے کی زبان ہوا کرتے تھے، اور اس طرح سردار اپنے مقابل حضرات سے بلند و بالا درجہ حاصل کر لے۔

سرداروں کے کچھ مخصوص اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جنہیں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

لث المربع فینا والصفایا وحکمک والنشیطة والفضول

” ہمارے درمیان تمہارے لیے مال غنیمت کا چوتھائی ہے اور منتخب مال ہے اور وہ

مال ہے جس کا تم فیصلہ کر دو اور جو سربراہ ہاتھ آجائے۔ اور جو تقسیم سے بچ رہے۔“

مربع: مال غنیمت کا چوتھائی حصہ۔

صفی: وہ مال جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لیے منتخب کر لے۔

نشیطہ: وہ مال جو اصل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جائے۔

فضول: وہ مال جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور غازیوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو۔ مثلاً تقسیم سے بچے

ہوئے اونٹ گھوڑے وغیرہ ان سب اقسام کے مال سردار قبیلہ کا حق ہوا کرتے تھے۔

سیاسی حالات | جزیرۃ العرب کی حکومتوں اور حکمرانوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ بجا نہ ہو گا کہ اب ان کے کسی

قدر سیاسی حالات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

جزیرۃ العرب کے وہ تینوں سرحدی علاقے جو غیر ممالک کے پڑوس میں پڑتے تھے ان کی

سیاسی حالت سخت اضطراب و انتشار اور انتہائی زوال و انحطاط کا شکار تھی۔ انسان، مالک اور غلام

یا حاکم اور محکوم کے دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ساسے قواعد سربراہوں — اور خصوصاً غیر ملکی سربراہوں

کو حاصل تھے اور سارا بوجھ غلاموں کے سر تھا۔ اسے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جاسکتا

ہے کہ رعایا درحقیقت ایک کھیتی تھی جو حکومت کے لیے محاصل اور آمدنی فراہم کرتی تھی اور حکومتیں

اسے لذتوں، شہوتوں، عیش رانی اور ظلم و جور کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ اور ان

پر ہر طرف سے ظلم کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ حرف شکایت زبان پر نہ لاسکتے تھے۔

بلکہ ضروری تھا کہ طرح طرح کی ذلت و رسوائی اور ظلم و چیرہ دستی برداشت کریں اور زبان بند رکھیں، کیونکہ جبراً استبداد کی حکمرانی تھی اور انسانی حقوق نام کی کسی چیز کا کہیں کوئی وجود نہ تھا۔ ان علاقوں کے پڑوس میں رہنے والے قبائل تذبذب کا شکار تھے۔ انہیں اغراض و خواہشات ادھر سے ادھر، اور ادھر سے ادھر پھینکتی رہتی تھیں۔ کبھی وہ عراقیوں کے ہمنوا ہو جاتے تھے اور کبھی شامیوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔

جو قبائل اندرونِ عرب آباد تھے ان کے بھی جوڑ ڈھیلے اور شیرازہ منتشر تھا۔ ہر طرف قبائلی جھگڑوں، نسلی فسادات اور مذہبی اختلافات کی گرم بازاری تھی، جس میں ہر قبیلے کے افراد بہر صورت اپنے اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ چنانچہ ان کا ترجمان کہتا ہے

وَمَا أَنَا إِلَّا مِنْ غَزِيَّةٍ إِنْ غَوَيْتُ غَوَيْتُ، وَلَنْ تَرُدُّ غَزِيَّةً أُرْسِدُ

”میں بھی تو قبیلہ غزیہ ہی کا ایک فرد ہوں۔ اگر وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راہ پر چلے گا تو میں بھی صحیح راہ پر چلوں گا۔“

اندرونِ عرب کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کی آواز کو قوت پہنچاتا اور نہ کوئی مرجع ہی تھا جس کی طرف مشکلات و شدائد میں رجوع کیا جاتا اور جس پر وقت پڑنے پر اعتماد کیا جاتا۔ ہاں حجاز کی حکومت کو قدر و احترام کی نگاہ سے یقیناً دیکھا جاتا تھا اور اسے مرکز دین کا قائد و پاسبان بھی تصور کیا جاتا تھا۔ یہ حکومت و حقیقت ایک طرح کی ذیوی قیادت اور دینی پیشوائی کا معجون مرکب تھی۔ اسے اہل عرب پر دینی پیشوائی کے نام سے بالادستی حاصل تھی اور حرم اور اطراف حرم پر اس کی باقاعدہ حکمرانی تھی۔ وہی زائرین بیت اللہ کی ضروریات کا انتظام اور شریعت پر ابھی کے احکام کا نفاذ کرتی تھی اور اس کے پاس پارلیمانی اداروں جیسے ادارے اور تشکیلات بھی تھیں۔ لیکن یہ حکومت اتنی کمزور تھی کہ اندرونِ عرب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رکھتی تھی جیسا کہ جیشیوں کے حملے کے موقع پر ظاہر ہوا۔

عرب۔ ادیان و مذاہب

عام باشندگان عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے، اس لیے صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کار بند تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خدائی درس و نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا۔ پھر بھی ان کے اندر توحید اور کچھ دینِ ابراہیمی کے شعائر باقی رہے، تا آنکہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لُحی منظر عام پر آیا۔ اس کی نشوونما بڑی نیکو کاری، صدقہ و خیرات اور دینی امور سے گہری دلچسپی پر ہوتی تھی، اس لیے لوگوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا اور اسے اکابر علماء اور افاضل اولیاء میں سے سمجھ کر اس کی پیروی کی۔ پھر اس شخص نے مکہ شام کا سفر کیا۔ دیکھا تو وہاں بتوں کی پوجا کی جا رہی تھی۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی بہتہ اور برحق ہے کیونکہ مکہ شام پیغمبروں کی سر زمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہبل بُت بھی لے آیا۔ اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی۔ اہل مکہ نے اس پر لیک کہا۔ اس کے بعد بہت جلد باشندگانِ حجاز بھی اہل مکہ کے نقش قدم پر چل پڑے، کیونکہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے۔ اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہبل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے مناتہ ہے۔ یہ بحرِ احمر کے ساحل پر قدید کے قریب نُشَلُّل میں نصب تھا۔ اس کے بعد طائف میں لاث نامی بُت وجود میں آیا۔ پھر وادیِ نخلہ میں عویٰ کی تنصیب عمل میں آئی۔ یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بُت تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جن عمرو بن لُحی کے تابع تھا۔ اس نے بتایا کہ قومِ نوح کے بُت — یعنی ودا، سواع، یغوث، یعوق اور نسر — جدہ میں مدفون ہیں۔ اس اطلاع پر عمرو بن لُحی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھوڑ نکالا۔ پھر انہیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انہیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں

لے گئے۔ اس طرح ہر قبیلے میں، پھر ہر گھر میں ایک ایک بُت ہو گیا۔

پھر مشرکین نے مسجد حرام کو بھی بتوں سے بھر دیا چنانچہ جب مکہ فتح کیا گیا تو بیت اللہ کے گرد اگر دین سوساٹھ بُت تھے جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے توڑا۔ آپ ہر ایک کو چھڑی سے ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور وہ گرتا جاتا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا اور ان سارے بتوں کو مسجد حرام سے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔

غرض شرک اور بُت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی تھی جنہیں گھنڈ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

پھر اہل جاہلیت کے یہاں بت پرستی کے کچھ خاص طریقے اور مراسم بھی رائج تھے جو زیادہ تر عمرو بن لُحئی کی اختراع تھے۔ اہل جاہلیت سمجھتے تھے کہ عمرو بن لُحئی کی اختراعات دین ابراہیمی میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہیں۔ ذیل میں ہم اہل جاہلیت کے اندر رائج بت پرستی کے چند اہم مراسم کا ذکر کر رہے ہیں:

- ۱۔ دورِ جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے، ان کی پناہ ڈھونڈتے تھے، انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے ان سے فریاد اور التجائیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کرادیں گے۔
- ۲۔ بتوں کا حج و طواف کرتے تھے، ان کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

۳۔ بتوں کے لیے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے اور قربانی کے ان جانوروں کو بھی بتوں کے آستانوں پر بجا کر ذبح کرتے تھے اور کبھی کسی بھی جگہ ذبح کر لیتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ذبح کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہے: وَمَا ذُبحَ عَلَى النَّصَبِ (۲:۵) یعنی ”وہ جانور بھی حرام ہیں جو آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوں“ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (۱۲۱:۶) یعنی ”اُس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو“

۴۔ بتوں سے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کھانے پینے

کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپائے کی پیداوار کا ایک حصہ بتوں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا دلچسپ رواج یہ تھا کہ وہ اللہ کے لیے بھی اپنی کھیتی اور جانوروں کی پیداوار کا ایک حصہ خاص کرتے تھے پھر مختلف اسباب کی بنا پر اللہ کا حصہ تو بتوں کی طرف منتقل کر سکتے تھے لیکن بتوں کا حصہ کسی بھی حال میں اللہ کی طرف منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ
وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ
إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ (۱۳۶:۶)

اللہ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس کا ایک حصہ انہوں نے اللہ کے لیے مقرر کیا اور کہا یہ اللہ کے لیے ہے۔ ان کے خیال میں — اور یہ ہمارے شرکار کے لیے ہے، تو جو ان کے شرکار کے لیے ہوتا ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا (مگر جو اللہ کے لیے ہوتا ہے وہ ان کے شرکار تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنا بُرا ہے وہ فیصلہ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

۵۔ بتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے اندر مختلف قسم کی چیزیں مانتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حُرْمٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ
حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِ ط (۱۳۸:۶)

”ان مشرکین نے کہا کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں ممنوع ہیں۔ انہیں وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں — ان کے خیال میں — اور یہ وہ چوپائے ہیں جن کی پیٹھ حرام کی گئی ہے (نہ ان پر سواری کی جاسکتی ہے نہ سامان لادا جاسکتا ہے) اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر یہ لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہوتے — اللہ کا نام نہیں لیتے۔“

۶۔ ان ہی جانوروں میں بچیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حامی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بچیرہ سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے۔ اور سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس سے دس بارپے درپے مادہ بچے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہو۔ ایسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی، اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ بنتی اس کا کان چیر دیا جاتا اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر سواری نہ کی جاتی۔ اس کا بال نہ کاٹا جاتا۔ اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ

ندیپتیا۔ یہی بجیرہ ہے اور اس کی ماں سائبہ ہے۔

وصیلہ اُس بکری کو کہا جاتا تھا جو پانچ دفعہ پے درپے دو دو مادہ پنکھے صنعتی (یعنی پانچ بار میں دس مادہ پنکھے پیدا ہوتے) درمیان میں کوئی نرنہ پیدا ہوتا۔ اس بکری کو اس لیے وصیلہ کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس بکری سے جو پنکھے پیدا ہوتے انہیں صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں۔ البتہ اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس کو مرد عورت سبھی کھا سکتے تھے۔

حامی اُس نرنہ کو کہتے تھے جسکی صنعتی سے پے درپے دس مادہ پنکھے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نرنہ پیدا ہوتا۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی تھی۔ نہ اس پر سواری کی جاتی تھی، نہ اس کا بال کاٹا جاتا تھا۔ بلکہ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں صنعتی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔ دورِ جاہلیت کی بُت پرستی کے ان طریقوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۱۰۳:۵۱)

”اللہ نے نہ کوئی بجیرہ، نہ کوئی سائبہ، نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حامی بایا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے“

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى

أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مِنْتَهُ فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ط (۱۳۹:۶)

”ان مشرکین نے کہا کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں مرد عورت سب شریک ہیں“

چوپایوں کی مذکورہ اقسام یعنی بجیرہ، سائبہ وغیرہ کے کچھ دوسرے مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں جو ابن اسحاق کی مذکورہ تفسیر سے قدرے مختلف ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ جانور ان کے طاغوتوں کے لیے تھے۔
اور صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے کہ عمر بن لُحی پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر
جانور چھوڑے۔

عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس عقیدے کے ساتھ کہتے تھے کہ یہ بت انہیں
اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ کے حضور ان کی سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں
بتایا گیا ہے کہ مشرکین کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ط (۳۱:۳۹)

”ہم ان کی عبادت محض اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں“

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ط (۱۸:۱۰)

”یہ مشرکین اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ

یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

مشرکین عرب اِزْلَام یعنی فال کے تیر بھی استعمال کرتے تھے۔ (اِزْلَام، زُلْم کی جمع ہے۔
اور زُلْم اُس تیر کو کہتے ہیں جس میں پر نہ لگے ہوں) فال گیری کے لیے استعمال ہونے والے تیر
تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن پر صرف ”ہاں“ یا ”نہیں“ لکھا ہوتا تھا۔ اس قسم کے تیر سفر
اور نکاح وغیرہ جیسے کاموں کے لیے استعمال کئے جاتے تھے۔ اگر فال میں ”ہاں“ نکلتا تو مطلوبہ کام
کر ڈالا جاتا اگر ”نہیں“ نکلتا تو سال بھر کے لیے ملتوی کر دیا جاتا اور آئندہ پھر فال نکالی جاتی۔

فال گیری کے تیروں کی دوسری قسم وہ تھی جن پر پانی اور دیت وغیرہ درج ہوتے تھے
اور تیسری قسم وہ تھی جس پر یہ درج ہوتا تھا کہ ”تم میں سے ہے“ یا ”تمہارے علاوہ سے ہے“ یا
”مطلق ہے۔ ان تیروں کا مصرف یہ تھا کہ جب کسی کے نسب میں شبہ ہوتا تو اسے ایک سو اونٹوں
سمیت بئیل کے پاس لے جاتے۔ اونٹوں کو تیرولے مہنت کے حوالے کرتے اور وہ تمام تیروں
کو ایک ساتھ ملا کر گھماتا، جھنڈھوڑتا، پھر ایک تیر نکالتا۔ اب اگر یہ نکلتا کہ ”تم میں سے ہے“ تو وہ ان
کے قبیلے کا ایک معزز فرد قرار پاتا اور اگر یہ برآمد ہوتا کہ ”تمہارے غیر سے ہے“ تو حلیف

قرار پاتا اور گریہ نکلتا کہ "لمحق" ہے تو ان کے اندر اپنی حیثیت پر برقرار رہتا، نہ قبیلے کا فرد مانا جاتا نہ حلیف ہے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک رواج مشرکین میں جو اکھیلنے اور جوئے کے تیر استعمال کرنے کا تھا۔ اسی تیر کی نشاندہی پر وہ جوئے کا اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹتے تھے۔
مشرکین عرب کاہنوں، عرافوں اور نجومیوں کی خبروں پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرے اور راز ہائے سر بستہ سے واقفیت کا دعویدار ہو۔ بعض کاہنوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ایک جن ان کے تابع ہے جو انہیں خبریں پہنچاتا رہتا ہے، اور بعض کاہن کہتے تھے کہ انہیں ایسا فہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ غیب کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بعض اس بات کے مدعی تھے کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے اسکے قول و فعل سے یا اس کی حالت سے، کچھ مقدمات اور اسباب کے ذریعے وہ جائے واردات کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ اس قسم کے آدمی کو عراف کہا جاتا تھا۔ مثلاً وہ شخص جو چوری کے مال، چوری کی جگہ اور گم شدہ جانور وغیرہ کا پتہ ٹھکانا بتاتا۔

نجومی اسے کہتے ہیں جو تاروں پر غور کر کے اور ان کی رفتار و اوقات کا حساب لگا کر پتہ لگانا، کہ دنیا میں آئندہ کیا حالات و واقعات پیش آئیں گے۔ ان نجومیوں کی خبروں کو ماننا درحقیقت بتوں پر ایمان لانا ہے اور تاروں پر ایمان لانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکین عرب نچھٹروں پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر فلاں اور فلاں نچھتر سے بارش ہوتی ہے۔

مشرکین میں بدشگوننی کا بھی رواج تھا۔ اسے عربی میں طیرۃ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا بہرن کے پاس جا کر اسے بھکاتے تھے۔ پھر اگر وہ داہنے جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے۔

۱۰۳۰/۱۰۲۱ ہشام، ابن خضریٰ ۵۶/۱، ابن ہشام ۱۰۳۰/۱۰۲۱
۱۱ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو اکھیلنے والے ایک اونٹ ذبح کر کے اسے دس یا اٹھائیس حصوں پر تقسیم کرتے۔ پھر تیروں سے قمر اندازی کرتے۔ کسی تیر پر حیت کا نشان بنا ہوتا اور کوئی تیر بے نشان ہوتا جس کے نام پر حیت کے نشان والا تیر نکلتا وہ تو کامیاب مانا جاتا اور اپنا حصہ لیتا اور جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا اسے قیمت دینی پڑتی۔

۱۲ مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح ۲/۲، ۳ طبع لکھنؤ۔
۱۳ ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نووی، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء ۱/۹۵

اسی سے ملتی جلتی ایک حرکت یہ بھی تھی کہ مشرکین، خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکاتے تھے اور بعض دنوں، مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوت کے قائل تھے اور رُوح کے اُٹو بن جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے، اس کو سکون نہیں ملتا اور اس کی رُوح اُٹو بن کر بیابانوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور پیاس، پیاس یا مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، کی صدا لگاتی رہتی ہے۔ جب اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔

دین ابراہیمی میں قریش کی بدعت

یہ تھے اہل جاہلیت کے عقائد و اعمال، اس کے ساتھ ہی ان کے اندر دین ابراہیمی کے کچھ باقیات بھی تھے۔ یعنی انہوں نے یہ دین پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج و عمرہ کرتے تھے، عرفات و مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ہڈی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے اس دین ابراہیمی میں بہت سی بدعتیں ایجاد کر کے شامل کر دی تھیں۔ مثلاً:-

○ قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے پاس بان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں، کوئی شخص ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ اور اسی بنا پر یہ اپنا نام محس (بہادر اور گرم جوش) رکھتے تھے۔ لہذا ہمارے شایان شان نہیں کہ ہم حدود حرم سے باہر جائیں چنانچہ حج کے دوران یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے افاضہ کرتے تھے بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدعت کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: **ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ**.. (۱۹۹:۲) یعنی تم لوگ بھی وہیں سے افاضہ کرو جہاں سے سائے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔

○ ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ جس (قریش) کے لیے احرام کی حالت میں پنیر اور گھی بنانا درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ بال ولے گھر (یعنی کیبل کے خیمے) میں داخل

ہوں اور نہ یہ درست ہے کہ سایہ حاصل کرنا ہو تو چڑے کے نچھے کے سوا کہیں اور سایہ حاصل کریں ^{۱۱}۔

○ ان کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بیرونِ حرم کے باشندے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور بیرونِ حرم سے کھانے کی کوئی چیز لے کر آئیں تو اسے ان کے لیے کھانا درست نہیں ^{۱۲}۔

○ ایک بدعت یہ بھی تھی کہ انہوں نے بیرونِ حرم کے باشندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حرم میں آنے کے بعد پہلا طوافِ خمس سے حاصل کئے ہوئے کپڑوں ہی میں کریں۔ چنانچہ اگر ان کا کپڑا دستیاب نہ ہوتا تو مرد ننگے طواف کرتے۔ اور عورتیں اپنے سارے کپڑے اتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتا پہن لیتیں۔ اور اسی میں طواف کرتیں اور دورانِ طواف یہ شعر پڑھتی جاتیں:

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كَلُّهُ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أَحِلَّةُ

” آج کچھ یا کُل شرمگاہ کھل جائے گی۔ لیکن جو کھل جائے میں اسے (دیکھنا) حلال نہیں قرار دیتی“

اللہ تعالیٰ نے اس خرافات کے خاتمے کے لیے فرمایا: يٰبَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ

كُلِّ مَسْجِدٍ .. (۳۱:۴۱) ”اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کر لیا کرو“

بہر حال اگر کوئی عورت یا مرد برتر اور معزز بن کر، بیرونِ حرم سے لائے ہوئے اپنے ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دیتا، ان سے نہ خود فائدہ اٹھاتا نہ کوئی اور ^{۱۳}۔

○ قریش کی ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ حالتِ احرام میں گھر کے اندر دروازے سے داخل

نہ ہوتے تھے بلکہ گھر کے پچھواڑے ایک بڑا سا سُورخ بنا لیتے اور اسی سے آتے جاتے تھے اور

اپنے اس اُجڑپنے کو نیکی سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے اس سے بھی منع فرمایا۔ (۱۸۹: ۲)

یہی دین — یعنی شرک و بت پرستی اور توہمات و خرافات پر مبنی عقیدہ و عمل والادین —

عام اہل عرب کا دین تھا۔

اس کے علاوہ جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں یہودیت، مسیحیت، مجوسیت اور صابئیت

نے بھی درگنے کے مواقع پائے تھے، لہذا ان کا تاریخی خاکہ بھی مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

جزیرۃ العرب میں یہود کے کم از کم دو ادوار ہیں۔ پہلا دور اس وقت سے تعلق رکھتا ہے

جب فلسطین میں بابل اور آشور کی حکومت کی فتوحات کے سبب یہودیوں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ اس حکومت کی سخت گیری اور سخت نضر کے ہاتھوں یہودی بستیوں کی تباہی ویرانی، ان کے مشکل کی بربادی اور ان کی اکثریت کی ٹمک بابل کو جلا وطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کی ایک جماعت فلسطین چھوڑ کر حجاز کے شمالی اطراف میں آ بسی۔

دوسرا دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب ٹائٹس رومی کی زیر قیادت سلسلہ میں رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا۔ اس موقع پر رومیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی دار و گیر اور ان کے مشکل کی بربادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد یہودی قبیلے حجاز بھاگ آئے اور یشرب، خیبر اور تیمار میں آباد ہو کر یہاں اپنی باقاعدہ بستیاں بسالیں اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیں۔ ان تارکین وطن یہود کے ذریعے عرب باشندوں میں کسی قدر یہودی مذہب کا بھی رواج ہوا اور اسے بھی ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے ابتدائی دور کے سیاسی حوادث میں ایک قابل ذکر حیثیت حاصل ہو گئی۔ ظہور اسلام کے وقت مشہور یہودی قبائل یہ تھے۔ نَضِیر، مُصْطَلِق، قُرَیظَہ اور قَیْنُقَاع۔ مشہور یہودی نے وقار الوفا ص ۱۱۶ میں ذکر کیا ہے کہ یہود قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔

یہودیت کو یمن میں بھی فروغ حاصل ہوا۔ یہاں اس کے پھیلنے کا سبب تباہ اسعد ابو کرب تھا۔ یہ شخص جنگ کرتا ہوا یشرب پہنچا۔ وہاں یہودیت قبول کر لی اور بنو قریظہ کے دیوبندی علماء کو اپنے ساتھ یمن لے آیا اور ان کے ذریعے یہودیت کو یمن میں وسعت اور پھیلاؤ حاصل ہوا۔ ابو کرب کے بعد اس کا بیٹا یوسف ذونو اس یمن کا حاکم ہوا تو اس نے یہودیت کے جوش میں نجران کے عیسائیوں پر ہلہ بول دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہودیت قبول کریں، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر ذونو اس نے خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلا کر بوڑھے، بچے مرد عورت سب کو بلا تیز آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کا شکار ہونے والوں کی تعداد بیس سے چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ یہ اکتوبر ۵۲۳ء کا واقعہ ہے۔ قرآن مجید نے سورہ بروج میں اسی واقعے کا ذکر کیا ہے۔

جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بلاد عرب میں اس کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گروں

۱۶ قلب جزیرۃ العرب ص ۲۵۱ ۱۷ ایضاً ایضاً

۱۸ ابن ہشام ۲۰/۱، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۳۱، ۳۵، ۳۶، نیز ملاحظہ فرمائیے کتب تفسیر، تفسیر سورہ بروج

اور فاتحین کے ذریعے ہونی ہم بتا چکے ہیں کہ یمن پر حبشیوں کا قبضہ پہلی بار ۳۳۲ء میں ہوا۔ اور ۳۷۵ء تک برقرار رہا۔ اس دوران یمن میں مسیحی مشن کام کرتا رہا۔ تقریباً اسی زمانے میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات زاہدیں کانافیمیون تھا، نجران پہنچا اور وہاں کے باشندوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ اہل نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ ایسی علالت دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔^{۱۹}

پھر ذونو اس کی کارروائی کے رد عمل کے طور پر حبشیوں نے دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور ابراہم نے حکومت یمن کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اسی جوش و خروش کا نتیجہ تھا کہ اس نے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کیا اور کوشش کی کہ اہل عرب کو مکہ اور بیت اللہ سے روک کر اسی کا حج کرنے اور مکہ کے بیت اللہ شریف کو ڈھا دے۔ لیکن اس کی اس جرات پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ اولین و آخرین کے لیے عبرت بن گیا۔

دوسری طرف رومی علاقوں کی ہمسائیگی کے سبب آلِ عثمان، بنو ثعلب اور بنو طی وغیرہ قبائل عرب میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی۔ بلکہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔

جہاں تک مجوسی مذہب کا تعلق ہے تو اسے زیادہ تر اہل فارس کے ہمسایہ عربوں میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ مثلاً عراق عرب، بحرین، (الاحساء) حجر اور خلیج عربی کے ساحلی علاقے۔ ان کے علاوہ یمن پر فارسی قبضے کے دوران وہاں بھی اکاؤڈکا افراد نے مجوسیت قبول کی۔

باقی رہا صابی مذہب تو عراق وغیرہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب تھا۔ دورِ قدیم میں شام و یمن کے بہت سے باشندے بھی اسی مذہب کے پیرو تھے، لیکن جب یہودیت اور پھر عیسائیت کا دور دورہ ہوا تو اس مذہب کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کی شمع فروزاں گل ہو کر رہ گئی۔ تاہم مجوس کے ساتھ خلط ملط ہو کر یا ان کے پڑوس میں عراق عرب اور خلیج عربی کے ساحل پر اس مذہب کے کچھ نہ کچھ پیرو کار باقی رہے۔^{۲۰}

جس وقت اسلام کا نیرِ تاباں طلوع ہوا ہے یہی مذاہبِ ادیان تھے جو عرب میں پائے جاتے تھے۔ لیکن یہ سارے ہی مذاہبِ شکست و ریخت سے

دینی حالت

دوچار تھے۔ مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دینِ ابراہیمی پر ہیں شریعتِ ابراہیمی کے اوامر و نواہی سے کوسوں دُور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی تھی ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان میں گناہوں کی بھرمار تھی اور طویل زمانہ کے سبب ان میں بھی بُت پرستوں کی وہی عادات و رسوم پیدا ہو چلی تھیں جنہیں دینی خرافات کا درجہ حاصل ہے۔ ان عادات و رسوم نے ان کی اجتماعی سیاسی اور دینی زندگی پر نہایت گہرے اثرات ڈالے تھے۔

یہودی مذہب کا حال یہ تھا کہ وہ محض ریاکاری اور تحکم بن گیا تھا۔ یہودی پیشوا اللہ کے بجائے خود رب بن بیٹھے تھے۔ لوگوں پر اپنی مرضی چلاتے تھے اور ان کے دلوں میں گزرنے والے خیالات اور ہونٹوں کی حرکات تک کا محاسبہ کرتے تھے۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ کسی طرح مال و ریاست حاصل ہو، خواہ دین برباد ہی کیوں نہ ہو اور کفر و الحاد کو فروغ ہی کیوں نہ ملے اور ان تعلیمات کے ساتھ تساہل ہی کیوں نہ برتا جائے جن کی تقدیس کا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو حکم دیا ہے اور جن پر عمل درآمد کی ترغیب دی ہے۔

عیسائیت ایک ناقابلِ فہم بُت پرستی بن گئی تھی۔ اس نے اللہ اور انسان کو عجیب طرح سے خلط ملط کر دیا تھا۔ پھر جن عربوں نے اس دین کو اختیار کیا تھا ان پر اس دین کا کوئی حقیقی اثر نہ تھا کیونکہ اس کی تعلیمات ان کے مالوف طرزِ زندگی سے میل نہیں کھاتی تھیں اور وہ اپنا طرزِ زندگی چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

باقی ادیانِ عرب کے ماننے والوں کا حال مشرکین ہی جیسا تھا کیونکہ ان کے دل یکساں تھے عقائد ایک سے تھے اور رسم و رواج میں ہم آہنگی تھی۔

جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں

جزیرۃ العرب کے سیاسی اور مذہبی حالات بیان کر لینے کے بعد اب وہاں کے اجتماعی، اقتصادی اور اخلاقی حالات کا خاکہ مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات ایک **اجتماعی حالات** دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ چنانچہ طبقہ اشراف میں مرد و عورت

کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی۔ اس کی بات مانی جاتی تھی۔ اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں اور خوزریزیاں

ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے کرم و شجاعت پر جسے عرب میں بڑا بلند مقام حاصل تھا اپنی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا۔ بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے

لیے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خوزریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، لیکن ان سب کے باوجود بلا نزاع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کن ہو کر

تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعے ہوتا تھا، اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کے زیر نگرانی انجام پاتا تھا۔ عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان کی ولایت کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کر لے۔

ایک طرف طبقہ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دوسرے طبقوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں جنہیں بدکاری و بے حیائی اور فحش کاری و زنا کاری کے سوا

کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیتا۔ پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح

کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کرادو) اور شوہر خود اس سے الگ

تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل

کی تھی یعنی زنا کرایا تھا، اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاحِ استبضاع کہا جاتا تھا اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں۔ نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی۔ سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اُس کا لڑکا مان لیا جاتا۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔ وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جوان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلا تے۔ قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا۔ پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا۔ وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیئے۔ صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔ عرب میں مرد و عورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تلوار کی دھارا اور نیزے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں یعنی قبائلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیتا تھا، لیکن ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہن ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد معین نہ تھی۔

۱۔ صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا لولی ۲/۶۹۷ و ابوداؤد: باب وجوہ النکاح۔

۲۔ ابوداؤد، نسخ المراجعة بعد التلویقات الثلث، نیز کتب تفسیر متعلقہ الطلاق مرتان

زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی۔ کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس بڑائی کے کھچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا۔ پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتاً اچھا تھا۔ اصل مصیبت لونڈیاں ہی تھیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت اس بڑائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتی تھی چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! ﷺ فلاں شخص میرا بیٹا ہے۔ میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں ایسے دعوے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہو گا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زنا کار کے لیے پتھر ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد بن زمرہ کے درمیان زمرہ کی لونڈی کے بیٹے — عبدالرحمن بن زمرہ — کے بارے میں جو جھگڑا پیش آیا تھا وہ بھی معلوم و معروف ہے۔

جاہلیت میں باپ بیٹے کا تعلق بھی مختلف نوعیت کا تھا۔ کچھ تو ایسے تھے جو کہتے تھے —
 اِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَيْنَنَا اَكْبَادُنَا تَمْشِي عَلِ الْاَرْضِ
 ”ہماری اولاد ہمارے کلیجے ہیں جو روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔“
 لیکن دوسری طرف کچھ ایسے بھی تھے جو لڑکیوں کو رسوائی اور خرچ کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے اور بچوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالتے تھے۔ یہ سب لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگ دلی بڑے پیمانے پر رائج تھی کیونکہ عرب اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کے لیے دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ اولاد کے محتاج تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے۔

جہاں تک سگے بھائیوں، چھیرے بھائیوں، اور کنبے قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ خاصے پختہ اور مضبوط تھے کیونکہ عرب کے لوگ قبائلی عصبیت ہی کے سہارے چلتے اور اسی کے لیے مرتے تھے۔ قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح پوری طرح کار فرما ہوتی تھی۔ جسے عصبیت کا جذبہ مزید آتش رکھتا تھا۔ درحقیقت قومی عصبیت اور قرابت کا تعلق ہی ان کے اجتماعی نظام کی بنیاد تھا۔ وہ لوگ اس مثل پر اس کے لفظی معنی کے مطابق عمل پیرا تھے کہ اُنصُرَا خَاكَ ظَالِمًا

۳ صبح بخاری ۲/۹۹۹، ۱۰۶۵، ابو داؤد: اَوْلَادٌ لِلْفِرَاشِ

۴ قرآن مجید ۶: ۱۰۱-۱۶: ۵۸، ۵۹: ۱۷-۳۱: ۸۱

اَوْ مَظْلُومًا داپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اس مثل کے معنی میں ابھی وہ اصلاح نہیں ہوئی تھی جو بعد میں اسلام کے ذریعے کی گئی یعنی ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم سے باز رکھائے۔ البتہ شرف و سرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ بہت سی دفعہ ایک ہی شخص سے وجود میں آنے والے قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا جیسا کہ اُدس و خزرج، عُبس و ذُبیان اور بکر و تغلب وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

جہاں تک مختلف قبائل کے ایک دوسرے سے تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ پوری طرح شکستہ و ریختہ تھے۔ قبائل کی ساری قوت ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں فنا ہو رہی تھی، البتہ دین اور خرافات کے آمیزے سے تیار شدہ بعض رسوم و عادات کی بدولت بسا اوقات جنگ کی حدت و شدت میں کمی آجاتی تھی اور بعض حالات میں موالاة، حلف اور تابعداری کے اصولوں پر مختلف قبائل یکجا ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں حرام مہینے ان کی زندگی اور حصولِ معاش کے لیے سراپا رحمت و مدد تھے۔ خلاصہ یہ کہ اجتماعی حالت ضعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی، جہل اپنی طنائیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ عورت بھی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کشی کرنے تک محدود تھے۔

اقتصادی حالت، اجتماعی حالت کے تابع تھی۔ اس کا اندازہ عرب کے ذرائع **اقتصادی حالت** معاش پر نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضرورتِ زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی۔ اور معلوم ہے کہ تجارتی آمد و رفت امن و سلامتی کی فضا کے بغیر آسان نہیں اور جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوائے حرمت والے مہینوں کے امن و سلامتی کا کہیں وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حرام مہینوں ہی میں عرب کے مشہور بازار عکاظ، ذی الحجاء اور بجنہ وغیرہ لگتے تھے۔

جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اس میدان میں ساری دنیا سے پیچھے تھے۔ کپڑے کی بنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی بھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر مین اچیرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البتہ اندرون عرب کھیتی باڑی اور گلہ بانی کا کسی قدر رواج تھا۔

ساری عرب عورتیں سوت کاتتی تھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ سارا مال و متاع ہمیشہ لڑائیوں کی زد میں رہتا تھا۔ فقرا اور بھوک کی وبا عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے۔ یہ تو اپنی جگہ مُسلم ہے ہی کہ اہل جاہلیت میں خنفس و رذیل عادتیں اور وجدان و شعور اور عقل سلیم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں ایسے پسندیدہ اخلاقِ فاضلہ بھی تھے جنہیں دیکھ کر انسان دنگ اور ششدر رہ جاتا ہے۔ مثلاً:

اخلاق

۱۔ کرم و سخاوت — یہ اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے اور اس پر اس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی نذر ہو گئے ہیں۔ اس وصف کی بنیاد پر کسی نے خود اپنی تعریف کی ہے تو کسی نے کسی اور کی۔ حالت یہ تھی کہ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اس ایک اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی تو بھی۔ ایسی سنگین حالت کے باوجود اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اٹھ کر اپنے مہمان کے لیے اپنی اونٹنی ذبح کر دیتا۔ ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور مالی فخریاں اٹھاتے اور اس طرح انسانوں کو بربادی اور خوزیری سے بچا کر دوسرے ریسوں اور سرداروں کے مقابل فخر کرتے تھے۔ اسی کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ یہ بذاتِ خود کوئی فخر کی چیز تھی بلکہ اس لیے کہ یہ کرم و سخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ اس لیے یہ لوگ انگور کے درخت کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکریم کہتے تھے۔ جاہلی اشعار کے دو اودین پر نظر ڈالیے تو یہ مدح و فخر کا ایک اہم باب نظر آئے گا۔

عنترہ بن شداد عیسیٰ اپنے مُعلقہ میں کہتا ہے:-

رکد الہواجر بالمشوف المعلم	ولقد شربت من المدامة بعد ما
قرنت بأزهر بالشمال مفدم	بزجاجة صفراء ذات أسرة
مالی، و عرضی وافر لوری کلم	فإذا شربت فأنسى مستهلك
وکما علمت شمائلی و تحکمی	وإذا صحت فما أقصر عن ندى

” میں نے دوپہر کی تیزی رکنے کے بعد ایک زرد رنگ کے دھاری دار جام بلوریں سے جو بائیں

جانب رکھی ہوئی تاناک اور منہ بند نم کے ساتھ تھا، نشان لگی ہوئی صاف شفاف شراب پی۔ اور جب میں

پی لیتا ہوں تو اپنا مال لٹا ڈالتا ہوں۔ لیکن میری آبرو بھر پور رہتی ہے اس پر کوئی چوٹ نہیں آتی۔ اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتاہی نہیں کرتا اور میرا اخلاق و کرم بیساکچہ ہے تمہیں معلوم ہے۔“

ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جو اُکھیلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بھی سخاوت کی ایک راہ ہے کیونکہ انہیں جو نفع حاصل ہوتا، یا نفع حاصل کرنے والوں کے حصے سے جو کچھ فاضل بچ رہتا اسے مسکینوں کو دے دیتے تھے۔ اسی لیے قرآن پاک نے شراب اور جوئے کے نفع کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ منہ ریا پاکہ وَاِشْمَآءَ اَكْبَرٍ مِنْ نَفْعِهِمَا ۚ ﴿۲۱۹﴾ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔“

۲۔ وفاتے عہد۔۔۔ یہ بھی دورِ جاہلیت کے اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے۔ عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی جس سے وہ بہر حال چمٹے رہتے تھے۔ اور اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھر بار کی تباہی بھی بیچ سمجھتے تھے۔ اسے سمجھنے کے لیے ہانی بن مسعود شیبانی، سموأل بن عادی اور حاجب بن زرارہ کے واقعات کافی ہیں۔

۳۔ خوداری و عزتِ نفس۔۔۔ اس پر قائم رہنا اور ظلم و جبر برداشت نہ کرنا بھی جاہلیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شجاعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً بھڑک اٹھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر جس سے ذلت و اہانت کی بو آتی، شمشیر و تان اٹھا لیتے اور نہایت خوریز جنگ چھیڑ دیتے۔ انہیں اس راہ میں اپنی جان کی قطعاً پروا نہ رہتی۔

۴۔ عزام کی تکمیل۔۔۔ اہل جاہلیت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی کام کو مجد و افتخار کا ذریعہ سمجھ کر انجام دینے پر تئل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر اس کام کو انجام دے ڈالتے تھے۔

۵۔ حلم و بڑبڑاری اور سنجیدگی۔۔۔ یہ بھی اہل جاہلیت کے نزدیک قابلِ ستائش خوبی تھی، مگر یہ ان کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت اور جنگ کے لیے ہمہ وقت آمادگی کی عادت کے سبب نادر الوجود تھی۔

۶۔ بدوی سادگی۔۔۔ یعنی تمدن کی آلائشوں اور داؤ بیچ سے ناواقفیت اور دُوری۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری و بد عہدی سے دور اور متنفر تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کو ساری دنیا سے جو جغرافیائی نسبت حاصل تھی اس کے علاوہ یہی وہ قیمتی اخلاق تھے جن کی وجہ سے اہل عرب کو بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالتِ عامہ کا بوجھ اٹھانے

کے لیے منتخب کیا گیا۔ کیونکہ یہ اخلاق اگرچہ بعض اوقات شر و فساد کا سبب بن جاتے تھے اور ان کی وجہ سے المناک حادثات پیش آجاتے تھے لیکن یہ فی نفسہ بڑے قیمتی اخلاق تھے۔ جو تھوڑی سی اصلاح کے بعد انسانی معاشرے کے لیے نہایت مفید بن سکتے تھے، اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔

غالباً ان اخلاق میں بھی ایسے عہد کے بعد عزتِ نفس اور سختگی عزم سب سے گراں قیمت اور نفع بخش جوہر تھا۔ کیونکہ اس قوتِ قاہرہ اور عزمِ مُصمّم کے بغیر شر و فساد کا خاتمہ اور نظامِ عدل کا قیام ممکن نہیں۔

اہلِ جاہلیت کے کچھ اور بھی اخلاقِ فاضلہ تھے لیکن یہاں سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔



خاندان نبوت

نسب نبی ﷺ کا سلسلہ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ جس کی صحت پر اہل سیر اور ماہرین انساب کا اتفاق ہے۔ یہ عدنان تک منتهی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں اہل سیر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک منتهی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جس میں یقیناً کچھ غلطیاں ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ گذر چکا ہے۔ ذیل میں تینوں حصوں کی قدرے تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

پہلا حصہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرؤ) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر (انہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے) بن مالک بن نصر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان علیہ السلام

دوسرا حصہ عدنان سے اوپر یعنی عدنان بن ادد بن ہامس بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عمام بن ناشد بن حزاب بن بلداس بن یدلات بن طابح بن جاحم بن ناش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعان بن حمدان بن سبیر بن یثرب بن یحزن بن یحمن بن اُرعوی بن عیض بن دیشان بن عیصر بن اُفناد بن اُیہام بن مقصر بن ناحث بن زارج بن سمی بن مزی بن عوض بن عزام بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام علیہ السلام

تیسرا حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر۔ ابراہیم بن تارح (آزر) بن ناحور بن ساروع (یا ساروغ) بن راعوب بن فالح بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ ادریس کا نام ہے) بن یودن مہلائیل بن قینان بن آئوش بن شیت بن آدم علیہ السلام

۱ ابن ہشام ۱/۱۱۱، تلخیص فہوم اہل الاثر ص ۶۰۵، رحمۃ للعالمین ۱۱/۲ تا ۱۲/۱ ۵۲۰

۲ علامہ منصور پوری نے بڑی دقیق تحقیق کے بعد یہ حصہ نسب کلبی اور ابن سعد کی روایت سے جمع کیا ہے دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱۲/۱ تا ۱۲/۱ تاریخی مآخذ میں اس حصے کی بابت بڑا اختلاف ہے۔

۳ ابن ہشام ۱/۲ تا ۴۔ تلخیص الفہوم ص ۱۱ خلاصۃ السیر ص ۶ رحمۃ للعالمین ۱۸/۲ بعض ناموں کے متعلق ان مآخذ میں اختلاف بھی ہے۔ اور بعض نام بعض مآخذ سے ساقط بھی ہیں۔

نبی ﷺ کا خاندان اپنے جدِ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خاندان ہاشمی کے نام سے معروف ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اور ان کے بعد کے بعض افراد کے مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں۔

خاندان

۱۔ ہاشم: ہم بتا چکے ہیں کہ جب بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر مصالحت ہو گئی تو عبد مناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو سقایہ اور رفادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکے میں حاجیوں کو شور باروٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ ان کا اصل نام عمرو تھا لیکن روٹی توڑ کر شور بے میں سلنے کی وجہ سے ان کو ہاشم کہا جانے لگا کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ پھر ہی ہاشم وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے لیے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

عمرو الذی ہشم الثمد لقومه قوم بمكة مُسنتین عجاج
سنت الیہ الرحلتان کلاهما سفر الشتاء ورحلة الأضیاف

”یہ عمرو ہی ہیں جنہوں نے قحط کی ماری ہوتی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شور بے میں بھگو بھگو کر کھلاتے اور جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی بنیاد رکھی“

ان کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے۔ راستے میں مدینہ پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی نضار کی ایک خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ دنوں وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر بیوی کو حالتِ حمل میں میکے ہی میں چھوڑ کر ملک شام روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ادھر سلمیٰ کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ یہ ۹۷ھ کی بات ہے چونکہ بچے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لیے سلمیٰ نے اس کا نام شیبہ رکھا اور شرب میں اپنے میکے ہی کے اندر اس کی پرورش کی۔ آگے چل کر یہی بچہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عرصے تک خاندان ہاشم کے کسی آدمی کو اس کے وجود کا علم نہ ہو سکا۔ ہاشم کے کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ اسد، ابو صیفی، نضله، عبد المطلب، شفاء، خالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور جنتہ۔

۲۔ عبد المطلب — پچھلے صفحات سے معلوم ہو چکا ہے سقایہ اور رفادہ کا منصب

ہاشم کے بعد ان کے بھائی مُطَلِب کو ملا۔ یہ بھی اپنی قوم میں بڑی خوبی و اعزاز کے مالک تھے۔ ان کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ ان کی سخاوت کے سبب قریش نے ان کا لقب فیاض رکھ چھوڑا تھا۔ جب شیبہ یعنی عبد المُطَلِب — دس بارہ برس کے ہو گئے تو مُطَلِب کو ان کا علم ہوا اور وہ انہیں لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ جب یثرب کے قریب پہنچے اور شیبہ پر نظر پڑی تو اشکبار ہو گئے، انہیں سینے سے لگایا اور پھر اپنی سواری پر پیچھے بٹھا کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر شیبہ نے ماں کی اجازت کے بغیر ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس لیے مُطَلِب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوئے مگر ماں نے اجازت نہ دی۔ آخر مُطَلِب نے کہا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جارہے ہیں۔ اس پر ماں نے اجازت دے دی اور مُطَلِب انہیں اپنے اُونٹ پر بٹھا کر مکہ لے آئے۔ مکے والوں نے دیکھا تو کہا یہ عبد المُطَلِب ہے یعنی مُطَلِب کا غلام ہے۔ مُطَلِب نے کہا نہیں نہیں۔ یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔ پھر شیبہ نے مُطَلِب کے پاس پرورش پائی اور جوان ہوئے۔ اس کے بعد مقام رومان (مین) میں مُطَلِب کی وفات ہو گئی اور ان کے چھوڑے ہوئے مناصب عبد المُطَلِب کو حاصل ہوئے۔ عبد المُطَلِب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف و اعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباؤ اجداد میں بھی کوئی اس مقام کو نہ پہنچ سکا تھا۔ قوم نے انہیں دل سے چاہا اور ان کی بڑی عزت و قدر کی۔

جب مُطَلِب کی وفات ہو گئی تو نوفل نے عبد المُطَلِب کے صحن پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ عبد المُطَلِب نے قریش کے کچھ لوگوں سے اپنے چچا کے خلاف مدد چاہی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے درمیان ذخیل نہیں ہو سکتے۔ آخر عبد المُطَلِب نے بنی نجران میں اپنے ماموں کو کچھ اشعار لکھ بھیجے جس میں ان سے مدد کی درخواست کی تھی۔ جواب میں ان کا ماموں ابوسعبد بن عدی اسی سوار لے کر روانہ ہوا۔ اور مکے کے قریب اَبْلَح میں اترا۔ عبد المُطَلِب نے وہیں ملاقات کی اور کہا ماموں جان! گھر تشریف لے چلیں۔ ابوسعبد نے کہا: نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کہ نوفل سے مل لوں۔ اس کے بعد ابوسعبد آگے بڑھا اور نوفل کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ نوفل خنیم میں مشائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ابوسعبد نے تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا: اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تمہارے اندر پیوست کر دوں گا۔ نوفل نے کہا اچھا! ابومیں نے واپس کر دی۔ اس پر ابوسعبد نے

مشائخ قریش کو گواہ بنایا، پھر عبد المطلب کے گھر گیا اور تین روز مقیم رہ کر غرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس چلا گیا۔ اس واقعے کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے باہمی تعاون کا عہد و پیمانہ کیا۔ ادھر بنو خزاعہ نے دیکھا کہ بنو نجار نے عبد المطلب کی اس طرح مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ عبد المطلب جس طرح تمہاری اولاد سے ہماری بھی اولاد ہے۔ لہذا ہم پر اس کی مدد کا حق زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے دارالندوہ میں جا کر بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے خلاف بنو ہاشم سے تعاون کا عہد و پیمانہ کیا۔ یہی پیمانہ تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا سبب بنا۔ تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔

بیت اللہ کے تعلق سے عبد المطلب کے ساتھ دو اہم واقعات پیش آئے، ایک چاہ زمزم کی کھدائی کا واقعہ اور دوسرا قبیل کا واقعہ۔

پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد المطلب نے خواب دیکھا کہ انہیں زمزم چاہ زمزم کی کھدائی کا کنواں کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور خواب ہی میں انہیں اس کی جگہ بھی بتائی گئی۔ انہوں نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کی اور رفتہ رفتہ وہ چیزیں برآمد ہوئیں جو بنو خزاعہ نے مکہ چھوڑتے وقت چاہ زمزم میں دفن کی تھیں۔ یعنی تلواریں، زریں، اور سونے کے دونوں ہرن۔ عبد المطلب نے تلواروں سے کعبے کا دروازہ ڈھالا۔ سونے کے دونوں ہرن بھی دروازے ہی میں فٹ کتے اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا بندوبست کیا۔

کھدائی کے دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا تو قریش نے عبد المطلب سے جھگڑا شروع کیا اور مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی کھدائی میں شریک کر لو۔ عبد المطلب نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اس کام کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں، لیکن قریش کے لوگ باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ فیصلے کے لیے بنو سعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا اور لوگ مکہ سے روانہ بھی ہو گئے۔ لیکن راستے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی علامات دکھلائیں کہ وہ سمجھ گئے کہ زمزم کا کام قدرت کی طرف سے عبد المطلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے راستے ہی سے پلٹ آئے۔ یہی موقع تھا جب عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کر سکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کر دیں گے۔

واقعہ قبل

دوسرے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ اترہہ صبح حبشی نے (جو نجاشی بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر جنرل تھا) جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک بہت بڑا گھلیسا تعمیر کیا۔ اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت گلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پانچا نہ پوت دیا۔ اترہہ کو پتا چلا تو سخت برہم ہوا۔ اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر کعبے کو ڈھانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا۔ لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ اترہہ یمن سے یغفار کرتا ہوا مُنَمَّس پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے نکلے میں داخلے کے لیے چل پڑا جب مُزْدَلِفَہ اور منیٰ کے درمیان وادی مُحَسِّر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لیے کسی طرح نہ اٹھا۔ اس کا رخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھج دیا جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گراتے اور اللہ نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ یہ چڑیاں ابابیل اور قمری جیسی تھیں، ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنچوں میں کنکریاں چبے جیسی تھیں مگر جس کسی کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضاء کٹنا شروع ہو جاتے تھے اور وہ مرجاتا تھا۔ کنکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں، لیکن لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ہر شخص دوسرے کو روندتا کچلتا گرتا پڑتا بھاگتا ہوا تھا۔ پھر بھگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ ادھر اترہہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔ پھر اس کا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔

اترہہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر گئے تھے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپے تھے جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پٹ آئے۔ یہ واقعہ — بئسراہل بئیر کے بقول — نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچھن دن پہلے ماہ محرم میں پیش آیا تھا لہذا یہ ۵۷۱ء کی فروری کے اواخر یا مارچ کے اوائل کا واقعہ ہے یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لیے ظاہر فرمائی تھی کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھنے کہ اپنے دور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا اور وہاں کے باشندے مسلمان

تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا جیسا کہ بُخت نصر کے حملہ ۵۸۶ء اور اہل روم کے قبضہ (۶۳۶ء) سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔

پھر یہ واقعہ ایسے حالات میں پیش آیا کہ اس کی خبر اس وقت کی متمدن دنیا کے بیشتر علاقوں یعنی روم و فارس میں آنا فانا پہنچ گئی۔ کیونکہ حبشہ کا رومیوں سے بڑا گہرا تعلق تھا اور دوسری طرف فارسیوں کی نظر رومیوں پر برابر رہتی تھی اور وہ رومیوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا برابر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کے بعد اہل فارس نے نہایت تیزی سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ یہی دو حکومتیں اس وقت متمدن دنیا کے اہم حصے کی نمائندہ تھیں۔ اس لیے اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں بیت اللہ کے شرف و عظمت کا ایک کھلا ہوا خدائی نشان دکھلانی پڑ گیا۔ اور یہ بات دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لیے منتخب کیا ہے۔ لہذا آئندہ یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہو گا۔ اور اس خدائی حکمت کی تفسیر ہو گا جو عالم اسباب سے بالاتر طریقے پر اہل ایمان کے خلاف مشرکین کی مدد میں پوشیدہ تھی۔

عبد المطلب کے کل دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حارث، زبیر، ابوطالب، عبد اللہ حمزہ، ابولہب، نخیداق، مقوم، صفار اور عباس۔ بعض نے کہا ہے کہ گیارہ تھے۔ ایک کا نام قثم تھا اور بعض اور لوگوں نے کہا ہے کہ تیرہ تھے۔ ایک کا نام عبد الکعبہ اور ایک کا نام جحل تھا۔ لیکن دس کے قائلین کہتے ہیں کہ مقوم ہی کا دوسرا نام عبد الکعبہ اور نخیداق کا دوسرا نام جحل تھا اور قثم نام کا کوئی شخص عبد المطلب کی اولاد میں نہ تھا۔ عبد المطلب کی بیٹیاں چھ تھیں۔ نام یہ ہیں: ام حکیم ان کا نام بیضا ہے۔ بڑہ۔ عاتکہ۔ صفیہ۔ ارومی اور امیمہ۔

۳۔ عبد اللہ — رسول اللہ ﷺ کے والد محترم

ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم بن یغظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ عبد المطلب کی اولاد میں عبد اللہ سب سے زیادہ خوبصورت پاکدامن اور چہیتے تھے اور ذبیح کہلاتے تھے۔ ذبیح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ جب عبد المطلب کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہو گئی اور

وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے۔ تو عبد المطلب نے انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے بات مان لی۔ اس کے بعد عبد المطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے۔ اور ہبل کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبد اللہ کا نام نکلا۔ عبد المطلب نے عبد اللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے۔ لیکن قریش اور خصوصاً عبد اللہ کے نہیال والے یعنی بنو مخزوم اور عبد اللہ کے بھائی ابوطالب آٹے آئے۔ عبد المطلب نے کہا تب میں اپنی نذر کا کیا کروں؟ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی خاتون عرآفہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ عبد المطلب ایک عرآفہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں، اگر عبد اللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں، یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبد المطلب نے واپس آ کر عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبد اللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔ جب سوا اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبد المطلب نے انہیں عبد اللہ کے بدلے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ کسی انسان یا درندے کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس واقعے سے پہلے قریش اور عرب میں خون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی مگر اس واقعے کے بعد سوا اونٹ کر دی گئی۔ اسلام نے بھی اس مقدار کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں۔ ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آپ کے والد عبد اللہ ﷺ

عبد المطلب نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنو زہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبد اللہ کے پاس آئیں مگر تھوڑے عرصے بعد عبد اللہ کو عبد المطلب نے کھجور لانے کے لیے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔

بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے تھے۔ قریش کے ایک قافلے کے ہمراہ واپس آتے ہوئے بیمار ہو کر مدینہ آئے۔ اور وہیں انتقال کر گئے۔ تدفین نابغہ جندی کے مکان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی۔ اکثر مؤرخین کے بقول ابھی رسول اللہ ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ البتہ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش ان کی وفات سے دو ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ لہذا جب ان کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو حضرت آمنہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ کہا جو یہ ہے:

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم	وجاورد لحدًا خارجًا في الغمام
دعته المنايا دعوة فاجابها	ومساركت في الناس مثل ابن هاشم
عشية راحوا يعملون سريرة	تعاوره اصحابه في التراحم
فان تك غالته المنايا ورببها	فقد كان معطاء كثيرًا تراحم

”بطحا کی آغوش ہاشم کے صاحبزادے سے خالی ہو گئی۔ وہ بانگ و حروش کے درمیان ایک لمحہ میں آسودہ خواب ہو گیا۔ اسے موت نے ایک پکار لگائی اور اس نے لبیک کہہ دیا۔ اب موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی انسان نہیں چھوڑا (کتنی حسرت ناک تھی) وہ شام جب لوگ انہیں تخت پر اٹھاتے لے جا رہے تھے۔ اگر موت اور موت کے حوادث نے ان کا وجود ختم کر دیا ہے تو ان کے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جاسکتے، وہ بڑے دانا اور رحم دل تھے“

عبداللہ کا کل تزکرہ یہ تھا، پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک حبشی لونڈی جن کا نام برکت تھا اور کنیت ام ایمن۔ یہی ام ایمن ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دکھلایا تھا۔



۱۲ ابن ہشام ۱/۱۵۶، ۱۵۸ فقہ السیرہ از محمد غزالی ص ۲۵، رحمتہ للعالمین ۲/۹۱

۱۳ طبقات ابن سعد ۱/۶۲

۱۴ مختصر السیرة از شیخ عبداللہ صفحہ ۱۲ تلخیص الفہوم صفحہ ۱۲۔ صحیح مسلم ۲/۹۶

ولادتِ باسعاد اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال

رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول ۵۷۰ء
 عام الفیل یومِ دو شنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت نوشیروان
 کی تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا اور ۲۲ یا ۲۳ اپریل ۵۷۰ء کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحبِ سلمان
 منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق یہی ہے۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا: جب آپ کی ولادت ہوئی
 تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے نمک شام کے محل روشن ہو گئے۔ امام احمد نے حضرت عرواض
 بن ساریس سے بھی تقریباً اسی مضمون کی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے
 طور پر ظہور پذیر ہوئے، یعنی ایوانِ کسری کے چودہ کنگوے گر گئے۔ مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بحیرہ سادہ
 خشک ہو گیا اور اس کے گرجے منہدم ہو گئے۔ یہ بہتی کی روایت ہے۔ لیکن محمد غزالی نے اس
 کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔

ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و
 فرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور
 آپ کا نام محکمہ تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف نہ تھا۔ پھر عرب دستور کے
 مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔

۱۔ تاریخِ خضریٰ ۱/۶۲، رحمة للعالمین ۱/۳۸، ۲۹، اپریل کی تاریخ کا اختلاف عیسوی تقویم کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔

۲۔ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۱، ابن سعد ۱/۶۳۔

۳۔ ایضاً مختصر السیرۃ ص ۱۱

۴۔ دیکھئے فقہ السیرۃ محمد غزالی ص ۲۶۔

۵۔ ابن ہشام ۱/۱۵۹، ۱۶۰، تاریخِ خضریٰ ۱/۶۲ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ عنخون (ختنہ کئے ہوئے)
 پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تلمیح الفہوم ص ۳۴ مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی ثابت حدیث
 نہیں دیکھتے زاد المعاد ۱/۱۸

آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابو لہب کی لونڈی ثویبہؓ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسرّوح تھا۔ ثویبہؓ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو اور آپ کے بعد ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی ہڈوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سیکھیں۔ اسی دستور کے مطابق عبد المطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی ﷺ کو حضرت حلیمہ بنت ابی ذؤیب کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبد العزی اور کنیت ابو کبشہ تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارث کی اولاد کے نام یہ ہیں جو رضاعت کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کے بھائی بن تھے: عبداللہ۔ زینب، حذافہ یا جذامہ، انہیں کا لقب شیمار تھا اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ اوسفیان بن حارث بن عبد المطلب جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے وہ بھی حضرت حلیمہ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب بھی دودھ پلانے کے لیے بنو سعد کی ایک عورت کے حوالے کئے گئے تھے۔ اس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلا دیا۔ اس طرح آپ اور حضرت حمزہ دوہرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثویبہؓ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اس عورت کے تعلق سے۔

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہ نے نبی ﷺ کی برکت کے لیے ایسے مناظر دیکھے کہ مرایا حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات انہیں کی زبانی سنئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہؓ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹنی بھی تھی، لیکن سجدا اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ ادھر بھوک سے بچہ اس قدر پلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے

تھے۔ نہ میرے سینے میں بچہ کے لیے کچھ تھا۔ نہ اونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور ڈبلے پن کے سبب اتنی سُست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ تیسیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتی، کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی امید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو تیسیم ہے بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ ہی کو نہ مل سکا جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے کر جائیں اور تنہا میں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی تیسیم بچے کو لیے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بنا پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمٹ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے۔ انہوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا، لیکن اب وہی گدھی خدا کی قسم پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: ”او! ابو ذریب کی بیٹی! اسے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟“ میں کہتی: ”ہاں! بھلا یہ وہی ہے۔“ وہ کہتیں: ”اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔“

پھر ہم بنو سعد میں اپنے گھروں کو آگئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روستے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آئیں۔ ہم دوہتے اور پیتے۔ جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانوروں میں چرانے لے جایا کرو جہاں ابو ذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے۔ لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھوکے واپس آئیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا جبکہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھرپور ملتیں۔ اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لے گئے۔ لیکن ہم اس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے اس کی جیسے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے، کیونکہ مجھے اس کے متعلق مکہ کی ویاہ کا خطرہ ہے۔ عرض ہمارے مسلسل اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال شق صدہ

واقعہ شق صدہ

رسینہ مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور رسینہ چاک کر کے دل نکالا پھر دل سے ایک لوتھر نکال کر فرمایا یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے

۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴ - ابن ہشام

۱۶۵ - عام سیرت نگاروں کا یہی قول ہے لیکن ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ

تیسرے سال کا ہے دیکھتے ابن ہشام ۱۶۲، ۱۶۵ -

اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔

اس واقعے کے بعد حلیمہؓ کو خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے آپ
ماں کی آغوشِ محبت میں کو آپ کی ماں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال کی عمر تک

والدہ ہی کی آغوشِ محبت میں رہے۔

ادھر حضرت آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یاد و فانیں شربِ جا کر ان کی قبر
 کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے **مُحَمَّدٌ**ؐ اپنی خادمہ اُمّ ایمن اور اپنے
 سرپرست عبدالمطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور
 وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں، لیکن ابھی ابتداءِ راہ میں تھیں کہ بیماری نے آیا۔ پھر یہ
 بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچ کر رحلت کر گئیں۔

بڑھے عبدالمطلب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کا دل اپنے
دادا کے سایہٴ شفقت میں اس یتیم پوتے کی محبت و شفقت کے جذبات سے تپ رہا تھا۔

کیونکہ اب اسے ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کو یاد دینے تھے۔ عبدالمطلب کے جذبات میں
 پوتے کے لیے ایسی رقت تھی کہ ان کی اپنی صُلبی اولاد میں سے بھی کسی کے لیے ایسی رقت نہ تھی۔ چنانچہ
 قسمت نے آپ کو تنہائی کے جس صحرا میں لاکھڑا کیا تھا عبدالمطلب اس میں آپ کو تنہا چھوڑنے کے لیے
 تیار نہ تھے بلکہ آپ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔
 ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا۔ ان کے سائے
 لڑکے فرش کے ارد گرد بیٹھ جاتے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو فرش پر بیٹھتے۔ ان کی عظمت کے پیش نظر
 ان کا کوئی لڑکا فرش پر نہ بیٹھتا لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو فرش ہی پر بیٹھ جاتے۔ ابھی
 آپ کم عمر بچے تھے۔ آپ کے چچا حضرات آپ کو پکڑ کر اتار دیتے۔ لیکن جب عبدالمطلب انہیں ایسا کرتے
 دیکھتے تو فرماتے: میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ بخدا اس کی شانِ زالی ہے، پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش
 پر بٹھالیتے۔ اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل و حرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔

آپ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ دادا عبدالمطلب کا بھی سایہٴ شفقت اٹھ

گیا۔ ان کا انتقال مکہ میں ہوا اور وہ وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کو جو آپ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے، آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے ﷺ

ابوطالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا کیا، آپ کو اپنی اولاد میں شامل کیا، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔

شفیق چچا کی کفالت میں

مزید اعزاز و احترام سے نوازا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قوت پہنچائی، اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپ ہی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کی مزید وضاحت اپنی جگہ آرہی ہے۔

ابن عساکر نے جلیہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔ لوگ قحط سے دو

رُوءے مُبارک سے فیضانِ باراں کی طلب

چار تھے۔ قریش نے کہا: ابوطالب! وادی قحط کا شکار ہے۔ بال بچے کال کی زد میں ہیں۔ چلتے بارش کی دعا کیجئے۔ ابوطالب ایک بچہ ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔ بچہ ابرآلود سورج معلوم ہوتا تھا۔ جس سے گھٹنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔ اس کے ارد گرد اور بھی بچے تھے۔ ابوطالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔ لیکن دیکھتے دیکھتے اِدھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہو گئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آگیا اور شہر و بیاباں شاداب ہو گئے۔ بعد میں ابوطالب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کی مدح میں کہا تھا۔

وَابِيضٌ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ شِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ ۝

”وہ خوبصورت ہیں۔ ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کے

ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔“

بعض روایات کے مطابق — جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے — جب آپ کی عمر بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن

بکیرا رہا

کی ہو گئی تو ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ملک شام کے سفر پر نکلے اور بصری پہنچے۔ بصری شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے

۱۴۷ تملیح الفہوم ص ۱۳۹/۱ ۱۵ مختصر ائیرہ شیخ عبداللہ ص ۱۶۱

۱۴۸ یہ بات ابن جوزی نے تملیح الفہوم ص میں کہی ہے۔

رومی مقبوضات کا دار الحکومت تھا۔ اس شہر میں جبرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو بخیڑا کے لقب سے معروف تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں۔ اللہ انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابوطالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (زرم ہڈی) کے پاس سب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔

اس کے بعد بخیڑا راہب نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملکِ شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابوطالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

جنگِ فجار آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگِ فجار پیش آئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور ان کے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ قریش اور کنانہ کا مکنا نذر حرب بن امیہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سن و شرف کی وجہ سے قریش و کنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اسے حرب فجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے چچاؤں کو تیسرے تھاتے تھے۔

حلف الفضول اس جنگ کے بعد ایک حرمت والے مہینے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔ چند قبائل قریش یعنی بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبد العزیٰ

۱۷ عنقصرہ السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۱۶، ابن ہشام ۱۸۰/۱ تا ۱۸۳، ترمذی وغیرہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ کو حضرت بلال کی معیت میں روانہ کیا گیا لیکن یہ فاش غلطی ہے۔ بلال تو اس وقت غالباً پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر پیدا ہوئے تھے تو بی بہر حال ابوطالب یا ابو بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہ تھے۔ زاد المعاد ۱۶/۱۔

۱۸ ابن ہشام ۱۸۲/۱ تا ۱۸۶، قلب جزیرۃ العرب ص ۳۶ تاریخ خضریٰ ۲۳/۱

بنی زہرہ بن کلاب اور بنی شیم بن مڑہ نے اس کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ عبداللہ بن جُدعان ثمنی کے مکان پر جمع ہوئے۔ کیونکہ وہ سن و شرف میں ممتاز تھا۔ اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا۔ خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلو کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور بعد میں شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے، میں عبداللہ بن جُدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سُرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں بیک کہتا۔^{۱۹}

اس معاہدے کی روح عصبيت کی تہ سے اٹھنے والی جاہلی حمت کے منافی تھی۔ اس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا۔ لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے علیفت قبائل عبدالدار، مخزوم، حح، سہم اور عدنی سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔ جن میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کئے ہوئے قبائل جمع ہو گئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے اس زبیدی کا حق دلایا۔^{۲۰}

عنقوان شباب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی معین کام نہ تھا، البتہ یہ خبر متواتر جفاکشی کی زندگی ہے کہ آپ بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں اور مکہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لیے ملک شام تشریف لے گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار اور تاجر خاتون تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لیے دیتی تھیں اور مضاربت کے اصول پر ایک حصہ لے لیتی تھیں۔ پورا قبیلہ قریش ہی تاجر پیشہ تھا۔ جب انہیں

^{۱۹} ابن ہشام ۱/۱۳۳، ۱۳۵ مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۳۱، ۳۲۔

^{۲۰} ایضاً مختصر السیرہ ص ۳۱، ۳۲۔ ^{۲۱} ابن ہشام ۱/۱۶۶۔

^{۲۲} صحیح بخاری۔ الاجارات، باب عی الغنم علی قراریط ۱/۳۰۱۔

رسول اللہ ﷺ کی راست گوئی، امانت اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کا مال لے کر تجارت کے لیے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو کچھ دیتی ہیں اس سے بہتر اجرت آپ کو دیں گی۔ آپ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور ان کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔

حضرت خدیجہ سے شادی | جب آپ مکہ واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال میں ایسی امانت و برکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور ادھر ان کے غلام میسرہ نے آپ کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار، موزوں انداز فکر، راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریق کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کیے تو حضرت خدیجہ کو اپنا گمشدہ گوہر مطلوب دستیاب ہو گیا۔ اُس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ لیکن انہوں نے کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی پہلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کر نبی ﷺ سے گفت و شنید کی۔ آپ ﷺ راضی ہو گئے اور اپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا۔ اسکے بعد شادی ہو گئی۔ نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مضر شریک ہوئے۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے بعد کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے مہر میں بیس اونٹ دیئے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور وہ نسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔

ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی بقیہ تمام اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ اور عبد اللہ پیدا ہوئے۔ عبد اللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپ ﷺ کے سب بچے

بچپن ہی میں انتقال کر گئے البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا۔ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ حضرت فاطمہ کی وفات آپ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔^{۲۵}

آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ **کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کے تنازعہ کا فیصلہ** قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی

تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے اس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔ اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گزر چکا تھا۔ عمارت خشکی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا۔ جس کے بہاؤ کا رخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھ سکتا تھا۔ اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ و مقام برقرار رکھنے کے لیے اسے از سر نو تعمیر کریں۔

اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اس میں رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ نئی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا، لیکن کسی کو ڈھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد برابر ہم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کے لیے الگ الگ قبیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی۔ باقوم نامی ایک رومی معمار نگران تھا۔ جب عمارت حجرِ اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمینِ حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا۔ لیکن ابوامیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجدِ حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب پہلے داخل ہوا ہے اپنے

۲۵ ابن ہشام ۱۹۰/۱، ۱۹۱ فقہ السیرۃ ص ۶۰ فتح الباری ۴/۱۰۵۔ تاریخی مصادر میں قدرے اختلاف ہے میرے نزدیک جو راجح ہے میں نے اسی کو درج کیا ہے۔

جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ہذا الامین رضینا ہذا محمد ﷺ۔ یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر جب آپ ان کے قریب پہنچے اور انہوں نے آپ کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپ نے ایک چادر طلب کی بیچ میں حجرِ اسود رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجرِ اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا یہ بڑا معقول فیصلہ تھا۔ اس پر ساری قوم راضی ہو گئی۔

ادھر قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی اس لیے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہی ٹکڑا حجر اور خطیم کہلاتا ہے۔ اس ذمہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اہانت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجرِ اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجرِ اسود مسطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی پُرب اور پچھم کی دیواریں ۱۲-۱۲ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

نبوتِ پہلے کی اجمالی سیرت نبی ﷺ کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔

آپ ﷺ اصابتِ فکر، دور بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپ ﷺ کو حسنِ فراست، خشکیِ فکر اور

وسیلہ و مقصد کی درستگی سے حَقِّق وافر عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض، دائمی تفکیر اور حق کی کُرید میں مدد دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھیں ان سے سخت بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف پلٹ جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بُتوں کے لیے منائے جانے والے تہوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔

آپ کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی حتیٰ کہ لات و عزیٰ کی قسم سنا بھی آپ کو گوارا نہ تھا بلکہ

اس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب بعض دنیاوی تمثیلات کے حصول کے لیے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم و رواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایتِ ربانی دخیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ ابن اثیر کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جاہلیت جو کام کہتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گذرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گذرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اپنی پیغمبری سے مشرف فرما دیا۔ ہوا یہ کہ جو لوگ بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک رات میں نے کہا: کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں مکہ جا کر دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کروں! اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں نکلا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔ میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر سورج کی نمازت ہی سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔ اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ

پیش آیا اور اسکے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر ڈھوسے تھے۔ حضرت عباسؓ نے نبی ﷺ سے کہا: اپنا تہبند اپنے کندھے پر رکھ لو۔ پتھر سے حفاظت رہے گی، لیکن جو نبی آپ نے ایسا کیا آپ زمین پر جا کرے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ افاقہ ہوتے ہی آواز لگائی: میرا تہبند۔ میرا تہبند اور آپ کا تہبند، آپ کو باندھ دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد آپ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی گئی۔

نبی ﷺ اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

چنانچہ آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دُور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے نرم پہلو سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتیٰ کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی "امین" رکھ دیا تھا کیونکہ آپ احوالِ صالحہ اور خصالِ حمیدہ کا پیکر تھے۔ اور جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کی شہادت ہے "آپ ﷺ در ماندوں کا بوجھ اٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بند و بست فرماتے تھے، مہمان کی میزبانی کرتے تھے اور مصائبِ حق میں اعانت فرماتے تھے۔"



۲۸ اس حدیث کو حاکم ذہبی نے صحیح کہا ہے لیکن ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۲/۲۸۶ میں اس کی تضعیف کی ہے۔

۲۹ صحیح بخاری باب بنیان الکعبہ ۱/۵۴۷ ۵۴۷ ۵۴۷ صحیح بخاری ۱/۳۱۱۔

نبوت و رسالت کی چھاؤں میں

غارِ حرا کے اندر اس دوران آپ ﷺ کے اب تک کے تاملات نے قوم سے آپ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف جب چالیس برس کے قریب ہو چکی — اور کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت وسیع کر دیا تھا — تو آپ ﷺ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ستوا اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دور کوہِ حرا کے ایک غار میں جا رہتے — یہ ایک مختصر سا غار ہے جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ یہ نیچے کی جانب گہرا نہیں ہے بلکہ ایک مختصر راستے کے بازو میں اوپر کی چٹانوں کے باہم ملنے سے ایک کوتل کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ جب یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی جگہ موجود رہتیں۔ آپ ﷺ رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے۔ آئے جانے والے میکسٹوں کو کھانا کھلاتے اور بقیہ اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے، کائنات کے مشاہد اور اس کے پیچھے کار فرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے۔ آپ ﷺ کو اپنی قوم کے پھر لوچ شریک عقائد اور وہاں ہیات تصورات پر بالکل اطمینان نہ تھا لیکن آپ ﷺ کے سامنے کوئی واضح راستہ، معین طریقہ اور افراط و تفریط سے بچتی ہوئی کوئی ایسی راہ نہ تھی جس پر آپ ﷺ اطمینان و انشراح قلب کے ساتھ رواں دواں ہو سکتے۔ یہ نبی ﷺ کی یہ تنہائی پسندی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے کارِ عظیم کے لیے تیار کر رہا تھا۔ درحقیقت جس روح کے لیے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی کے حقائق پر اثر انداز ہو کر ان کا رُخ بدل ڈالے اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین کے مشاغل زندگی کے شور اور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے ہم و غم کی دنیا سے کٹ کر کچھ عرصے کے لیے الگ تھک اور خلوت نشین رہے۔

ٹھیک اسی سنت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو امانتِ کبریٰ کا بوجھ اٹھانے، روئے زمین کو بدلتے اور خطِ تاریخ کو موڑنے کے لیے تیار کرنا چاہا تو رسالت کی ذمہ داری عائد کرنے

سے تین سال پہلے آپ ﷺ کے لیے خلوت نشینی مقدر کر دی۔ آپ ﷺ اس خلوت میں ایک ماہ تک کائنات کی آزاد روح کے ساتھ ہم سفر رہتے اور اس وجود کے چھپے چھپے ہوئے غیب کے اندر تدبیر فرماتے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو اس غیب کے ساتھ تعالٰیٰ کیلئے مستعد رہیں۔

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس ہو گئی۔ اور یہی سن کمال ہے۔

جبریل وحی لاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے۔ تو زندگی کے انقی

کے پار سے آثار نبوت چمکنا اور جگمگانا شروع ہوئے۔ یہ آثار خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپید صبح کی طرح نمودار ہوتا۔ اس حالت پر چھ ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ جو مدت نبوت کا چھالیسواں حصہ ہے اور کل مدت نبوت تیس برس ہے۔ اس کے بعد جب حرام میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس کی رحمت کا فیضان ہو۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

دلائل وقرآن پر ایک جامع نگاہ ڈال کر حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے اس واقعے کی تاریخ معین کی جاسکتی ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دو شنبہ کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور ۱۱ء تھا۔ قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی۔

۱۱ فی ظلال القرآن پارہ ۲۹/۱۶۶، ۱۶۷ ۱۶۸ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی حاکیت کی ہے کہ خواب کی مدت چھ ماہ تھی، لہذا خواب کے ذریعے نبوت کا آغاز چالیس سال کی عمر میں ہونے پر ماہ ربیع الاول میں ہوا جو آپ کی ولادت کا مہینہ ہے لیکن حالت بیداری میں آپ کے پاس وحی رمضان شریف میں آئی۔ (فتح الباری ۱/۲۷)

۱۲ **آغاز وحی کا مہینہ، دن اور تاریخ** نبوت اور اعزاز وحی سے سرفراز ہوتے۔ بیشتر سیرت نگار کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا، لیکن ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ رجب کا مہینہ تھا، دیکھئے مختصر السیرہ از شیخ عبداللہ ص ۵۷، ہمارے نزدیک دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (۱۸۵:۱) رمضان کا مہینہ ہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا، اور ارشاد ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱۱۹:۱) یعنی ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، اور معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے، یہی لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں بھی مراد ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبْرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ (۳۱:۳۳) ہم نے قرآن مجید کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہم لوگوں کو عذاب کے خطرے سے آگاہ کرنے والے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

آیئے اب ذرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس واقعے کی تفصیلات سنیں۔ یہ انوارِ لاہوت کا ایک ایسا شعلہ تھا جس سے کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی چلی گئیں، یہاں تک کہ زندگی کی رفتار بدل گئی اور تاریخ کا رخ پلٹ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء نیند میں اچھے خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا۔ پھر آپ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ غارِ حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لاتے بغیر مصروفِ عبادت رہتے۔ اس کے لیے آپ توشہ لے جاتے۔ پھر توشہ ختم ہونے پر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کیلئے پھر توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حتیٰ آیا اور آپ غارِ حرا میں تھے یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھو! آپ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبا یا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھو! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھو! میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ

(بقیہ نرٹ گذشتہ صفحہ) دوسرے قول کی ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جزائیں رسول اللہ ﷺ کا قیام ماہ

رمضان میں ہوا کرتا تھا اور معلوم ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حرا ہی میں تشریف لاتے تھے۔

جو لوگ رمضان میں نزولِ وحی کے آغاز کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ اس دن رمضان کی کونسی تاریخ

تھی۔ بعض سات کہتے ہیں، بعض سترہ اور بعض اٹھارہ (دیکھئے مختصر السیرہ ص ۵۵، رحمة للعالمین ۱/۴۹) علامہ خضریٰ

کا اصرار ہے کہ یہ سترہویں تاریخ تھی۔ دیکھئے تاریخ خضریٰ ۱/۶۹ اور تاریخ التشریح الاسلامی ص ۵۵-۵۶)

میں نے ۲۱ تاریخ کو اس بنا پر ترجیح دی ہے۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا۔ کہ بیشتر سیرت

نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی بعثت دو شنبہ کے روز ہوئی تھی اور اس کی تائید ابوقتاوہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت

سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دو شنبہ کے دن کے روزے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے

جس میں پیدا ہوا۔ اور جس میں مجھے پیغمبر بنا یا گیا۔ یا جس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (صحیح مسلم ۱/۳۶۸، مسند احمد ۵/۴۹۶،

۲۹۹ بہق ۳/۲۸۶، ۳۰۰ حاکم ۲/۲۶۷)۔ اور اس سال رمضان میں دو شنبہ کا دن ۱۳، ۲۱، اور ۲۸ تاریخوں

کو پڑا تھا۔ ادھر صحیح روایات سے یہ بات ثابت اور معین ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں

میں پڑتی ہے، اور ان ہی طاق راتوں میں متصل بھی ہوتی رہتی ہے۔ اب ہم ایک طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھتے ہیں کہ ہم

نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا، دوسری طرف ابوقتاوہ کی یہ روایت دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو شنبہ

کے روز مبعوث فرمایا گیا، تیسری طرف تقویم کا حسب دیکھتے ہیں کہ اس سال رمضان میں دو شنبہ کا دن کن کن تاریخوں

میں پڑا تھا تو متعین ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت اکیسویں رمضان کی رات میں ہوئی۔ اس لیے یہی نزولِ وحی

کی پہلی تاریخ ہے۔

مِنْ عَلِقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ ” پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو تو تھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب نہایت کریم ہے۔“

ان آیات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پلٹے۔ آپ ﷺ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ خوں جاتا رہا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا قطعاً نہیں۔ بخدا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں در ماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چھیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے۔ چنانچہ عبرانی زبان میں حسب توفیق الہی انجیل لکھتے تھے۔ اُس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہ نے کہا بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے کہا: بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ اس پر ورقہ نے آپ سے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت تو انا ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا! تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پایا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔

طبری اور ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچانک وحی کی آمد کے بعد غار

۵ آتین عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ تک نازل ہوتی تھیں۔ (۱:۹۶-۵)

۶ صحیح بخاری باب کیف کان بز الوحی ۱/۲۶، الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت صحیح بخاری کتاب التفسیر اور تعبیر الرویاء میں بھی مروی ہے۔

حرار سے نکلے تو پھر واپس آکر اپنی بقیہ مدت قیام پوری کی اس کے بعد مکہ تشریف لائے۔ طبری کی روایت سے آپ کے نکلنے کے سبب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ روایت یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے وحی کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں شاعر اور پاگل سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی قابلِ نفرت نہ تھا۔ (میں شدتِ نفرت سے) ان کی طرف دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ (اب جو وحی آتی تو، میں نے) اپنے جی میں، کہا کہ یہ ناکارہ — یعنی خود آپ — شاعر یا پاگل ہے! میرے بارے میں قریش ایسی بات کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر جا رہا ہوں وہاں سے اپنے آپ کو نیچے لڑھکا دوں گا اور اپنا خاتمہ کر لوں گا اور ہمیشہ کیلئے راحت پا جاؤنگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہی سوچ کر نکلا جب بیچ پہاڑ پر پہنچا تو آسمان سے ایک آواز سنی دی! محمد! ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں! آپ کہتے ہیں کہ میں نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ دیکھا تو جبریل ایک آدمی کی شکل میں اُفق کے اندر پاؤں جمائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے محمد! ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل ہوں! آپ فرماتے ہیں کہ میں وہیں ٹھہر کر جبریل کو دیکھنے لگا اور اس شعل نے مجھے میرے اڑنے سے غافل کر دیا۔ اب میں نہ آگے جا رہا تھا نہ پیچھے۔ البتہ اپنا چہرہ آسمان کے افق میں گھما رہا تھا اور اس کے جس گوشے پر بھی میری نظر پڑتی تھی جبریل اسی طرح دکھائی دیتے تھے۔ میں مسلسل کھڑا رہا۔ نہ آگے بڑھ رہا تھا نہ پیچھے یہاں تک کہ خدیجہ نے میری تلاش میں اپنے قاصد بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر پلٹ آئے۔ لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر جبریل چلے گئے اور میں بھی اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ آیا اور خدیجہ کے پاس پہنچ کر ان کی ران کے پاس انہیں پرٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ کہاں تھے؟ بخدا! میں نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور وہ مکہ تک جا کر واپس آ گئے۔ اس کے جواب میں، میں نے جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتا دیا۔ انہوں نے کہا: چچا کے بیٹے! آپ خوش ہو جائیے اور آپ ثابت قدم رہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعد وہ درقبنِ نوفل کے پاس گئیں۔ انہیں ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا: قدوس! قدوس! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے! ان کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ اس اُمت کے نبی ہیں۔ ان سے کہو ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ نے واپس آکر آپ کو ورقہ کی بات بتائی۔ پھر جب رسول اللہ نے حرار میں اپنا قیام پورا کر لیا اور مکہ تشریف لائے تو آپ سے ورقہ نے ملاقات کی اور

آپ کی زبانی تفصیلات سن کر کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ اس اہمیت کے نبی ہیں۔ آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔

یہی بات کہ وحی کتنے دنوں تک بند رہی تو اس سلسلے میں ابن سعد نے **وحی کی بندش** ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بندش چند دنوں کے لیے تھی اور سارے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد یہی بات راجح بلکہ یقینی معلوم ہوتی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ وحی کی بندش تین سال یا ڈھائی سال تک رہی تو یہ قطعاً صحیح نہیں۔ البتہ یہاں دلائل پر بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

وحی کی اس بندش کے عرصے میں رسول اللہ ﷺ حنین و غمگین رہے اور آپ پر حیرت و استعجاب طاری رہا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التبعیر کی روایت ہے کہ:

”وحی بند ہو گئی جس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کسی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے کہ اپنے آپ کو لڑھکا لیں تو حضرت جبریلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے: اے محمد! ﷺ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں“ اور اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب تخم جاتا۔ نفس کو قرار آجاتا اور آپ واپس آجاتے۔ پھر جب آپ پر وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپ پھر اسی جیسے کام کے لیے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبریلؑ نمودار ہو کر پھر وہی بات دہراتے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی وحی کی چند روزہ بندش) اس لیے تھی تاکہ آپ پر جو خوف طاری ہو گیا تھا وہ رخصت ہو جائے اور دوبارہ وحی کی آمد کا شوق و انتظار پیدا ہو جائے۔ چنانچہ جب حیرت کے سائے ٹکڑے گئے حقیقت کے نقوش پختہ ہو گئے اور نبی ﷺ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ خدا سے بزرگ برتر کے نبی ہو چکے ہیں۔

طبری ۲/۲۰۷، ابن ہشام ۱/۲۳۷، ۲۳۸، آخر کا تھوڑا سا حصہ ملخص کر دیا گیا ہے ہمیں اس روایت کی بیان کردہ تفصیلات کی صحت کے بارے میں قدرے تاثر ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے سباق اور اس کی متعدد روایات کے تقابل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مکہ کی طرف آپ کی واپسی اور حضرت درقہ سے ملاقات نزول وحی کے بعد اسی دن ہو گئی تھی۔ اور پھر باقی ماندہ قیام حجاز کی تکمیل آپ نے مکہ سے پلٹ کر کی تھی۔

تھوڑی سی توضیح حاشیہ نمبر ۱ میں آرہی ہے۔
صحیح بخاری کتاب التبعیر باب اول ما بدتی برسول اللہ ﷺ الروایة الصالحة ۱۰۳۴/۲ ۱۰۳۴/۲ فتح الباری ۱/۲۷۹

اور آپ کے پاس جو شخص آیا تھا وہ وحی کا سفیر اور آسمانی خبر کا ناقل ہے اور اس طرح وحی کے لیے آپ کا شوق و انتظار اس بات کا ضامن ہو گیا کہ آئندہ وحی کی آمد پر آپ ثابت قدم رہیں گے اور اس بوجھ کو اٹھالیں گے، تو حضرت جبریلؑ دوبارہ تشریف لائے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندش وحی کا واقعہ سنا آپ فرما رہے تھے:

”میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں نے اپنے اہل خانہ کے پاس آکر کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ — وَالرِّجْزَ فَاهْجُرْ تک نازل فرمائی پھر (زول) وحی میں گرمی آگئی اور وہ پیلا پیلا نازل ہونے لگی سیہ،“

اب ہم سلسلہ بیان سے ذرا ہٹ کر یعنی رسالت و نبوت کی حیات مبارکہ کی **وحی کی اقسام** تفصیلات شروع کرنے سے پہلے وحی کی اقسام ذکر کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ یہ رسالت کا مصدر اور دعوت کی لکھ ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے وحی کے حسب ذیل مراتب ذکر کیے ہیں:

- سچا خواب: اسی سے نبی ﷺ کے پاس وحی کی ابتداء ہوئی۔

۲۔ فرشتہ آپ کو دکھلائیے بغیر آپ کے دل میں بات ڈال دیتا تھا، مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد:

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوحِي أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمَلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ

صحیح بخاری کتاب التفسیر باب والرجز فايجر ۲/۳۳۷

اس روایت کے بعض طرق کے آغاز میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے حرا میں اعتکاف کیا۔ اور جب اپنا اعتکاف پورا کر چکا تو نیچے اترا۔ پھر جب میں بطن وادی سے گذر رہا تھا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھا، کچھ نظر نہ آیا۔ اُدھر نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھا ہوں کہ وہی فرشتہ..... الخ اہل سیر کی تمام روایات کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے تین سال حرا میں ماہ رمضان کا اعتکاف کیا تھا اور نزول وحی والا رمضان تیسرا یعنی آخری رمضان تھا اور آپ کا دستور تھا کہ آپ رمضان کا اعتکاف مکمل کر کے پہلی شوال کو سویرے ہی مکہ آجاتے تھے۔ مذکورہ روایت کے ساتھ اس بات کو جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ والی وحی پہلی وحی کے دس دن بعد یکم شوال کو نازل ہوئی تھی یعنی بندش وحی کی کل مدت دس دن تھی۔ واللہ اعلم۔

عَلَىٰ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَإِنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ لَا يُنَالُ إِلَّا بِطَاعِهِ .

”روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ اپنا رزق پورا پورا حاصل کر لے۔ پس اللہ سے ڈرو اور طلب میں اچھائی اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ کی معصیت کے ذریعے تلاش کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔“

۳۔ فرشتہ نبی ﷺ کے لیے آدمی کی شکل اختیار کر کے آپ کو مخاطب کرتا پھر جو کچھ وہ کہتا اسے آپ یاد کر لیتے۔ اس صورت میں کبھی کبھی صحابہ بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔

۴۔ آپ کے پاس وحی گھنٹی کے ٹن ٹنانے کی طرح آتی تھی۔ وحی کی یہ سب سے سخت صورت ہوتی تھی۔ اس صورت میں فرشتہ آپ سے ملتا تھا اور وحی آتی تھی تو سخت جاڑے کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑتا تھا، اور آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتی تھی۔ ایک بار اس طرح وحی آئی کہ آپ کی ران حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی، تو ان پر اس قدر گراں بار ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا ران کچل جائے گی۔

۵۔ آپ فرشتے کو اس کی اصلی اور پیدائشی شکل میں دیکھتے تھے اور اسی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے۔

۶۔ وہ وحی جو آپ پر معراج کی رات نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمائی، جب آپ آسمانوں کے اوپر تھے۔

۷۔ فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی آپ سے حجاب میں رہ کر براہ راست گفتگو جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔ وحی کی یہ صورت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نص قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی ﷺ کے لیے اس کا ثبوت (قرآن کی بجائے) معراج کی حدیث میں ہے۔ بعض لوگوں نے ایک آٹھویں شکل کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ رُو در رُو بغیر حجاب کے

گفتگو کرے۔ لیکن یہ ایسی صورت ہے جس کے بارے میں سلف سے لے کر خلف تک اختلاف چلا آیا ہے۔

تبلیغ کا حکم اور اس کے مضمت

سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات — یَاٰیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ سِرِّ عَلٰی رَبِّكَ فَاصْبِرْ ۙ

میں نبی ﷺ کو کئی حکم دیئے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقتہً بڑے دُور رس مقاصد پر مشتمل ہیں اور حقائق پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ

۱۔ انذار کی آخری منزل یہ ہے کہ عالم وجود میں اللہ کی مرضی کے خلاف جو بھی چل رہا ہو اسے اس کے پُخطر انجام سے آگاہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ عذاب الہی کے خوف سے اس کے دل و دماغ میں پھل اور اتھل پھل مچ جائے۔

۲۔ رب کی بڑائی و کبریائی بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ روئے زمین پر کسی اور کی کبریائی برقرار نہ رہنے دی جائے۔ بلکہ اس کی شوکت توڑ دی جائے، اور اسے الٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے۔

۳۔ کپڑے کی پاکی اور گندگی سے دُوری کی آخری منزل یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی پاکی اور تمام شوائب و آلودگیوں سے نفس کی صفائی کے سلسلے میں اس حد کمال کو پہنچ جائیں جو اللہ کی رحمت کے گھنے سائے میں اس کی حفاظت و نگہداشت اور ہدایت و نور کے تحت ممکن ہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرے کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ بن جائیں کہ آپ کی طرف تمام قلب سلیم رکھتے چلے جائیں اور آپ کی ہیبت و عظمت کا احساس تمام کچھ دلوں کو ہو جائے اور اس طرح ساری دنیا موافقت یا مخالفت میں آپ کے گرد متمرکز ہو جائے۔

۴۔ احسان کر کے اس پر کثرت نہ چاہنے کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جدوجہد اور کارناموں کو بڑائی اور اہمیت نہ دیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے عمل کے لیے جدوجہد کرتے جائیں۔ اور بڑے پیمانے پر قربانی اور جہد و مشقت کر کے اسے اس معنی میں فراموش کرتے جائیں کہ یہ ہمارا کوئی کارنامہ ہے۔ یعنی اللہ کی یاد اور اس کے سامنے جو ابد ہی کا احساس اپنی جہد و مشقت کے احساس پر غالب ہے۔

۵۔ آخری آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد معاندین کی

جانب سے مخالفت، استہزار، ہنسی اور ٹھٹھے کی شکلوں میں ایذا رسانی سے لے کر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کرنے اور آپ کے گرد جمع ہونے والے اہل ایمان کو نیست و نابود کرنے تک کی بھرپور کوششیں ہوں گی اور آپ کو ان سب سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس صورت میں آپ کو بڑی پامردی اور پختگی سے صبر کرنا ہوگا۔ وہ بھی اس لیے نہیں کہ اس صبر کے بدلے کسی حقیقت نسانی کے حصول کی توقع ہو۔ بلکہ محض اپنے رب کی مرضی اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے۔ (وَلَوْلَا بَلَدٌ فَاَصْبِرْ) اللہ اکبر! یہ احکامات اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں اور ان کے الفاظ کی بندش کتنی پرسکون اور پرکشش نغمگی لیے ہوئے ہے۔ لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے یہ احکامات کتنے بھاری کتنے با عظمت اور کتنے سخت ہیں اور ان کے نتیجے میں کتنی سخت چوکھی آندھی بپا ہوگی جو ساری دنیا کے گوشے گوشے کو ہلا کر اور ایک گوشے سے گتھ کر رکھ دے گی۔

ان ہی مذکورہ آیات میں دعوت و تبلیغ کا مواد بھی موجود ہے۔ انذار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال لیے ہیں جن کا انجام بُرا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کو نہ تو ان کے سارے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے، اس لیے انذار کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دنیا کے دنوں کے علاوہ ایک دن ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں ہر عمل کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جاسکے۔ یہی قیامت کا دن، جزاء کا دن اور بدلے کا دن ہے۔ پھر اس دن بدلہ دیئے جانے کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہیں اس کے علاوہ بھی ایک زندگی ہو۔

بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص اختیار کریں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں۔ اور اللہ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کو ترجیح دیں۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے مواد کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) توحید

(ب) یومِ آخرت پر ایمان

(ج) تزکیہ نفس کا اہتمام۔ یعنی انجام بد تک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پرہیز اور فضائل و کمالات اور اعمال خیر پر کاربند ہونے کی کوشش۔

(د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی و سپردگی۔

(ه) پھر اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کچھ نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان لاکر، آپ

کی با عظمت قیادت اور رشد و ہدایت سے لبریز فرمودات کی روشنی میں انجام دیا جائے۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی ندا پر مشتمل ہے جس میں نبی ﷺ کو اس عظیم و جلیل کام کے لیے اٹھنے اور زندگی چادر پوشی اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد و کفاح اور سعی و مشقت کے میدان میں آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ (۲/۱۰۴)** اے چادر پوش اٹھ اور ڈرا، گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جسے اپنے لیے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ لیکن آپ، جو اس زبردست بوجھ کو اٹھا رہے ہیں، تو آپ کو نیند سے کیا تعلق ہے؟ آپ کو راحت سے کیا سروکار ہے؟ آپ کو گرم بستر سے کیا مطلب ہے؟ پر سکون زندگی سے کیا نسبت ہے؟ راحت بخش ساز و سامان سے کیا واسطہ ہے؟ آپ اٹھ جائیے اس کارِ عظیم کے لیے جو آپ کا منتظر ہے۔ اس بارگراں کے لیے جو آپ کی خاطر تیار ہے۔ اٹھ جائیے جہد و مشقت کے لیے، تکیا اور محنت کے لیے اٹھ جائیے، کہ اب نیند اور راحت کا وقت گزر چکا، اب آج سے سہم بیداری ہے اور طویل و پر مشقت جہاد ہے اٹھ جائیے! اور اس کام کے لیے مستعد اور تیار ہو جائیے۔

یہ بڑا عظیم اور پر مہیت کلمہ ہے۔ اس نے نبی ﷺ کو پر سکون گھر، گرم آنکھوں اور نرم بستر سے کھینچ کر تند طوفانوں اور تیز جھکڑوں کے درمیان اتھاہ سمندر میں پھینک دیا اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کے حقائق کی کشاکش کے درمیان لاکھڑا کیا۔

پھر رسول ﷺ اٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصے تک اٹھے رہے۔ راحت و سکون سب دیا۔ زندگی اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے نہ رہی۔ آپ اٹھے تو اٹھے ہی رہے۔ کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپ نے یہ مکر توڑ بارگراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اٹھا لیا۔ یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امانت کبریٰ کا بوجھ۔ ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جہاد و دفاع کا بوجھ آپ نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک سہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصے میں یعنی جب سے آپ نے وہ آسمانی ندا سے جلیل سنی اور یہ گراں بار ذمہ داری پائی آپ کو کوئی ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے اور ساری انسانیت کی طرف سے بہترین جزا دے گا۔

اگلے صفحات رسول اللہ ﷺ کے اسی طویل اور پر مشقت جہاد کا ایک مختصر سا خاکہ ہیں۔

دعوت کے ادوار و مراحل

ہم نبی ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر نمایاں اور ممتاز تھے۔ وہ دونوں حصے یہ ہیں:

۱۔ نکی زندگی — تقریباً تیرہ سال

۲۔ مدنی زندگی — دس سال

پھر ان میں سے ہر حصہ کئی مرحلوں پر مشتمل ہے اور یہ مرحلے بھی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے دونوں حصوں میں پیش آنے والے مختلف حالات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد ہو سکتا ہے۔

نکی زندگی تین مرحلوں پر مشتمل تھی

۱۔ پس پردہ دعوت کا مرحلہ — تین برس —

۲۔ اہل مکہ میں کھلم کھلا دعوت تبلیغ کا مرحلہ — چوتھے سال نبوت کے آغاز سے دسویں سال کے اواخر تک۔

۳۔ مکہ کے باہر اسلام کی دعوت کی مقبولیت اور پھیلاؤ کا مرحلہ — دسویں سال نبوت کے اواخر سے ہجرت مدینہ تک۔

مدنی زندگی کے مراحل کی تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔

کاوشِ تبلیغ

یہ معلوم ہے کہ مکہ دین عرب کا مرکز تھا۔ یہاں کعبہ کے پاسان بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لیے کسی دور افتادہ مقام کی بہ نسبت مکہ میں مقصد اصلاح تک رسائی ذرا زیادہ دشوار تھی۔ یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب و مشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔ اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اچانک ایک رحمان خیر صورت حال نہ آجائے۔

یہ بالکل فطری بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر **اولین راہروان اسلام** اسلام پیش کرتے جن سے آپ کا سب سے گہرا ربط و تعلق تھا، یعنی اپنے گھر کے لوگوں اور دوستوں پر۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے انہیں کو دعوت دی۔ اس طرح آپ نے ابتداء میں اپنی جان پہچان کے ان لوگوں کو حق کی طرف بلایا جن کے چہروں پر آپ بھلائی کے آثار دیکھ چکے تھے اور یہ جان چکے تھے کہ وہ حق اور خیر کو پسند کرتے ہیں، آپ کے صدق و صلاح سے واقف ہیں۔ پھر آپ نے جنہیں اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک ایسی جماعت نے جسے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت، جلالتِ نفس اور سچائی پر شبہ نہ گذرا تھا، آپ کی دعوت قبول کر لی۔ یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اولین کے وصف سے مشہور ہیں۔ ان میں سرفہرست آپ کی بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد، آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شریبہ، آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی بن ابی طالب جو ابھی آپ کے زیر کفالت بچے تھے اور آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہ سب کے سب پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم

۱۔ یہ جنگ میں قید ہو کر غلام بنا لیے گئے تھے۔ بعد میں حضرت خدیجہ ان کی مالک (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ہو گئے۔ وہ بڑے ہردلعزیز نرم خو، پسندیدہ خصال کے حامل بااخلاق اور دریا دل تھے، ان کے پاس ان کی مروت، دور اندیشی، تجارت اور حسن صحبت کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے جس کو قابل اعتماد پایا اسے اب اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔ ان کی کوشش سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ مسلمان ہوئے۔ یہ بزرگ اسلام کا ہراول دستہ تھے۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام لائے انہی میں حضرت بلال عیسیٰؓ بھی ہیں۔ ان کے بعد امین اُمت حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن جراحؓ، ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ، ارقم بن ابی الارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہؓ، اور عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمنافؓ، سعید بن زیدؓ، اور ان کی بیوی یعنی حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور خیابؓ بن اُرتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کئی افراد مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ مجموعی طور پر قریش کی تمام شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن ہشام نے ان کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی ہے۔ (دیکھئے ۲۴۵/۱ تا ۲۶۲) لیکن ان میں سے بعض کو سابقین اولین میں شمار کرنا عمل نظر ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں اسلام میں جماعت درجماعت داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہو گیا۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر مسلمان ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی چھپ چھپا کر ہی ان کی رہنمائی اور دینی تعلیم کے لیے ان کے ساتھ جمع ہوتے تھے کیونکہ تبلیغ کا کام ابھی تک انفرادی طور پر پس پردہ چل رہا تھا۔ ادھر سورہ نذر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد پورے تسلسل اور گرم رفتاری کے ساتھ جاری تھی۔ اس دور میں چھوٹی چھوٹی آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ ان آیتوں

(بقیہ نوٹ پچھلا صفحہ) ہوئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کو سہہ کہ دیا۔ اس کے بعد ان کے والد اور چچا انہیں گھر لے جانے کے لیے آئے لیکن انہوں نے باپ اور چچا کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ اس کے بعد آپ نے عرب کے دستور کے مطابق انہیں اپنا مشینتی (لے پالک) بنا لیا اور انہیں زید بن محمدؓ کہا جانے لگا یہاں تک کہ اسلام نے اس رسم کا خاتمہ کر دیا۔

کا خاتمہ یکساں قسم کے بڑے پکشش الفاظ پر ہوتا تھا اور ان میں بڑی سکون بخش اور جاذبِ قلب نغمگی ہوتی تھی جو اس پر سکون اور رقت آمیز فضا کے عین مطابق ہوتی تھی۔ پھر ان آیتوں میں تزکیہ نفس کی خوبیاں اور آلائش دنیا میں لت پت ہونے کی برائیاں بیان کی جاتی تھیں اور جنت و جہنم کا نقشہ اس طرح کھینچا جاتا تھا کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ آیتیں اہل ایمان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالکل الگ ایک دوسری ہی فضا کی سیر کراتی تھیں۔

ابتداءً جو کچھ نازل ہوا اسی میں نماز کا حکم بھی تھا۔ مُقَاتِل بن سلیمان کہتے ہیں

نماز کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اسلام میں دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی نماز فرض کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

.. وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○ (۴۱: ۵۵)

” صبح اور شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر دو“

ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور اسی طرح آپ کے صحابہ کرام واقعہ معراج سے پہلے قطعی طور پر نماز پڑھتے تھے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ سے پہلے کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے ایک ایک نماز فرض تھی۔

حارث بن اُسامہ نے ابن لہیعہ کے طریق سے موصولاً حضرت زید بن عارثہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ابتداءً جب وحی آئی تو آپ کے پاس حضرت جبریلؑ تشریف لاتے اور آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا جب وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیکر شرمگاہ پر پھینکا مارا۔ ابن ماجہ نے بھی اس مفہوم کی حدیث روایت کی ہے۔ براہ بن عازب اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ (نماز) اولین فرائض میں سے تھی۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابوطالب نے نبی ﷺ اور حضرت علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ پوچھا اور حقیقت معلوم ہوئی تو کہا کہ اس پر برقرار رہیں۔

مختلف واقعات سے ظاہر ہے کہ اس مرحلے میں تبلیغ کا کام اگرچہ
قریش کو اجمالی خبر انفرادی طور پر چھپ چھپا کر کیا جا رہا تھا لیکن قریش کو اس کی
 سن گن لگ چکی تھی۔ البتہ انہوں نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا۔

محمد غزالی لکھتے ہیں کہ یہ خبریں قریش کو پہنچ چکی تھیں، لیکن قریش نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔
 غالباً انہوں نے محمد ﷺ کو بھی اسی طرح کا کوئی دینی آدمی سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت
 کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُمیہ بن ابی الصلت، قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ
 نے کیا تھا۔ البتہ قریش نے آپ کی خبر کے پھیلاؤ اور اثر کے بڑھاؤ سے کچھ اندیشے ضرور محسوس کئے تھے
 اور ان کی نگاہیں رفتارِ زمانہ کے ساتھ آپ کے انجام اور آپ کی تبلیغ پر رہنے لگی تھیں۔
 تین سال تک تبلیغ کا کام خفیہ اور انفرادی رہا اور اس دوران اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہو گئی جو
 اخوت اور تعاون پر قائم تھی، اللہ کا پیغام پہنچا رہی تھی اور اس پیغام کو اس کا مقام دلانے کے لیے
 کوشاں تھی۔ اس کے بعد وحی الہی نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو مکلف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلم کھلا دین
 کی دعوت دیں۔ انکے باطل سے نکرائیں اور ان کے تہوں کی حقیقت و اشکاف کریں۔



کھل تبلیغ

اس بارے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا وَأَنْذِرْ أَطَهَارِ دَعْوَتِ كَا پھلا حکم | عَشِيرَتِكَ الْأَقْرَبِينَ (۲۱۴:۲۱۳) آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو (عذاب الہی سے) ڈرایئے، یہ سورہ شعراء کی آیت ہے، اور اس سورہ میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہوا، پھر آخر میں انہوں نے بنی اسرائیل سمیت ہجرت کر کے فرعون اور قوم فرعون سے نجات پائی اور فرعون و آل فرعون کو غرق کیا گیا۔ بلفظ دیگر یہ تذکرہ ان تمام مراحل پر مشتمل ہے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قوم فرعون کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے گزرے تھے۔

میرا خیال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کے اندر کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی یہ تفصیل اس لیے بیان کر دی گئی تاکہ کھلم کھلا دعوت دینے کے بعد جس طرح کی تکذیب اور ظلم و زیادتی سے سابقہ پیش آنے والا تھا اس کا ایک نمونہ آپ اور صحابہ کرام کے سامنے موجود رہے۔

دوسری طرف اس سورہ میں پیغمبروں کو جھٹلانے والی اقوام مثلاً فرعون اور قوم فرعون کے علاوہ قوم نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط اور اصحاب الالیکہ کے انجام کا بھی ذکر ہے۔ اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو جھٹلائیں انہیں معلوم ہو جائے کہ تکذیب پر اصرار کی صورت میں ان کا انجام کیا ہونے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قسم کے مواخذے سے دوچار ہوں گے۔ نیز اہل ایمان کو معلوم ہو جائے کہ اچھا انجام انہیں کا ہوگا، جھٹلانے والوں کا نہیں۔ قرابت داروں میں تبلیغ | بہر حال اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے پہلا کام یہ

کیا کہ نبی ہاشم کو جمع کیا ان کے ساتھ نبی مطلب بن عبدمناف کی بھی ایک جماعت تھی۔ کل نینیا لیس آدمی تھے، لیکن ابوہنبن نے بات پک لی اور بولا: ”دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچیرے بھائی ہیں۔ بات کرو لیکن ناوانی چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا

اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑ لوں پس تمہارے لیے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہو گا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی امداد کریں، پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے باپ کے خانوادے کے لیے تم سے بڑھ کر شرد اور تباہی کا باعث ہو گا۔ اس پر نبی ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔

اس کے بعد آپ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ارشاد فرمایا: "ساری حمد اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔" پھر آپ نے فرمایا: "رہنا اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمہاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول (فرستادہ) ہوں۔ بخدا! تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے سوجاتے ہو اور اسی طرح اٹھتے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔"

اس پر ابوطالب نے کہا (نہ پوچھو) ہمیں تمہاری معاونت کس قدر پسند ہے! تمہاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے! اور ہم تمہاری بات کس قدر سچی جانتے ملتے ہیں اور یہ تمہارے والد کا خانوادہ جمع ہے۔ اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ میں تمہاری پسندگی تکمیل کے لیے ان سب سے پیش پیش ہوں، لہذا تمہیں جس بات کا حکم ہو اسے اسے انجام دو۔ بخدا! میں تمہاری مسلسل حفاظت و اعانت کرتا رہوں گا۔ البتہ میری طبیعت عبد المطلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں۔

ابولہب نے کہا: خدا کی قسم یہ برائی ہے۔ اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم لوگ خود ہی پکڑ لو۔ اس پر ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم جب تک جان میں جان ہے۔ ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ جب نبی ﷺ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کے دوران

کوہ صفا پر

ابوطالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز

لگائی: يَا صِبَا هَاهُ ^{لہ} صَبْحًا اِيَّاهُ پکار سُن کر قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے انہیں ^{لہ} فقہ السیرۃ ص ۸۸ از ابن الاثیر۔ لہ اہل عرب کا دستور تھا کہ دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کیلئے کسی بلند مقام پر چڑھ کر انہیں الفاظ سے پکارتے تھے۔

خدا کی توحید اپنی رسالت اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس واقعے کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ:

جَبْ وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر بَطْوَنِ قُرَيْشِ کو آواز لگانی شروع کی اے بنی فہر! اے بنی عدنی! یہاں تک کہ سب کے سب اکٹھا ہو گئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی خود نہ جاسکتا تھا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے؟ غرض قریش آگئے۔ ابوہب بھی آگیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھا پہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ لوگوں نے کہا، ہاں! ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا، تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابوہب نے کہا، تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اس پر سورہ تبتُّ یَدَا اٰلِی لَہِبٍ نازل ہوئی ابوہب کے دونوں ہاتھ غارت ہوں اور وہ خود غارت ہوئے۔

اس واقعے کا ایک اور ٹکڑا امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آیت وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے پکار لگائی۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی۔ آپ نے کہا اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے محمد کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسب و قرابت کے تعلقات ہیں۔ جنہیں میں باقی اور تروتازہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بانگِ درِ غایتِ تبلیغ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح کر دیا تھا کہ اب اس رسالت کی تصدیق ہی پر تعلقات موقوف ہیں اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں وہ اس خدائی انذار کی حرارت میں پگھل کر ختم ہو چکی ہے۔

اس آواز کی گونج ابھی مکتے کے اطراف میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ

حَقِّكَ وَاشْكَاكَ اَعْلَانًا وَرَشْرِكِينَ كَارِئِعًا

کا ایک اور حکم نازل ہوا:

فَاُصْدَعُ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضُ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ (۱۵: ۹۴)

”آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجئے“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شرک کے خرافات و باطلوں کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واضح کرنا شروع کر دیا۔ آپ مثالیں دے دے کر سمجھاتے کہ یہ کس قدر عاجز و ناکارہ ہیں اور دلائل سے واضح فرماتے کہ جو شخص انہیں پوجتا ہے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

مکہ، ایک ایسی آواز سن کر جس میں مشرکین اور بت پرستوں کو گمراہ کہا گیا تھا، احساس غضب سے پھٹ پڑا۔ اور شدید غم و غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا، گویا بجلی کا کڑکا تھا جس نے پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی لیے قریش اس اچانک پھٹ پڑنے والے انقلاب کی جڑ کاٹنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس سے پشتینی رسم و رواج کا صفایا ہوا چاہتا تھا۔

قریش اٹھ پڑے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی اُلُوہیت کے انکار اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اس رسالت کے حوالے کر دیا جائے اور اس کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے، یعنی اس طرح کہ دوسرے تو درکنار خود اپنی جان اور اپنے مال تک کے بارے میں کوئی اختیار نہ رہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مکہ والوں کو دینی رنگ میں اہل عرب پر جو بڑائی اور سرداری حاصل تھی اس کا صفایا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مقابل میں انہیں اپنی مرضی پر عمل پیرا ہونے کا اختیار نہ رہے گا، یعنی نچلے طبقے پر انہوں نے جو مظالم روا رکھے تھے۔ اور صبح و شام جن بُرائیوں میں لٹ پٹ رہتے تھے۔ ان سے دستکش ہوتے ہی بنے گی۔ قریش اس مطلب کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے ان کی طبیعت اس ”رسوا کن“ پوزیشن کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی، لیکن کسی شرف اور خیر کے پیش نظر نہیں۔ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝

(۵! ۵) بلکہ اس لیے کہ انسان چاہتا ہے کہ آئندہ بھی بُرائی کرتا رہے“

قریش یہ سب کچھ سمجھ رہے تھے لیکن مشکل یہ آن پڑی تھی کہ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق و امین تھا انسانی اقدار اور مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا اور ایک طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ دیکھی تھی اور نہ سنی۔ آخر اس کے بالمقابل کریں تو کیا کریں قریش حیران تھے اور انہیں واقعی حیران ہونا چاہیے تھا۔

کافی غور و خوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس جائیں

اور مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو آپ کے کام سے روک دیں۔ پھر انہوں نے اس مطالبے کو حقیقت و واقعیت کا جامہ پہنانے کے لیے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ یہ معبود نفع و نقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بڑی گالی ہے اور یہ ہمارے ان آباد و اجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اسی دین پر گزر چکے ہیں۔ قریش کو یہی راستا سمجھ میں آیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے اس پر چلنا شروع کر دیا۔

قریش ابوطالب کی خدمت میں | ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اشراف قریش سے چند آدمی ابوطالب

کے پاس گئے اور بولے: "اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے، ہماری عقلموں کو حماقت زدہ کہا ہے، اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا ہے۔ لہذا یا تو آپ انہیں اس سے روک دیں، یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی ہماری ہی طرح ان سے مختلف دین پر ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں آپ کے لیے بھی کافی رہیں گے۔"

اس کے جواب میں ابوطالب نے نرم بات کہی اور رازدارانہ لب و لہجہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنے سابقہ طریقے پر رواں دواں رہتے ہوئے اللہ کا دین پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے میں مصروف رہے۔

حجاج کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ | ان ہی دنوں قریش کے سامنے ایک اور مشکل آن کھڑی ہوئی یعنی ابھی حکم کھلا تبلیغ پر چند ہی مہینے گزرے تھے

کہ موسم حج قریب آگیا۔ قریش کو معلوم تھا کہ اب عرب کے وفود کی آمد شروع ہوگی۔ اس لیے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں کہ جس کی وجہ سے اہل عرب کے دلوں پر آپ کی تبلیغ کا اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بات پر گفت و شنید کے لیے ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ ولید نے کہا اس بارے میں تم سب لوگ ایک رائے اختیار کر لو تم میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ خود تمہارا ہی ایک آدمی دوسرے آدمی کی تکذیب کر دے اور ایک کی بات دوسرے کی بات کو کاٹ دے۔ لوگوں نے کہا آپ ہی کہتے۔ اس نے کہا، تم لوگ کہو، میں سنوں گا۔ اس

پرچند لوگوں نے کہا ہم کہیں گے وہ کاہن ہے ولید نے کہا، نہیں بخدا وہ کاہن نہیں ہے ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس شخص کے اندر نہ کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے۔ نہ ان کے جیسی قافیہ گوئی اور ٹھک بندی۔

اس پر لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ ولید نے کہا، نہیں، وہ پاگل بھی نہیں۔ ہم نے پاگل بھی دیکھے ہیں اور ان کی کیفیت بھی۔ اس شخص کے اندر نہ پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت اور اُلٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ان کے جیسی بہکی بہکی باتیں۔

لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں۔ ہمیں رجز، ہجر، قریض، مقبوض، مبسوط سارے ہی اصناف سخن معلوم ہیں۔ اس کی بات بہر حال شعر نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا، تب ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا، یہ شخص جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کا جادو بھی دیکھا ہے، یہ شخص نہ تو ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ گرہ لگاتا ہے۔ لوگوں نے کہا، تب ہم کیا کہیں گے؟ ولید نے کہا، خدا کی قسم اس کی بات بڑی شیریں ہے۔ اس کی جڑ پائیدار ہے اور اس کی شاخ پھلدار تم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل سمجھیں گے البتہ اس کے بارے میں سب سے مناسب بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو ہے۔ اس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بالآخر لوگ اسی تجویز پر متفق ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

بعض روایات میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ جب ولید نے لوگوں کی ساری تجویزیں رد کر دیں تو لوگوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اپنی بے داغ راستے پیش کیجئے۔ اس پر ولید نے کہا: ذرا سوچ لینے دو۔ اس کے بعد وہ سوچتا رہا سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنی مذکورہ بالا راستے ظاہر کیے۔

اسی معاملے میں ولید کے متعلق سورہ مدثر کی سورہ آیات (۲۶ تا ۲۸) نازل ہوئیں جن میں سے چند آیات کے اندر اس کے سوچنے کی کیفیت کا نقشہ بھی کھینچا گیا چنانچہ ارشاد ہوا:

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۖ فَقَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۖ ثُمَّ قَاتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۖ ثُمَّ نَظَرَ ۖ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۖ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۖ فَفَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ (۲۵-۱۸:۷۲)

وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سِحْرٌ كَذٰبٌ ۝ (۴:۳۸)

”انہیں حیرت ہے کہ خود انہیں میں سے ایک ڈرا نیوالا آیا اور کافرین کہتے ہیں کہ یہ جادو کیسے جھوٹا ہے“
یہ کفار آپ کے آگے پیچھے پر غضب، منتہانہ نگاہوں اور بھڑکتے ہوئے جذبات کے ساتھ

چلتے تھے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيَزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ (۵۱:۶۸)

”اور جب کفار اس قرآن کو سنتے ہیں تو آپ کو ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ گویا آپ کے قدم اکھاڑ دیں گے

اور کہتے ہیں کہ یہ یقیناً پاگل ہے“

اور جب آپ کسی جگہ تشریف فرما ہوتے اور آپ کے ارد گرد کمزور اور مظلوم صحابہ کرام موجود ہوتے تو انہیں دیکھ کر مشرکین استہزا کرتے ہوئے کہتے:

..أَهْؤُلَاءِ مَنْ أَلٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا ۝ (۵۳:۱۶)

”اچھا! یہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے احسان فرمایا ہے!“

جو اب اللہ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَبْذُرُونَ بَعْدَ أَنْ يُحَرِّمُوا ۝ (۵۳:۱۶)

”کیا اللہ شکر گزاروں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا!“

عام طور پر مشرکین کی کیفیت وہی تھی جس کا نقشہ ذیل کی آیات میں کھینچا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا
بِهِمْ يَتَغَامَرُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ
قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضٰلُّونَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حٰفِظِينَ ۝ (۲۹-۳۳)

”جو مجرم تھے وہ ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو انکھیں

مارتے تھے اور جب اپنے گھروں کو پلٹتے تو لطف اندوز ہوتے ہوئے پلٹتے تھے۔ اور جب انہیں دیکھتے تو

کہتے کہ یہی گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے“

(۲) مخاذا رانی کی دوسری صورت آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنا شکوک و شبہات پیدا کرنا، جھوٹا

پروپیگنڈہ کرنا۔ تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضوں کا نشانہ بنانا اور یہ سب

اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ کی دعوت و تبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ مشرکین قرآن کے متعلق کہتے تھے:

.. اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ كُتِبَتْ بِهَا فِي مُنَى عَلَيْهِ بُكْرَةٌ وَأَصِيلًا ○ (۵:۲۵)

”یہ پہلوں کے افسانے ہیں جنہیں آپ نے لکھوا لیا ہے۔ اب یہ آپ پر صبح و شام تلاوت کئے

جاتے ہیں“

.. إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ○ (۲:۲۵)

”یہ محض جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی اعانت

کی ہے“

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ

.. إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ (۱۰۳:۱۶)

یہ (قرآن) تو آپ کو ایک انسان سکھاتا ہے“

رسول اللہ ﷺ پر ان کا اعتراض یہ تھا:

.. مَا لِي هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ○ (۷:۲۵)

یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے!

قرآن شریف کے بہت سے مقامات پر مشرکین کا رد بھی کیا گیا ہے کہیں اعتراض نقل کر

کے اور کہیں نقل کے بغیر۔

۳۔ محاذ آرائی کی تیسری صورت | پہلوں کے واقعات اور افسانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں الجھاتے اور پھنساتے رکھنا۔

چنانچہ نضر بن حارث کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک بار قریش سے کہا: ”قریش کے لوگو! خدا کی قسم تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم لوگ اب تک اس کا کوئی توڑ نہیں لاسکے۔ محمد تم میں جو ان تھے تو تمہارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے۔ سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امانت دار تھے۔

اب جبکہ ان کی کینٹیوں پر سفیدی دکھائی پڑنے کو ہے (یعنی ادھیڑ ہو چلے ہیں) اور وہ تمہارے پاس کچھ باتیں لے کر آتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں! نہیں بخدا وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ ان کی جھاڑ پھونک اور گرہ بندی بھی بچی ہے۔ اور تم لوگ کہتے ہو وہ کاہن ہیں۔ نہیں،

بجداوہ کاہن بھی نہیں۔ ہم نے کاہن بھی دیکھے ہیں، ان کی اُٹھی سیدھی حرکتیں بھی دیکھی ہیں اور ان کی فقرہ بندیاں بھی سُنی ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ شاعر ہیں۔ نہیں بجداوہ شاعر بھی نہیں، ہم نے شعر بھی دیکھا ہے اور اسکے سائے اصناف، ہجر، رجز، وغیرہ سنے ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو وہ پاگل ہیں۔ نہیں، بجداوہ پاگل بھی نہیں، ہم نے پاگل پن بھی دیکھا ہے۔ یہاں نہ اس طرح کی گھٹن ہے نہ ویسی بہکی بہکی باتیں اور نہ ان کے جیسی فریب کارانہ گفتگو۔ قریش کے لوگو! سوچو! خدا کی قسم تم پر زبردست افتاد آن پڑی ہے۔ اس کے بعد نضر بن حارث حیرہ گیا، وہاں بادشاہوں کے واقعات اور رسم و اسفندیار کے قصے سیکھے۔ پھر واپس آیا تو جب رسول اللہ ﷺ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کی باتیں کرتے اور اس کی گرفت سے لوگوں کو ڈرتے تو آپ کے بعد یہ شخص وہاں پہنچ جاتا اور کہتا کہ سجدا! محمد کی باتیں مجھ سے بہتر نہیں۔ اس کے بعد وہ فارس کے بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کے قصے سنانا پھر کہتا: آخر کس بنا پر محمد کی بات مجھ سے بہتر ہے؟ ابن عباس کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نضر نے چند لونڈیاں خرید رکھی تھیں اور جب وہ کسی آدمی کے متعلق سننا کہ وہ نبی ﷺ کی طرف مائل ہے تو اس پر ایک لونڈی مُسلط کر دیتا، جو اسے کھلاتی پلاتی اور گلے سناتی یہاں تک کہ اسلام کی طرف اس کا جھکاؤ باقی نہ رہ جاتا اسی سلسلے میں یہ ارشاد الہی نازل ہوا اللہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ .. (۶:۳۱)

”کچھ لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں“ (۶-۳۱)

سودے بازیاں جن کے ذریعے مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں بیچ راستے میں ایک دوسرے سے جا ملیں یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر اپنی بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتیں نبی ﷺ چھوڑ دیں۔ قرآن پاک میں اسی کے متعلق ارشاد ہے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○ (۹:۶۸)

”وہ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں“

چنانچہ ابن جریر اور طبرانی کی ایک روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز

پیش کی کہ ایک سال آپ ان کے معبودوں کی پوجا کیا کریں اور ایک سال وہ آپ کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ عبد بن حمید کی ایک روایت اس طرح ہے کہ مشرکین نے کہا اگر آپ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپ کے خدا کی عبادت کریں گے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی آپ کے سامنے آئے یہ سب اپنی قوم کے بڑے لوگ تھے۔ بولے! اے محمد! تو جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں۔ اور جسے ہم پوجتے ہیں اسے تم بھی پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔ اب اگر تمہارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر ہمارا معبود تمہارے معبود سے بہتر ہے تو تم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہو گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ قل یٰٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ۙ نازل فرمائی، جس میں اعلان کیا گیا کہ جسے تم لوگ پوجتے ہو اسے میں نہیں پوج سکتا اور اس فیصلہ کن جواب کے ذریعے ان کی مضحکہ خیز گفت و شنید کی جڑ کاٹ دی گئی۔ روایتوں میں اختلاف غالباً اس لیے ہے کہ اس سووے بازی کی کوشش بار بار کی گئی۔

سکہ نبوت میں جب پہلی بار اسلامی دعوت منظر عام پر آئی تو مشرکین نے اسے بدلنے کے لیے وہ کارروائیاں انجام دیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ یہ کارروائیاں تھوڑی تھوڑی اور درجہ بدرجہ عمل میں لائی گئیں اور ہفتوں بلکہ مہینوں مشرکین نے اس سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور ظلم و زیادتی شروع نہیں کی لیکن جب دیکھا کہ یہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک بار پھر جمع ہوئے اور ۲۵ سرداران قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ رسول اللہ ﷺ کا چچا ابو لہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے خلاف ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی۔ یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جوڑو ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے۔

مشرکین نے یہ قرار داد طے کر کے اسے رُو بہ عمل لگانے کا عزم مصمم کر لیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے تو یہ کام بہت آسان تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لحاظ سے بڑی مشکلات تھیں۔ آپ ذاتی طور پر پر شکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن سبھی آپ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ عیسیٰ شخصیت کا سامنا اکرام و احترام ہی سے کیا جاسکتا تھا اور آپ کے خلاف کسی بیچ اور ذلیل حرکت کی جرأت کوئی رذیل اور احمق ہی کر سکتا تھا۔ اس ذاتی عظمت کے علاوہ آپ کو ابوطالب کی حمایت و حفاظت بھی حاصل تھی اور ابوطالب مکے کے اُن گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اتنے با عظمت تھے کہ کوئی شخص ان کا عہد توڑنے اور ان کے خانوادے پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت حال نے قریش کو سخت قلق پریشانی اور کشمکش سے دوچار کر رکھا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو دعوت ان کی مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سربراہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی آخر اس پر اتنا لمبا صبر کب تک؟ بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں نبی ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم و جور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت نبی ﷺ کے متعلق ابولہب کا موقف روزِ اول ہی سے جبکہ ابھی قریش نے اس طرح کی بات سوچی بھی نہ تھی یہی تھا۔ اس نے بنی ہاشم کی مجلس میں جو کچھ کیا، پھر کوہِ صفا پر جو حرکت کی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے کوہِ صفا پر نبی ﷺ کو مارنے کے لیے ایک پتھر بھی اٹھایا تھا۔

بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتبہ کی شادی نبی ﷺ کی دو بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی اور درستی سے ان دونوں کو طلاق دلا دی۔

اسی طرح جب نبی ﷺ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ محمد ﷺ ابتر (نسل بیدہ) ہو گئے ہیں۔

ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ ایام حج میں ابولہب نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے بازاروں اور اجتماعات میں آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا۔ طارق بن عبداللہ مخاریبی کی روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ یہ شخص صرف تکذیب ہی پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ پتھر بھی مارتا رہتا تھا جس سے آپ کی اڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں ۱۱

ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل، جس کا نام ازوی تھا اور جو حُزْب بن اُمیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی، وہ بھی نبی ﷺ کی عداوت میں اپنے شوہر سے پیچھے نہ تھی، چنانچہ وہ نبی ﷺ کے راستے میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ خاصی بد زبان اور منصفہ پرداز بھی تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کے خلاف بدزبانی کرنا بے چوڑی ذبیحہ کاری و افتراء پردازی سے کام لینا، فتنے کی آگ بھڑکانا، اور خوفناک جنگ پیارکھنا اس کا شیوہ تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کو حَمَالَةَ الْحَطَبِ (دگرڑی ڈھونے والی) کا لقب عطا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی آئی۔ آپ خانہ کعبہ کے پاس مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ یہ مٹھی پھر پتھر لیے ہوئے تھی۔ سامنے کھڑی ہوئی تو اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی اور وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سامنے پہنچتے ہی سوال کیا، ابوبکر تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ بخدا اگر میں اسے پاگئی تو اس کے منہ پر یہ پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو! خدا کی قسم میں بھی شاعر ہوں پھر اس نے یہ شعر سنا یا۔

مُدَّمًا عَصِينَا وَامْرَأَةً ابِينَا وَدِينَهُ قَلِينَا

”ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ اس کے امر کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت و حقارت سے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد واپس چلی گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا! یا رسول اللہ! ﷺ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔؟ آپ نے فرمایا نہیں؟ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی یہ ابوبکر بزار نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور اس میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ جب وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی تھی تو اس نے یہ بھی کہا، ابوبکر! تمہارے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ ابوبکر نے کہا، نہیں اس عمارت کے رب کی قسم نہ وہ شعر کہتے ہیں نہ اسے زبان پر لاتے ہیں۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔

۱۱ جامع الترمذی - ۱۹ مشرکین بل کر نبی ﷺ کو محمد کے بجائے مذمم کہتے تھے جس کا معنی محمد کے معنی کے بالکل برعکس ہے محمد؛ وہ شخص ہے جس کی تعریف کی جائے۔ مذمم؛ وہ شخص ہے جس کی مذمت اور بُرائی کی جائے۔ ابن ہشام ۱/ ۲۳۵، ۲۳۶

ابولہب اس کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چچا اور پڑوسی تھا۔ اس کا گھر آپ کے گھر سے متصل تھا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے پڑوسی بھی آپ کو گھر کے اندر لے جاتے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جو گروہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا وہ یہ تھا۔ ابولہب، عکرم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمران ثقفی، ابن الاصدار ہذلی۔ یہ سب کے سب آپ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے عکرم بن ابی العاص کے علاوہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان کے تسانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح ٹسکا کر پھینکتا کہ وہ ٹھیک آپ کے اوپر گرتی چوٹھے پر ہانڈی چڑھاتی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ بیدھے ہانڈی میں جا گرتی۔ آپ نے مجبور ہو کر ایک گھر وندا بنالیا تاکہ نماز پڑھتے ہوتے ان سے بچ سکیں۔

بہر حال جب آپ پر یہ گندگی پھینکی جاتی تو آپ اسے لکڑی پر لے کر نکلتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے: "اے بنی عبدمنات! یہ کیسی ہمانگی ہے؟ پھر اسے راستے میں ڈال دیتے۔" عقبہ بن ابی معیط اپنی بدبختی اور خباثت میں اور بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوہبل اور اس کے کچھ رفقا بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا، کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوچھڑی لاتے اور جب محمد ﷺ سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی — عقبہ بن ابی معیطؓ — اٹھا اور اوچھڑا لاکر انتظار کرنے لگا جب نبی ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ میں سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کاش میرے اندر بچانے کی طاقت ہوتی۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ فاطمہؓ آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اوچھڑا ہٹا کر پھینکی تب آپ نے سر اٹھایا۔ پھر تین بار فرمایا اللہم! علیک بقریش اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے! جب آپ نے بد دعا کی تو ان پر بہت گراں گزری۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بد دعا کی: لے

۱۱۵ یہ اموی خلیفہ مروان بن حکم کے باپ ہیں۔ ۱۱۶ ابن ہشام ۱/۲۱۶۔

۱۱۷ خود صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت آگئی ہے۔ دیکھئے ۱/۵۲۳۔

اللہ! ابو جہل کو پکڑ لے۔ اور عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔

انہوں نے ساتویں کا بھی نام گنایا۔ لیکن راوی کو یاد نہ رہا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے گن گن کر لیے تھے سب کے سب بدر کے کنوئیں میں مقتول پڑے ہوئے تھے۔ امیہ بن خلف کا وطیرہ تھا کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَيَلُّ لِكُلِّ هَمْزَةٍ لُّمَزَةٍ** (۱۱:۱۳) ہر لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کیلئے تباہی ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ہمزہ وہ شخص ہے جو عدلیہ گالی بکے اور آنکھیں ٹیر دھی کر کے اشارے کرے۔ اور لمزہ وہ شخص ہے جو پیٹھ پیچھے لوگوں کی برائیاں کرے اور انہیں اذیت دے۔ امیہ کا بھائی ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کا گہرا دوست تھا۔ ایک بار عقبہ نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ ابی کو معلوم ہوا تو اس نے عقبہ کو سخت سُست کہا، عقاب کیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے منہ پر تھوک آئے۔ آخر عقبہ نے ایسا ہی کیا خود ابی بن خلف نے ایک مرتبہ ایک بوسیدہ ہڈی لاکر توڑی اور ہوا میں پھونک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اڑا دی۔

اغنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ کے ستارے والوں میں تھا۔ قرآن میں اس کے نو اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے اس کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے،

وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلَاْفٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَاءٍ بِنَمِيْمٍ ۝ مَنَاجٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ
أَثِيْمٍ ۝ عُتْلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيْمٍ ۝ (۶۸: ۱۰-۱۳)

”تم ہات نہ مانو کسی قسم کھانے والے ذیل کی جو لعن طعن کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ بھلاتی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم، بد عمل اور جفا کار ہے۔ اور اس کے بعد باصل بھی ہے،“

ابو جہل کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قرآن سنا تھا لیکن بس سنا ہی تھا۔ ایمان و اطاعت اور ادب و خشیت اختیار نہیں کرتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سے اذیت

پہنچانا اور اللہ کی راہ سے روکتا تھا۔ پھر اپنی اس حرکت اور بُرائی پر ناز اور فخر کرتا ہوا جاتا تھا۔ گویا اس نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئیں:

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّىٰ (۳۱:۴۵) ”نہ اس نے صدقہ دیا نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پیٹھے پھیری۔ پھر

وہ اڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا۔ تیرے خوب لائق ہے۔ خوب لائق ہے؛“

اس شخص نے پہلے دن جب نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسی دن سے آپ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار نبی ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا گندہ ہوا۔ دیکھتے ہی بولا، ”محمد! کیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ڈانٹ کر سختی سے جواب دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا۔ اے محمد! مجھے کاہے کی دھمکی دے رہے ہو، دیکھو! خدا کی قسم! اس وادی (مکہ) میں میری محفل سب سے بڑی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ سَلِّمْ اُجْحَا! تو وہ بلائے اپنی محفل کو دہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلائے دیتے ہیں۔“

ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا گریبان گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور جھنجھوٹے ہوئے فرمایا۔

اَوَّلِي لَكَ فَاوَلِي ۙ ثُمَّ اَوَلِي لَكَ فَاوَلِي ۙ (۳۵/۳۳:۴۵)

”تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے۔ تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے۔“

اس پر اللہ کا یہ دشمن کہنے لگا: ”اے محمد! مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ خدا کی قسم تم اور تمہارا پڑاؤ رگڑاؤ میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نکتے کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔“

بہر حال اس ڈانٹ کے باوجود ابوہلہ اپنی حماقت سے باز آنے والا نہ تھا بلکہ اس کی بد سختی میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا، چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار سردارانِ قریش سے ابوہلہ نے کہا کہ محمد آپ حضرات کے روبرو اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ جواب دیا گیا۔ ہاں! اس نے کہالات و عُزّی کی قسم! اگر میں نے اس حالت میں اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا۔ اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔ اسکے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے

دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روندے گا، لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھ سے بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا، ابوالحکم! تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے۔ ہونا کیا ہے اور پرہیز۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے تھے۔

جور و ستم کی یہ کارروائیاں نبی ﷺ کے ساتھ ہو رہی تھیں اور عوام و خواص کے نفوس میں آپ کی منفرد شخصیت کا جو وقار و احترام تھا اور آپ کو مکتے کے سب سے محترم اور عظیم انسان ابوطالب کی جو حمایت و حفاظت حاصل تھی اس کے باوجود ہو رہی تھیں۔ باقی رہیں وہ کارروائیاں جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے بھی کمزور افراد کی ایذا رسانی کے لیے کی جا رہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جور و ستم روا رکھے تھے جنہیں سن کر مضبوط انسان کا دل بھی بے عینی سے ٹپنے لگتا ہے۔

ابوہبل جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے بڑا بھلا کہتا ذلیل رسوا کرتا اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برا لگینے کرتا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں پیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ماں کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ حالات کی شدت سے دوچار ہوتے تو کھال اس طرح ادھر گئی جیسے سانپ کچلی چھوڑتا ہے۔

حضرت بلال، اُمیہ بن خلف جحجی کے غلام تھے۔ اُمیہ انکی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دیتا تھا اور وہ انہیں مکے کے پہاڑوں میں گھاتے پھرتے تھے یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا تھا۔ خود اُمیہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلپلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا۔ کھانا پانی بھی نہ دیتا بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا تھا اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا

کہ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھر یلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پھر کتنا خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے، یا محمدؐ کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلالؓ اس حالت میں بھی فرماتے اَحَدًا - اَحَدًا۔ ایک روز یہی کارروائی کی جا رہی تھی کہ ابو بکرؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے حضرت بلالؓ کو ایک کالے غلام کے بدلے، اور کہا جاتا ہے کہ دو سو درہم (۳۵۰) گرام چاندی (یا دو سو اسی درہم) ایک کیلو سے زائد چاندی کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا۔^{۳۴}

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مشرکین جن میں ابو جہل پیش پیش تھا سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھر ملی زمین پر لے جا کر اس کی پیش سے سزا دیتے۔ ایک بار انہیں اسی طرح سزا دی جا رہی تھی کہ نبی ﷺ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: آلِ یاسر صبر کرنا۔ تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ آخر کا یاسر ظلم کی تاب نہ لا کر وفات پا گئے اور سُمیۃ جو حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کی شرمگاہ میں ابو جہل نے نیزہ مارا، اور وہ دم توڑ گئیں۔ یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمارؓ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا، انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبو یا جاتا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم محمدؐ کو گالی نہ دو گے یا لات و عزتی کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ حضرت عمارؓ نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر نبی ﷺ کے پاس روتے اور معذرت کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مِنْ اٰكْرَهٗ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ .. (۱۱۶:۱۱۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا اس پر اللہ کا غضب اور عذابِ عظیم ہے، لیکن جسے مجبور کیا جائے

اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اس پر کوئی گرفت نہیں۔^{۳۵}

حضرت فیکہہ بن کاعب کا نام اقلع تھا، بنی عبدالدار کے غلام تھے۔ ان کے یہ مالکان ان کا پاؤں سی

سے باندھ کر انہیں زمین پر گھیٹتے تھے۔^{۳۶}

حضرت خباب بن ارت، قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت امّ انمار کے غلام تھے۔ مشرکین

انہیں طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ ان کے سر کے بال نوچتے تھے اور سختی سے گردن مروڑتے

۳۴ رحمة للعالمین ۱/۵۷۰ تلمیح فہوم ص ۱۱۷ ابن ہشام ۱/۳۱۸۔

۳۵ ابن ہشام ۱/۳۱۹، ۳۲۰ فقہ السیرة محمد غزالی ص ۵۲۔ عوفی نے ابن عباس سے اس کا بعض ٹکڑا روایت کیا ہے۔ دیکھئے

تفسیر ابن کثیر زیر آیت مذکورہ ص ۳۶ رحمة للعالمین ۱/۵۷۰ بحوالہ اعجاز التذویر ص ۵۳

تھے۔ انہیں کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیا کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔

زینیرہؓ اور نہدیہؓ اور ان کی صاحبزادی اور ام عیسیٰؓ یہ سب لونڈیاں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکین کے ہاتھوں اسی طرح کی سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں جن کے چند نمونے ذکر کئے جا چکے ہیں۔ قبیلہ بنی عدی کے ایک خانوادے بنی مٹول کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں حضرت عمر بن خطابؓ جو بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھے اور اس کے بعد کہتے تھے کہ میں نے تجھے کسی مروت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔

آخر کار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال اور عامر بن زینیرہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

مشرکین نے سزا کی ایک شکل یہ بھی اختیار کی تھی کہ بعض بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لوسے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے۔ درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بڑی لمبی ہے اور بڑی تکلیف دہ بھی۔ حالت یہ تھی کہ جس کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے تھے۔

ان ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولا اور عملاً دو طرفہ طور پر اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے پر اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھا ہوتے تو مشرکین آپ کے تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب حکمت کے کام میں یقیناً رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہو سکتا تھا بلکہ عملاً سگہ نبوت میں ہو بھی چکا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار کفار قریش کے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا تو گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے جو اب حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

۳۷ رحمة للعالمین ۵۷/۱ تلخیص الفہوم ص ۳۸ زینیرہ بروزن مسکینہ یعنی زکوزیر اور لون کوزیر اور تشدید
 ۳۹ رحمة للعالمین ۵۷/۱ ابن ہشام ۳۱۹/۱ - ۳۱۸/۱ ابن ہشام ۳۱۹، ۳۱۸
 ۴۰ رحمة للعالمین ۵۸/۱ - ۵۷/۱ ابن ہشام ۲۹۲/۱ مختصر السیرہ محمد بن عبد الوہاب ص ۶

یہ واضح ہی ہے کہ اگر اس طرح کا ٹکراؤ بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آسکتی تھی لہذا حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کام پس پردہ کیا جائے۔ چنانچہ عام صحابہ کرام اپنا اسلام اپنی عبادت اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پردہ کرتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کا کام بھی مشرکین کے روبرو کھلم کھلا انجام دیتے تھے اور عبادت کا کام بھی۔ کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی، تاہم آپ بھی مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی مصلحت کے پیش نظر خفیہ طور سے جمع ہوتے تھے۔ ادھر ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان کوہ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دور الگ تھلک واقع تھا۔ اس لیے آپ نے پانچویں سنہ نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنالیا۔

پہلی ہجرتِ حبشہ | جو رستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہوا تھا اور ابتداءً معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ ب ماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دو بھر ہو گیا۔ اور انہیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۃ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کئے گئے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں نہایت بلیغ اشارات تھے چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تن بہ تقدیر نکل پڑنا چاہیے، ارشاد ہے:

وَإِذَا عَزَلْتَهُمْ هُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ
مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ○ (۱۸: ۱۶)

” اور جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے دوسروں معبودوں سے الگ ہو گئے تو غار میں پناہ گیر ہو جاؤ، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔ اور تمہارے کام کے لیے تمہاری سہولت کی چیز تمہیں ہتیار کرے گا“
موسٰی اور خضر علیہما السلام کے واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں لہذا اس واقعے

میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

ذُو الْقُرْبَيْنِ کے واقعے میں چند خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

- ۱- یہ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔
 - ۲- یہ کہ فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔
 - ۳- یہ کہ اللہ تعالیٰ رہ رہ کر اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے یا جوج و ماجوج سے نجات دلاتے ہیں۔
 - ۴- یہ کہ اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔
- پھر سورہ کہف کے بعد سورہ زمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۱۰:۳۹)

”جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان

کا اجر بلا حساب دیا جائے گا“

ادھر رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اصحٰمہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے۔ وہاں کسی ظلم نہیں ہوتا اس لیے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب ۵ھ نبوی میں صحابہ کرام کے پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ بنتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ رازداری

کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ رُخ بھرا حمر کی بندرگاہ شعیبہ کی جانب تھا۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں جو انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ چلی گئیں۔ قریش کو کسی قدر بعد میں ان کی روانگی کا علم ہو سکا۔ تاہم انہوں نے پیچھا کیا اور ساحل تک پہنچے لیکن صحابہ کرام آگے جا چکے تھے، اس لیے نامراد واپس آئے۔ ادھر مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر بڑے چین کا سانس لیا۔ اسی سال رمضان شریف میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ ایک بار حرم شریف لے گئے۔ وہاں قریش کا بہت بڑا مجمع تھا۔ ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپ نے ایک دم اچانک کھڑے ہو کر سورہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ ان کفار نے اس سے پہلے عموماً قرآن سنا تھا کیونکہ ان کا دائمی وطیرہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ○ (۲۶:۲۱)

”اس قرآن کو مت سنا اور اس میں غلطی نہ ہو۔ (ادھر ہم بچاؤ) تاکہ تم غالب رہو“

لیکن جب نبی ﷺ نے اچانک اس سورہ کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کانوں میں ایک ناقابل بیان رعنائی و دلکشی اور عظمت لئے ہوئے کلامِ الہی کی آواز پڑی تو انہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب گوشِ بر آواز ہو گئے کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپ نے سورہ کے اواخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ○ (۶۲:۵۳)

”اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو“

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حق کی رعنائی و جلال نے منکبیرین و شہزادین کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کر دیا تھا اس لیے انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہ گیا تھا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے تھے۔

بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ کلامِ الہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی۔ اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے اڑھی سے چوٹی تک کا زور لگا رکھا

تھا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعے میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب اور ملامت کی بوجھاڑ شروع کی تو ان کے ہاتھوں کچھ طوطے اڑ گئے اور انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کی اور یہ جھوٹ گھڑا کہ آپ نے ان کے بتوں کا ذکر عورت و احترام سے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:

تِلْكَ الْغَرَائِيقُ الْعُلَى، وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَبِحِي

”یہ بلند پایہ دیویاں ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے“

حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا جو محض اس لیے گھڑ لیا گیا تھا تا کہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو غلطی ہو گئی ہے اس کے لیے ایک ”معتول“ عذر پیش کیا جاسکے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ پر ہمیشہ جھوٹ گھڑتے اور آپ کے خلاف ہمیشہ دسیہ کاری اور افترا پردازی کرتے رہے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے بیٹھے

بہر حال مشرکین کے سجدہ کرنے کے اس واقعے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہوئی لیکن اپنی اصل صورت سے بالکل ہٹ کر یعنی انہیں یہ معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماہ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی لیکن جیب اتنے قریب آگئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حقیقت حال آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو بیدھے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لیکر مکہ میں داخل ہوئے بیٹھے

اس کے بعد ان مہاجرین خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم و تشدد جو رستم اور بڑھ گیا اور ان **دوسری ہجرت حبشہ** کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خبر ملی تھی اس پر وہ نہایت عین بہ جبیں تھے۔ ناچار رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو پھر ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا، لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بالمقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی۔ کیونکہ اب کی بار قریش پہلے سے ہی چونکا تھے اور ایسی کسی کوشش کو ناکام بنانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان بنا دیا چنانچہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس پہنچ گئے۔

گذشتہ سے پورے دیکھئے باب سجدۃ النجم اور باب سجود المسلمین والمشرکین ۱۴۶/۱ اور باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ بکتاب ۵۴۲/۱
۴۷ محققین نے اس روایت کے تمام طرہوں کے تحلیل و تجزیے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

۴۸ زاد المعاد ۲۴/۲، ۴۴/۲، ابن ہشام ۱/۳۶۴۔

اس دفعہ کل ۸۲ یا ۸۳ مردوں نے ہجرت کی (حضرت عمار کی ہجرت مختلف قبیلہ ہے) اور اٹھارہ یا نیس عورتوں نے۔ علامہ منصور پوریؒ نے یقین کے ساتھ عورتوں کی تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔

مشرکین کو سخت قلق تھا کہ مسلمان اپنی جان
مہاجرین عیشہ کے خلاف قریش کی سازش اور اپنا دین بچا کر ایک پُر امن جگہ بھاگ

گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو جو گہری سُوجھ بوجھ کے مالک تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ایک اہم سفارتی مہم کے لیے منتخب کیا اور ان دونوں کو نجاشی اور بظریقوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہترین تحفے اور ہدیے دے کر حبش روانہ کیا۔ ان دونوں نے پہلے حبش پہنچ کر بظریقوں کو تحائف پیش کئے۔ پھر انہیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا، جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو حبش سے نکلوانا چاہتے تھے۔ جب بظریقوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے نکال دینے کا مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی کے حضور حاضر ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا یوں عرض کیا:

”اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم

کا دین چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے ہم جانتے ہیں نہ آپ ہمیں آپکی خدمت میں انہی کی بابت ان کے والدین چچاؤں اور کنبے قبیلے کے عمائدین نے بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں ان کے پاس واپس بھیجیں کیونکہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور عتاب کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔“ جب یہ دونوں اپنا مدعا عرض کر چکے تو بظریقوں نے کہا:

”بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیں۔ یہ دونوں انہیں ان کی قوم اور ان کے ملک میں واپس پہنچادیں گے۔“

لیکن نجاشی نے سوچا کہ اس قضیے کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہیہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم سچ ہی بولیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے پوچھا: یہ کونسا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، لیکن میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوتے ہو۔ اور نہ ان ملتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوتے ہو؟

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے بادشاہ! ہم ایسی

قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بُت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے۔ قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھار ہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا اس کی عالی نسب، سچائی، امانت اور پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلا یا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بُتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خوریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے کام گناے، پھر کہا: ”ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اور اس کے لائے ہوئے دین خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا۔ تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں۔ اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی۔ اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

نجاشی نے کہا: ”وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟“

حضرت جعفر نے کہا: ”ہاں!“

نجاشی نے کہا: ”ذرا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ۔“

حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی اس قدر روپاکہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ نجاشی کے تمام اسقف بھی حضرت جعفر کی تلاوت سن کر اس قدر رشے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کر آئے تھے۔ دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے عمر بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چلی جاسکتی ہے۔ اس حکم پر وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ لیکن پھر عمر بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا: خدا کی قسم! کل ان کے متعلق ایسی بات لاؤں گا کہ ان کی ہریالی کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا: نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ ان لوگوں نے اگرچہ ہمارے خلاف کہا ہے۔ لیکن ہیں بہر حال ہمارے اپنے ہی کنبہ قبیلے کے لوگ۔ مگر عمر بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اگلا دن آیا تو عمر بن عاص نے نجاشی سے کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمان کیا کہتے ہیں۔ اس دفعہ مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوئی۔ لیکن انہوں نے طے کیا کہ سچ ہی بولیں گے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور اس نے سوال کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی رُوح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاکدامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔“

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکہ اٹھایا اور بولا: خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔ اس پر بطریقوں نے ”ہونہہ“ کی آواز لگائی۔ نجاشی نے کہا: اگرچہ تم لوگ ”ہونہہ“ کہو۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا: جاؤ! تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے ہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تناوان لگایا جائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے میں کسی آدمی کو

تساؤں اور اس کے بدلے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔“

اس کے بعد اس نے اپنے حاشیہ نشینوں سے مخاطب ہو کر کہا: ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے نختے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیر سایہ مقیم رہے۔ ۱۵

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دوسرے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عمرو بن عاصؓ کی حاضری جنگ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی واپسی کے لیے دو مرتبہ گئے تھے، لیکن جنگ بدر کے بعد کی حاضری کے ضمن میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کے درمیان سوال و جواب کی جو تفصیلات بیان کی جاتی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو ابن اسحاق نے ہجرت حبشہ کے بعد کی حاضری کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔ پھر ان سوالات کے مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس یہ معاملہ ابھی پہلی بار پیش ہوا تھا، اس لیے ترجیح اس بات کو حاصل ہے کہ مسلمانوں کو واپس لانے کی کوشش صرف ایک بار ہوئی تھی۔ اور وہ ہجرت حبشہ کے بعد تھی۔

بہر حال مشرکین کی چال ناکام ہو گئی اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اپنے جذبہ عداوت کو اپنے دائرہ اختیار ہی میں آسودہ کر سکتے ہیں؛ لیکن اس کے نتیجے میں انہوں نے ایک خوفناک بات سوچنی شروع کر دی۔ درحقیقت انہیں اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ اس ”مصیبت“ سے نمٹنے کے لیے اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے بزورِ طاقت روک دیں یا پھر آپ کے وجود ہی کا صفایا کر دیں۔ لیکن دوسری صورت حد درجہ مشکل تھی کیونکہ ابوطالب آپ کے محافظ تھے اور مشرکین کے عزائم کے سامنے

آہنی دیوار بنے ہوئے تھے۔ اس لیے یہی مفید سمجھا گیا کہ ابوطالب سے دو دو باتیں ہو جائیں۔

ابوطالب کو قریش کی دھمکی | اس تجویز کے بعد سرداران قریش ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور یوں: "ابوطالب! آپ ہمارے اندر

سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گزارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکئے۔ لیکن آپ نے نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں کی عیب بینی کی جائے۔ آپ روک دیجئے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔"

ابوطالب پر اس زور دار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آتے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں۔ اس لیے فرمایا: "چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے بعد آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ رو پڑے اور اٹھ گئے، جب واپس ہونے لگے تو ابوطالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا: "بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو، خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔" اور یہ اشعار کہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى اَوْشَدَ فِي التَّرَابِ دَفِيْنًا
فَاَصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْنِكَ غَضَاضَةً وَاَبِيْرٍ وَقَرَّبَاكَ مِنْكَ عِيُوْنَا

"بخدا وہ لوگ تمہارے پاس اپنی جمعیت سمیت بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ میں

مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔ تم اپنی بات کھلم کھلا کہو۔ تم پر کوئی قدرغن نہیں، تم خوش ہو جاؤ اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں۔“

قریش ایک بار پھر ابوطالب کے سامنے | پچھلی دھمکی کے باوجود جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ

اپنا کام کئے جا رہے ہیں تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ نہیں سکتے، بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عداوت مول لینے کو تیار ہیں چنانچہ وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے لڑکے عمارہ کو ہمراہ لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے یوں عرض کیا:

”اے ابوطالب! یہ قریش کا سب سے بانکا اور خوبصورت نوجوان ہے۔ آپ اسے لے لیں۔ اس کی دیت اور نصرت کے آپ حقدار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنالیں۔ یہ آپ کا ہوگا اور آپ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلایا ہے۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔“

ابوطالب نے کہا: ”خدا کی قسم! کتنا بڑا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو! تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں۔ پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے ہو کہ اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔“

اس پر نوفل بن عبدمناف کا پوتا مطعم بن عدی بولا: ”خدا کی قسم! اے ابوطالب! تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے اس سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔“

جواب میں ابوطالب نے کہا: ”خدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تلے بیٹھے ہو تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔“

سیرت کے ناخذ میں پچھلی دونوں گفتگو کے زمانے کی تیسرین نہیں ملتی لیکن قرآن و شواہد

سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں گفتگو سہ نبوی کے وسط میں ہوئی تھیں اور دونوں کے درمیان فاصلہ مختصر ہی تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز | ان دونوں گفتگوؤں کی ناکامی کے بعد قریش کا جذبہ جو روستم اور بھی بڑھ گیا اور ایذا رسانی

کا سلسلہ پہلے سے فزوں تر اور سخت تر ہو گیا۔ ان ہی دنوں قریش کے سرکشوں کے دماغ میں نبی ﷺ کے خاتمے کی ایک تجویز ابھری لیکن یہی تجویز اور یہی سختیاں مکہ کے جانبازوں میں سے دو نادرہ روزگار سرفروشوں یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ان کے ذریعے اسلام کو تقویت پہنچانے کا سبب بن گئیں۔ جو روجفا کے سلسلہ دراز کے ایک دو نمونے یہ ہیں کہ ایک روز ابوہب کا بیٹا عقیبہ

رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: میں وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ اور تَمُّ دَنَا فَتَدَلَّى کے ساتھ کفر کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ آپ پر ایذا رسانی کے ساتھ مسلط ہو گیا۔ آپ کا گرتا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اگرچہ تھوک آپ پر نہ پڑا۔ اسی موقع پر نبی ﷺ نے بددعا کی کہ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ نبی ﷺ کی یہ بددعا قبول ہوئی۔ چنانچہ عقیبہ ایک بار قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ سفر میں گیا۔ جب انہوں نے ملک شام کے مقام زرقار میں پڑاؤ ڈالا تو رات کے وقت شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عقیبہ نے دیکھتے ہی کہا: ہائے میری تباہی! یہ خدا کی قسم مجھے کھا جائے گا۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ دیکھو میں شام میں ہوں۔ لیکن اس نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے مار ڈالا۔ احتیاطاً لوگوں نے عقیبہ کو اپنے اور جانوروں کے گھیرے کے بیچوں بیچ سلایا۔ لیکن رات کو شیر

سب کو پھلانگتا ہوا سیدھا عقیبہ کے پاس پہنچا۔ اور سر کپڑ کر ڈالا۔ ۵۵
ایک بار عقیبہ بن ابی معیط نے رسول اللہ ﷺ کی گردن حالت سجدہ میں اس زور سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا دونوں آنکھیں نکل آئیں گی۔ ۵۶

ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی قریش کے سرکشوں کے اس ارادے پر

۵۵ مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ ص ۱۳۵، استیعاب، اصابہ، دلائل النبوة، الروض الانف

۵۶ ایضاً مختصر السیرہ ص ۱۱۳

روشنی پڑتی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے خاتمے کے چکر میں تھے، چنانچہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ابو جہل نے کہا:

"برادرانِ قریش! آپ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے دین کی عیب چینی ہمارے آبا و اجداد کی بدگوئی، ہماری عقلموں کی تخفیف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل سے باز نہیں آتا۔ اس لیے میں اللہ سے عہد کر رہا ہوں کہ ایک بہت بھاری اور مشکل اٹھنے والا پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب وہ سجدہ کرے گا تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھ کو بے بار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حفاظت کرو۔ اور بنو عبدمناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے کریں۔" لوگوں نے کہا: "نہیں واللہ ہم تمہیں کبھی کسی معاملے میں بے بار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

صبح ہوئی تو ابو جہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسب دستور تشریف لاتے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اپنی اپنی مجلسوں میں آچکے تھے۔ اور ابو جہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا۔ پھر آپ کی جانب بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ فاق تھا اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر پر چپ کر رہ گئے تھے۔ وہ مشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ ادھر قریش کے کچھ لوگ اٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: "ابو الحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا لیکن جب اس کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ بخدا میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی ویسی گردن اور ویسے دانت دیکھے ہی نہیں۔ وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں: "مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یرجبریل علیہ السلام تھے۔ اگر ابو جہل قریب آتا تو اسے دھر کر پڑتے۔"

اس کے بعد ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک ایسی حرکت کی جو حضرت

حزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ تفصیل آ رہی ہے۔

جہاں تک قریش کے دوسرے معاشوں کا تعلق ہے تو ان کے دلوں میں بھی نبی ﷺ کے خاتمے کا خیال برابر پک رہا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ابن اسحاق نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی موجود تھا۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر چھیڑا اور کہنے لگے: اس شخص کے معاملے میں ہم نے جیسا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ درحقیقت ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نمودار ہو گئے۔ آپ نے تشریف لاکر پہلے حجرِ اسود کو چومنا پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کچھ کہہ کر طعنہ زنی کی جس کا اثر میں نے آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کا گذر ہوا تو مشرکین نے پھر اسی طرح کی لعن طعن کی۔ میں نے اس کا بھی اثر آپ کے چہرے پر دیکھا۔ اس کے بعد آپ سہ بارہ گزرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپ ٹھہر گئے اور فرمایا:

"قریش کے لوگو! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس (تمہارے) قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں۔"

آپ کے اس ارشاد نے لوگوں کو پکڑ لیا۔ ان پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ گویا ہر آدمی کے سر پر چڑیا ہے، یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا اس کے ذریعے آپ سے طلبِ گارِ رحمت ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ ابوالقاسم! واپس جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کبھی بھی نادان نہ تھے۔"

دوسرے دن قریش پھر اسی طرح جمع ہو کر آپ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ نمودار ہوئے۔ دیکھتے ہی سب ریکجان ہو کر (ایک آدمی کی طرح آپ پر پل پڑے اور آپ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑ لی۔ اور بل دینے لگا۔) ابوبکرؓ آپ کے بچاؤ میں لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

"اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رِبِّيَ اللهُ؟ کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ اس کے بعد وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔ عبداللہ

بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کبھی کرتے ہوئے دیکھی۔ ۵۸ انتہی ملخصاً

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ان کا بیان مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت ترین بدسلوکی کی تھی آپ مجھے اس کی تفصیل بتائیے؟۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آگیا۔ اُس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹا۔ اتنے میں ابو بکرؓ آ پہنچے۔ اور انہوں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے نبی ﷺ سے دُور کرتے ہوئے فرمایا اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ! تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! ۵۹

حضرت اسماء کی روایت میں مزید تفصیل ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس یہ چیخ پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ۔ وہ جھٹ ہمارے پاس سے نکلے۔ ان کے سر پر چار چوٹیاں تھیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ! تم لوگ ایک آدمی کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکرؓ پر پل پڑے۔ وہ واپس آئے تو حالت یہ تھی کہ ہم ان کی چوٹیوں کا جو بال بھی چھوتے تھے، وہ ہماری رچلی کے ساتھ چلا آتا تھا۔ ۶۰

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

مکہ کی فضا ظلم و جور کے ان سیاہ بادلوں سے گھبیر تھی کہ اچانک ایک بجلی چمکی اور مقہوروں کا راستہ روشن ہو گیا، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ سید نبوی کے اخیر کا ہے اور اغلب یہ ہے کہ وہ ماہ ذی الحجہ میں مسلمان ہوئے تھے ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ ایک روز ابو جہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرنا تو آپ کو ایذا پہنچائی اور سخت سُست کہا۔ رسول اللہ ﷺ

خاموش رہے، اور کچھ بھی نہ کہا لیکن اس کے بعد اس نے آپ کے سر پر ایک پتھر دے مارا، جس سے ایسی چوٹ آئی کہ خون بہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جُدعان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان حائل کئے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے ان سے ابوہل کی ساری حرکت کہہ سنائی۔ حضرت حمزہ غصے سے بھر پک اٹھے۔ یہ قریش کے سب سے طاقتور اور مضبوط جوان تھے۔ ماجرا سن کر کہیں ایک لمحہ کے بغیر دوڑتے ہوئے اور یہ تہیہ کئے ہوئے آتے کہ جوں ہی ابوہل کا سامنا ہوگا، اس کی مرمت کر دیں گے۔ چنانچہ مسجد حرام میں داخل ہو کر سیدھے اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور بولے: "اوسرین پر خوشبو لگانے والے بزدل! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔" اس کے بعد کمان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس پر ابوہل کے قبیلے بنو مخزوم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو ہاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے۔ لیکن ابوہل نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ ابوعمارہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بڑی گالی دی تھی۔ ۱۱

ابتداءً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض اس حمیت کے طور پر تھا کہ ان کے عزیز کی توہین کیوں کی گئی۔ لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ اور انہوں نے اسلام کا کڑا مضبوطی سے تھام لیا ۱۲ اور مسلمانوں نے ان کی وجہ سے بڑی عزت و قوت محسوس کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام | ظلم و طغیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گھبیر فضا میں ایک اور برق تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس

کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ نبوی کا ہے۔ ۱۳۔ وہ حضرت حمزہ کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعود

۱۱ مختصر السیرہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۶۶ رحمۃ اللعالمین ۱/۶۸، ابن ہشام ۱/۲۹۱ و ۲۹۲

۱۲ اس کا اندازہ مختصر السیرہ شیخ عبداللہ میں مذکور ایک روایت سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ص ۱۰۱

۱۳ تاریخ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۱

اور حضرت انس رضی سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اَعِزَّ اِسْلَامَ بِاَحِبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِعَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِابْنِ
جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ .

”اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے
اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔“

اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہو گئے اللہ کے نزدیک ان دونوں
میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ۶۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے واضح
ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگزیں ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات
کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات و احساسات کی طرف
بھی مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خوئی کے لیے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے
طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں
متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریباں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آبار و اجداد کی
لبخا و کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے لیکن
دوسری طرف وہ ایمان و عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی ننگلی اور مصائب کے سلسلے میں ان
کی قوت برداشت کو خوشگوار حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی
بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک و شبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرا کرتا تھا کہ اسلام جس
بات کی دعوت دے رہا ہے غالباً وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسی لیے ان کی کیفیت
دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔ ۶۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مع جمع و تطبیق
— یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ وہ عرم تشریف لائے اور
خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور سورہ

۶۴ ترمذی ابواب المناقب! مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ۲/۹۰۲

۶۵ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کا یہ تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے۔ فقہ السیرہ ص ۹۲، ۹۳

الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن سننے لگے اور اس کی تالیف پر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا: "خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔" لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۖ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۚ (۳۲/۲۰:۶۹)

"یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو،"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے — اپنے جی میں — کہا: (راوی ہو) "یہ تو کاہن ہے۔" لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا يَقُولِ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۚ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۚ (۳۲/۲۲:۶۹)

(بالی آخر السورۃ)

"یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین

کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

(اخیر سورۃ تمک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا بیج پڑا، لیکن ابھی ان کے اندر جاہلی جذبات، تقلیدی عصبیت اور آباء و اجداد کے دین کی عظمت کے احساس کا پھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانہ دل کے اندر چھپنے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لیے وہ اس چھلکے کی تہ میں چھپے ہوئے شعور کی پروا کئے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگرداں رہے۔

ان کی طبیعت کی سختی اور رسول اللہ ﷺ سے فرطِ عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے

۶۶ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۶-۱ ابن اسحاق نے عطار اور مجاہد سے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے البتہ اس کا آخری ٹکڑا اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام ۱/۳۴۶، ۳۴۸۔ اور خود ابن جوزی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے لیکن اس کا آخری حصہ بھی اس روایت سے مختلف ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب ص ۹-۱۰

لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نَعِیم بن عبد اللہ النخام عدویؓ سے یا بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اُس نے تیور دیکھ کر پوچھا: "عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا: محمد ﷺ کو قتل کر کے نبوہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پھیلادین پھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔ اس نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ: ایک عجیب بات نہ بتا دوں! تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر غصے سے بے فتابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خباب بن ارتؓ سورہ طہ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خبابؓ کا معمول تھا۔ جب حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ ادھر حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے صحیفہ چھپا دیا؛ لیکن حضرت عمرؓ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خبابؓ کی قنوت سن چکے تھے؛ چنانچہ پوچھا کہ یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا: کچھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟" بہنوئی نے کہا: "اچھا عمر! یہ بتاؤ اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟" حضرت عمرؓ کا اتنا سنا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بڑی طرح کچل دیا۔ ان کی بہن نے پک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چاٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوش غضب میں کہا: "عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ پر مایوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم و ندامت بھی محسوس ہوئی۔ کہنے لگے: "اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔"

۶۷ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۳۲۲

۶۸ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی،

ص ۱۰۔ و مختصر السیرة از شیخ عبد اللہ ص ۱۰۳

۶۹ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے مختصر السیرة ایضاً ص ۱۰۳

بہن نے کہا! تم ناپاک ہو۔ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو۔ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ پھر کتاب لی اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی۔ کہنے لگے: یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اس کے بعد طے سے اِشْنٰی اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاَعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۲۰:۱۲۱﴾ تک قرأت کی۔ کہنے لگے: یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔

مجھے محمد ﷺ کا پتا بتاؤ!

حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے یہ فقرے سن کر اندر سے باہر آگئے۔ کہنے لگے: عمر خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی رکھے اللہ! عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا، یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمال کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے اٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمال کے موجود ہیں۔ پیکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر بکھا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: عمرؓ ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا: بس! عمرؓ سے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم خیر عطا کریں گے۔ اور اگر کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے انکے کپڑے اور تلوار کا پرتلاسمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرمادے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرما۔ آپؐ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا:

أشھد ان لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔“

یہ سن کر گھر کے اندر موجود صحابہؓ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں

سنائی پڑی۔ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی زور آوری کا حال یہ تھا کہ کوئی اُن سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت و رسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت و قوت، شرف و اعزاز اور مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ مکے کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا، یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا: اھلاً و سہلاً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا، تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی (اس نے میرے رُخ پر دروازہ بند کر لیا اور بولا: اللہ تیرا بڑا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بڑا کرے) ۱۷

امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسے زد و کوب کرتے۔ اور وہ بھی انہیں مارتا، اس لیے جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اُسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔ ۱۸

ابن ہشام اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش کے اندر سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہی تھے۔ بولے، یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بہر حال لوگ حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمرؓ کو مار رہے تھے اور حضرت عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج

سر پر آگیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر نکلے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔ ۳۴

اس کے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہلہ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں؛ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ خوف کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمر و عاص بن وائل سہمی آگیا۔ وہ دھاری دارینی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتا زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ہنم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا: "یہ ممکن نہیں۔" عاص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص وہاں سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیر سے وادی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہی خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا: "اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔" یہ سنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔ ۳۵ ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔ ۳۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوئی تھی۔ باقی رہے مسلمان تو ان کے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا مجھ سے تین دن پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا کہ پھر جب میں مسلمان ہوا تو — میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو۔

۳۴ ایضاً ص ۸ - ابن ہشام ۱/۳۲۸، ۳۲۹

۳۵ صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ بن الخطاب ۱/۵۲۵

۳۶ ابن ہشام ۱/۳۲۹

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تب میں نے کہا کہ پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ ۷۸

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ ۷۹

حضرت صہیب بن ریمان رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔ ۸۰

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ ۸۱

قریش کا نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں | ان دونوں بطل جلیل

یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد ظلم و طغیان کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کو جو روستم کا تختہ مشق بنانے کے لیے مشرکین پر جو بدستی چھائی تھی اس کی جگہ سوجھ بوجھ نے یعنی شروع کی۔ چنانچہ مشرکین نے یہ کوشش کی کہ اس دعوت سے نبی ﷺ کا جو منشا اور مقصود ہو سکتا ہے اسے فراواں مقدار میں فراہم کرنے کی پیشکش کر کے آپؐ کو آپؐ کی دعوت و تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے سودے بازی کی جائے لیکن ان غریبوں کو پتہ نہ تھا کہ وہ پوری کائنات جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، آپؐ کی دعوت کے مقابل پر گاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اس لیے انہیں اپنے اس منصوبے میں ناکام و نامراد ہونا پڑا۔

۷۶ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۷۶ ۷۷ مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۳

۷۸ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۳

۷۹ صحیح البخاری: باب اسلام عمر بن الخطاب ۱/۵۲۵

ابن اسحاق نے یزید بن زیاد کے واسطے سے محمد بن کعب قرظی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ عقبہ بن ربیعہ نے جو سردار قوم تھا، ایک روز قریش کی محفل میں کہا — اور اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں ایک جگہ تنہا تشریف فرماتے تھے — کہ قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے چند امور پیش کروں، ہو سکتا ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں۔ تو جو کچھ وہ قبول کر لیں گے، اسے دے کر ہم انہیں اپنے آپ سے باز رکھیں گے؟ — یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی ہی جا رہی ہے —

مشرکین نے کہا ابو الولید! آپ جایتے اور ان سے بات کیجئے۔ اس کے بعد عقبہ اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا: بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ و مقام ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ اور اب تم اپنی قوم میں ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو جس کی وجہ سے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار قرار دیا۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی۔ اور ان کے جو آباؤ اجداد گذر چکے ہیں انہیں کافر ٹھہرایا۔ لہذا میری بات سنو! میں تم پر چند باتیں پیش کر رہا ہوں، ان پر غور کرو۔ ہو سکتا ہے۔ کوئی بات قبول کر لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو الولید کہو! میں سنوں گا۔ ابو الولید نے کہا: ”بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ؛ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کریں گے؛ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں؛ اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کئے دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شغیاب ہو جاؤ؛ کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن بھوت انسان پر غالب آجاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے۔“

عقبہ یہ باتیں کہتا رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ سنتے رہے۔ جب فارغ ہو چکا تو آپ نے فرمایا: ابو الولید تم فارغ ہو گئے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: اچھا اب میری سنو! اس نے

کہا: ٹھیک ہے سنوں گا۔ آپ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرٰاٰنًا عَرَبِیًّا لِقَوْمٍ
یَعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا
فِیْ اَكْتٰةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ ۝ (۱: ۱-۵)

"حم۔ یہ رحمن و رحیم کی طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔
عربی قرآن ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور
وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کیلئے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ الخ"

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے جا رہے تھے۔ اور عقبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر
ٹیکے چپ چاپ سنتا جا رہا تھا۔ جب آپ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا پھر فرمایا،
"ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا سن چکے اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

عقبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اُسے آتا دیکھ کر مشرکین نے آپس میں
ایک دوسرے سے کہا: "خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا ہے جو چہرہ لے کر
گیا تھا۔ پھر جب ابوالولید آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا: "ابوالولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟" اس نے کہا:
"پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ ویسا کلام واللہ میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی
قسم وہ نہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت، قریش کے لوگو! میری بات مانو اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ
دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ خدا کی قسم میں
نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب
نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر
غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ اور
اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔ لوگوں نے کہا: "ابوالولید! خدا
کی قسم تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا۔" عقبہ نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی
ہے اب تمہیں جو ٹھیک معلوم ہو کر و۔"

ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے جب تلاوت شروع کی تو عقبہ چپ چاپ سنتا رہا جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر پہنچے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صِيعَةً مِّثْلَ صِيعَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ○ (۱۳:۴۱)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہدو کہ میں تمہیں عادی و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔

تو عقبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ کریں (اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ ڈراوا ان نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ قوم کے پاس گیا اور مذکورہ گفتگو ہوئی۔)

ابوطالب بنی ہاشم اور بنی مُطَلِب کو جمع کرتے ہیں

حالات کی رفتار بدل چکی تھی۔ گرد و پیش

کے ماحول میں فرق آچکا تھا، لیکن ابوطالب کے اندیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے متعلق برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے واقعات پر برابر غور کر رہے تھے۔ مشرکین نے انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔ پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی کوشش کی تھی۔ ابو جہل ایک بھاری پتھر لے کر ان کے بھتیجے کا سر کھینے اٹھا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ خطاب کا بیٹا تلوار لے کر ان کا کام تمام کرنے نکلا تھا۔ ابوطالب ان واقعات پر غور کرتے تو انہیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بو محسوس ہوتی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اور ان حالات میں خدا نخواستہ اگر کوئی مشرک اچانک آپ پر ٹوٹ پڑا تو حمزہ یا عمر یا اور کوئی شخص کیا کام دے سکے گا۔

ابوطالب کے نزدیک یہ بات یقینی تھی اور بہر حال صحیح بھی تھی۔ کیونکہ مشرکین اعلیٰ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

اشارہ ہے:

اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ○ (۷۹:۴۳)

”اگر انہوں نے ایک بات کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تہیہ کئے ہوئے ہیں۔“

اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابوطالب کو کیا کرنا چاہیے! انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تل پڑے ہیں تو انہوں نے اپنے جدِ اعلیٰ عبدمناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مُطَلِّب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی۔ البتہ صرف ابوطالب کا بھائی ابوہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اُسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین قریش سے جا ملا اور اُن کا ساتھ دیا۔ ۸۲



مکمل بائیکاٹ

صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے دھچکے لگ چکے تھے، یعنی حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا، پھر حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے، پھر محمد ﷺ نے ان کی پیش کش یا سوئے بازی مسترد کی، پھر قبیلہ بنی ہاشم و بنی مطلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی ﷺ کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا۔ اس سے مشرکین چکرا گئے اور انہیں پکرا نا ہی چاہیے تھا کیونکہ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر انہوں نے نبی ﷺ کے قتل کا اقدام کیا تو آپ کی حفاظت میں مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے ان کا مکمل صفایا ہی ہو جائے، اس لیے انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی۔ جو ان کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

اس تجویز کے مطابق مشرکین وادی محصب میں خیف بنی کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس بات کا عہد و پیمان کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیش کش قبول نہ کریں گے نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور بعض کے نزدیک نضر بن عارث نے لکھا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر بددعا کی اور اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

بہر حال یہ عہد و پیمان طے پا گیا اور صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ابوہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مُطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان رہے ہوں یا کافر سمٹ سٹا کر شعبِ ابی طالب میں محبوس ہو گئے۔ یہ نبی ﷺ کی بعثت کے ساتویں سال محرم کی چاند رات کا واقعہ ہے۔

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات نہایت سنگین ہو گئے۔ غلے اور سامانِ خور و نوش

تین سال شعبِ ابی طالب میں

کی آمد بند ہو گئی کیونکہ مکے میں جو غلہ یا فروختی سامان آتا تھا اسے مشرکین لپک کر خرید لیتے تھے۔ اس لیے محصورین کی حالت نہایت تپلی ہو گئی۔ انہیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بھگتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی پڑتی تھیں۔ ان کے پاس مشکل ہی کوئی چیز پہنچ پاتی تھی، وہ بھی پس پردہ۔ وہ لوگ حرمت والے مہینوں کے علاوہ باقی ایام میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے گھاٹی سے باہر نکلتے بھی نہ تھے۔ وہ اگرچہ قافلوں سے سامان خرید سکتے تھے جو باہر سے مکہ آتے تھے لیکن ان کے سامان کے دام بھی مکے والے اس قدر بڑھا کر خریدنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کہ محصورین کے لیے کچھ خریدنا مشکل ہو جاتا تھا۔ حکیم بن عزام جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی پھوپھی کے لیے گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ ایک بار ابوہیل سے سابقہ پڑ گیا۔ وہ غلہ روکنے پر اڑ گیا لیکن ابوالبختری نے مداخلت کی اور اسے اپنی پھوپھی کے پاس گیہوں بھجوانے دیا۔

ادھر ابو طالب کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں برا بھلا لگا رہا تھا، اس لیے جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سو رہو۔ مقصد یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تو ابو طالب آپ کی جگہ بدل دیتے۔ یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔

اس محسوری کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمان حج کے ایام میں باہر نکلتے تھے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اس موقع پر ابوہب کی جو حرکت ہوا کرتی تھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

ان حالات پر پورے تین سال گذر گئے۔ اس کے بعد

صحیفہ چاک کیا جاتا ہے

محرم سنہ نبوت ۱؎ میں صحیفہ چاک کئے جانے اور اس

ظالمانہ عہد و پیمان کو ختم کئے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور ان ہی ناراض لوگوں نے اس صحیفے کو چاک کرنے کی تگ و دو کی۔

اس کا اصل محرک قبیلہ بنو عامر بن لوئی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چپکے چپکے شعب ابی طالب کے اندر غلہ بھج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ یہ زبیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا۔ (زبیر کی ماں عاتکہ، عبدالمطلب کی صاحبزادی یعنی ابوطالب کی بہن تھیں)۔

اور اس سے کہا: "زبیر! کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ، بیو اور تمہارے ماموں کا وہ حال ہے جسے تم جانتے ہو؟ زبیر نے کہا: افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً اٹھ پڑتا۔ اُس نے کہا اچھا تو ایک آدمی اور موجود ہے۔ پوچھا کون ہے؟ کہا میں ہوں۔ زبیر نے کہا اچھا تو اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔

اس پر ہشام، مطعم بن عدی کے پاس گیا اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے جو کہ عبدمناف کی اولاد تھے مطعم کے قریبی نسب سے تعلق کا ذکر کر کے اسے ملامت کی کہ اس نے اس ظلم پر قریش کی ہنوائی کی تو مگر کی؟ — یاد رہے کہ مطعم بھی عبدمناف ہی کی نسل سے تھا۔ مطعم نے

کہا: "افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ ہشام نے کہا ایک آدمی اور موجود ہے۔ مطعم نے پوچھا کون ہے؟ ہشام نے کہا میں۔ مطعم نے کہا اچھا ایک تیسرا آدمی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا: یہ بھی کر چکا ہوں۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا زبیر بن ابی امیہ، مطعم نے کہا اچھا تو اب چوتھا آدمی تلاش کرو۔ اس

سے اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوطالب کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کی موت رجب کے مہینے میں ہوئی تھی۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں ان کی وفات رمضان میں ہوئی تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی وفات صحیفہ پھاڑے جانے کے چھ ماہ بعد نہیں بلکہ آٹھ ماہ اور چند دن بعد ہوئی تھی۔ دونوں صورتوں میں وہ مہینہ جس میں صحیفہ پھاڑا گیا، محرم ثابت ہوتا ہے۔

پر ہشام بن عمرو، ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی جیسی مطعم سے کی تھی۔ اس نے کہا بھلا کوئی اس کی تائید بھی کرنے والا ہے؟ ہشام نے کہا ہاں۔ پوچھا کون؟ کہا: زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔ اس نے کہا: اچھا تو اب پانچواں آدمی ڈھونڈو۔ اس کے لیے ہشام، زمرعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا۔ اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حقوق یاد دلائے۔ اس نے کہا: بھلا جس کام کے لیے مجھے بلا رہے ہو اس سے کوئی اور بھی متفق ہے۔ ہشام نے اثبات میں جواب دیا اور سب کے نام بتلائے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حجوں کے پاس جمع ہو کر آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ صحیفہ چاک کرنا ہے۔ زہیر نے کہا: میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔

صبح ہوتی تو سب لوگ حسب معمول اپنی اپنی محظوظوں میں پہنچے۔ زہیر بھی ایک جوڑا زین تان کئے ہوئے پہنچا۔ پہلے بیت اللہ کے ساتھ چکر لگائے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا "کتے والو! کیا ہم کھانا کھائیں؟ کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے" ابو جہل — جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں موجود تھا "بولا: تم غلط کہتے ہو خدا کی قسم اسے پھاڑا نہیں جاسکتا۔"

اس پر زمرعہ بن اسود نے کہا: بخدا تم زیادہ غلط کہتے ہو؛ جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔"

اس پر ابو البختری نے گرہ لگائی: "زمرعہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔" اس کے بعد مطعم بن عدی نے کہا: "تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے اللہ کے حضور برارت کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا: "ہو نہ ہو! یہ بات رات میں طے کی گئی ہے۔ اور اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے۔"

اس دوران ابو طالب بھی حرم پاک کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ

تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیرٹے بھیج دیئے ہیں۔ جنہوں نے ظلم و ستم اور قرابت شکنی کی ساری باتیں چٹ کر دی ہیں اور صرف اللہ عزوجل کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی تو وہ قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے انہیں یہ اور یہ خبر دی ہے اگر وہ جھوٹا ثابت ہوا تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمہارا جو جی چاہے کرنا۔ لیکن اگر وہ سچا ثابت ہوا تو تمہیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا۔ جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا: ”آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔“

ادھر ابو جہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیرٹوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے۔ صرف باسمك اللهم باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے یا کیرٹوں نے اُسے نہیں کھایا تھا۔ اس کے بعد صحیفہ چاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بقیہ تمام حضرات شعب ابی طالب سے نکل آئے اور مشرکین نے آپ کی نبوت کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھی۔ لیکن ان کا رویہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (۲:۵۴)

”اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔“

چنانچہ مشرکین نے اس نشانی سے بھی رخ پھیر لیا۔ اور اپنے کفر کی راہ میں چند قدم اور

آگے بڑھ گئے۔ ۳



۳ بائیکاٹ کی یہ تفصیل حسب ذیل ماخذ سے مرتب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری باب نزول النبی ﷺ
 بکرتہ ۲۱۶/۱ باب تقاسم المشرکین علی النبی ﷺ ۵۴۸/۱ زاد المعاد ۲/۲۶- ابن ہشام ۱/۲۵۰، ۳۵۱
 ۳۶۴ تا ۳۶۶- رحمۃ العالمین ۱/۶۹، ۷۰ مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص ۱۰۶ تا ۱۱۰ و مختصر السیرہ للشیخ
 محمد بن عبد الوہاب ص ۶۸ تا ۷۳- ان ماخذ میں قدرے اختلاف بھی ہے۔ ہم نے قرآن کی روشنی میں
 راجح پہلو درج کیا ہے۔

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

رسول اللہ ﷺ نے شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد پھر حسب معمول دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور اب مشرکین نے اگرچہ بائیکاٹ ختم کر دیا تھا لیکن وہ بھی حسب معمول مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے اور اللہ کی راہ سے روکنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور جہاں تک ابوطالب کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنی دیرینہ روایت کے مطابق پوری جاں سپاری کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن اب ان کی عمر اسی سال سے متجاوز ہو چلی تھی۔ کئی سال سے پے در پے سنگین آلام و حوادث نے اور خصوصاً محسوری نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے قومی مضمحل ہو گئے تھے اور کمر ٹوٹ چکی تھی؛ چنانچہ گھاٹی سے نکلنے کے بعد چند ہی مہینے گزرے تھے کہ انہیں سخت بیماری نے آن پکڑا۔ اس موقع پر مشرکین نے سوچا کہ اگر ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ہم نے اس کے بھتیجے پر کوئی زیادتی کی تو بڑی بدنامی ہوگی؛ اس لیے ابوطالب کے سامنے ہی نبی ﷺ سے کوئی معاملہ طے کر لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ بعض ایسی رعایتیں بھی دینے کے لیے تیار ہو گئے جس پر اب تک راضی نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ ان کا آخری وفد تھا۔

ابن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب ابوطالب بیمار پڑ گئے اور قریش کو معلوم ہوا کہ ان کی حالت غیر ہوتی جا رہی ہے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھو حمزہؓ اور عمرؓ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور محمد ﷺ کا دین قریش کے ہر قبیلے میں پھیل چکا ہے اس لیے چلو ابوطالب کے پاس چلیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کریں اور ہم سے بھی ان کے متعلق عہد لے لیں کیونکہ واللہ ہمیں اندیشہ ہے لوگ اس کی وفات کے بعد ہمارے قابو میں نہ رہیں گے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ بڑھا مر گیا اور محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ انہوں نے محمد (ﷺ) کو چھوڑے رکھا۔ اور اس کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہ کی۔ لیکن جب اس کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے۔

بہر حال قریش کا یہ وفد ابوطالب کے پاس پہنچا اور ان سے گفت و شنید کی۔ وفد کے ارکان قریش کے معزز ترین افراد تھے یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف ابوسفیان بن حرب اور دیگر اشراف قریش جن کی کل تعداد تقریباً پچیس تھی۔ انہوں نے کہا:

”اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ کا جو مرتبہ و مقام ہے اسے آپ بخوبی جانتے ہیں اور اب آپ جس حالت سے گزر رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ آپ کے آخری ایام ہیں۔ ادھر ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو معاملہ چل رہا ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں بلائیں اور ان کے بارے میں ہم سے کچھ عہد و پیمان لیں اور ہمارے بارے میں ان سے عہد و پیمان لیں یعنی وہ ہم سے دستکش رہیں اور ہم ان سے دستکش رہیں۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیں۔“

اس پر ابوطالب نے آپ کو بلوایا اور آپ تشریف لائے تو کہا: ”بھتیجے! یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ تمہارے ہی لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کچھ عہد و پیمان دے دیں اور تم بھی انہیں کچھ عہد و پیمان دے دو۔“ اس کے بعد ابوطالب نے ان کی یہ پیش کش ذکر کی کہ کوئی بھی فریق دوسرے سے تعرض نہ کرے۔

جواب میں رسول ﷺ نے وفد کو مخاطب کر کے فرمایا: ”آپ لوگ یہ بتائیں کہ اگر میں ایک ایسی بات پیش کروں جس کے اگر آپ قائل ہو جائیں تو عرب کے بادشاہ بن جائیں اور عجم آپ کے زیرِ نگیں آجائے تو آپ کی رائے کیا ہوگی؟“ بعض روایتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے ابوطالب کو مخاطب کر کے فرمایا: ”میں ان سے ایک ایسی بات چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جائیں اور عجم انہیں جزیہ ادا کریں۔“ ایک اور روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: ”چچا جان! آپ کیوں نہ انہیں ایک ایسی بات کی طرف بلائیں جو ان کے حق میں بہتر ہے! انہوں نے کہا تم انہیں کس بات کی طرف بلانا چاہتے ہو؟“ آپ نے فرمایا: ”میں ایک ایسی بات کی طرف بلانا چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائیں اور عجم پر ان کی بادشاہت قائم ہو جائے۔“ ابن اسحاق کی ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں جس کی بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور عجم آپ کے

زیر نگین آجاتے گا۔

بہر حال جب یہ بات آپ نے کہی تو وہ لوگ کسی قدر توقف میں پڑ گئے اور سٹپٹا سے گئے۔ وہ حیران تھے کہ صرف ایک بات جو اس قدر مفید ہے۔ اسے مسترد کیسے کر دیں؟ آخر کار ابو جہل نے کہا: اچھا بتاؤ تو وہ بات ہے کیا؟ تمہارے باپ کی قسم! ایسی ایک بات کیا دس باتیں بھی پیش کرو تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا: آپ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں اور اللہ کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ اس پر انہوں نے ہاتھ پیٹ پیٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہا: ”محمد (ﷺ) ! تم یہ چاہتے ہو کہ سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالو؟ واقعی تمہارا معاملہ بڑا عجیب ہے۔“

پھر آپس میں ایک دوسرے سے بولے: ”خدا کی قسم یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ لہذا چلو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرمادے۔“ اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس واقعے کے بعد انہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ○ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ○ كَذَّابُنَا
مِنْ قَبْلِهِمْ مِمَّنْ قَرَّبْنَا قَوْلًا فَنَادُوا فَكُنْ آلِهَاتِنَا مَنَاصِبُ ○ وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ
وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ○ اجْعَلِ الْاٰلِهَةَ الْاٰهًا وَاٰحِدًا ۗ اِنْ هٰذَا لَشَيْءٌ
عَجَابٌ ○ وَاَنْطَلَقَ الْمَلٰٓئِمِنْهُمْ اِنْ اَمْشَوْا وَاَصْبِرُوْا عَلٰٓى اِهْتِمٰكُمْ ۗ اِنْ هٰذَا لَشَيْءٌ يُرٰٓءٰ
مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۗ اِنْ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَافٌ ○ (۱۶۳۸-۱۶۴۰)

”ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ بلکہ جنہوں نے کفر کیا سیکڑی اور ضد میں ہیں۔ ہم نے کتنی ہی قومیں ان سے پہلے ہلاک کر دیں اور وہ چینی چلاتے لیکن اس وقت جبکہ بچنے کا وقت نہ تھا۔ انہیں تعجب ہے کہ ان کے پاس خود انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے۔ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا! یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے بڑے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ہم نے کسی اور ملت میں یہ بات نہیں سنی۔ یہ محض گھڑنت ہے۔“

غم کا سال

ابوطالب کی وفات

ابوطالب کا مرض بڑھتا گیا اور بالآخر وہ انتقال کر گئے۔
ان کی وفات شعب ابی طالب کی محسوری کے خاتمے

کے چھ ماہ بعد رجب سنہ نبوی میں ہوئی۔ لے ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے صرف تین دن پہلے ماہ رمضان میں وفات پائی۔

صحیح بخاری میں حضرت مسیب سے مروی ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی

ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ابوہریر بھی موجود تھا۔ آپ نے فرمایا ”چچا جان، آپ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دیجئے۔ بس ایک کلمہ جس کے ذریعے میں اللہ کے پاس آپ کے لیے حجت پیش کر سوں گا۔ ابوہریر اور عبد اللہ بن امیہ نے کہا: ”ابوطالب! کیا عبد المطلب کی ملت سے رُخ پھیر لو گے؟“

پھر یہ دونوں برابر ان سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے لوگوں سے کہی یہ تھی کہ ”عبد المطلب کی ملت پر“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں جب تک آپ سے روک

نہ دیا جاؤں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي
قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ○ (۱۱۳:۹۱)

”نبی (ﷺ) اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔“

اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔“

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ .. (۵۶:۲۸)

”آپ جسے پسند کریں ہدایت نہیں دے سکتے۔“

لے سیرت کے ماخذ میں بڑا اختلاف ہے کہ ابوطالب کی وفات کس مہینے میں ہوئی۔ ہم نے رجب کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ بیشتر ماخذ کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور محسوری کا آغاز محرم سنہ نبوی کی چاند رات سے ہوا تھا۔ اس حساب سے ان کی موت کا زمانہ رجب سنہ نبوی ہی ہوتا ہے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ابوطالب نے نبی ﷺ کی کس قدر حمایت و حفاظت کی تھی۔ وہ درحقیقت مکے کے بڑوں اور احمقوں کے حملوں سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ تھے، لیکن وہ بذاتِ خود اپنے بزرگ آباؤ اجداد کی ملت پر قائم رہے، اس لیے مکمل کامیابی نہ پاسکے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: ”آپ اپنے چچا کے کیا کام آسکے؟ کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے (دوسروں پر) بگڑتے اور ان سے لڑائی مول لیتے تھے۔“ آپ نے فرمایا: ”وہ جہنم کی ایک چھلی جگہ میں ہیں۔ اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔“ ۳

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار نبی ﷺ کے پاس آپ کے چچا کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ”مکن ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے۔“ ۴

جناب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد
حضرت خدیجہ جو ار رحمت میں
 یا صرف تین دن بعد — علی اختلاف الاقوال

— حضرت اُمّ المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں۔ ان کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت وہ ۶۵ برس کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کی پچاسویں منزل میں تھے۔ ۵

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی گرانقدر نعمت تھیں۔ وہ ایک چوتھائی صدی آپ کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رنج و قلق کا وقت آتا تو آپ کے لیے تڑپ اٹھتیں، سنگین اور مشکل ترین حالات میں آپ کو قوت پہنچاتیں، تبلیغ رسالت میں آپ کی مدد کرتیں اور اس تلخ ترین جہاد کی سختیوں میں آپ کی شریک رہتیں۔ اور اپنی جان و مال سے آپ کی خیر خواہی و عملگاری کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

۳- صحیح بخاری باب قصۃ ابی طالب ۱/ ۵۴۸
 ۴- رمضان میں وفات کی صراحت ابن جوزی نے تلیقح الفہوم ص ۷ میں اور علامہ منصور پوری نے رجمۃ للعالمین ۲/ ۱۶۴ میں کی ہے۔

”جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی“۔
صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لارہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ دراندگی و تکان دے۔

غم ہی غم | یہ دونوں الم انگیز حادثے صرف چند دنوں کے دوران پیش آئے۔ جس سے نبی ﷺ کے دل میں غم و الم کے احساسات موجزن ہو گئے اور اس کے بعد قوم کی طرف سے بھی مصائب کا طومار بندھ گیا کیونکہ ابوطالب کی وفات کے بعد ان کی جبار بڑھ گئی اور وہ کھل کر آپ کو اذیت اور تکلیف پہنچانے لگے۔ اس کیفیت نے آپ کے غم و الم میں اور اضافہ کر دیا۔ آپ نے ان سے مایوس ہو کر طائف کی راہ لی کہ ممکن ہے وہاں لوگ آپ کی دعوت قبول کریں، آپ کو پناہ دے دیں۔ اور آپ کی قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں، لیکن وہاں نہ کوئی پناہ دہندہ ملا نہ مددگار، بلکہ اُسے لٹے انہوں نے سخت اذیت پہنچائی اور ایسی بدسلوکی کہ خود آپ کی قوم نے ویسی بدسلوکی نہ کی تھی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

یہاں اس بات کا اعادہ بے محل نہ ہوگا کہ اہل مکہ نے جس طرح نبی ﷺ کے خلاف ظلم و جور کا بازار گرم کر رکھا تھا اسی طرح وہ آپ کے رفقاء کے خلاف بھی ستم رانی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ کے ہمدم و ہمراز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حبشہ کے ارادے سے تن بہ تقدیر نکل پڑے، لیکن بڑک غم و غمناپی تو ابن و عنہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ اپنی پناہ میں آپ کو مکہ واپس لے آیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب ابوطالب انتقال کر گئے تو قریش نے رسول اللہ ﷺ

۶ مسند احمد ۱۱۸/۶ صحیح بخاری باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ و فضلہا ۵۲۹/۱
۷ اکبر شاہ نجیب آبادی نے صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا تھا۔ دیکھئے تاریخ اسلام ۱/۱۲۰، اصل واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام ۱/۳۷۲ تا ۳۷۴۔ اور صحیح بخاری ۱/۵۵۲، ۵۵۳ میں مذکور ہے۔

کو ایسی اذیت پہنچائی کہ ابوطالب کی زندگی میں کبھی اس کی آرزو بھی نہ کر سکے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک احمق نے سامنے آکر آپ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے۔ مٹی آپ کے سر پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ کی ایک صاحبزادی نے اُٹھ کر مٹی دھوئی۔ وہ دھوتے ہوئے روتی جا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتے جا رہے تھے: "بیٹی! روؤ نہیں اللہ تمہارے ابا کی حفاظت کرے گا" اس دوران آپ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے کہ قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گذری ہو یہاں تک کہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اسی طرح کے پلے درپلے آلام و مصائب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال رکھ دیا اور یہ سال اسی نام سے تاریخ میں مشہور ہو گیا۔

اسی سال - سوال سلسلہ نبوت -
حضرت سُوْدَہ رضی اللہ عنہا سے شادی

میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سُوْدَہ بنت زُمرَہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ ابتدائی دور میں مسلمان ہو گئی تھیں اور دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر ہجرت بھی کی تھی۔ ان کے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔ وہ بھی قدیم الاسلام تھے اور حضرت سُوْدَہ نے انہیں کی رفاقت میں حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی لیکن وہ حبشہ ہی میں — اور کہا جاتا ہے کہ مکہ واپس آکر انتقال کر گئے، اس کے بعد جب حضرت سُوْدَہ کی عدت ختم ہو گئی تو نبی ﷺ نے ان کو شادی کا پیغام دیا اور پھر شادی ہو گئی۔ یہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد پہلی بیوی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی۔ چند برس بعد انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمہ کر دی تھی۔



ابتدائی مسلمانوں کا صبر و ثبات اور اسکے اسباب و عوامل

یہاں پہنچ کر گہری سوچ بوجھ اور مضبوط دل و دماغ کا آدمی بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور بڑے بڑے عقلاء دم بخود ہو کر پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کیا اسباب و عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اس قدر انتہائی اور معجزانہ حد تک ثابت قدم رکھا؟ آخر مسلمانوں نے کس طرح ان بے پایاں مظالم پر صبر کیا جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز اٹھتا ہے۔ بار بار کھٹکنے اور دل کی تہوں سے اُبھرنے والے اس سوال کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کی طرف ایک سرسری اشارہ کر دیا جائے۔

۱۔ ان میں سب سے پہلا اور اہم سبب اللہ کی ذاتِ واحد پر ایمان اور اس کی ٹھیک ٹھیک معرفت ہے کیونکہ جب ایمان کی بشاشت دلوں میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ پہاڑوں سے ٹکرا جاتا ہے اور اسی کا پلہ بھاری رہتا ہے اور جو شخص ایسے ایمانِ محکم اور یقینِ کامل سے بہرہ ور ہو وہ دنیا کی مشکلات کو۔ خواہ وہ جتنی بھی زیادہ ہوں اور جیسی بھی بھاری بھر کم، خطرناک اور سخت ہوں۔ اپنے ایمان کے بالمقابل اس کائی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا جو کسی بند توڑ اور قلعہ شکن سیلاب کی بالائی سطح پر جم جاتی ہے۔ اس لیے مومن اپنے ایمان کی علاوتِ یقین کی تازگی اور اعتقاد کی بشاشت کے سامنے ان مشکلات کی کوئی پروا نہیں کرتا کیونکہ:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۗ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط (۱۴:۱۳)

”جو جھاگ ہے وہ توبے کا رہو کر اڑ جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔“

پھر اسی ایک سبب سے ایسے اسباب وجود میں آتے ہیں جو اس صبر و ثبات کو

توت بخشتے ہیں مثلاً:

۲۔ پرکشش قیادت: نبی اکرم ﷺ جو امتِ اسلامیہ ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے سب سے بلند پایہ قائد و رہنما تھے ایسے جسمانی جمال، نفسانی کمال، کریمانہ اخلاق، با عظمت کردار اور شریفانہ عادات و اطوار سے بہرہ ور تھے کہ دل خود بخود آپ ﷺ کی جانب کھنچے جاتے تھے اور

طسعتیں خود بخود آپ ﷺ پر نچھا اور ہوتی تھیں، کیونکہ جن کمالات پر لوگ جان چھڑکتے ہیں ان سے آپ ﷺ کو اتنا بھر پور حصہ ملا تھا کہ اتنا کسی اور انسان کو دیا ہی نہیں گیا۔ آپ ﷺ شرف و عظمت اور فضل و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر جلوہ فگن تھے۔ عفت و امانت، صدق و صفا اور جملہ امورِ خیر میں آپ ﷺ کا وہ امتیازی مقام تھا کہ رفتار تو رفتار، آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی آپ ﷺ کی یکتائی و انفرادیت پر کبھی شک نہ گذرا۔ آپ ﷺ کی زبان سے جو بات نکل گئی، دشمنوں کو بھی یقین ہو گیا کہ وہ سچی ہے اور ہو کر رہے گی۔ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک بار قریش کے ایسے تین آدمی اکٹھے ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اپنے بقیہ دوساتھیوں سے چھپ چھپا کر تن تنہا قرآن مجید سنا تھا لیکن بعد میں ہر ایک کا راز دوسرے پر فاش ہو گیا تھا۔ ان ہی تینوں میں سے ایک ابو جہل بھی تھا۔ تینوں اکٹھے ہوئے تو ایک نے ابو جہل سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے جو کچھ محمد ﷺ سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا "میں نے کیا سنا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اور بنو عبد مناف نے شرف و عظمت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے رغبا و مساکین کو کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا انہوں نے داد و دہش میں سواریاں عطا کیں تو ہم نے بھی عطا کیں، انہوں نے لوگوں کو عطیات سے نوازا تو ہم نے بھی ایسا کیا، یہاں تک کہ جب ہم اور وہ گھٹنوں گھٹنوں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہو گئے اور ہماری اور ان کی حیثیت ریس کے دو در مقابل گھوڑوں کی ہو گئی تو اب بنو عبد مناف کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی ﷺ ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ بھلا بتا بیٹے ہم اسے کب پاسکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم اس شخص پر کبھی ایمان نہ لائیں گے، اور اس کی ہرگز تصدیق نہ کریں گے؛ چنانچہ ابو جہل کہا کرتا تھا: "اے محمد ﷺ، ہم نہیں جھوٹا نہیں کہتے، لیکن تم جو کچھ لے کر آتے ہو اس کی تکذیب کرتے ہیں" اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَانَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ○ (۳۳:۶)

"یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔"

اس واقعے کی تفصیل گزر چکی ہے کہ ایک روز کفار نے نبی ﷺ کو تین بار لعن طعن کی اور تیسری دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت! میں تمہارے پاس ذبح (کا حکم) لیکر آیا ہوں تو یہ بات ان پر اس طرح اثر کر گئی کہ جو شخص عداوت میں سب سے بڑھ کر تھا وہ بھی

بہتر سے بہتر جو جملہ پاسکتا تھا اس کے ذریعے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ اسی طرح اس کی بھی تفصیل گزر چکی ہے کہ جب حالت سجدہ میں آپ ﷺ پر او جھڑی ڈالی گئی، اور آپ ﷺ نے سر اٹھانے کے بعد اس حرکت کے کرنے والوں پر بددعا کی تو ان کی ہنسی ہوا ہو گئی۔ اور ان کے اندر غم و قلق کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہم بچ نہیں سکتے۔

یہ واقعہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ابو لہب کے بیٹے عتیبہ پر بددعا کی تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ آپ ﷺ کی بددعا کی زد سے بچ نہیں سکتا، چنانچہ اس نے مکہ شام کے سفر میں شیر کو دیکھتے ہی کہا: "واللہ محمد (ﷺ) نے مکہ میں رہتے ہوئے مجھے قتل کر دیا۔"

ابن بن خلف کا واقعہ ہے کہ وہ بار بار آپ ﷺ کو قتل کی دھمکیاں دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ (تم نہیں) بلکہ میں تمہیں قتل کروں گا، ان شاء اللہ۔ اسکے بعد جب آپ ﷺ نے جنگ احد کے روز ابنی کی گردن پر نیزہ مارا تو اگرچہ اس سے معمولی خراش آئی تھی لیکن ابنی برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ محمد (ﷺ) نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا اس لیے اگر وہ مجھ پر تھوک ہی دیتا تو بھی میری جان نکل جاتی۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے) اسی طرح ایک بار حضرت سعد بن معاذ نے مکے میں اُمیہ بن خلف سے کہہ دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسلمان تمہیں قتل کریں گے تو اس سے اُمیہ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی، جو مسلسل قائم رہی چنانچہ اس نے عہد کر لیا کہ وہ مکے سے باہر ہی نہ نکلے گا اور جب جنگ بدر کے موقع پر ابو جہل کے اصرار سے مجبور ہو کر نکلنا پڑا تو اس نے مکے کا سب سے تیز رو اونٹ خرید لیا تاکہ خطرے کی علامات ظاہر ہوتے ہی چھپت ہو جائے۔ ادھر جنگ میں جانے پہ آمادہ دیکھ کر اس کی بیوی نے بھی ٹوکا کہ ابو صفوان: "آپ کے شرابی بھائی نے جو کچھ کہا تھا اسے آپ بھول گئے؟ ابو صفوان نے جواب میں کہا کہ نہیں، بلکہ میں خدا کی قسم ان کے ساتھ تھوڑی ہی دور جاؤں گا۔"

یہ تو آپ ﷺ کے دشمنوں کا حال تھا۔ باقی رہے آپ ﷺ کے صحابہ اور رفقاء۔

۱ ابن ہشام ۱/۳۱۶ ۲ ترمذی: تفسیر سورۃ الانعام ۲/۱۳۲

۳ ابن ہشام ۲/۸۴ ۴ صحیح بخاری ۲/۵۶۳

تو آپ ﷺ تو ان کے لیے دیدہ و دل اور جان و روح کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کے لیے حُبِ صادق کے جذبات اس طرح اُبلتے تھے جیسے نشیب کی طرف پانی بہتا ہے اور جان و دل اس طرح آپ ﷺ کی طرف کھنچتے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔

فصورتہ ہیولی کل جسم و مقناطیس افئدة الرجال

آپ کی صورت ہر جسم کا بیڑا تھی اور آپ کا وجود ہر دل کے لیے مقناطیس

اس محبت و فداکاری اور جان نثاری و جان سپاری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کو یہ گوارا نہ

تھا کہ آپ ﷺ کے ناخن میں خراش تک آجائے یا آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا ہی چبھ جائے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کوٹ دی جائیں۔

ایک روز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بری طرح کھل دیا گیا اور انہیں سخت مارا ماری گئی۔

عُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ ان کے قریب آکر انہیں دو پیوند لگے ہوئے جوتوں سے مارنے لگا۔ چہرے کو

خصوصیت سے نشانہ بنایا۔ پھر پیٹ پر چڑھ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ چہرے اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا

تھا۔ پھر ان کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگ انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے۔ انہیں یقین تھا کہ

اب یہ زندہ نہ بچیں گے لیکن دن کے خاتمے کے قریب ان کی زبان کھل گئی۔ (اور زبان کھلی تو یہ)

بولے کہ رسول اللہ ﷺ کیا ہوئے؟ اس پر بنو تمیم نے انہیں سخت سست کہا۔ ملامت کی

اور ان کی ماں اُمّ الخیر سے یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ انہیں کچھ کھلا پلا دینا۔ جب وہ تنہا رہ گئیں تو

انہوں نے ابو بکرؓ سے کھانے پینے کے لیے اصرار کیا لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ

ﷺ کا کیا ہوا؟ آخر کار ام الخیر نے کہا: ”مجھے تمہارے ساتھی کا حال معلوم نہیں۔“ ابو بکر رضی اللہ عنہ

نے کہا: ”اُمّ جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور اس سے دریافت کرو۔“ وہ اُمّ جمیل کے پاس گئیں

اور بولیں: ”ابو بکرؓ تم سے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔“ اُمّ جمیل

نے کہا: ”میں نے ابو بکرؓ کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کو۔ البتہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے

ساتھ تمہارے صاحبزادے کے پاس چل سکتی ہوں۔“ اُمّ الخیر نے کہا بہتر ہے۔ اس کے بعد ام جمیل

ان کے ہمراہ آئیں دیکھا تو ابو بکرؓ انتہائی خستہ حال پڑے تھے۔ پھر قریب ہوئیں تو چیخ پڑیں اور

کہنے لگیں: جس قوم نے آپ کی یہ درگت بنائی ہے وہ یقیناً بدقماش اور کافر قوم ہے مجھے امید ہے

کہ اللہ آپ کا بدلہ ان سے لے کر رہے گا۔ ابو بکرؓ نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کیا ہوتے؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی ماں سُن رہی ہیں۔ کہا کوئی بات نہیں۔ بولیں: آپ صحیح سالم ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ کہا: ابن ارقم کے گھر میں ہیں۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: اچھا تو پھر اللہ کے لیے مجھ پر عہد ہے کہ میں نہ کوئی کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اس کے بعد اُمّ الخیر اور اُمّ جمیل رکی رہیں۔ جب آمد و رفت بند ہو گئی اور سٹاٹا چھا گیا تو یہ دونوں ابو بکرؓ کو لے کر نکلیں۔ وہ ان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اس طرح انہوں نے ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

محبت و جاں سپاری کے کچھ اور بھی نادر واقعات ہم اپنی اس کتاب میں موقع بہ موقع نقل کریں گے خصوصاً جنگ احد کے واقعات اور حضرت خلیفۃ کے حالات کے ضمن میں۔

۳۔ احساسِ ذمہ داری۔ صحابہ کرام جانتے تھے کہ یہ مشیتِ خاک جسے انسان کہا جاتا ہے اس پر کتنی بھاری بھرم اور زبردست ذمہ داریاں ہیں اور یہ کہ ان ذمہ داریوں سے کسی صورت میں گریز اور پہلو تہی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس گریز کے جو نتائج ہوں گے وہ موجودہ ظلم و ستم سے زیادہ خوفناک اور ہلاکت آفریں ہوں گے۔ اور اس گریز کے بعد خود ان کو اور ساری انسانیت کو جو خسارہ لاحق ہوگا وہ اس قدر شدید ہوگا کہ اس ذمہ داری کے نتیجہ میں پیش آنے والی مشکلات اس خسارے کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۴۔ آخرت پر ایمان۔ جو مذکورہ احساسِ ذمہ داری کی تقویت کا باعث تھا۔ صحابہ کرام اس بات پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے کہ انہیں رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونا ہے پھر ان کے چھوٹے بڑے اور معمولی و غیر معمولی ہر طرح کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو نعمتوں بھری دائمی جنت ہوگی یا عذاب سے بھر پوری جہنم۔ اس یقین کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام اپنی زندگی امید و بیم کی حالت میں گزارتے تھے، یعنی اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اس کے عذاب کا خوف بھی اور ان کی کیفیت وہی رہتی تھی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ○ (۲۳:۶۰)

”وہ جو کچھ کرتے ہیں دل کے اس خوف کے ساتھ کرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے۔“

انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ دنیا اپنی ساری نعمتوں اور مصیبتوں سمیت آخرت کے مقابل پچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں اور یہ یقین اتنا پختہ تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی ساری مشکلات، مشقتیں اور تلخیاں ہیچ تھیں۔ اس لیے وہ ان مشکلات اور تلخیوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔

۵۔ ان ہی پر خطر، مشکل ترین اور تیرہ و تار حالات میں ایسی سورتیں اور آیتیں بھی نازل ہو رہی تھیں جن میں بڑے ٹھوس اور پُرکَشش انداز سے اسلام کے بنیادی اصولوں پر دلائل و براہین قائم کئے گئے تھے اور اس وقت اسلام کی دعوت انہی اصولوں کے گرد گردش کر رہی تھی۔ ان آیتوں میں اہل اسلام کو ایسے بنیادی امور بتلائے جا رہے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت کے سب سے با عظمت اور پُر رونق معاشرے یعنی اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل مقدر کر رکھی تھی۔ نیز ان آیات میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو پامردی و ثابت قدمی پر ابھارا جا رہا تھا، اس کے لیے مثالیں دی جا رہی تھیں اور اس کی حکمتیں بیان کی جاتی تھیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
مَسَّهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
مَتَى نَصْرُ اللَّهِ ۗ إِلَّا أَنْ نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبًا ۝ (۲۱۳:۲)

”تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے

پہلے گذر چکے ہیں۔ وہ سختیوں اور بد حالیوں سے دوچار ہوئے اور انہیں جھنجھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ

رسول اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی ہنوا! اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔“

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ
فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ۝

”اُمّ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور

ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی حالانکہ ان سے پہلے جو لوگ تھے ہم نے ان کی آزمائش کی؛ پس خدا

ران کے بارے میں بھی) اللہ یہ ضرور معلوم کرے گا کہ کن لوگوں نے سچ کہا اور یہ بھی ضرور معلوم کرے گا کہ

کون لوگ جھوٹے ہیں۔“

اور انہی کے پہلو پہلو ایسی آیات کا نزول بھی ہو رہا تھا جن میں کفار و معاندین کے اعتراضات

کے دندان شکن جواب دیئے گئے تھے۔ ان کے لیے کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا گیا تھا اور انہیں

بڑے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں بتلادیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی گمراہی اور عناد پر مُصر رہے تو اس کے نتائج کس قدر سنگین ہوں گے۔ اس کی ذیل میں گذشتہ قوموں کے ایسے واقعات اور تاریخی شواہد پیش کئے گئے تھے جن سے واضح ہوتا تھا کہ اللہ کی سنت اپنے اولیاء اور اعداء کے بارے میں کیا ہے۔ پھر اس ڈراوے کے پہلو بہ پہلو لطف و کرم کی باتیں بھی کہی جا رہی تھیں اور افہام و تفہیم اور ارشاد و رہنمائی کا حق بھی ادا کیا جا رہا تھا تا کہ باز آنے والے اپنی کھلی گمراہی سے باز آسکیں۔

درحقیقت قرآن مسلمانوں کو ایک دوسری ہی دنیا کی سیر کراتا تھا اور انہیں کائنات کے مشاہد، ربوبیت کے جمال، الوہیت کے کمال، رحمت و رافت کے آثار اور لطف و رضا کے ایسے ایسے جلوئے دکھاتا تھا کہ ان کے جذب و شوق کے آگے کوئی رکاوٹ برقرار ہی نہ رہ سکتی تھی۔

پھر انہیں آیات کی تہ میں مسلمانوں سے ایسے ایسے خطاب بھی ہوتے تھے جن میں پروردگار کی طرف سے رحمت و رضوان اور دائمی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت کی بشارت ہوتی تھی اور ظالم و سرکش دشمنوں اور کافروں کے ان حالات کی تصویر کشی ہوتی تھی کہ وہ رب العالمین کی عدالت میں فیصلے کے لیے کھڑے کئے جائیں گے۔ ان کی بھلائیاں اور نیکیاں ضبط کر لی جائیں گی اور انہیں چہروں کے بل گھیٹ کر یہ کہتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا کہ لو جہنم کا لطف اٹھاؤ۔

۶۔ کامیابی کی بشارتیں۔ ان ساری باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو اپنی مظلومیت کے پہلے ہی دن سے۔ بلکہ اس کے بھی پہلے سے۔ معلوم تھا کہ اسلام قبول کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دائمی مصائب اور ہلاکت خیزیاں مول لے لی گئیں بلکہ اسلامی دعوت روزِ اول سے جاہلیتِ پہلاں اور اس کے ظالمانہ نظام کے خاتمے کے عوارف رکھتی ہے اور اس دعوت کا ایک اہم نشانہ یہ بھی ہے کہ وہ روئے زمین پر اپنا اثر و نفوذ پھیلائے اور دنیا کے سیاسی موقف پر اس طرح غالب آجائے کہ انسانی جمعیت اور اقوامِ عالم کو اللہ کی مرضی کی طرف لے جاسکے۔ اور انہیں بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر سکے۔

قرآن مجید میں یہ بشارتیں کبھی اشارۃً اور کبھی صراحتاً۔ نازل ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک

طرف حالات یہ تھے کہ مسلمانوں پر پوری روئے زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ بنی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ اب وہ پنپ نہ سکیں گے بلکہ ان کا مکمل صفایا کر دیا جائے گا مگر دوسری طرف ان ہی حوصلہ شکن حالات میں ایسی آیات کا نزول بھی ہوتا رہتا تھا جن میں کچھلے اہلبیاد کے واقعات اور ان کی قوم کی تکذیب و کفر کی تفصیلات مذکور ہوتی تھیں اور ان آیات میں ان کا جو نقشہ کھینچا جاتا تھا وہ بعینہ وہی ہوتا تھا جو کتے کے مسلمانوں اور کافروں کے مابین درپیش تھا؛ اس کے بعد یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ان حالات کے نتیجے میں کس طرح کافروں اور ظالموں کو ہلاک کیا گیا اور اللہ کے نیک بندوں کو روئے زمین کا وارث بنایا گیا۔ اس طرح ان آیات میں واضح اشارہ ہوتا تھا کہ آگے چل کر اہل مکہ ناکام و نامراد رہیں گے اور مسلمان اور ان کی اسلامی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ پھر ان ہی حالات و ایام میں بعض ایسی بھی آیتیں نازل ہو جاتی تھیں جن میں صراحت کے ساتھ اہل ایمان کے غلبے کی بشارت موجود ہوتی تھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۚ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝
وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۝

اَفْبَعَدَ اٰبِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ (۱۷۷-۱۷۶:۳۷)
”اپنے فرستادہ بندوں کے لیے ہمارا پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ان کی ضرورت دہ کی جائے گی اور یقیناً ہمارا ہی شکر غالب رہے گا، پس رے نبی ﷺ (ایک وقت تک کے لیے تم ان سے رُخ پھیر لو اور انہیں دیکھتے رہو عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی پھا رہے ہیں تو جب وہ ان کے صحن میں اتر پڑے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بُری ہو جائے گی۔“

نیز ارشاد ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (۲۵: ۵۴)
”عنقریب اس جمیعت کو شکست دے دی جائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔“

جُنْدًا مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ (۱۱: ۳۸)
”یہ جتھوں میں سے ایک معمول سا جتھہ ہے جسے یہیں شکست دی جائے گی۔“

مہاجرین حبشہ کے بارے میں ارشاد ہوا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظَلَمُوْا لَنُؤَيِّتَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ
وَلَا جُرْءَ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۱: ۱۶)

”جن لوگوں نے مظلومیت کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہم انہیں یقیناً دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کریں گے۔ اور آخرت کا اجر بہت ہی بڑا ہے اگر لوگ جانیں۔“

اسی طرح کفار نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پوچھا تو جواب میں ضمناً یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلِّسَاءِلِينَ ○ (۷:۱۱۲)

”یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعات میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

یعنی اہل مکہ جو آج حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پوچھ رہے ہیں یہ خود بھی اسی طرح ناکام ہوں گے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ناکام ہوئے تھے۔ اور ان کی سپراندازی کا وہی حال ہوگا جو ان کے بھائیوں کا ہوا تھا۔ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ ظالم کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ایک جگہ پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِي مِلَّتِنَا
فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ○ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ
ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ○ (۱۱۳: ۱۳/۱۴)

”کفار نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت میں واپس آ جاؤ۔ اس پر ان کے رب نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو یقیناً ہلاک کر دیں گے۔ یہ روعده ہے اس شخص کے لیے جو میرے پاس کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔“

اسی طرح جس وقت فارس و روم میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور کفار چاہتے تھے کہ فارسی غالب آجائیں کیونکہ فارسی مشرک تھے اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب آجائیں، کیونکہ رومی بہر حال اللہ پر، پیغمبروں پر، وحی پر، آسمانی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے دعویدار تھے، لیکن غلبہ فارسیوں کو حاصل ہوتا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ نے یہ خوشخبری نازل فرمائی کہ چند برس بعد رومی غالب آجائیں گے، لیکن اسی ایک بشارت پر اکتفانہ کی بلکہ اس ضمن میں یہ بشارت بھی نازل فرمائی کہ رومیوں کے غلبے کے وقت اللہ تعالیٰ مومنین کی بھی خاص مدد فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

..وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ○ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ (۵/۴:۳۰)

”یعنی اس دن اہل ایمان بھی اللہ کی (ایک خاص) مدد سے خوش ہو جائیں گے۔“

راور آگے چل کر اللہ کی یہ مدد جنگِ بدر کے اندر حاصل ہونے والی عظیم کامیابی اور

فتح کی شکل میں نازل ہوئی۔

قرآن کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً اس طرح کی خوشخبری سنایا کرتے تھے؛ چنانچہ موسم حج میں آپ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں لوگوں کے اندر تبلیغ رسالت کے لیے تشریف لے جاتے تو صرف جنت ہی کی بشارت نہیں دیتے تھے بلکہ دو ٹوک لفظوں میں اس کا بھی اعلان فرماتے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا وَتَمْلِكُوا بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ فَإِذَا مَثُّكُمْ مُلُوكًا فِي الْجَنَّةِ ۚ

”لوگرو! الا الا اللہ کہو، کامیاب رہو گے؛ اور اس کی بدولت عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور اس کی وجہ سے عجم بھی تمہارے زیر نگیں آجائے گا پھر جب تم وفات پاؤ گے تو جنت کے اندر بادشاہ رہو گے۔“

یہ واقعہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہ نے آپ ﷺ کو متاع دنیا کی پیشکش کر کے سودے بازی کرنی چاہی اور آپ ﷺ نے جواب میں تم تنزیل السجدہ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو عتبہ کو یہ توقع بندھ گئی کہ انجام کار آپ غالب رہیں گے۔

اسی طرح ابوطالب کے پاس آنے والے قریش کے آخری وفد سے آپ ﷺ کی جو گفتگو ہوئی تھی اس کی بھی تفصیلات گذر چکی ہیں۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ ان سے صرف ایک بات چاہتے ہیں جسے وہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان بن جائے اور عجم پر ان کی بادشاہت قائم ہو جائے۔

حضرت خباب بن ارت کا ارشاد ہے کہ ایک بار میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کو تکیہ بنائے تشریف فرما تھے۔ اس وقت ہم مشرکین کے ہاتھوں سختی سے دوچار تھے۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ اٹھ بیٹھے، آپ ﷺ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ تم سے پہلے تھے، ان کی ہڈیوں تک گوشت اور اعصاب میں لہے

کی کنگھیاں کر دی جاتی تھیں لیکن یہ سختی بھی انہیں دین سے باز نہ رکھتی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس امر کو یعنی دین کو مکمل کر کے رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک جائیگا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ بکری پر بھیڑیے کا خوف ہوگا۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ — لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔ یاد رہے کہ یہ بشارتیں کچھ ڈھکی چھپی نہ تھیں۔ بلکہ معروف و مشہور تھیں۔ اور مسلمانوں ہی کی طرح کفار بھی ان سے واقف تھے، چنانچہ جب انود بن مطلب اور اس کے رفقاء صحابہ کرام کو دیکھتے تو طعنہ زنی کرتے ہوئے آپس میں کہتے کہ لیجئے آپ کے پاس روتے زمین کے بادشاہ آگئے ہیں۔ یہ جلد ہی شاہانِ قیصر و کسریٰ کو مغلوب کر لیں گے۔ اس کے بعد وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے رہے۔

پھر حال صحابہ کرام کے خلاف اس وقت ظلم و ستم اور مصائب و آلام کا جو ہمہ گیر طوفان برپا تھا اس کی حیثیت حصولِ جنت کی ان یقینی امیدوں اور تابناک و پروقار مستقبل کی ان بشارتوں کے مقابل اس بادل سے زیادہ نہ تھی جو ہوا کے ایک ہی جھٹکے سے بکھر کر تحلیل ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ اہل ایمان کو ایمانی مرغوبات کے ذریعے مسلسل روحانی غذا فراہم کر رہے تھے۔ تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعے ان کے نفوس کا تزکیہ فرما رہے تھے۔ نہایت دقیق اور گہری تربیت دے رہے تھے اور رُوح کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی مادیات کے غلبے سے آزادی، شہوات کی مقاومت اور رب السموات والارض کی کشش کے مقامات کی جانب ان کے نفوس قدسیہ کی حدی خوانی فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ ان کے دلوں کی بھستی ہوتی چنگاری کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل کر دیتے تھے۔ اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نورِ زاہدِ ہدایت میں پہنچا رہے تھے۔ انہیں اذیتوں پر صبر کی تلقین فرماتے تھے۔ اور شریفانہ درگزر اور خبلیوں کی ہدایت دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی دینی پختگی فزوں تر ہوتی گئی۔ اور وہ شہوات سے کنارہ کشی، رضائے الہی کی راہ میں جاں سپاری، جنت کے شوق، علم کی حرص، دین کی سمجھ نفیس کے محاسبے، جذبات کو دبائے رجحانات کو موڑنے، ہیجانوں کی لہروں پر قابو پانے اور صبر و سکون اور عزم و وقار کی پابندی کرنے میں انسانیت کا نادرہ روزگار نمونہ بن گئے۔

بیرون مکہ دعوتِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں
شوال ۱۱ھ میں نبی ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل

لے گئے۔ یہ مکے سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل
طے فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ تھے۔ راستے
میں جس قبیلے سے گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی۔
جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی
تھے اور جن کے نام یہ تھے: عبید یاہیل، مسعود اور صیب ان تینوں کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقیفی
تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی
دعوت دی۔ جواب میں ایک نے کہا کہ وہ کعبے کا پردہ پھاڑے اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو۔
دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو تمہارے علاوہ کوئی اور ملا؟ تیسرے نے کہا: میں تم سے ہرگز بات
نہ کروں گا۔ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تمہاری بات رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم
نے اللہ پر جھوٹ گھڑ رکھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات کرنی ہی نہیں چاہیے۔ یہ جواب سن کر آپ
ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صرف اتنا فرمایا: تم لوگوں نے جو کچھ کیا کیا، بہر حال
اسے پس پردہ ہی رکھنا۔

رسول اللہ ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ
ان کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی لیکن سب کا
ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے اوباشوں کو شہر دے دی۔

۱۔ مولانا نجیب آبادی نے تاریخ اسلام ۱/۱۲۲ میں اس کی صراحت کی ہے اور یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے۔
۲۔ یہ اردو کے اس محاورے سے ملتا جلتا ہے کہ ”اگر تم پیغمبر ہو تو اللہ مجھے غارت کرے“ مقصود اس یقین کا اظہار
ہے کہ تمہارا پیغمبر ہونا ناممکن ہے جیسے کعبے کے پردے پر دست درازی کرنا ناممکن ہے۔

چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا تو یہ اوباش گایاں دیتے، تالییاں پیٹتے اور شور مچاتے آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے، اور دیکھتے دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ آپ ﷺ کے راستے کے دونوں جانب لائن لگ گئی۔ پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ ساتھ پتھر بھی چلنے لگے جس سے آپ ﷺ کی اڑھی پر اتنے زخم آئے کہ دونوں جوتے خون میں تڑپتے ہو گئے۔ ادھر حضرت زید بن حارثہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے جس سے ان کے سر میں کئی جگہ چوٹ آئی۔ بد معاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ کو عُثْبَہ اور شَيْبَہ ابنائے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب آپ ﷺ نے یہاں پناہ لی تو بھیڑ واپس چلی گئی اور آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگوڑ کی سیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔ اُس دعا کے ایک ایک فقرے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر دل فگار تھے اور آپ ﷺ کے احساسات پر عزت و الم اور غم و افسوس کا کس قدر غلبہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس
يا ارحم الراحمين، انت رب المستضعفين وانت ربي، الي من تكلني؟ الي
بعيد يتجهمني ام الي عدو ملكته امري؟ ان لم يكن بك علي غضب فلا
ابالي، ولكن عافيتك هي اوسع لي، اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت
له الظلمات واصلح عليه امر الدنيا والاخرة من ان تنزل بي غضبك او
يجل علي سخطك لك العتي حتى ترضي، ولا حول ولا قوة الا بك.

”بارا ہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔
یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی
بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر
مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں؛ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے
چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست

ہوتے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جاتے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔“

ادھر آپ ﷺ کو اپنا سبب رعبہ نے اس حالتِ زار میں دیکھا تو ان کے جذبہٴ قربت میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو جس کا نام عداس تھا بلا کر کہا کہ اس انگور سے ایک گچھا لو۔ اور اس شخص کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا۔

عداس نے کہا یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا! تم مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا: آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس رسول اللہ ﷺ پر جھک پڑا اور آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

یہ دیکھ کر رعبہ کے دونوں بیٹوں نے آپس میں کہا لو: اب اس شخص نے ہمارے غلام کو بگاڑ دیا۔ اس کے بعد جب عداس واپس گیا تو دونوں نے اس سے کہا: ”اجی! یہ کیا معاملہ تھا؟“ اس نے کہا ”میرے آقا! روتے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان دونوں نے کہا: دیکھو عداس کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے پھیر نہ دے۔ کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔“

قدرے ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے تو مکے کی راہ پر چل پڑے۔ غم و الم کی شدت سے طبیعت مڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ قرنِ منازل پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ وہ آپ ﷺ سے یہ گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ ﷺ حکم دیں تو وہ اہل مکہ کو دو پہاڑوں کے درمیان بیس ڈالے۔

اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو اُحد کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں!

تہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دوچار ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو عبید یا نیل بن عبید کلال کے صاحبزادے پر پیش کیا مگر اس نے میری بات منظور نہ کی تو میں غم و الم سے نڈھال اپنے رُخ پر چل پڑا اور مجھے قزن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سراٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ نکلن ہے۔ میں نے غور دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا: آپ ﷺ کی قوم نے آپ سے جو بات کہی اللہ نے اُسے سُن لیا ہے۔ اب اس نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمد ﷺ! بات یہی ہے۔ اب آپ (ﷺ) جو چاہیں..... اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں — تو ایسا ہی ہوگا — نبی ﷺ نے فرمایا (نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس جواب میں آپ کی یگانہ روزگار شخصیت اور ناقابل ادراک گہرائی رکھنے والے اخلاق عظیمہ کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہر حال اب سات آسمانوں کے اوپر سے آنے والی اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور غم و الم کے بادل چھٹ گئے چنانچہ آپ ﷺ نے نکتے کی راہ پر مزید پیش قدمی فرمائی اور وادی نخلہ میں جافروش ہوئے۔ یہاں دو جگہیں قیام کے لائق ہیں۔ ایک اسیل الکبیر اور دوسرے زیمہ کیونکہ دونوں ہی جگہ پانی اور شادابی موجود ہے لیکن کسی ماخذ سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کس جگہ قیام فرمایا تھا۔

وادی نخلہ میں آپ ﷺ کا قیام چند دن رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک

۱۔ اس موقع پر صحیح بخاری میں لفظ خشبین استعمال کیا گیا ہے جو مکہ کے دو مشہور پہاڑوں ابو قینیس اور قیقعان پر بولا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑ علی الترتیب حرم کے جنوب و شمال میں آئے سانسے واقع ہیں۔ اُس وقت نکتے کی عام آبادی ان ہی دو پہاڑوں کے بیچ میں تھی۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ۱/۲۵۸ مسلم باب ما تلقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین ۲/۱۰۹

سورۃ الاحقاف میں، دوسرے سورۃ جن میں، سورۃ الاحقاف کی آیات یہ ہیں:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصَبُوا لَنَا فَلِمَا قُضِيَ وَلَوْ أَنَّا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝
يَقَوْمَنَا اجْتَبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

”اور جب کہ ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو پھیرا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ تلاوت (قرآن

کی جگہ پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ چپ ہو جاؤ، پھر جب اس کی تلاوت پوری کی جا چکی تو وہ اپنی قوم کی طرف عذابِ الہی سے ڈرانے والے بن کر پلٹے۔ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔“

سورۃ جن کی آیات یہ ہیں:-

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝
يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ (۲/۱: ۴۲)

”آپ کہہ دیں: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا، اور باہم کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کر سکتے۔“ (پندرہویں آیت تک)

یہ آیات جو اس واقعے کے بیان کے سلسلے میں نازل ہوئیں ان کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو ابتداءً جنوں کی اس جماعت کی آمد کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ جب ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تب آپ واقف ہو سکے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی یہ آمد پہلی بار ہوئی تھی اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد ان کی آمد و رفت ہوتی رہی۔

جنوں کی آمد اور قبولِ اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسری مدد تھی جو اس نے اپنے غیبِ مکنون کے خزانے سے اپنے اس شکر کے ذریعے فرمائی تھی جس کا

علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پھر اس واقعے کے تعلق سے جو آیات نازل ہوئیں ان کے بیچ میں نبی ﷺ کی دعوت کی کامیابی کی بشارتیں بھی ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی کہ کائنات کی کوئی بھی طاقت اس دعوت کی کامیابی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ
أَوْلِيَاءُ ۗ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (۲۲:۳۶)

”جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے وہ زمین میں (اللہ کو) بے بس نہیں کر سکتا، اور اللہ کے سوا

اس کا کوئی کارساز ہے بھی نہیں اور ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔“

وَإِنَّا ظَنَنَّآ أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ○ (۱۲:۴۲)

”ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں بے بس نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر ہی اسے دیکھنے

سے عاجز کر سکتے ہیں۔“

اس نصرت اور ان بشارتوں کے سامنے غم و الم اور عز و مایوسی کے وہ سارے بادل چھٹ گئے جو طائف سے نکلنے وقت گالیاں اور تالیاں سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر چھائے تھے۔ آپ ﷺ نے عزم مصمم فرمایا کہ اب مکہ پلٹنا ہے اور نئے سرے سے دعوتِ اسلام اور تبلیغِ رسالت کے کام میں چستی اور گرمجوشی کے ساتھ لگ جانا ہے یہی موقع تھا جب حضرت زید بن حارثہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ مکہ کیسے جائیں گے جبکہ وہاں کے باشندوں یعنی قریش نے آپ ﷺ کو نکال دیا ہے؟ اور جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور بنائے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا۔ اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا۔“

آخر رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب پہنچ کر کوہِ عرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے انْحَسُّ بن شُرَیْق کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے دے مگر انْحَسُّ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں علیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سُهَیْل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے رُعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے کہا: ہاں اور پھر ہتھیار پہن کر اپنے

بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ مکے کے اندر آجائیں۔ آپ ﷺ پیغام پانے کے بعد حضرت زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر مکہ تشریف لائے، اور مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ قریش کے لوگو! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ اب اُسے کوئی نہ چھیڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سیدھے حجر اسود کے پاس پہنچے اسے چوما۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر کو پلٹ آئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور ان کے لڑکوں نے ہتھیار بند ہو کر آپ ﷺ کے ارد گرد حلقہ باندھے رکھا تا آنکہ آپ ﷺ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر ابو جہل نے مطعم سے پوچھا تھا کہ تم نے پناہ دی ہے یا پیروکار مسلمان۔ بن گئے ہو؟ اور مطعم نے جواب دیا تھا کہ پناہ دی ہے اور اس جواب کو سن کر ابو جہل نے کہا تھا کہ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حسن سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ بڈر میں جب کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی۔ اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے حضرت جبر بن مطعم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ الْمُطْعَمُ بْنُ عَدِي حَيًّا شَمَّ كَلِمَتِي فِي هَوْلَاءِ النَّتْنِي لَتَرَكْتَهُمْ لَهُ

”اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر

ان سب کو چھوڑ دیتا۔“



۱۔ سفر طائف کے واقعے کی یہ تفصیلات ابن ہشام ۱/۱۹ تا ۲۲۲۔ زاد المعاد ۲/۲۶، ۲۷ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۱۴ تا ۱۳۱ رحمۃ اللعالمین ۱/۱ تا ۲، تاریخ اسلام نجیب آبادی ۱/۱۲۳، ۱۲۴۔ اور معروف و معتبر کتب تفسیر سے جمع کی گئی ہیں۔

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

ذی قعدہ سنہ نبوت (اواخر جون یا اوائل جولائی ۶۱۹ء) میں رسول اللہ ﷺ طائف سے مکہ تشریف لائے، اور یہاں افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لیے فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے دو روز نزدیک ہر جگہ سے پیدل اور سواروں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی جیسا کہ نبوت کے چوتھے سال سے آپ ﷺ کا معمول تھا۔

وہ قبائل جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی | امام زہری فرماتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور

انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا ان میں سے حسب ذیل قبیلوں کے نام ہمیں بتائے گئے ہیں۔

بنو عامر بن صعصعہ، مخاریب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلتیم، عبس، بنو نصر بنو البکار، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ لے

واضح رہے کہ امام زہری کے ذکر کردہ ان سارے قبائل پر ایک ہی سال یا ایک ہی موسم حج میں اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ نبوت کے چوتھے سال سے ہجرت سے پہلے کے آخری موسم حج تک دس سالہ مدت کے دوران پیش کیا گیا تھا۔

ابن اسحاق نے بعض قبائل پر اسلام کی پیشی اور ان کے جواب کی کیفیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذیل میں مختصراً ان کا بیان نقل کیا جا رہا ہے:

۱۔ بنو کلب۔ نبی ﷺ اس قبیلے کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس تشریف لے

گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ اے بنو عبد اللہ! اللہ نے تمہارے جدِ اعلیٰ کا نام بہت اچھا رکھا تھا، لیکن اس قبیلے نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

۲۔ بتوحنیفر۔ آپ ﷺ ان کے ڈیرے پر تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا، لیکن ان جیسا برا جواب اہل عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔

۳۔ عامر بن صعصعہ۔ انہیں بھی آپ ﷺ نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ جواب میں ان کے ایک آدمی، حیرہ بن فراس نے کہا: ”خدا کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے پورے عرب کو کھا جاؤں گا۔“ پھر اس نے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتائیے: ”اگر ہم آپ ﷺ سے آپ کے اس دین پر بیعت کر لیں پھر اللہ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپ کے بعد زمام کار ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”زمام کار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جہاں چاہے گا رکھے گا۔ اس پر اس شخص نے کہا: ”خوب! آپ ﷺ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہل عرب کے نشانے پر رہے، لیکن جب اللہ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمام کار کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔“ ہمیں آپ ﷺ کے دین کی ضرورت نہیں۔“ غرض انہوں نے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جب قبیلہ بنو عامر اپنے علاقے میں واپس گیا تو اپنے ایک بوڑھے آدمی کو جو کبرنی کے باعث حج میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ سارا ماجرا سنایا اور بتایا کہ ہمارے پاس قبیلہ قریش کے خاندان بنو عبد المطلب کا ایک جوان آیا تھا جس کا خیال تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں: اس کا ساتھ دیں اور اپنے علاقے میں لے آئیں۔ یہ سن کر اس بوڑھے نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور بولا: ”اے بنو عامر! کیا اب اس کی تلافی کی کوئی سبیل ہے؟ اور کیا اس از دست رفتہ کو ڈھونڈھا جاسکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں فلاں کی جان ہے۔ کسی اسماعیل نے کبھی اس (نبوت) کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔“

یقیناً حق ہے۔ آخر تمہاری عقل کہاں چلی گئی تھی؟

ایمان کی شعاعیں مکے سے باہر | جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبائل اور
وفود پر اسلام پیش کیا، اسی طرح افراد اور

اشخاص کو بھی اسلام کی دعوت دی اور بعض نے اچھا جواب بھی دیا۔ پھر اس موسم حج کے کچھ ہی
عرصے بعد کئی افراد نے اسلام قبول کیا۔ ذیل میں ان کی ایک مختصر روداد پیش کی جا رہی ہے۔

۱۔ سُوَیْدُ بنِ صَامِت - یہ شاعر تھے۔ گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یشرب کے
باشندے، ان کی پختگی، شعر گوئی اور شرف و نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انہیں کامل کا خطاب
دے رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی
دعوت دی۔ کہنے لگے: "غالباً آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے۔"
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کیا ہے؟ سُوَیْدُ نے کہا: حکمتِ لقمان۔ آپ
ﷺ نے فرمایا: پیش کرو۔ انہوں نے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کلام یقیناً اچھا ہے۔
لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل
کیا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔
اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بولے: "یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے۔"
اس کے بعد وہ مدینہ پلٹ کر آتے ہی تھے کہ جنگ بُعاث چھڑ گئی اور اسی میں قتل کر دئے گئے۔
انہوں نے اللہ نبوی کے آغاز میں اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔ اِیَّاسُ بنِ مَعَاذ - یہ بھی یشرب کے باشندے تھے اور نوخیز جوان۔ اللہ نبوت
میں جنگ بُعاث سے کچھ پہلے اُوس کا ایک وفد خزرج کے خلاف قریش سے حلف و تعاون کی
تلاش میں مکہ آیا تھا۔ آپ بھی اسی کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت یشرب میں ان
دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی اور اُوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔
رسول اللہ ﷺ کو وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور
اُن کے درمیان بیٹھ کر یوں خطاب فرمایا: آپ لوگ جس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں کیا اس

سے بہتر چیز قبول کر سکتے ہیں؟ ان سب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسلام کا ذکر کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔

ایاس بن معاذ بولے: اے قوم یہ خدا کی قسم اس سے بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ لیکن وفد کے ایک رکن ابوالحیسر انس بن رافع نے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ایاس کے متہ پر دے ماری اور بولا: یہ بات چھوڑو! میری عمر کی قسم! یہاں ہم اس کے بجائے دوسرے ہی مقصد سے آئے ہیں۔ ایاس نے خاموشی اختیار کر لی اور رسول اللہ ﷺ بھی اٹھ گئے۔ وفد قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یوں ہی ناکام مدینہ واپس ہو گیا۔

مدینہ پلٹنے کے تھوڑے ہی دن بعد ایاس انتقال کر گئے۔ وہ اپنی وفات کے وقت تھیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔
۳۔ ابوذر غفاری۔ یہ یثرب کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔ جب سُوید بن مسات اور ایاس بن معاذ کے ذریعے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو یہ خبر ابوذر رضی اللہ عنہ کے کان سے بھی مگرائی اور یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مکے میں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: تم اس آدمی کے پاس جاؤ اس سے بات کرو۔ اور میرے پاس اس کی خبر لاؤ۔ وہ گیا، ملاقات کی، اور واپس آیا۔ میں نے پوچھا: کیا خبر لاتے ہو؟ بولا: خدا کی قسم میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور بُرائی سے روکتا ہے۔ میں نے کہا: تم نے تشفی بخش خبر نہیں دی۔ آخر میں نے خود تو شہ دان اور ڈنڈا اٹھایا اور مکہ کے لیے چل پڑا۔ (رواں پہنچ تو گیا، لیکن آپ ﷺ کو پہچانا نہ تھا اور یہ

بھی گوارا نہ تھا کہ آپ کے متعلق کسی سے پوچھوں۔ چنانچہ میں زمزم کا پانی پیتا اور مسجد حرام میں پڑا رہتا۔ آخر میرے پاس سے علیؓ کا گذر ہوا۔ کہنے لگے: آدمی اجنبی معلوم ہوتے ہو! میں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے نہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا ہی رہا تھا۔

صبح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد حرام گیا کہ آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں۔ لیکن کوئی نہ تھا جو مجھے آپ ﷺ کے متعلق کچھ بتاتا۔ آخر میرے پاس سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے (دیکھ کر) بولے: اس آدمی کو ابھی اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکا؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اچھا تمہارا معاملہ کیا ہے؟ اور تم کیوں اس شہر میں آتے ہو؟ میں نے کہا: آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤں۔ انہوں نے کہا! ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے۔ مگر اس نے پلٹ کر کوئی تشفی بخش بات نہ بتائی اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کر لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بھئی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رخ انہیں کی طرف ہے۔ جہاں میں گھسوں وہاں تم بھی گھس جانا۔ اور ہاں اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمہارے لیے خطرہ ہے تو دیوار کی طرف اس طرح جا رہوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں لیکن تم راستہ چلتے رہنا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ ساتھ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوتے اور میں بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس جا داخل ہوا اور عرض پر دانہ ہوا کہ آپ ﷺ) مجھ پر اسلام پیش کریں۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش فرمایا۔ اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اسے ابو ذر! اس معاملے کو پس پردہ رکھو۔ اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ جب ہمارے ظہور کی خبر ملے تو آجانا۔ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو ان کے درمیان بیانگ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا۔ قریش موجود تھے۔ میں نے کہا: قریش کے لوگو!

اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد عبده و رسوله

”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ

ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

لوگوں نے کہا: اٹھو۔ اس بے دین کی خبر لو، لوگ اٹھ پڑے۔ اور مجھے استفد مارا گیا کہ مر جاؤں۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے آبچایا۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا۔ پھر قریش کی طرف پلٹ کر مجھے تہہاری بربادی ہو۔ تم لوگ عفار کے ایک آدمی کو مارے دے لہے ہو؛ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور گزرگاہ عفار ہی سے ہو کر جاتی ہے! اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو میں پھر وہیں گیا اور جو کچھ کل کہا تھا آج پھر کہا اور لوگوں نے پھر کہا کہ اٹھو اس بے دین کی خبر لو۔ اس کے بعد پھر میرے ساتھ وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا اور آج بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے آبچایا۔ وہ مجھ پر جھکے پھر ویسی ہی بات کہی جیسی کل کہی تھی۔

۴۔ طفیل بن عمرو دؤسی - یہ شریف انسان شاعر، سوجھ بوجھ کے مالک اور قبیلہ دؤس کے سردار تھے۔ ان کے قبیلے کو بعض نواحی مین میں امارت یا تقریباً امارت حاصل تھی۔ وہ نبوت کے گیارہویں سال مکہ تشریف لائے تو وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اہل مکہ نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔ پھر ان سے عرض پر داز ہوئے کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں اور یہ شخص جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں سخت پھیندگی میں پھنسا رکھا ہے۔ ہماری جمعیت بکھیر دی ہے اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی بات جادو کا سا اثر رکھتی ہے کہ آدمی اور اس کے باپ کے درمیان آدمی اور اس کے بھائی کے درمیان اور آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس افتاد سے ہم دوچار ہیں کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے، لہذا آپ اس سے ہرگز گفتگو نہ کریں اور اس کی کوئی چیز نہ سنیں۔

حضرت طفیلؓ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ مجھے برابر اسی طرح کی باتیں سمجھاتے رہے یہاں تک کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ نہ آپ کی کوئی چیز سنوں گا نہ آپ ﷺ سے بات چیت کروں گا؛ حتیٰ کہ جب میں صبح کو مسجد حرام گیا تو کان میں روئی ٹھونس رکھی تھی کہ مبادا آپ ﷺ کی کوئی بات میرے کان میں پڑ جائے، لیکن اللہ کو منظور تھا کہ آپ کی بعض باتیں مجھے سنا ہی دے۔ چنانچہ میں نے بڑا عمدہ کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے جی میں کہا: ہاتے مجھ پر میری ماں کی آہ و فغاں! میں تو بخدا، ایک سوجھ

بوجھ رکھنے والا شاعر آدمی ہوں، مجھ پر بھلا برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں؟ اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا۔ بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ یہ سوچ کر میں رُک گیا اور جب آپ گھر پلٹے تو میں بھی پیچھے ہو گیا۔ آپ ﷺ اندر داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا اور آپ کو اپنی آمد کا واقعہ اور لوگوں کے خوف دلانے کی کیفیت، پھر کان میں روئی ٹھونسنے اور اس کے باوجود آپ کی بعض باتیں سن لینے کی تفصیلات بتائیں، پھر عرض کیا کہ آپ اپنی بات پیش کیجئے۔ آپ ﷺ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ خدا گواہ ہے: میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سنی تھی؛ چنانچہ میں نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میں میری بات ماننی جاتی ہے۔ میں ان کے پاس پلٹ کر جاؤں گا اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ لہذا آپ ﷺ اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے۔ آپ ﷺ نے دُعا فرمائی۔

حضرت طفیل کو جو نشانی عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی پیدا کر دی۔ انہوں نے کہا: یا اللہ چہرے کے بجائے کسی اور جگہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسے مثلہ کہیں گے۔ چنانچہ یہ روشنی ان کے ڈنڈے میں پلٹ گئی۔ پھر انہوں نے اپنے والد اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے؛ لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی۔ مگر حضرت طفیلؓ بھی مسلسل کوشاں رہے۔ حتیٰ کہ عزوہ خندق کے بعد جب انہوں نے ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی خاندان تھے۔ حضرت طفیلؓ نے اسلام میں بڑے اہم کارنامے انجام دے کر پیامہ کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۵۔ حِمَادُ اَزْدِي۔ یہ یمن کے باشندے اور قبیلہ اَزْدِ شَنُوْءِہ کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کرنا اور آسیب اتارنا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شخص کے پاس چلوں ہو سکتا ہے اللہ میرے ہی ہاتھوں سے اسے شفا دے دے؛ چنانچہ آپ سے ملاقات کی، اور کہا: اے محمد ﷺ! میں آسیب اتارنے کے لیے

۹۔ بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کیونکہ جب وہ مدینہ تشریف لاتے تو رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔

دیکھئے ابن ہشام ۱/۳۸۵

نٹے ابن ہشام ۱/۱۸۲، ۱۸۵۔ رحمۃ للعالمین ۱/۸۱، ۸۲۔ مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۱۴۴

جھاڑ پھونک کیا کرتا ہوں، کیا آپ (ﷺ) کو بھی اس کی ضرورت ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

ان الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له
ومن يضلل الله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده
لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله، اما بعد !

”یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔
جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی ہدایت
نہیں دے سکتا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک
نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد :

ضمناً دتے کہا ذرا اپنے یہ کلمات مجھے پھر سنا دیجئے۔ آپ (ﷺ) نے تین بار دہرایا۔ اس
کے بعد ضمناً دتے کہا، میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے
آپ (ﷺ) کے ان جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لیتے
اپنا ہاتھ بڑھائیے! آپ (ﷺ) سے اسلام پر بیعت کروں، اور اس کے بعد انہوں نے بیعت
کر لی۔ اللہ

گیا رہیں سن نبوت کے موسم حج (جولائی ۶۲ء)
میں اسلامی دعوت کو چند کارآمد بیج دستیاب

یشرب کی چھ سعادت مند روئیں

ہوتے۔ جو دیکھتے دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے۔ اور ان کی لطیف اور گھسی چھاؤں
میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں ظلم و ستم کی تپش سے راحت و نجات پائی۔

اہل مکہ نے رسول اللہ (ﷺ) کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑا اٹھا
رکھا تھا اس کے تیس نبی (ﷺ) کی حکمت عملی یہ تھی کہ آپ رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس
تشریف لے جاتے تاکہ سگے کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

اسی حکمت عملی کے مطابق ایک رات آپ (ﷺ) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ بنو ذہل اور بنو شیبان بن ثعلبہ کے ڈیروں سے گزرے تو ان
سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی۔ انہوں نے جواب تو بڑا امید افزا دیا لیکن اسلام

قبول کرنے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کیا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور بنو ذہل کے ایک آدمی کے درمیان سلسلہ نسب کے متعلق بڑا دلچسپ سوال و جواب بھی ہوا۔ دونوں ہی ماہر انساب تھے۔^{۱۲}

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منیٰ کی گھاٹی سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے سنا۔ آپ ﷺ نے سیدھے ان کا رخ کیا اور ان کے پاس جا پہنچے۔ یہ یثرب کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ نام یہ ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ (قبیلہ بنی النجار)

(۲) عوف بن عارث بن رفاعہ (ابن عفرار) (" ")

(۳) رافع بن مالک بن عجلان (قبیلہ بنی زریق)

(۴) قطبہ بن عامر بن حدیدہ (قبیلہ بنی سلمہ)

(۵) عقبہ بن عامر بن نابی (قبیلہ بنی حرام بن کعب)

(۶) حارث بن عبداللہ بن رباب، (قبیلہ بنی بعید بن غنم)

یہ اہل یثرب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے حلیف یہود مدینہ سے سنا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ایک نبی بھیجا جانے والا ہے اور اب جلد ہی وہ نمودار ہوگا۔ ہم اس کی پیروی کر کے اس کی معیت میں ہمیں عادِ ارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔^{۱۳}

رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یعنی یہود کے حلیف؟ بولے، ہاں۔ فرمایا، پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں، کچھ بات چیت کی جائے۔ وہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ انہیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، بھئی دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھکیاں دیا کرتے ہیں۔ لہذا یہود تم پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً آپ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

^{۱۲} دیکھئے مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۱۵۰ تا ۱۵۲

^{۱۳} زاد المعاد ۲/۵۰ - ابن ہشام ۱/۴۲۹، ۴۳۱

یہ شرب کے عقلاء الرجال تھے۔ حال ہی میں جو جنگ گذر چکی تھی، اور بس کے دھوئیں اب تک فضا کو تاریک کئے ہوئے تھے، اس جنگ نے انہیں چور چور کر دیا تھا اس لیے انہوں نے بجا طور پر یہ توقع قائم کی کہ آپ کی دعوت، جنگ کے خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوگی، چنانچہ انہوں نے کہا: ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آتے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان کے جیسی عداوت و دشمنی نہیں پائی جاتی۔ امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے انہیں یکجا کر دے گا۔ ہم وہاں جا کر لوگوں کو آپ کے مقصد کی طرف بلائیں گے اور یہ دین جو ہم نے خود قبول کر لیا ہے ان پر بھی پیش کریں گے۔ اگر اللہ نے آپ پر ان کو یکجا کر دیا تو پھر آپ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔“

اس کے بعد جب یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے گئے؛ چنانچہ وہاں گھر گھر رسول اللہ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔ ۱۵

اسی سال شوال ۱۱ھ نبوت میں
رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینہ میں مدینہ کے اندر ان کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ ۱۶



اسرار اور معراج

نبی ﷺ کی دعوت و تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے اس درمیانی مرحلے سے گزر رہی تھی اور افاق کی دُور دراز پہنائیوں میں دھندلے تاروں کی جھلک دکھائی پڑنا شروع ہو چکی تھی کہ اسرار اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ یہ معراج کب واقع ہوئی؟ اس بارے میں اہل سیر کے اقوال مختلف ہیں جو یہ ہیں :

- ۱۔ جس سال آپ ﷺ کو نبوت دی گئی اسی سال معراج بھی واقع ہوئی (ریطبری کا قول ہے)
- ۲۔ نبوت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی (اسے امام نووی اور امام قرطبی نے راجح قرار دیا ہے)
- ۳۔ نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو ہوئی (اسے علامہ منصور لپوری نے اختیار کیا ہے۔)
- ۴۔ ہجرت سے سولہ مہینے پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال ماہ رمضان میں ہوئی۔
- ۵۔ ہجرت سے ایک سال دو ماہ پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال محرم میں ہوئی۔
- ۶۔ ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔

ان میں سے پہلے تین اقوال اس لیے صحیح نہیں مانے جاسکتے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت معراج کی رات ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات معراج سے پہلے ہوئی تھی اور معلوم ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی تھی۔ لہذا معراج کا زمانہ اس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں۔ باقی رہے اخیر کے تین اقوال تو ان میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی۔ البتہ سورہ اسرار کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کئی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ لہ

ائمہ حدیث نے اس واقعے کی جو تفصیلات روایت کی ہیں ہم اگلی سطور میں ان کا حاصل

۱۔ ان اقوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ زاد المعاد ۲/ ۲۹۹۔ مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ

پیش کر رہے ہیں۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو آپ کے جسم مبارک سمیت براق پر سوار کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی پھر آپ ﷺ نے وہاں نزول فرمایا، اور انبیاء کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی، اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا تھا۔

اس کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوا یا۔ آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا، اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کو مرجا کہا۔ سلام کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ نے آپ کو ان کے دائیں جانب سعادت مندوں کی رُو میں اور بائیں جانب بد بختوں کی رُو میں دکھلائی۔

پھر آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا اور دروازہ کھلوا یا گیا۔ آپ نے وہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرجا کہا، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور اقرار نبوت کیا۔

پھر آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ بن عمران سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ انہوں نے مرجا کہا، اور اقرار نبوت کیا۔ البتہ جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ اُن سے کہا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی امت کے لوگ میری امت کے لوگوں سے بہت زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرۃ المنتهیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپ کے لیے بیت معمور کو ظاہر کیا گیا۔

پھر خدائے جبار جل جلالہ کے دربار میں پہنچایا گیا اور آپ ﷺ اللہ کے اتنے قریب ہوتے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو کچھ کہ وحی فرمائی اور پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہوتے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازوں کا؛ انہوں نے کہا، "آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجئے۔" آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپ چاہیں۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کو جبار تبارک تعالیٰ کے حضور لے گئے، اور وہ اپنی جگہ تھا۔ بعض طرق میں صحیح بخاری کا لفظ یہی ہے۔ اس نے دس نمازیں کم کر دیں اور آپ ﷺ نیچے لاتے گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا آپ ﷺ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ عزوجل کے درمیان آپ کی آمدورفت برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے صرف پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو واپسی اور طلب تخفیف کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

اس کے بعد ابن قیم نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب

تبارک تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں؟ پھر امام ابن تیمیہ کی ایک تحقیق ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کا سرے سے کوئی ثبوت نہیں اور نہ کوئی صحابی اس کا قائل ہے؛ اور ابن عباس سے مطلقاً دیکھنے اور دل سے دیکھنے کے جو دو قول منقول ہیں۔ ان میں سے پہلا دوسرے کے منافی نہیں اس کے بعد امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ سورۃ نجم میں اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ○ (۸:۵۳)

”پھر وہ نزدیک آیا اور قریب تر ہو گیا۔“

تو یہ اس قربت کے علاوہ ہے جو معراج کے واقعے میں حاصل ہوئی تھی کیونکہ سورۃ نجم میں جس قربت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کی قربت و تدلی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے؛ اور سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اس کے برخلاف حدیث معراج میں جس قربت و تدلی کا ذکر ہے اس کے بارے میں صراحت ہے کہ یہ رب تبارک و تعالیٰ سے قربت و تدلی تھی، اور سورۃ نجم میں اس کو سرے سے چھیڑا ہی نہیں گیا، بلکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور یہ حضرت جبریل تھے۔ انہیں محمد ﷺ نے ان کی اپنی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا ایک مرتبہ زمین پر اور ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ واللہ اعلم

اس دفعہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شوق صدر (سینہ چاک کئے جانے) کا واقعہ پیش آیا اور آپ کو اس سفر کے دوران کئی چیزیں دکھلانی گئیں۔

آپ ﷺ پر دودھ اور شراب پیش کئے گئے۔ آپ نے دودھ اختیار فرمایا۔ اس پر آپ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کو فطرت کی راہ بتائی گئی، یا آپ نے فطرت پالی۔ اور یاد رکھئے کہ اگر آپ ﷺ نے شراب لی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں، دو ظاہری اور دو باطنی، ظاہری نہریں نیل و فرات تھیں۔ اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ آپ کی رسالت نیل و فرات کی شاداب وادیوں کو اپنا وطن بنائے گی، یعنی یہاں کے باشندے نسل بعد نسل مسلمان ہوں گے۔ یہ نہیں کہ ان دونوں نہروں کے

پانی کا منبع جنت میں ہے۔ واللہ اعلم)

آپ ﷺ نے مالک، داروغہ جہنم کو بھی دیکھا۔ وہ ہنستا تھا اور نہ اس کے چہرے پر خوشی اور بشارت تھی، آپ ﷺ نے جنت و جہنم بھی دیکھی۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو قیاموں کا مال ظلماً کھا جاتے ہیں۔ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھر کے ٹکڑوں جیسے انگارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

آپ ﷺ نے سود خوروں کو بھی دیکھا۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے تھے اور جب آل فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لیے لے جایا جاتا تو ان کے پاس سے گزرتے وقت انہیں روندتے ہوئے جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے زنا کاروں کو بھی دیکھا۔ ان کے سامنے تازہ اور فربہ گوشت تھا اور اسی کے پہلو پہلو سٹرا ہوا چھوٹا بھی تھا۔ یہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سٹرا ہوا چھوٹا کھا رہے تھے۔

آپ ﷺ نے ان عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں۔ یعنی دوسروں سے زنا کے ذریعے حاملہ ہوتی ہیں لیکن لاعلمی کی وجہ سے بچہ ان کے شوہر کا سمجھا جاتا ہے آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھا کر انہیں آسمان زمین کے درمیان لٹکا دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے آتے جاتے ہوئے اہل مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی بتایا جو بھڑک کر بھاگ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سو رہا تھا، پھر آپ نے اسی طرح برتن ڈھک کر چھوڑ دیا اور یہ بات معراج کی صبح آپ ﷺ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اور اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت و ضرر رسانی میں اور شدت آگئی۔ انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کریں۔ اس پر اللہ نے آپ ﷺ کے لیے بیت المقدس کو ظاہر فرما دیا اور وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے آگیا چنانچہ

آپ ﷺ نے قوم کو اس کی نشانیاں بتلانا شروع کیں۔ اور ان سے کسی بات کی تردید نہ بن پڑی۔ آپ ﷺ نے جاتے اور آتے ہوئے ان کے قافلے سے ملنے کا بھی ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس کی آمد کا وقت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی بھی نشاندہی کی جو قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا؛ پھر جیسا کچھ آپ نے بتایا تھا ویسا ہی ثابت ہوا۔ لیکن ان سب کے باوجود ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔ اور ان ظالموں نے کفر کرتے ہوئے کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسی موقع پر صدیق کا خطاب دیا گیا۔ کیونکہ آپ نے اس واقعے کی اس وقت تصدیق کی جبکہ اور لوگوں نے تکذیب کی تھی۔

معراج کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے جو سب سے مختصر اور عظیم بات کہی گئی وہ یہ ہے؛

لِزُيْرَةٍ مِنْ أَيْتِنَا ۙ (۱:۱۷)

”تاکہ ہم (اللہ تعالیٰ) آپ کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔“

اور انبیاء کرام کے بارے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ارشاد ہے؛

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ (۵:۶)

”اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کا نظام سلطنت دکھلایا۔ اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں

میں سے ہو۔“

اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا :-

لِزُيْرِكَ مِنْ أَيْتِنَا الْكُبْرَى ۝ (۲۳:۲۰)

”تاکہ ہم تمہیں اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھلائیں۔“

پھر ان نشانیوں کے دکھلانے کا جو مقصود تھا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد

وَليَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ (تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو) کے ذریعے واضح فرما دیا۔

چنانچہ جب انبیاء کرام کے علوم کو اس طرح کے مشاہدات کی سند حاصل ہو جاتی تھی تو انہیں عین الیقین

کا وہ مقام حاصل ہو جاتا تھا جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ ”تئیدہ کے بودمانند دیدہ“ اور یہی وجہ

ہے کہ انبیاء کرام اللہ کی راہ میں ایسی ایسی مشکلات جھیل لیتے تھے جنہیں کوئی اور جھیل ہی نہیں سکتا۔

درحقیقت ان کی نگاہوں میں دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی مچھر کے پر کے برابر حیثیت نہیں رکھتی تھیں اسی لیے وہ ان قوتوں کی طرف سے ہونے والی سختیوں اور ایذا رسانیوں کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔

اس واقعہ معراج کی جزئیات کے پس پردہ مزید جو حکمتیں اور اسرار کار فرما تھے ان کی بحث کا اصل مقام اسرارِ شریعت کی کتابیں ہیں البتہ چند موٹے موٹے حقائق ایسے ہیں جو اس مبارک سفر کے سرچشموں سے پھوٹ کر سیرتِ نبوی کے گلشن کی طرف رواں دواں ہیں اس لیے یہاں مختصراً انہیں قلمبند کیا جا رہا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اسرار میں اسرار کا واقعہ صرف ایک آیت میں ذکر کر کے کلامِ کائنات کی سیاہ کاریوں اور جرائم کے بیان کی جانب موڑ دیا ہے؛ پھر انہیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھی اور صحیح راہ ہے۔ قرآن پڑھنے والے کو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ دونوں باتیں بے جوڑ ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعے یہ اشارہ فرما رہا ہے کہ اب یہود کو نوعِ انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن سے طوٹ ہونے کے بعد انہیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جاسکتا؛ لہذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوتِ ابراہیمی کے دونوں مراکز ان کے ماتحت کر دیئے جائیں گے۔ بالفاظِ دیگر اب وقت آ گیا ہے کہ روحانی قیادت ایک امت سے دوسری امت کو منتقل کر دی جائے؛ یعنی ایک ایسی امت سے جس کی تاریخِ عذرو خیانت اور ظلم و بدکاری سے بھری ہوئی ہے، یہ قیادت چھین کر ایک ایسی امت کے حوالے کر دی جائے جس سے نیکیوں اور بھلائیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پونہر سب سے زیادہ درست راہ بتانے والے قرآن کی وحی سے بہرہ ور ہے۔

لیکن یہ قیادت منتقل کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس امت کا رسول نکتے کے پہاڑوں میں لوگوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے؟ اس وقت یہ ایک سوال تھا جو ایک دوسری حقیقت سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسلامی دعوت کا ایک دور اپنے خاتمے اور اپنی تکمیل کے قریب آگیا ہے اور اب ایک دوسرا دور شروع ہونے والا ہے جس کا دھارا پہلے سے مختلف ہوگا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آیات میں مشرکین کو کھل وار ننگ اور سخت دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○ (۱۶: ۱۷)

”اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اصحابِ ثروت کو حکم دیتے ہیں مگر وہ کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ پس اس بستی پر تباہی کا قول برحق ہو جاتا ہے اور ہم اسے کھل کر رکھ دیتے ہیں۔“

وَكَرَّ أَهْلُكُنَّا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ
خَبِيرًا بَصِيرًا ○ (۱۷: ۱۷)

”اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو تباہ کر دیا؛ اور تمہارا رب اپنے بندوں کے جرائم کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔“

پھر ان آیات کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ایسے تمدنی قواعد و ضوابط اور دفعات و مبادی بتلائے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی معاشرے کی تعمیر ہونی تھی گویا اب وہ کسی ایسی سرزمین پر اپنا ٹھکانا بنا چکے ہیں، جہاں ہر پہلو سے ان کے معاملات ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں اور انہوں نے ایک ایسی وحدت متماکہ بنالی ہے جس پر سماج کی چکی گھوما کرتی ہے۔ لہذا ان آیات میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب ایسی جاتے پناہ اور امن گاہ پالیں گے جہاں آپ ﷺ کے دین کو استقرار نصیب ہوگا۔

یہ اسرار و معراج کے بابرکت واقعے کی تہ میں پوشیدہ حکمتوں اور راز ہائے سرہستہ میں سے ایک ایسا راز اور ایک ایسی حکمت ہے جس کا ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے بیان کر دیں۔ اسی طرح کی دو بڑی حکمتوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اسرار کا یہ واقعہ یا تو بیعت عقبہ اولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا عقبہ کی دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔ واللہ اعلم

پہلی بیعتِ عقبہؓ

ہم بتا چکے ہیں کہ نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں یرب کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جا کر آپ ﷺ کی رست کی تبلیغ کریں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال جب موسم حج آیا (یعنی ذی الحجہ ۳۲ھ نبوی، مطابق جولائی ۶۲۱ء) تو بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت جابر بن عبد اللہ بن رباب کو چھوڑ کر باقی پانچ وہی تھے جو پچھلے سال بھی آپ کے تھے اور ان کے علاوہ سات آدمی نئے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

- | | |
|----------------------------|-------------------------|
| (۱) معاذ بن الحارث بن عفرہ | قبیلہ بنی النخار (غزرج) |
| (۲) ذکوان بن عبد القیس | " بنی زریق (") |
| (۳) عبادہ بن صامت | " بنی غنم (") |
| (۴) یزید بن ثعلبہ | " بنی غنم کے حلیف (") |
| (۵) عباس بن عبادہ بن نضدہ | قبیلہ بنی سالم (غزرج) |
| (۶) ابوالہیثم بن الیہیمان | " بنی عبدالاشہل (اوس) |
| (۷) عویم بن ساعدہ | " بنی عمرو بن عوف (") |

عقبہ (ج۔ ق۔ ب تینوں کو زبر) پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گذرگاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ سے منی آتے جاتے ہوئے منی کے منبر کنارے پر ایک تنگ پہاڑی رستے سے گذرنا پڑتا تھا۔ یہی گذرگاہ عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو جس ایک جمرہ کو ککری ماری جاتی ہے وہ اسی گذرگاہ کے سرے پر واقع ہے ایسے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ اس جمرہ کا دوسرا نام جمرہ کبڑی بھی ہے۔ باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔ چونکہ منی کا پورا میدان جہاں حجاج قیام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے اس لیے ساری پہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور ککریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بیعت لینے کے لیے اس گھاٹی کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کٹادہ سڑکیں نکال لی گئی ہیں۔

ان میں صرف اخیر کے دو آدمی قبیلہ اوس سے تھے؛ بقیہ سب کے سب قبیلہ خزرج سے تھے۔
ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ ﷺ سے
چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے وقت عورتوں
سے بیعت لی گئی۔

عقبہ کی اس بیعت کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ
اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ
کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھر کر کوئی بہتان نہ لاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری
نافرمانی نہ کرو گے۔ جو شخص یہ ساری باتیں پوری کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو شخص ان میں
سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دی جائے گی تو یہ اس کے
لیے کفارہ ہوگی۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اللہ اس پر پردہ ڈال
دے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے؛ چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو معاف کر دے
گا۔" حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس پر آپ ﷺ سے بیعت کی ہے۔

بیعت پوری ہو گئی اور حج ختم ہو گیا تو نبی ﷺ نے ان
لوگوں کے ہمراہ شرب میں اپنا پہلا سفیر بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں
کو اسلامی احکام کی تعلیم دے اور انہیں دین کے درو بست سکھائے۔ اور جو لوگ اب تک شرک پر
چلے آ رہے ہیں ان میں اسلام کی اشاعت کرے۔ نبی ﷺ نے اس سفارت کے لیے سابقین
اولین میں سے ایک جوان کا انتخاب فرمایا۔ جس کا نام نامی اور اسم گرامی مصعب بن عمیر عندری
رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو حضرت اسعد بن
زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر نزول فرما ہوئے۔ پھر دونوں نے مل کر
قابل رشک کامیابی

۲ رحمة للعالمین ۱/۸۵، ابن ہشام ۱/۲۳۱ تا ۲۳۳

۳ صحیح بخاری، باب بعد باب حلاوة الایمان ۱/۷، باب وفود الانصار ۱/۵۵۰، ۵۵۱ لفظ اسی باب کا ہے

باب قوله تعالى اذا جاءك المؤمنات ۲/۷۲۷، باب الحدود كفارة ۲/۱۰۰۳

اہل یشرب میں جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مُصعبؓ مَقْرَی کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ مَقْرَی کے معنی ہیں پڑھانے والا۔ اس وقت معلم اور استاد کو مَقْرَی کہتے تھے۔

تبلیغ کے سلسلے میں ان کی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انہیں ہمراہ لے کر بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی ظفر کے ایک باغ کے اندر مرق نامی ایک کنویں پر بیٹھ گئے۔ ان کے پاس چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اُس وقت تک بنی عبد الاشہل کے دونوں سردار یعنی حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اُبَیْد بن حُضَیْر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ شرک ہی پر تھے۔ انہیں جب خبر ہوئی تو حضرت سعد نے حضرت اُبَیْد سے کہا کہ ذرا جاؤ اور ان دونوں کو، جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آتے ہیں، ڈانٹ دو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کر دو۔ چونکہ سعد بن زرارہ میری خالہ کا لڑکا ہے (اس لیے تمہیں بھیج رہا ہوں) ورنہ یہ کام میں خود انجام دے دیتا۔

اُس سید نے اپنا حربہ اٹھایا۔ اور ان دونوں کے پاس پہنچے۔ حضرت سعد نے انہیں آنا دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے سہمائی اختیار کرنا۔ حضرت مصعبؓ نے کہا: اگر یہ بیٹھا تو اس سے بات کروں گا۔ اُس سید پہنچے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ بولے "تم دونوں ہمارے یہاں کیوں آتے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو؟ یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو۔" حضرت مصعبؓ نے کہا: کیوں نہ آپ بیٹھیں اور کچھ سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کر لیں پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں۔ حضرت اُس سید نے کہا: بات منصفانہ کہہ رہے ہو۔ اس کے بعد اپنا حربہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ اب حضرت مصعبؓ نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ان کا بیان ہے کہ بخدا ہم نے حضرت اُس سید کے بولنے سے پہلے ہی اُن کے چہرے کی چمک دمک سے ان کے اسلام کا پتہ لگا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے زبان کھولی تو فرمایا: یہ تو بڑا ہی عمدہ اور بہت ہی خوب تر ہے۔ تم لوگ کسی کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ غسل کر لیں۔ کپڑے پاک کر لیں۔ پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔ انہوں نے اٹھ کر غسل کیا یا کپڑے پاک کئے۔ کلمہ شہادت ادا کیا۔ اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بولے! میرے پیچھے ایک اور شخص ہے، اگر وہ تمہارا پیروکار بن جائے تو اُس کی قوم کا کوئی آدمی پیچھے نہ رہے گا، اور میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا

ہوں۔ (اشارہ حضرت سعد بن معاذ کی طرف تھا۔)

اس کے بعد حضرت انسؓ نے اپنا حربہ اٹھایا اور پلٹ کر حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ محفل میں تشریف فرما تھے (حضرت انسؓ کو دیکھ کر) بولے: "میں بخدا کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص تمہارے پاس جو چہرہ لے کر آ رہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لے کر گیا تھا۔ پھر جب حضرت انسؓ محفل کے پاس آن کھڑے ہوئے تو حضرت سعدؓ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: "میں نے ان دونوں سے بات کی تو واللہ مجھے کوئی حرج تو نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔"

اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعدؓ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے لہذا وہ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔ یہ سن کر سعدؓ غصے سے بھر پک اٹھے اور اپنا نیزہ لے کر سیدھے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ سمجھ گئے کہ انسؓ کا منشا یہ تھا کہ آپ بھی ان کی باتیں سنیں لیکن یہ ان کے پاس پہنچے تو کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ پھر اسعد بن زرارہ کو مخاطب کر کے بولے "خدا کی قسم اے ابولہب! اگر میرے اور تیرے درمیان قرابت کا معاملہ نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ ہمارے محلے میں اگر ایسی حرکتیں کرتے ہو جو ہمیں گوارا نہیں۔"

ادھر حضرت اسعدؓ نے حضرت مصعبؓ سے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ بخدا تمہارے پاس ایک ایسا سردار آ رہا ہے جس کے پیچھے اس کی پوری قوم ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر ان میں سے کوئی بھی نہ پھڑکے گا؛ اس لیے حضرت مصعبؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا: "کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آگئی تو قبول کر لیں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم آپ کی ناپسندیدہ بات کو آپ سے دُور ہی رکھیں گے۔" حضرت سعدؓ نے کہا: "انصاف کی بات کہتے ہو۔" اس کے بعد اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ اُن کا بیان ہے کہ ہمیں حضرت سعدؓ کے بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے کی چمک دمک سے اُن کے اسلام کا پتا لگ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے زبان کھولی اور فرمایا: "تم لوگ اسلام لاتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "آپ غسل کر لیں کپڑے پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔" حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم کی محفل میں تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا: ہم بخدا کہہ رہے ہیں کہ حضرت سعد جو چہرہ لے کر گئے تھے اس کے بجائے دوسرا ہی چہرہ لے کر پٹے ہیں۔ پھر جب حضرت سعد اہل مجلس کے پاس آ کر رُکے تو بولے: "اے بنی عبدالاشہل! تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا، آپ ہمارے سردار ہیں۔ سب سے اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں اور ہمارے سب سے بابرکت پاسیان ہیں۔ انہوں نے کہا: "اچھا تو سنو! اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ۔ ان کی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلے کا کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہ بچی جو مسلمان نہ ہو گئی ہو۔ صرف ایک آدمی جس کا نام اُصیرم تھا اس کا اسلام جنگِ احد تک موخر ہوا۔ پھر احد کے دن اس نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں لڑتا ہوا کام آگیا۔ اس نے ابھی اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پایا۔

حضرت مصعبؓ، حضرت سعد بن زرارہ ہی کے گھر مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ باقی نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ صرف بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل کے مکانات باقی رہ گئے تھے۔ مشہور شاعر قیس بن اسلت انہیں کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی بات مانتے تھے۔ اس شاعر نے انہیں جنگِ خندق (شہِ بھری) تک اسلام سے روک رکھا۔ بہر حال اگلے موسمِ حج یعنی تیرہویں سال نبوت کا موسم حج آنے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا میابی کی بشارتیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مکر تشریف لائے اور آپ ﷺ کو قبائلِ یثرب کے حالات، ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں، اور خیر کی لیاقتوں کی تفصیلات سنائیں گے۔



دوسری بیعت عقبہ

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج - جون ۶۲۲ء - میں یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لاتے۔ یہ اپنی قوم کے مشرک حاجیوں میں شامل ہو کر آئے تھے اور ابھی یثرب ہی میں تھے، یا مکے کے راستے ہی میں تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو یوں ہی کتے کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کئے جاتے چھوڑے رکھیں گے؟

پھر جب یہ مسلمان مکہ پہنچ گئے تو درپردہ نبی ﷺ کے ساتھ سلسلہ اور رابطہ شروع کیا اور آخر کار اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں فریق ایام تشریق کے درمیانی دن - ۱۲ ذی الحجہ کو - منیٰ میں حجرہ اولیٰ، یعنی حجرہ عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے اسی میں جمع ہوں اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں بالکل خفیہ طریقے پر ہو۔

آئیے اب اس تاریخی اجتماع کے احوال، انصار کے ایک قائد کی زبانی سنیں کہ یہی وہ اجتماع ہے جس نے اسلام و بت پرستی کی جنگ میں رفتار زمانہ کا رخ موڑ دیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حج کے لیے نکلے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایام تشریق کے درمیانی روز عقبہ میں ملاقات طے ہوئی اور بالآخر وہ رات آگئی جس میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات طے تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبداللہ بن حرام بھی تھے (جو ابھی اسلام نہ لائے تھے) ہم نے ان کو ساتھ لے لیا تھا۔ ورنہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرکین تھے ہم ان سے اپنا سارا معاملہ خفیہ رکھتے تھے۔ مگر ہم نے عبداللہ بن حرام سے بات چیت کی اور کہا کہ اے ابو جابر! آپ ہمارے ایک معزز اور شریف سربراہ ہیں اور ہم آپ کو آپ کی موجودہ حالت سے نکالنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کل کلاں کو آگ کا ایندھن نہ بن جائیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور بتلایا

کہ آج عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات طے ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ عقبہ میں تشریف لے گئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہم لوگ حسب دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے ڈیروں میں سوئے، لیکن جب تہائی رات گزر گئی تو اپنے ڈیروں سے نکل نکل کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دیک کر نکلتے تھے جیسے چڑیا گونسلے سے سکوڑ کر نکلتی ہے، یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہو گئے۔ ہماری کل تعداد پچھتر تھی۔ ہتر مرد اور دو عورتیں۔ ایک ام عمارہ نسیب بنت کعب تھیں جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسری ام منیع اسماء بنت عمرو تھیں۔ جن کا تعلق قبیلہ بنو سلمہ سے تھا۔

ہم سب گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے اور آخر وہ لمحہ آ ہی گیا جب آپ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ وہ اگرچہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے پختہ اطمینان حاصل کریں۔ سب سے پہلے بات بھی انہیں نے شروع کی۔

گفتگو کا آغاز اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاملے کی نزاکت کی تشریح

مجلس مکمل ہو گئی تو دینی اور فوجی تعاون کے عہد و پیمان کو قطعی اور آخری شکل دینے کے لیے گفتگو کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس نے سب سے پہلے زبان کھولی۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ پوری صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کی نزاکت واضح کر دیں جو اس عہد و پیمان کے نتیجے میں ان حضرات کے سر پڑنے والی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

خزرج کے لوگو!۔ عام اہل عرب انصار کے دونوں ہی قبیلے یعنی خزرج اور اوس کو خزرج ہی کہتے تھے۔ ہمارے اندر محمد ﷺ کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے جو لوگ دینی نقطہ نظر سے ہمارے ہی جیسی راستے رکھتے ہیں ہم نے محمد ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے اندر ہیں مگر اب

وہ تمہارے یہاں جانے اور تمہارے ساتھ لاسحق ہونے پر مصر ہیں؛ لہذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو اسے نبھا لو گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچا لو گے۔ تب تو ٹھیک ہے۔ تم نے جو ذمے داری اٹھائی ہے اسے تم جانو۔ لیکن اگر تمہارا یہ اندازہ ہے کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں بہر حال عزت و حفاظت سے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عباسؓ سے کہا کہ آپ کی بات ہم نے سن لی۔ اب اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ گفتگو فرمائیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند کریں لیجئے۔

اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم ذمے داری کو اٹھانے اور اس پر خطر تاج کو بھیننے کے سلسلے میں انصار کے عزم محکم، شجاعت و ایمان اور جوش و اخلاص کا کیا حال تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے پہلے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی۔ اس کے بعد بیعت ہوئی۔

بیعت کا واقعہ امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا: اس بات پر کہ وہ

بیعت کی دفعات

- (۱) چستی اور سستی بہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔
- (۲) تنگی اور خوشحالی بہر حال میں مال خرچ کرو گے۔
- (۳) بھلائی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے۔
- (۴) اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو گے۔

(۵) اور جب میں تمہارے پاس آ جاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔

اور تمہارے لیے جنت ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں۔ جسے ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ صرف آخری دفعہ (۵) کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تلاوت اللہ کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دینے کے بعد فرمایا: "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر حضرت برادر بن مہرور نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے ہم یقیناً اس چیز سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہذا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم خدا کی قسم جنگ کے بیٹے ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری ہی ریت باپ دادا سے چلی آ رہی ہے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ حضرت برادر رسول اللہ ﷺ سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہشیم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے اور کچھ لوگوں۔ یعنی یہود۔ کے درمیان۔ عہد و پیمان کی۔ رسیاں ہیں۔ اور اب ہم ان رسیوں کو کاٹنے والے ہیں، تو کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم ایسا کر ڈالیں پھر اللہ آپ ﷺ کو غلبہ و ظہور عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ آئیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا، پھر فرمایا: "زہیں) بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔"

خطرناکی بیعت کی مکرریاد دہانی

بیعت کی شرائط کے متعلق گفت و شنید مکمل ہو چکی اور لوگوں نے بیعت شروع کرنے کا ارادہ کیا تو صف اول

کے دو مسلمان جو اللہ نبوت اور اللہ نبوت کے ایام حج میں مسلمان ہوئے تھے، یکے بعد دیگرے اٹھے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کی ذمہ داری کی نزاکت اور خطرناکی کو اچھی طرح واضح کر دیں اور یہ لوگ معاملے کے سارے پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی بیعت کریں۔ اس سے یہ بھی پتہ لگانا مقصود

ابقہ نوت گذشتہ صفحہ اور امام حاکم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے مختصر السیرہ شیخ عبد اللہ نجدی ص ۱۵۵۔ ابن اسحاق نے قریب قریب ہی چیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ البتہ اس میں ایک دفعہ کا اضافہ ہے جو یہ ہے کہ ہم اہل حکومت سے حکومت کے لیے نزاع نہ کریں گے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۲۵۲

۱/۲۵۲ ابن ہشام

تھا کہ قوم کس حد تک قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب لوگ بیعت کے لیے جمع ہو گئے تو حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضله نے کہا: تم لوگ جانتے ہو کہ ان سے (اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا) کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ جی ہاں کی آوازوں پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم ان سے سرخ اور سیاہ لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ جب تمہارے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور تمہارے اشراف قتل کر دئے جائیں گے تو تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو؛ کیونکہ اگر تم نے انہیں لے جانے کے بعد چھوڑ دیا تو یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہوگی۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود وہ عہد نبھاؤ گے جس کی طرف تم نے انہیں بلایا ہے تو پھر بے شک تم انہیں لے لو۔ کیونکہ یہ خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اس پر سب نے بیک آواز کہا! ہم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کا خطرہ مول لے کر انہیں قبول کرتے ہیں۔ ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے یہ عہد پورا کیا تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ لوگوں نے عرض کی: اپنا ہاتھ پھیلائیے! آپ نے ہاتھ پھیلا دیا اور لوگوں نے بیعت کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت ہم بیعت کرنے اٹھے تو حضرت اسعد بن زرارہ نے۔ جو ان ستر آدمیوں میں سب سے کم عمر تھے۔ آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے: اہل شرب ذرا ٹھہر جاؤ! ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کیلجے مار کر (یعنی لمبا چوڑا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں سارے عرب سے دشمنی، تمہارے چیدہ سرداروں کا قتل، اور تلواروں کی مار۔ لہذا اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تب تو انہیں لے چلو، اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو انہیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول عذر ہو گا۔

بیعت کی تفصیل | بیعت کی دفعات پہلے ہی طے ہو چکی تھیں، ایک بار نزاکت کی وضاحت بھی ہو چکی تھی۔ اب یہ تاکید مزید ہوتی تو لوگوں نے بیک آواز کہا: اسعد بن

زرارہ! اپنا ہاتھ ہٹاؤ۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ توڑ سکتے ہیں۔

اس جواب سے حضرت اسعدؓ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ قوم کس حد تک اس راہ میں جان دینے کے لیے تیار ہے۔ — درحقیقت حضرت اسعد بن زرارہؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مل کر مینے میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے، اس لیے طبعی طور پر وہی ان بیعت کنندگان کے دینی سربراہ بھی تھے اور اسی لیے سب سے پہلے انہیں نے بیعت بھی کی۔ چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نبو النجار کہتے ہیں کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے ہاتھ ملایا۔ اور اس کے بعد بیعت عامہ ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک ایک آدمی کر کے اُٹھے اور آپ ﷺ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے عوض جنت کی بشارت دی۔ تا باقی رہیں دو عورتیں جو اس موقع پر حاضر تھیں تو ان کی بیعت صرف زبانی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت سے مصافحہ نہیں کیا۔ اللہ

بارہ نقیب بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب ہوں اور اس بیعت کی دفعات پر عمل درآمد کے لیے اپنی قوم کی طرف سے وہی ذمے دار اور مکلف ہوں۔ آپ کا ارشاد تھا کہ آپ لوگ اپنے اندر سے بارہ نقیب پیش کیجئے تاکہ وہی لوگ اپنی اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ آپ کے اس ارشاد پر فوراً ہی نقیبوں کا انتخاب عمل میں آ گیا۔ نو خزانج سے منتخب کئے گئے اور تین اؤس سے۔ نام یہ ہیں :-

خزانج کے نقباء:

- ۱۔ اسعد بن زرارہ بن عدس
- ۲۔ سعد بن ربیع بن عمرو
- ۳۔ عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ
- ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان
- ۵۔ برادر بن معرور بن صحز
- ۶۔ عبادہ بن صامت بن قیس
- ۷۔ عبد اللہ بن عمرو بن حرام
- ۸۔ سعد بن عبادہ بن دلیم

ابن اسحاق کا یہ بھی بیان ہے کہ نبو عبد الاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوالہشیم بن تیہان نے بیعت کی اور حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں کہ برادر بن معرور نے کی (ابن ہشام ۱/۴۴۷)۔ راقم کا خیال ہے کہ ممکن ہے بیعت سے پہلے نبی ﷺ سے حضرت ابوالہشیم اور برادر کی جو گفتگو ہوئی تھی۔ لوگوں نے اسی کو بیعت شمار کر لیا ہو ورنہ اس وقت آگے بڑھائے جانے کے سب سے زیادہ حقدار حضرت اسعد بن زرارہ ہی تھے۔ واللہ اعلم

۹۔ مُنْذِرُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ خَنْسِيسٍ

اَوْسُ كِے نَقَبَاءِ!

۱۔ اُسَيْدُ بْنُ حُنَيْرِ بْنِ سَمَاكٍ

۲۔ سَعْدُ بْنُ خَيْثَمَةَ بْنِ حَارِثِ

۳۔ رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ بْنِ زُبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

جب ان نقباء کا انتخاب ہو چکا تو ان سے سردار اور ذمے دار ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں۔ جیسے حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے کفیل ہوتے تھے اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا کفیل ہوں۔“ ان سب نے کہا: ”جی ہاں۔“

معاہدہ مکمل ہو چکا تھا اور اب لوگ بکھرنے ہی والے تھے کہ ایک شیطان کو اس کا پتا

شیطان معاہدہ کا انکشاف کرتا ہے

لگ گیا۔ چونکہ یہ انکشاف بالکل آخری لمحات میں ہوا تھا اور اتنا موقع نہ تھا کہ یہ خبر چھپے سے قریش کو پہنچا دی جائے، اور وہ اچانک اس اجتماع کے شرکار پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں گھائی ہی میں جا لیں اس لیے اس شیطان نے جھٹ ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز سے، جو شاید ہی کبھی سُنی گئی ہو، یہ پکار لگائی: ”خیمے والو! محمد (ﷺ) کو دیکھو۔ اس وقت بدین اس کے ساتھ ہیں اور تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اس گھائی کا شیطان ہے اور اللہ کے دشمن اسن، اب میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے ڈیروں پر چلے جائیں۔

قریش پر ضرب لگانے کے لیے انصار کی مستعدی

اس شیطان کی آواز سن کر حضرت عباس بن عبدالمطلب نے

نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! میں نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ چاہیں تو ہم کل اہل منیٰ

۱۲۔ زبیر، حرف ب سے۔ بعض لوگوں نے ب کی جگہ ن کہا ہے۔ یعنی زبیر۔ بعض اہل سیر نے رفاعہ کے بدلے ابو الہشیم بن تیہان کا نام درج کیا ہے۔

پر اپنی تواریوں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے بس آپ لوگ اپنے ڈیروں میں چلے جائیں۔ اس کے بعد لوگ واپس جا کر سو گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ۱۵

یہ خبر قریش کے کانوں تک پہنچی تو غم و الم کی شدت سے ان کے اندر کھرام مچ گیا کیونکہ

روساہ شرب سے قریش کا احتجاج

اس جیسی بیعت کے جو نتائج ان کی جان و مال پر مرتب ہو سکتے تھے اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا؛ چنانچہ صبح ہوتے ہی ان کے روسا اور اکابر مجرمین کے ایک بھاری بھر کم وفد نے اس معاہدے کے خلاف سخت احتجاج کے لیے اہل شرب کے خیموں کا رخ کیا، ادویوں عرض پرداز ہوئے:

”خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب کو ہمارے درمیان سے نکال لے جانے کے لیے آتے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے لیے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے۔“ ۱۶

لیکن چونکہ مشرکین خزرج اس بیعت کے بارے میں سرے سے کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ کیونکہ یہ مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیر عمل آئی تھی اس لیے ان مشرکین نے اللہ کی قسم کھا کھا کر یقین دلایا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں ہے، ہم اس طرح کی کوئی بات سرے سے جانتے ہی نہیں۔ بالآخر یہ وفد عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس پہنچا۔ وہ بھی کہنے لگا: یہ باطل ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے، اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر ڈالے۔ اگر میں شرب میں ہوتا تو بھی مجھ سے مشورہ کتے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی۔“

باقی رہے مسلمان تو انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ سا دھلی۔ ان میں سے کسی نے ہاں یا نہیں کے ساتھ زبان ہی نہیں کھولی۔ آخر روسا قریش کا رجحان یہ رہا کہ مشرکین کی بات سچ ہے اس لیے وہ نامراد واپس چلے گئے۔

خبر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب

روسا مگر تقریباً اس یقین کے ساتھ چلے گئے تھے کہ یہ خبر غلط ہے لیکن اس کی کرید میں وہ برابر لگے رہے۔

بالآخر انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے اور بیعت ہو چکی ہے۔ لیکن یہ پتا اس وقت چلا جب

حُجَّاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یشرب کا پیچھا کیا لیکن موقع نکل چکا تھا، البتہ انہوں نے سعد بن عبادہ اور مُنذر بن عمرو کو دیکھ لیا اور انہیں جا کھڑا لیکن مُنذر زیادہ تیز رفتاری ثابت ہوئے اور نکل بھاگے البتہ سعد بن عبادہ پکڑ لئے گئے اور ان کا ہاتھ گردن کے پیچھے انہیں کے کجاوے کی رسی سے باندھ دیا گیا؛ پھر انہیں راستے پیٹنے اور بال نوچتے ہوئے مکہ لے جایا گیا، لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آکر پھڑا دیا کیونکہ ان دونوں کے جو قافلے مدینے سے گزرتے تھے وہ حضرت سعدی کی پناہ میں گزرتے تھے۔ ادھر انصار ان کی گرفتاری کے بعد باہم مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ دھاوا بول دیا جائے مگر اتنے میں وہ دکھائی پڑ گئے۔ اس کے بعد تمام لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

یہی عقبہ کی دوسری بیعت ہے جسے بیعت عقبہ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ایک ایسی فضا میں زیرِ عمل آئی جس پر محبت و وفاداری، مستشرقانِ ایمان کے درمیان تعاون و تناصر، باہمی اعتماد، اور جاں سپاری و شجاعت کے جذبات چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ میری اہل ایمان کے دل اپنے کمزور کئی بھائیوں کی شفقت سے لبریز تھے۔ ان کے اندر ان بھائیوں کی حمایت کا جوش تھا اور ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ تھا۔ ان کے سینے اپنے اس بھائی کی محبت سے سرشار تھے جسے دیکھے بغیر محض لہنی اللہ اپنا بھائی قرار دے لیا تھا۔

اور یہ جذبات و احساسات محض کسی عارضی کشش کا نتیجہ نہ تھے جو دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا منبع ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب تھا۔ یعنی وہ ایمان جو ظلم و عدوان کی کسی بڑی سے بڑی قوت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا؛ وہ ایمان کہ جب اس کی بادِ بہاری چلتی ہے تو عقیدہ و عمل میں عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی ایمان کی بدولت مسلمانوں نے صفحاتِ زمانہ پر ایسے ایسے کارنامے ثبت کئے اور ایسے آثار و نشانات چھوڑے کہ ان کی نظیر سے ماضی و حاضر خالی ہیں۔ اور غالباً مستقبل بھی خالی ہی رہے گا۔



ہجرت کے ہراول دستے

جب دوسری بیعتِ عقبہ مکمل ہو گئی۔ اسلام، کفر و جہالت کے تق و دق صحرا میں اپنے ایک وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور یہ سب سے اہم کامیابی تھی جو اسلام نے اپنی دعوت کے آغاز سے اب تک حاصل کی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے اس نئے وطن کی طرف ہجرت کر جائیں۔

ہجرت کے معنی یہ تھے کہ سارے مفادات تھج کر اور مال کی قربانی دے کر محض جان بچالی جائے اور وہ بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ جان بھی خطرے کی زد میں ہے۔ ابتدائی راہ سے انتہائی راہ تک کہیں بھی ہلاک کی جاسکتی ہے۔ پھر سفر بھی ایک مہم مستقبل کی طرف ہے۔ معلوم نہیں آگے چل کر ابھی کون کون سے مصائب اور غم و الم رونا ہوں گے۔

مسلمانوں نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے ہجرت کی ابتداء کر دی۔ ادھر مشرکین نے بھی ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس میں خطرات مضمحل ہیں۔ ہجرت کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے ہاجر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ابن اسحاق کے بقول بیعتِ عقبہ کبریٰ سے ایک سال پہلے ہجرت کی تھی، ان کے ہمراہ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ جب انہوں نے روانہ ہونا چاہا تو ان کے مسرال والوں نے کہا کہ یہ رہی آپ کی بیگم۔ اسکے متعلق تو آپ ہم پر غالب آگئے۔ لیکن یہ بتائیے کہ یہ ہمارے گھر کی لڑکی آخر کس بنا پر ہم آپ کو چھوڑ دیں کہ آپ اسے شہر شہر گھماتے پھریں؟ چنانچہ انہوں نے ان سے ان کی بیوی چھین لی۔ اس پر ابو سلمہ کے گھر والوں کو تاؤ آگیا اور انہوں نے کہا کہ جب تم لوگوں نے اس عورت کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دے سکتے۔ چنانچہ دونوں فریق نے اس بچے کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس سے اس کا ہاتھ اکھڑ گیا۔ اور ابو سلمہ کے گھر والے اس کو اپنے پاس لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ ابو سلمہ نے تنہا مدینہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی روانگی اور اپنے بچے سے محرومی کے

بعد روزانہ صبح صبح اطلع پہنچ جاتیں۔ لڑجہاں یہ ماجرا پیش آیا تھا اور شام تک روتی رہتیں۔ اسی حالت میں ایک سال گذر گیا۔ بالآخر ان کے گھرانے کے کسی آدمی کو ترس آ گیا اور اس نے کہا کہ اس بیچاری کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ اسے خواہ مخواہ اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر رکھا ہے۔ اس پر اُم سلمہؓ سے ان کے گھر والوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت اُم سلمہؓ نے بیٹے کو اس کے دوھیال والوں سے واپس لیا اور مدینہ چل پڑیں۔ اللہ اکبر! کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت کا سفر اور ساتھ میں اللہ کی کوئی مخلوق نہیں، جب تنعم پہنچیں تو عثمان بن ابی طلحہ مل گیا۔ اسے حالات کی تفصیل معلوم ہوئی تو مشایعت کرتا ہوا مدینہ پہنچانے لے گیا اور جب قباء کی آبادی نظر آئی تو بولا "تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے اسی میں چلی جاؤ اللہ برکت دے۔" اس کے بعد وہ مکہ پلٹ آیا۔

۲۔ حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان سے کفار قریش نے کہا: تم ہمارے پاس آئے تھے تو حقیر و فقیر تھے۔ لیکن یہاں آ کر تمہارا مال بہت زیادہ ہو گیا اور تم بہت آگے پہنچ گئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان اور اپنا مال دونوں لے کر چل دو تو بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صہیبؓ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں تو تم میری راہ چھوڑ دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت صہیبؓ نے کہا: اچھا تو پھر ٹھیک ہے، چلو میرا مال تمہارے حوالے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: "صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔ صہیبؓ نے نفع اٹھایا۔"

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عیاش بن ابی ریسہ اور ہشام بن عاص بن وائل نے آپس میں طے کیا کہ فلاں جگہ صبح صبح اکٹھے ہو کر وہیں سے مدینہ کو ہجرت کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ اور عیاشؓ تو وقت مقررہ پر آ گئے۔ لیکن ہشام کو قید کر لیا گیا۔

پھر جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچ کر قبائیں اتر چکے تو عیاشؓ کے پاس ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچے۔ تینوں کی ماں ایک تھی۔ ان دونوں نے عیاشؓ سے کہا: تمہاری ماں نے نذرمانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے گی سر میں کنگھی نہ کرے گی اور دھوپ چھوڑ کر سائے میں نہ آئے گی۔ یہ سن کر عیاشؓ کو اپنی ماں پر ترس آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عیاشؓ سے کہا: "عیاش! دیکھو خدا کی قسم یہ لوگ تم کو محض تمہارے دین سے فتنے میں ڈالنا چاہتے ہیں؛ لہذا ان سے ہوشیار رہو خدا کی قسم اگر تمہاری ماں کو جوؤں نے اذیت پہنچائی تو وہ کنگھی کر لے گی اور اسے مکہ کی ذرا کڑی دھوپ

لگی تو وہ سائے میں چلی جائے گی مگر عیاش نے مانے انہوں نے اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے ان دونوں کے ہمراہ نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "اچھا جب یہی کرنے پر آمادہ ہو تو میری ریوٹنی لے لو۔" یہ بڑی عمدہ اور تیز رو ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا اور لوگوں کی طرف سے کوئی مشکوک حرکت ہو تو نکل بھاگنا۔

عیاش اونٹنی پر سوار ان دونوں کے ہمراہ نکل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ ابو جہل نے کہا: "بھئی میرا یہ اونٹ تو بڑا سخت نکلا؛ کیوں نہ تم مجھے بھی اپنی اس اونٹنی پر پیچھے بٹھا لو۔" عیاش نے کہا: "ٹھیک ہے۔ اور اس کے بعد اونٹنی بٹھا دی۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھائیں تاکہ ابو جہل عیاش کی اونٹنی پر پلٹ آئے؛ لیکن جب تینوں زمین پر آگئے تو یہ دونوں اچانک عیاش پر ٹوٹ پڑے اور انہیں رستی سے جکڑ کر باندھ دیا اور اسی بندھی ہوئی حالت میں دن کے وقت مکہ لائے اور کہا کہ اے اہل مکہ! اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسا ہی کرو جیسا ہم نے اپنے اس بیوقوف کے ساتھ کیا ہے۔"

عازمین ہجرت کا علم ہو جانے کی صورت میں ان کے ساتھ مشرکین جو سلوک کرتے تھے اس کے یہ تین نمونے ہیں؛ لیکن ان سب کے باوجود لوگ آگے پیچھے پے در پے نکلتے ہی رہے چنانچہ بیعت عقبہ کبریٰ کے صرف دو ماہ چند دن بعد مکہ میں رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کچھ ایسے مسلمان ضرور رہ گئے تھے جنہیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ ان دونوں حضرات (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ) کو بھی رسول اللہ ﷺ نے روک رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنا ساز و سامان تیار کر کے روانگی کے لیے حکم خداوندی کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رخت سفر بھی بندھا ہوا تھا۔ لگے

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں

۳ ہشام اور عیاش کفار کی قید میں پڑے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما چکے تو آپ نے ایک روز کہا، کون ہے جو میرے لیے ہشام اور عیاش کو چھڑا لائے۔ ولید بن ولید نے کہا: میں آپ کے لیے ان کو لانے کا ذمہ دار ہوں۔ پھر ولید خفیہ طور پر مکہ گئے اور ایک عورت جو ان دونوں کے پاس کھانا لے جا رہی تھی، اس کے پیچھے پیچھے جا کر ان کا ٹھکانا معلوم کیا۔ یہ دونوں ایک بغیر چھت کے مکان میں قید تھے۔ رات ہوئی تو حضرت ولید دیوار پھلانگ کر ان دونوں کے پاس پہنچے اور بیڑیاں کاٹ کر اپنے اونٹ پر بٹھایا اور مدینہ بھاگ آئے۔ ابن ہشام ۱/۴۴۴ - ۴۴۶ - اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ صحیح بخاری ۱/۵۵۸

سے فرمایا: ”مجھے تمہارا مقام ہجرت دکھلایا گیا ہے۔ یہ لاوسے کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستانی علاقہ ہے۔“ اس کے بعد لوگوں نے مدینے کی جانب ہجرت کی۔ عام مہاجرین حبشہ بھی مدینہ ہی آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سفرِ مدینہ کے لیے ساز و سامان تیار کر لیا۔ (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ذرا رُکے رہو کیونکہ توقع ہے مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔“ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرے باپ آپ پر فدا کیا آپ کو اس کی امید ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ اسکے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ رُکے رہے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انھیں بھی چار ماہ تک ببول کے پتوں کا خوب چارہ کھلایا۔ ۵



قریش کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں

جب مشرکین نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ تیار ہو ہو کر نکل گئے اور بال بچوں اور مال و دولت کو لاد پھاند کر اوس و خزرج کے علاقے میں جا پہنچے تو ان میں بڑا کھرام مچا۔ غم و الم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انہیں ایسا رنج و قلق ہوا کہ اس سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اب ان کے سامنے ایک ایسا عظیم اور حقیقی خطرہ محسوس ہو چکا تھا جو ان کی بت پرستانہ اور اقتصادی اجتماعیت کے لیے چیلنج تھا۔

مشرکین کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے اندر کمال قیادت و رہنمائی کے ساتھ ساتھ کس قدر انتہائی درجہ قوتِ تاثیر موجود ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ میں کیسی عزیمت و استقامت اور کیسا جذبہ فداکاری پایا جاتا ہے۔ پھر اوس و خزرج کے قبائل میں کس قدر قوت و قدرت اور جنگی صلاحیت ہے۔ اور ان دونوں قبائل کے عقلا میں صلح و صفائی کے کیسے جذبات ہیں۔ اور وہ کئی برس تک خانہ جنگی کی تلخیاں چکھنے کے بعد اب باہمی رنج و عداوت کو ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔

انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ یمن سے شام تک بحر احمر کے ساحل سے ان کی جو تجارتی شاہراہ گذرتی ہے۔ اس شاہراہ کے اعتبار سے مدینہ فوجی اہمیت کے کس قدر حساس اور نازک مقام پر واقع ہے۔ درآں حالیکہ ملک شام سے صرف مکہ والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تناسب سے ہوا کرتی تھی۔ اہل طائف وغیرہ کی تجارت اسکے علاوہ تھی اور معلوم ہے کہ اس تجارت کا سارا دار مدار اس پر تھا کہ یہ راستہ پُر امن رہے۔

ان تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یثرب میں اسلامی دعوت کے جڑ پکڑنے اور اہل مکہ کے خلاف اہل یثرب کے صف آرا ہونے کی صورت میں مکہ والوں کے لیے کتنے خطرات

تھے۔ چونکہ مشرکین کو اس گمبھیر خطرے کا پورا پورا احساس تھا جو ان کے وجود کے لیے چیلنج بن رہا تھا اس لیے انہوں نے اس خطرے کا کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا۔ اور معلوم ہے کہ اس خطرے کی اصل بنیاد دعوتِ اسلام کے علمبردار حضرت محمد ﷺ ہی تھے۔

مشرکین نے اس مقصد کے لیے بیعتِ عقبہ کبریٰ کے تقریباً ڈھائی مہینہ بعد ۶۲ھ صفر ۱۲ھ نبوت مطابق

۱۲ ستمبر ۶۲۲ء یوم جمعرات کو دن کے پہلے پہر مکہ کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے خطرناک

اجتماع منعقد کیا۔ اور اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ بہ عجلت تمام پاک کر دیا جائے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مٹا دی جائے۔

اس خطرناک اجتماع میں قبائل قریش کے نمایاں چہرے یہ تھے:

- ۱- ابو جہل بن ہشام قبیلہ بنی مخزوم سے۔
- ۲- جہیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی اور حارث بن عامر، بنی نوفل بن عبد مناف سے
- ۳- شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب، بنی عبد شمس بن عبد مناف سے
- ۴- نضر بن حارث، بنی عبد الدار سے۔
- ۵- ابوالنختری بن ہشام، زمعربن اسود اور حکیم بن عزام بنی اسد بن عبد العزیٰ سے
- ۶- نبلہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج بنی بہم سے
- ۷- امیر بن خلف بنی جمح سے

وقت مقررہ پر یہ نمائندگان دارالندوہ پہنچے تو ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت، عبا اور طے، راستہ روکے، دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابلیس نے کہا: "یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے۔ آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہو گیا ہے۔ باتیں سننا چاہتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو خیر خواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے۔" لوگوں نے کہا بہتر ہے آپ بھی آجائیے، چنانچہ ابلیس بھی ان کے ساتھ اندر گیا۔

پارلیمانی بحث اور نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد پر اتفاق

اجتماع مکمل ہو گیا تو تجویز پیش اور عمل پیش کے سجانے شروع ہوئے اور دیر تک بحث جاری رہی۔ پہلے ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر سے جلا وطن کر دیں۔ پھر ہمیں اس سے

انٹ گوشہ صفا
۱۔ یہ تاریخ علامہ منصور پوری کی دج کردہ تحقیقات کی روشنی میں متعین کی گئی ہے۔ رحمة للعالمین ۱۰۲، ۹۷، ۹۵، ۱۰۲، ۲-۴۶
۲۔ پہلے پھر اس اجتماع کے منعقد ہونے کی دلیل ابن اسحاق کی وہ روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریلؑ نبی ﷺ کی خدمت میں اس اجتماع کی خبر لے کر آئے اور آپ کو ہجرت کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ مجمع بخاری میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو تلا لیتے کہ نبی ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا "مجھے روانگی کی اجازت دے دی گئی ہے" روایت پر تفصیل آگے آرہی ہے۔

کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا اور کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہمارے درمیان پہلے جیسی یگانگت ہو جائے گی۔

مگر شیخ نجدی نے کہا: "نہیں۔ خدا کی قسم یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بات کتنی عمدہ اور بول کتنے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو کچھ اطمینان نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہو اور انہیں اپنا پیرو بنا لینے کے بعد تم پر یورش کر دے اور تمہیں تمہارے شہر کے اندر روند کر تم سے جیسا سلوک چاہے کرے۔ اسکے بجائے کوئی اور تجویز سوچو۔"

ابو البختری نے کہا: "اسے سب سے پہلے بیٹریوں میں جکڑ کر قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو پھر اسی انجام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے دوسرے شاعروں مثلاً زہیر اور نابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے۔"

شیخ نجدی نے کہا: "نہیں خدا کی قسم یہ بھی مناسب رائے نہیں ہے۔ واللہ اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جاتے گی۔ پھر کچھ بعید نہیں کہ وہ لوگ تم پر دھاوا بول کر اس شخص کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں۔ لہذا یہ بھی مناسب رائے نہیں۔ کوئی اور تجویز سوچو!"

یہ دونوں تجاویز پارلیمنٹ رو کر چکی تو ایک تیسری ممبرانہ تجویز پیش کی گئی جس سے تمام ممبران نے اتفاق کیا۔ اسے پیش کرنے والے کا سب سے بڑا مجرم ابو جہل تھا۔ اس نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے لوگوں نے کہا: 'ابو الحکم وہ کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا: 'میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحب نسب اور بانگاجوان منتخب کر لیں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اس طرح کیا رنگ تلوار مار کر قتل کر دیں جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ یوں ہمیں اس شخص سے راحت مل جائے گی اور اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس شخص کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو عبد مناف سارے قبیلوں سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ لہذا دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔"

شیخ نجدی نے کہا: "بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی تجویز اور رائے ہو سکتی ہے تو یہی ہے، باقی سب بیچ۔"

اس کے بعد پارلیمنٹ نے اس ممبرانہ قرارداد پر اتفاق کر لیا اور ممبران اس عزم مصمم کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس گئے کہ اس قرارداد پر عمل فی الفور کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

جب نبی ﷺ کے قتل کی بھرانہ قرار داد طے ہو چکی تو حضرت جبریل علیہ السلام اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی وحی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہاں سے روانگی کی اجازت دے دی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرما دیا کہ آپ ﷺ یہ رات اپنے اُس بستر پر نہ گذاریں جس پر اب تک گزارا کرتے تھے۔

اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام اور مرحلے طے فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہم لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ رسول اللہ ﷺ سر ڈھلکے تشریف لارہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ ﷺ تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ ابو بکر نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ﷺ اس وقت کسی اہم معاملے ہی کی وجہ سے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اجازت طلب کی۔ آپ کو اجازت دی گئی اور آپ ﷺ اندر داخل ہوئے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ہٹا دو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بس آپ کی اہل خانہ ہی ہیں آپ ﷺ پر میرے باپ فدا ہوں اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ نے فرمایا: اچھا تو مجھے روانگی کی اجازت مل چکی ہے۔ ابو بکر نے کہا، ساتھ.... اے اللہ کے رسول! میرے باپ آپ پر فدا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کے مکان کا گھبراؤ

ادھر قریش کے اکابر مجربین نے اپنا سارا دن کتے کی پار لیمان

دارالندوہ کی پہلے پہر کی طے کر وہ قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں گزارا اور اس مقصد کے لیے ان اکابر مجربین میں سے گیارہ سردار منتخب کئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

- | | |
|------------------------------------|---------------------|
| ۱۔ ابو جہل بن ہشام | ۲۔ حکم بن عاص |
| ۳۔ عقبہ بن ابی معیط | ۴۔ نصر بن حارث |
| ۵۔ اُمیہ بن خلف | ۶۔ زُعمہ بن الاسود |
| ۷۔ طعیمہ بن عدی | ۸۔ ابو لہب |
| ۹۔ ابی بن خلف | ۱۰۔ عبیدہ بن الجحاج |
| ۱۱۔ اور اس کا بھائی منبہ بن الجحاج | |

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا تاریک ہو گئی تو یہ لوگ گھات لگا کر نبی ﷺ کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ سو جائیں تو یہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ لگے ان لوگوں کو پورا دُثوق اور نچتہ یقین تھا کہ ان کی یہ ناپاک سازش کامیاب ہو کر رہے گی یہاں تک کہ ابو جہل نے بڑے متکبرانہ اور پرغور انداز میں مذاق و استہزاء کرتے ہوئے اپنے گھیرا ڈالنے والے ساتھیوں سے کہا: محمد (ﷺ) کہتا ہے کہ اگر تم لوگ اس کے دین میں داخل ہو کر اس کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو تمہارے لیے اردن کے باغات جیسی جنتیں ہوں گی۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ان کی طرف سے تمہارے اندر ذبح کے واقعات پیش آئیں گے۔ پھر تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے لیے آگ ہوگی جس میں جلائے جاؤ گے۔

بہر حال اس سازش کے نفاذ کے لیے آدھی رات کے بعد کا وقت مقرر تھا اس لیے یہ لوگ جاگ کر رات گزار رہے تھے اور وقت مقررہ کے منتظر تھے، لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے، اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے بچانا چاہے کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا اور جسے پکڑنا چاہے کوئی اس کو بچا نہیں سکتا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

اس موقع پر وہ کام کیا جسے ذیل کی آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ
وَيْمَكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِينِ ○ (۳۰:۸)

”وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے۔ تاکہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ داؤد چل رہے تھے اور اللہ بھی داؤد چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤد والا ہے۔“

بہر حال قریش اپنے پلان کے نفاذ کی انتہائی تیاری کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھر چھوڑتے ہیں

باوجود فاش ناکامی سے دوچار ہوتے، چنانچہ اس نازک ترین لمحے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری یہ سبز حضرتی چادر اوڑھ کر سو رہو۔ تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔“ رسول اللہ ﷺ یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ مشرکین کی صفیں چھریں اور ایک مٹھی سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی لیکن اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

← وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ
فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ ○ (۹۱:۳۶)

”ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔“

اس موقع پر کوئی بھی مشرک باقی نہ بچا جس کے سر پر آپ ﷺ نے مٹی نہ ڈالی ہو۔ اس کے بعد آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا اور چند میل پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔

حضرت (جنوبی یمن) کی بنی ہوئی چادر حضرتی کہلاتی ہے۔

ادھر محاصرین وقتِ صفر کا انتظار کر رہے تھے لیکن اس سے ذرا پہلے انہیں اپنی ناکامی و نامرادی کا علم ہو گیا۔ ہوا یہ کہ ان کے پاس ایک غیر متعلق شخص آیا اور انہیں آپ ﷺ کے دروازے پر دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ کا۔ اس نے کہا، آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے۔ خدا کی قسم! محمد ﷺ تو آپ لوگوں کے پاس سے گذرے اور آپ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اپنے کام کو گئے۔ انہوں نے کہا، بخدا! ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا اور اس کے بعد اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھ پڑے۔

لیکن پھر دروازے کی دراز سے جھانک کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے۔ کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ تو محمد ﷺ سو تپڑے ہیں۔ ان کے اوپر ان کی چادر موجود ہے۔ چنانچہ یہ لوگ صبح تک وہیں ڈٹے رہے۔ ادھر صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اُٹھے تو مشرکین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے معلوم نہیں۔ ۹

رسول اللہ ﷺ ۲۴ صفر سنہ نبوت مطابق ۱۲-۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی درمیانی رات اپنے مکان سے نکل کر جان و مال کے سلسلے میں اپنے سب سے قابلِ اعتماد ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے تھے اور وہاں سے پھوٹنے کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے باہر کی راہ لی تھی تاکہ مکہ سے جلد از جلد یعنی طلوع فجر سے پہلے پہلے باہر نکل جائیں۔

چونکہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانفشانی سے آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جائیں گے اور جس راستے پر پہلے ان کی نظر اُٹھے گی وہ مدینہ کا کارروانی راستہ ہوگا جو شمال کے رخ پر جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کے بالکل اُلٹ تھا یعنی مین جانے والا راستہ جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ ﷺ نے اس راستے پر کوئی پانچ میل

۹ ایضاً ایضاً

نیل رحمت للعالمین ۱/۹۵۔ صفر کا یہ مہینہ چودھویں سنہ نبوت کا اس وقت ہوگا جب سنہ کا آغاز محرم کے مہینے سے مانا جائے اور اگر سنہ کی ابتداء اسی مہینے سے کریں جس میں آپ ﷺ کو نبوت سے مشرف کیا گیا تھا تو صفر کا یہ مہینہ قطعی طور پر تیسریوں سنہ نبوت کا ہوگا۔ امام اہل سیر نے کہیں پہلا حساب اختیار کیا ہے اور کہیں دوسرا جسکی وجہ سے وہ واقعات کی ترتیب میں غلطی اور غلطی میں پڑ گئے ہیں ہم نے سنہ کا آغاز محرم سے مانا ہے۔

کا فاصلہ طے کیا اور اس پہاڑ کے دامن میں پہنچے جو ثور کے نام سے معروف ہے۔ یہ نہایت بلند پونچ اور شکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نشانِ قدم چھپانے کے لیے پنچوں کے بل چل رہے تھے اس لیے آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ ﷺ کو اٹھایا اور دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار کے پاس جا پہنچے جو تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے معروف ہے۔

غار کے پاس پہنچ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "خدا کے لیے ابھی آپ ﷺ اس میں داخل نہ ہوں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھے لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی چیز ہوتی

غار میں

تو آپ ﷺ کے بجائے مجھے اس سے سابقہ پیش آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور غار کو صاف کیا۔ ایک جانب چند سوراخ تھے۔ جنہیں اپنا تہ بند پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ باقی بچ رہے۔ حضرت ابو بکر نے ان دونوں پر اپنے پاؤں رکھ دیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اندر تشریف لائیں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا مگر اس ڈر سے بے بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جاگ نہ جائیں۔ لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے اور آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی (آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر تمہیں کیا ہوا؟ عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعابِ دہن لگا دیا اور تکلیف جاتی رہی۔

یہاں دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، سینچر اور اتوار کی راتیں چھپ کر گزاریں۔ اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ بھی یہیں رات گزارتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سخن فہم نوجوان تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں حضرات کے پاس سے چلے جاتے اور مکہ میں قریش کے ساتھیوں صبح کرتے گویا انہوں نے یہیں رات گزار ہی ہے پھر آپ دونوں کے خلاف سازش کی جو کوئی بات سنتے اُسے اچھی طرح یاد کر لیتے اور جب

رحمۃ للعالمین ۱/۹۵ مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ ص ۱۶۷

یہاں راتیں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر یہ زہر بھوٹ پڑا یعنی موت کے وقت اس کا اثر پلٹ آیا اور یہی موت کا سبب بنا۔ دیکھئے مشکوٰۃ ۲/۵۵۶ باب مناقب ابی بکر

تاریکی گہری ہو جاتی تو اس کی خبر لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو آسودہ ہو کر دو دھپنی بیٹے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں بانک کر چل دیتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ لگے (مزید یہ کہ) عامر بن فہیرہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد انہیں کے نشانات قدم پر بکریاں بانکتے تھے تاکہ نشانات مٹ جائیں۔ ۱۵

قریش کی تک و دو | ادھر قریش کا یہ حال تھا کہ جب منصوبہ قتل کی رات گزر گئی اور صبح کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ سے نکل

چکے ہیں تو ان پر گویا خون طاری ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اتارا آپ کو گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے اور ایک گھڑی زیر حراست رکھا کہ ممکن ہے ان دونوں کی خبر لگ جائے۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ حاصل نہ ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ برآمد ہوئیں۔ ان سے پوچھا تمہارے ابا کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا، بخدا مجھے معلوم نہیں کہ میرے ابا کہاں ہیں۔ اس پر کفایت خبیث ابو جہل نے ہاتھ اٹھا کر ان کے رخسار پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔ ۱۶

اس کے بعد قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں؛ چنانچہ تکتے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جاریا ہو نہایت کڑا سٹخ پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح یہ اعلان عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو با ان میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے گا اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹوں کا اگر انقدر انعام دیا جائے گا۔ ۱۷ اس اعلان کے نتیجے میں سوار اور پیادے اور نشانات قدم کے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز میں ہر طرف بکھر گئے؛ لیکن نتیجہ اور حاصل کچھ نہ رہا۔

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک بھی پہنچے لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے چنانچہ صحیح بخاری

میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے ساتھ غار میں تھا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آرہے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر! خاموش رہو (ہم) دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں مَا ظَلَمْتُكَ يَا اَبَا بَكْرٍ يَا شَيْخِنَا اللَّهُ شَاكِلُهُمَا۔ ابو بکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے۔^{۱۹}

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشرف فرمایا چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت واپس چلے گئے جب آپ کے درمیان اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

جب جستجو کی آگ بجھ گئی، تلاش کی تھگ و دورک گئی اور تین روز کی مسلسل اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جوش و جذبات سرد پڑ گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لیے نکلنے کا عزم فرمایا۔ عبد اللہ بن اریقظ قریش سے، جو صحرائی اور بیابانی راستوں کا ماہر تھا، پہلے ہی اجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ یہ شخص ابھی قریش ہی کے دین پر تھا لیکن قابل اطمینان تھا اس لیے سواریاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں اور طے ہوا تھا کہ تین راتیں گزر جانے کے بعد وہ دونوں سواریاں لے کر غار ثور پہنچ جائے گا۔ چنانچہ جب دو شنبہ کی رات آئی جو ربیع الاول ۱۱ھ کی چاند رات تھی (مطابق ۶ ستمبر ۶۲۲ء) تو عبد اللہ بن اریقظ سواریاں لے کر آگیا اور اسی موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں افضل ترین اونٹنی پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ آپ میری ان دو سواریوں میں سے ایک قبول فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیمتہ لوں گا۔“

ادھر اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی زاد سفر لے کر آئیں مگر اس میں لشکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت اسماء نے توشہ لشکانا چاہا تو دیکھا کہ اس میں بندھن ہی نہیں

^{۱۹} ایضاً ۱/۵۱۶، ۵۵۸۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اضطراب اپنی جان کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس کا واحد سبب وہی تھا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب قیافہ شناسوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پر آپ کا غم فزوں تر ہو گیا اور آپ نے کہا: کہ اگر میں مارا گیا تو میں محض ایک آدمی ہوں لیکن اگر آپ قتل کر دیے گئے تو پوری امت ہی غارت ہو جائے گی۔ اور اسی موقع پر ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ہے۔ انہوں نے اپنا ٹیکا (کمر بند) کھولا اور دو حصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا اور دوسرا کمر میں باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ عامر بن فیہر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ رہنما عبداللہ بن ارقیط نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔

غار سے روانہ ہو کر اس نے سب سے پہلے یمن کے رُخ پر چلایا اور جنوب کی سمت خوب دوڑنا لے گیا پھر پھم کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا؛ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ واقف نہ تھے شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہ راستہ سالِ بھرا حمر کے قریب ہی تھا اور اس پر شاؤ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس راستے میں جن مقامات سے گزرے ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب راہنما آپ دونوں کو ساتھ لے کر نکلا تو زیریں مکہ سے لے چلا پھر ساحل کے ساتھ چلتا ہوا زیریں عنقافان سے راستہ کاٹا، پھر زیریں اجم سے گذرنا ہوا آگے بڑھا، اور قدید پار کرنے کے بعد پھر راستہ کاٹا اور وہیں سے آگے بڑھتا ہوا خرار سے گذرا، پھر ثنیثہ المرۃ سے، پھر لقف سے پھر بیابان لقف سے گذرا، پھر مجاح کے بیابان میں پہنچا۔ اور وہاں پہلے پھر مجاح کے موڑ سے گذرا پھر ذوالغضون کے موڑ کے نشیب میں چلا پھر ذی کشر کی وادی میں داخل ہوا پھر جدجد کا رخ کیا پھر اجر و پہنچا اور اس کے بعد بیابان تعہن کے اطراف کی وادی ذولم سے گذرا۔ وہاں سجایا اور اسکے بعد فاجہ کا رخ کیا پھر عرج میں اترا پھر رکیہ کے دانے ہاتھ ثنیثہ العاترہ میں چلا یہاں تک کہ وادی رتم میں اترا اور اسکے بعد قبار پہنچ گیا۔

آئیے! اب راستے کے چند واقعات بھی سنتے چلیں۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم لوگ رغار سے نکل کر رات بھر اور دن میں دوپہر تک چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر کا وقت ہو گیا راستہ خالی ہو گیا اور کوئی گذرنے والا نہ رہا تو ہمیں ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے سائے پر دھوپ نہیں آئی تھی۔ ہم وہیں اتر پڑے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے نبی ﷺ کے سونے کے لیے ایک جگہ برابر کی اور اس پر ایک پوسٹین بچھا کر گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ سو جائیں اور میں آپ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کئے لیتا ہوں۔ آپ ﷺ سو گئے اور میں آپ کے گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا

اپنی بکریاں لیے چٹان کی جانب چلا آرہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان سے وہی چاہتا تھا جو ہم نے چاہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا، اے جوان تم کس کے آدمی ہو؟ اس نے مکر یا مدینہ کے کسی آدمی کا ذکر کیا۔ میں نے کہا، تمہاری بکریوں میں کچھ دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ سکتا ہوں۔ اُس نے کہا ہاں! اور ایک بکری پکڑی۔ میں نے کہا ذرا تھن کو مٹی، بال اور تنکے وغیرہ سے صاف کرلو۔ پھر اس نے ایک کاب میں تھوڑا سا دودھ دو یا اور میرے پاس ایک چرمی لوٹا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیئے اور وضو کرنے کے لیے رکھ لیا تھا۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا لیکن گوارا نہ ہوا کہ آپ کو بیدار کروں۔ چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے تو میں آپ کے پاس آیا اور دودھ پر پانی اتر بلا یہاں تک کہ اس کا پچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! پی لیجئے۔ آپ نے پیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا، کیوں نہیں؟ اس کے بعد ہم لوگ چل پڑے۔

۲۔ اس سفر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کے ردیف رہا کرتے تھے یعنی سواری پر حضور کے پیچھے بیٹھا کرتے تھے، چونکہ ان پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے اس لیے لوگوں کی توجہ انہیں کی طرف جاتی تھی۔ نبی ﷺ پر ابھی جوانی کے آثار غالب تھے اس لیے آپ کی طرف توجہ کم جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی آدمی سے سابقہ پڑتا تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتا کہ یہ آپ کے آگے کون سا آدمی ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کا بڑا لطیف جواب دیتے (فرماتے) "یہ آدمی مجھے راستہ بتاتا ہے" اس سے سمجھنے والا سمجھتا کہ وہ یہی راستہ مراد لے رہے ہیں حالانکہ وہ خیر کار راستہ مراد لیتے تھے۔

۳۔ اسی سفر میں آپ ﷺ کا گذر اُمّ مَعْبُدُ خُزَاعِیَہ کے خیمے سے ہوا۔ یہ ایک نمایاں اور توانا خاتون تھیں۔ ہاتھوں میں گھٹنے ڈالے خیمے کے صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والے کو کھلاتی پلاتی رہتیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ پاس میں کچھ ہے؟ بولیں: بخدا ہمارے پاس کچھ ہوتا تو آپ لوگوں کی میزبانی میں تنگی نہ ہوتی، بکریاں بھی دُور دراز ہیں۔ یہ قحط کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری ہے۔ فرمایا، اُمّ مَعْبُدُ! یہ کیسی بکری ہے؟ بولیں: اسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے

دریافت کیا کہ اس میں کچھ دودھ ہے؟ بولیں: "وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت ہے کہ اسے دوہ لوں؟" بولیں: "ہاں میرے ماں باپ تم پر قربان۔ اگر تمہیں اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لو۔" اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں پھیلا دئے۔ تھن میں بھر پور دودھ اتر آیا۔ آپ نے اُمّ معبد کا ایک بڑا سا برتن لیا جو ایک جماعت کو آسودہ کر سکتا تھا اور اس میں اتنا دوا کہ جھاگ اُپر آگیا۔ پھر اُمّ معبد کو پلایا۔ وہ پنی کر شکم سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے تو خود پیا۔ پھر اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوا کہ برتن بھر گیا اور اسے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ کر آگے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان کے شوہر ابو معبد اپنی کمزور بکریوں کو جو ڈبیلے پن کی وجہ سے میل چال چل رہی تھیں، ہانکتے ہوئے آ پہنچے۔ دودھ دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے۔ پوچھا یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ جبکہ بکریاں دور دراز تھیں اور گھر میں دودھ دینے والی بکری نہ تھی بولیں: "بجدا کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے پاس سے ایک بابرکت آدمی گذرا جس کی ایسی اور ایسی بات تھی اور یہ اور یہ حال تھا۔" ابو معبد نے کہا یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اچھا ذرا اس کی کیفیت تو بیان کرو۔ اس پر اُمّ معبد نے نہایت دلکش انداز سے آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا سننے والا آپ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ کتاب کے اخیر میں یہ اوصاف درج کئے جائیں گے۔ یہ اوصاف سن کر ابو معبد نے کہا: "واللہ یہ تو وہی صاحب قریش ہے جس کے بارے میں لوگوں نے قسم قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ ﷺ کی رفاقت اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔"

ادھر کتے میں ایک آواز ابھری جسے لوگ سن رہے تھے مگر اس کا بولنے والا دکھائی نہیں پڑ

رہا تھا۔ آواز یہ تھی۔

رفیقین حلا خیمتی ام معبد
وافلح من امسی رفیق محمد
به من فعال لایجازی وسودد
ومقعدھا للمومنین بمرصد
فانکم ان تسألوا الشاة تشهد

جذی اللہ رب العرش خیر جزائہ
ہما نزل بالبر وارتحلا بہ
فیا لقصی مازوی اللہ عنکم
لیہن بنی کعب مکان فتانہم
سلوا اختکم عن شاتھا واناثھا

”اللہ رب العرش ان دور فقیوں کو بہترین جزا دے جو اُممِ معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اُترے اور خیر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور جو محمد ﷺ کا رفیق ہوا وہ کاٹیا ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو۔ تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا رخ فرمایا ہے کہ ایک جن زبیریں مکہ سے یہ اشعار پڑھتا ہوا آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، اس کی آواز سن رہے تھے لیکن خود اسے نہیں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ بالائی مکہ سے نکل گیا وہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے اس کی بات سنی تو ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا رخ فرمایا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا رخ مدینہ کی جانب ہے۔ ۲۴

۴۔ راستے میں سراقہ بن مالک نے تعاقب کیا اور اس واقعے کو خود سراقہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں اپنی قوم بنی مُذَیج کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آکر ہمارے پاس کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ساحل کے پاس چند افراد دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا یہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں بلکہ تم نے فلاں اور فلاں کو دیکھا ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے گذر کر گئے ہیں۔ پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد اٹھ کر اندر گیا اور اپنی لوتڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ ادھر میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پھوٹے سے باہر نکلا۔ لاتھی کا ایک سرازین پر گھسیٹ رہا تھا اور دوسرا اوپری سر اینچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسبِ معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے یہاں تک کہ میں ان کے قریب آ گیا۔ اس کے بعد گھوڑا مجھ سمیت پھسلا اور میں اس سے گر گیا۔ میں نے اٹھ کر ترشش کی طرف ہاتھ بٹھایا اور پانے کے تیز نکال کر یہ جاننا چاہا کہ میں انہیں ضرور پہنچا سکوں گا یا نہیں تو وہ تیز نکلا جو مجھے ناپسند تھا، لیکن

۲۴ زاد المعاد ۲/۵۳، ۵۴۔ بنو خزاعہ کی آبادی کے محل وقوع کو مد نظر رکھتے ہوئے اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ غار سے روانگی کے بعد دوسرے دن پیش آیا ہوگا۔

میں نے تیر کی نافرمانی کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر دوڑنے لگا یہاں تک کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی قزاقت سن رہا تھا۔ اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے، جبکہ ابوبکر بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں اس سے گر گیا، پھر میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اپنے پاؤں مشکل نکال سکا۔ بہر حال جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھویں جیسا غبار اُڑ رہا تھا۔ میں نے پھر پانے کے تیر سے قسمت معلوم کی اور پھر وہی تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا۔ اس کے بعد میں نے امان کے ساتھ انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ جس وقت میں ان سے روک دیا گیا تھا اسی وقت میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ (غالب) کر رہے گا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کے بدلے دیت (کا انعام) رکھا ہے اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور توشہ اور ساز و سامان کی بھی پیش کش کی مگر انہوں نے میرا کوئی سامان نہیں لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارے متعلق رازداری برتنا۔ میں نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مجھے پروا نہ امن لکھ دیں۔ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر میرے حوالے کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ ۲۵

اس واقعے سے متعلق خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روانہ ہوتے تو قوم ہماری تلاش میں تھی مگر سراقہ بن مالک بن حشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا، اور کوئی ہمیں نہ پاسکا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ سچھا کرنے والا، ہمیں آئینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا،

لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

”غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے“ ۲۶

بہر حال سراقہ تو اُپس ہوا تو دیکھا کہ لوگ تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کہنے لگا ادھر کی کھوج خبر سے

۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۵۴۔ نبی مدلیج کا وطن رابغ کے قریب تھا اور سراقہ نے اس وقت آپ کا پیچھا کیا تھا جب آپ قدیر سے اوپر جا رہے تھے (رزاد المعاد ۲/۵۳) اس لیے اغلب یہ ہے کہ غار سے روانگی کے بعد عیسے دن تعاقب کا یہ واقعہ پیش آیا تھا۔
۲۶ صحیح بخاری ۱/۵۱۶۔ ۲۷ رزاد المعاد ۲/۵۳

چکا ہوں۔ یہاں تمہارا جو کام تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ اس طرح لوگوں کو واپس لے گیا) یعنی دن کے شروع میں تو چڑھا کر رہا تھا اور آخر میں پاسبان بن گیا۔ ۲۷

۵۔ راستے میں نبی ﷺ کو بربیدہ اُٹلی ملے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے اور قریش نے جس زبردست انعام کا اعلان کر رکھا تھا اسی کے لالچ میں نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کی تلاش میں نکلے تھے؛ لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے سامنا ہوا اور بات چیت ہوئی تو نقد دل دے بیٹھے اور اپنی قوم کے سردار میوں سمیت وہیں مسلمان ہو گئے۔ پھر اپنی پگڑھی اتار کر نیزہ سے باندھ لی جس کا سفید پھیرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دُنیا کو عدالت و انصاف سے بھر پور کرنے والا تشریف لارہا ہے۔ ۲۸

۶۔ راستے میں نبی ﷺ کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ملے۔ یہ مسلمانوں کے ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ ملک شام سے واپس آرہے تھے۔ حضرت زبیر نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کو سفید پارچہ جات پیش کئے۔ ۲۹

دوشنبہ ۸۔ ربیع الاول ۱۲ سنہ نبوت یعنی ۱۱ سہ ہجری مطابق ۲۳۔ ستمبر ۶۲۲ء کو رسول اللہ ﷺ قبایم میں وارد ہوئے۔

حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسلمانانِ مدینہ نے مکہ سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سن لی تھی اس لیے لوگ روزانہ صبح ہی صبح حُرّہ کی طرف نکل جاتے اور آپ کی راہ تکے رہتے۔ جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو واپس چلے آتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے کہ ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس۔ جن سے چاندنی چٹک رہی تھی۔ تشریف لارہے ہیں۔ اس نے بیخود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا: عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑ

۲۸ رحمة للعالمین ۱۰/۱ ۲۹ صحیح بخاری عن عروۃ ابن الزبیر ۱/۵۵۲

۲۷ رحمة للعالمین ۱۰۲/۱۔ اس دن نبی ﷺ کی عمر بنبر کسی کمی بیشی کے ٹھیک ترین سال ہوتی تھی اور جو لوگ آپ کی نبوت کا آغاز ۹۔ ربیع الاول ۱۲ سنہ عام الفیل سے مانتے ہیں انکے قول کے مطابق آپ کی نبوت پر ٹھیک تیرہ سال پورے ہوئے تھے۔ البتہ جو لوگ آپ کی نبوت کا آغاز رمضان ۱۲ سنہ عام الفیل سے مانتے ہیں ان کے قول کے مطابق بارہ سال پانچ ہجرت اٹھارہ دن یا بائیس دن ہوئے تھے۔

پڑے۔ ۳۱ اور ہتھیار سج دھج کر استقبال کے لیے امنڈ پڑے)

ابن قیم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف (ساکنانِ قبا) میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعرۃ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے۔ پھر آپ ﷺ سے مل کر تحیہ نبوت پیش کیا اور گرد و پیش پر وانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ وحی نازل ہو رہی تھی۔

→ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ

ذَلِكَ ظَاهِرٌ ○ (۴:۶۶)

”اللہ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل علیہ السلام اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے

آپ کے مددگار ہیں“ ۳۲

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں سے ملنے کے بعد آپ ان کے ساتھ داہنی جانب مڑے اور بنی عمرو بن عوف میں تشریف لائے۔ یہ دو شنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انصار کے جو لوگ آتے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ ﷺ پر سایہ کیا تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ۳۳

آپ ﷺ کے استقبال اور دیدار کے لیے سارا مدینہ امنڈ پڑا تھا۔ یہ ایک تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمینِ مدینہ نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ آج یہود نے بھی حقوقِ نبی کی اس بشارت کا مطلب دیکھ لیا تھا ”کہ اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران سے آیا“ ۳۴ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کلثوم بن ہدم — اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیلثمہ — کے مکان میں قیام فرمایا — پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

ادھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی جو امانتیں

رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے پیدل ہی مدینہ کا رخ کیا اور قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا ۳۵

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کل چار دن ۳۶ (دوشنبہ، منگل، بدھ، جمعرات) یادیں سے زیادہ دن یا پہنچ اور روانگی کے علاوہ ۲۴ دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ یہ آپ ﷺ کی نبوت کے (پہلے ہی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ پانچویں دن (یا بارہویں دن یا چھبیسویں دن) جمعہ کو۔ آپ حکم الہی کے مطابق سوار ہوئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ آپ نے بنو النجار کو۔ جو آپ ﷺ کے ماموں کا قبیلہ تھا۔ طلاع بھیج دی تھی۔ چنانچہ وہ تلواریں حمل کئے حاضر تھے۔ آپ نے ران کی معیت میں (مدینہ کا رخ کیا۔ بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ کل ایک سو آدمی تھے۔ ۳۷

جمعہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے **مدینہ میں داخلہ** اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول۔ شہر رسول۔ ﷺ

پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کو چے تقدیس و تحید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں خوشی و مسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں ۳۸

أَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ شَيْبَاتِ الْوَدَاعِ
”ان پہاڑوں سے جو ہیں سوتے جنوب چودھویں کا چاند ہے ہم پر چسٹھا

۳۵ زاد المعاد ۲/۵۴۔ ابن ہشام ۱/۴۹۳۔ رحمة للعالمین ۱/۱۰۲

۳۶ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام ۱/۴۹۴۔ اسی کو علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے رحمة للعالمین ۱/۱۰۲۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبا میں ۲۴ رات قیام فرمایا (۱/۶۱) مگر ایک اور روایت میں دس رات سے چند روز زیادہ (۱/۵۵۵) اور ایک تیسری روایت میں چودہ رات (۱/۵۶۰) بتایا گیا ہے۔ ابن قیم نے اسی آخری روایت کو اختیار کیا ہے مگر ابن قیم نے خود تصریح کی ہے کہ آپ قبا میں دوشنبہ کو پہنچے تھے اور وہاں سے جمعہ کو روانہ ہوئے تھے۔ (زاد المعاد ۲/۵۵۵) اور معلوم ہے کہ دوشنبہ اور جمعہ دو الگ الگ ہفتوں کا لیا جائے تو پہنچ اور روانگی کا دن چھوڑ کر کل مدت دس دن ہوتی ہے اور پہنچ اور روانگی کا دن شامل کر کے ۱۲ دن ہوتی ہے اس لیے کل مدت چودہ دن کیسے ہو سکے گی۔

۳۷ صحیح بخاری ۱/۵۵۵، ۵۶۰۔ زاد المعاد ۲/۵۵۔ ابن ہشام ۱/۴۹۴۔ رحمة للعالمین ۱/۱۰۲۔

۳۸ اشعار کا یہ ترجمہ علامہ منصور پوری نے کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ اشعار (باقی لکھے صفحہ پر)

وَجِبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

کیا عمدہ دین اور تسلیم ہے شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

اِيَّهَا الْمُبْعُوْتُ فِينَا جِئْتُ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

سے اطاعت فرض تیرے حکم کی بیجئے والا ہے تیرا کبریا ۳۸

انصار اگرچہ بڑے دولت مند نہ تھے لیکن ہر ایک کی یہی آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ

اس کے یہاں قیام فرمائیں؛ چنانچہ آپ ﷺ انصار کے جس مکان یا محلے سے گذرتے وہاں

کے لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑتے اور عرض کرتے کہ تعداد و سامان اور ہتھیار و حفاظت فرشِ راہ

ہیں تشریف لائیے؛ مگر آپ ﷺ فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمور

ہے۔ چنانچہ اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر پہنچ کر بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی ہے؛ لیکن آپ

ﷺ نیچے نہیں اترے یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ

آئی اور اپنی پہلی جگہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نیچے تشریف لائے۔ یہ آپ کے نہیال

والوں یعنی بنو نجار کا محلہ تھا اور یہ اونٹنی کے لیے محض توفیق الہی تھی کیونکہ آپ ﷺ نہیال

میں قیام فرما کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہتے تھے۔ اب بنو نجار کے لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے

جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے عرض معروض شروع کی لیکن ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

نے پیک کر کجاواہ اٹھایا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے،

آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔ ادھر حضرت اسد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آکر اونٹنی کی نکیل

پکڑ لی۔ چنانچہ یہ اونٹنی انہیں کے پاس رہی۔ ۳۹

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے

کس آدمی کا گھر زیادہ قریب ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا، اے اللہ کے رسول! یہ رہا

میرا مکان اور یہ رہا میرا دروازہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ! اور ہمارے لیے قبولہ کی جگہ تیار

بقیہ نوٹ گذشتہ صفحہ تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی پر پڑھے گئے تھے اور جو یہ کہتا ہے کہ مدینہ میں

آپ ﷺ کے داخلے کے موقع پر پڑھے گئے تھے اسے وہم ہوا ہے (زاد المعاد ۱۰/۳) لیکن

علامہ ابن قیم نے اس کے وہم ہونے کی کوئی تشفی بخش دلیل نہیں دی ہے۔ ان کے برخلاف علامہ منصور پوری

نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ اشعار مدینہ میں داخلے کے وقت پڑھے گئے اور ان کے پاس اس کے ناقابل

کر دو۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ دونوں حضرات تشریف لے چلیں اللہ برکت دے۔
 چند دن بعد آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت سُوْدَہِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اور آپ
 کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور اُمِّ اُمِّمْنُ بھی آگئیں۔ ان
 سب کو حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہ بھی تھیں لے کر
 آئے تھے؛ البتہ نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت ابوالعاصؓ کے پاس
 باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آنے نہیں دیا اور وہ جنگ بدر کے بعد تشریف لاسکیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت
 ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار آگیا۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ۔ ابا جان
 آپ کا کیا حال ہے؟ اور اسے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ
 کو بخار آتا تو یہ شر پڑھتے!

كُلُّ امْرِيٍّ مُصْبِحٌ فِيْ اَهْلِهِ وَالْمَوْتُ اَدْفَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

”ہر آدمی سے اس کے اہل کے اندر صبح بخیر کہا جاتا ہے حالانکہ موت اُس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔“
 اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالت کچھ سنبھلتی تو وہ اپنی کربتاک آواز بلند کرتے اور کہتے:

الاليت شعري هل ابين لييلة بواد و حولي اذ خرو و جليل
 وهل اردون يوما مياہ مجنة وهل يبيدون لي شامة و طفيل

”کاش میں جانتا کہ کوئی رات وادی دکنہ میں گزار سکوں گا اور میرے گرد و اذخرا اور جلیل دکھائیں گے،
 ہوں گی۔ اور کیا کسی دن مجھ کے چشمے پر وارد ہو سکوں گا اور مجھے شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھلائی پڑیں گے۔“
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر
 اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر
 دے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے
 صاع اور مد رغلے کے پیمانوں میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے محض پہنچا دے۔ اللہ
 نے آپ ﷺ کی دُعائیں لی اور حالات بدل گئے۔

یہاں تک حیات طیبہ کی ایک قسم اور اسلامی دعوت کا ایک دور (یعنی کئی دور) پورا ہو جاتا ہے۔

مدنی زندگی

مدنی عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- پہلا مرحلہ : جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کئے گئے اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں

اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کیں۔ یہ مرحلہ صلح

حُدُیْبِیَّة ذی قعدہ ۳؎ پر ختم ہو جاتا ہے۔

۲- دوسرا مرحلہ : جس میں بُت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی یہ فتح مکہ رمضان ۵؎ پر

منفہی ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شاہانِ عالم کو دعوتِ دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔

۳- تیسرا مرحلہ : جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئی۔ یہی مرحلہ مدینہ میں

قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات

مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاول ۶؎ تک محیط ہے۔

ہجرت کے وقت مدینہ کے حالات

ہجرت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ فتنے اور تمسخر کا نشانہ بننے سے نجات حاصل کر لی جائے بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل تھا کہ ایک پُر امن علاقے کے اندر ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون کیا جائے۔ اسی لیے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ اس وطن جدید کی تعمیر میں حصہ لے اور اس کی پختگی، حفاظت اور رفعتِ شان میں اپنی کوشش صرف کرے۔

یہ بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس معاشرے کی تشکیل کے امام، قائد اور رہنما تھے اور کسی نزاع کے بغیر سارے معاملات کی باگ ڈور آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کو تین طرح کی قوموں سے سابقہ درپیش تھا جن میں سے ہر ایک کے حالات دوسرے سے بالکل جدا گانہ تھے اور ہر ایک قوم کے تعلق سے کچھ خصوصی مسائل تھے جو دوسری قوموں کے مسائل سے مختلف تھے۔ یہ تینوں اقوام حسب ذیل تھیں :

- ۱- آپ ﷺ کے پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی منتخب اور ممتاز جماعت۔
- ۲- مدینے کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین، جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے۔

۳- یہود

الف) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے آپ ﷺ کو جن مسائل کا سامنا تھا ان کی توضیح یہ ہے کہ ان کے لیے مدینے کے حالات نئے کے حالات سے قطعی طور پر مختلف تھے۔ نئے میں اگرچہ ان کا کلمہ ایک تھا اور ان کے مقاصد بھی ایک تھے مگر وہ خود مختلف گھرانوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور مجبور و مقہور اور ذلیل و کمزور تھے۔ ان کے ہاتھ میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہ تھا۔ سارے اختیارات دشمنانِ دین کے ہاتھوں میں تھے اور دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ جن اجزاء اور لوازمات سے قائم ہوتا ہے مکہ کے مسلمانوں کے پاس وہ اجزاء سرے سے تھے ہی نہیں کہ ان کی بنیاد پر کسی نئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سورتوں میں صرف اسلامی مبادیات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور صرف ایسے احکامات نازل کئے گئے ہیں جن پر ہر آدمی تنہا عمل کر سکتا ہے۔ اس کے

علاوہ نیکی بھلائی اور مکارم اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے اور رذائل و ذلیل کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے برخلاف مدینے میں مسلمانوں کی تمام کار پہلے ہی دن سے خود ان کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ ان پر کسی دوسرے کا تسلط نہ تھا اس لیے اب وقت آگیا تھا کہ مسلمان تہذیب و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات، سیاست و حکومت اور صلح و جنگ کے مسائل کا سامنا کریں اور ان کے لیے حلال و حرام اور عبادات و اخلاق وغیرہ مسائل زندگی کی بھرپور تنقیح کی جائے۔

وقت آگیا تھا کہ مسلمان ایک نیا معاشرہ یعنی اسلامی معاشرہ تشکیل کریں جو زندگی کے تمام مرحلوں میں جاہلی معاشرے سے مختلف اور عالم انسانی کے اندر موجود کسی بھی دوسرے معاشرے سے ممتاز ہو اور اس دعوت اسلامی کا نمائندہ ہو جس کی راہ میں مسلمانوں نے تیرہ سال تک طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔

ظاہر ہے اس طرح کے کسی معاشرے کی تشکیل ایک دن، ایک ہینڈ یا ایک سال میں نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے تاکہ اس میں آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ احکام صادر کئے جائیں۔ اور قانون سازی کا کام مشق و تربیت اور عمل نفاذ کے ساتھ ساتھ مکمل کیا جائے۔ اب جہاں تک احکام و قوانین صادر اور فراہم کرنے کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا کفیل تھا اور جہاں تک ان احکام کے نفاذ اور مسلمانوں کی تربیت و رہنمائی کا معاملہ ہے تو اس پر رسول اللہ ﷺ مامور تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (۲: ۱۲۹)

”وہی ہے جس نے اُمتوں میں خود انہیں کے اندر سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک و صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور یہ لوگ یقیناً پہلے کھل گرا ہی میں تھے۔“

ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے اور جو حکم صادر ہوتا اس سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے خوشی محسوس کرتے جیسا کہ ارشاد ہے:

.. وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا .. (۲: ۱۸)

جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں۔

چونکہ ان سارے مسائل کی تفصیل ہمارے موضوع میں داخل نہیں اس لیے ہم اس پر بقدر ضرورت گفتگو کریں گے۔

بہر حال یہی سب سے عظیم مسئلہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے تعلق سے درپیش تھا اور بڑے پیمانے پر یہی دعوتِ اسلامیہ اور رسالتِ محمدیہ کا مقصود بھی تھا لیکن یہ کوئی ہنگامی مسئلہ نہ تھا بلکہ مستقل اور دائمی تھا۔ البتہ اس کے علاوہ کچھ دوسرے مسائل بھی تھے جو فوری توجہ کے طالب تھے۔ جن کی مختصر کیفیت یہ ہے :

مسلمانوں کی جماعت میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو خود اپنی زمین، اپنے مکان اور اپنے اموال کے اندر رہ رہے تھے اور اس بارے میں ان کو اس سے زیادہ فکر نہ تھی جتنی کسی آدمی کو اپنے اہل و عیال میں امن و سکون کے ساتھ رہتے ہوئے کرنی پڑتی ہے۔ یہ انصار کا گروہ تھا اور ان میں پشتہا پشت سے باہم بڑی مستحکم عداوتیں اور نفرتیں چلی آرہی تھیں۔ ان کے پہلو پہلو دوسرا گروہ مہاجرین کا تھا جو ان ساری سہولتوں سے محروم تھا اور لٹ پٹ کر کسی نہ کسی طرح تن بہ تغیرِ مدینہ پہنچ گیا تھا۔ ان کے پاس نہ تو رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ تھا نہ پیٹ پالنے کے لیے کوئی کام۔ اور نہ سرے سے کسی قسم کا کوئی مال جس پر ان کی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا ہو سکے، پھر ان پناہ گیر مہاجرین کی تعداد کوئی معمولی بھی نہ تھی اور ان میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا تھا کیونکہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ آجائے؛ اور معلوم ہے کہ مدینے میں نہ کوئی بڑی دولت تھی نہ آمدنی کے ذرائع و وسائل۔ چنانچہ مدینے کا اقتصادی توازن بگڑ گیا اور اسی تنگیِ ترشی میں اسلام دشمن طاقتوں نے بھی مدینے کا تقریباً اقتصادی بائیکاٹ کر دیا جس سے درآمدات بند ہو گئیں اور حالات انتہائی سنگین ہو گئے۔

(ب) دوسری قوم: یعنی مدینے کے اصل مشرک باشندوں۔ کا حال یہ تھا کہ انہیں مسلمانوں پر کوئی بالا دستی حاصل نہ تھی۔ کچھ مشرکین شک و شبہ میں مبتلا تھے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تردد محسوس کر رہے تھے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں کوئی عداوت اور داؤ گھات نہیں رکھ رہے تھے۔ اس طرح کے لوگ تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمان ہو گئے اور خالص اور پکے مسلمان ہوئے۔

اس کے برخلاف کچھ مشرکین ایسے تھے جو اپنے سینے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ و عداوت چھپائے ہوئے تھے لیکن انہیں بدرمقابل آنے کی جرأت نہ تھی بلکہ حالات کے پیش نظر آپ ﷺ سے محبت و خلوص کے اظہار پر مجبور تھے۔ ان میں سر فرہست عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کو جنگ بُعات کے بعد اپنا سر براہ بنانے پر اس و خراج نے اتفاق کر لیا تھا حالانکہ اس سے قبل دونوں فریق کسی کی سربراہی پر متفق نہیں ہوئے تھے لیکن اب اس کے لیے مونگوں کا تاج تیار کیا جا رہا تھا تاکہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھ کر اس کی باقاعدہ بادشاہت کا اعلان کر دیا جائے، یعنی یہ شخص مدینے کا بادشاہ ہونے ہی والا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد ہو گئی اور لوگوں کا رُخ اس کے بجائے آپ ﷺ کی طرف ہو گیا اس لیے اسے احساس تھا کہ آپ ہی نے اس کی بادشاہت چھینی ہے، لہذا وہ اپنے نہاں خاتمہ دل میں آپ کے خلاف سخت عداوت چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود جب اس نے جنگ بدر کے بعد دیکھا کہ حالات اس کے موافق نہیں ہیں اور وہ شرک پر قائم رہ کر اب دنیاوی فوائد سے بھی محروم ہو چاہتا ہے تو اس نے بظاہر قبول اسلام کا اعلان کر دیا؛ لیکن وہ اب بھی درپردہ کافر ہی تھا اسی لیے جب بھی اسے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کسی شرارت کا موقع ملتا وہ ہرگز نہ چوکتا۔ اس کے ساتھی عموماً وہ رُوساء تھے جو اس کی بادشاہت کے زیر سایہ بڑے بڑے مناصب کے حصول کی توقع باندھے بیٹھے تھے مگر اب نہیں اس سے محروم ہو جانا پڑا تھا۔ یہ لوگ اس شخص کے شریک کار تھے اور اس کے منصوبوں کی تکمیل میں اس کی مدد کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے بسا اوقات نوجوانوں اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اپنی چابکدستی سے اپنا آلہ کار بنا لیتے تھے۔

(ج) تیسری قوم یہود تھی۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔ یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم و جبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ یہ درحقیقت عبرانی تھے لیکن حجاز میں پناہ گزین ہونے کے بعد ان کی وضع قطع، زبان اور تہذیب وغیرہ بالکل عربی رنگ میں رنگ گئی تھی یہاں تک کہ ان کے قبیلوں اور افراد کے نام بھی عربی ہو گئے تھے اور ان کے اور عربوں کے آپس میں شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم ہو گئے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کی نسلی عصبیت برقرار تھی اور وہ عربوں میں مدغم نہ ہوئے تھے بلکہ اپنی اسرائیلی۔ یہودی۔ قومیت پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو انتہائی حقیر سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں اُمّی کہتے تھے جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ تھا: بدھو، وحشی، رذیل، پسماندہ اور اچھوت۔

ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لیے مباح ہے، جیسے چاہیں کھائیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے،

.. قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمْتَانِ سَبِيلٌ ۗ (۴۵:۳)

”انہوں نے کہا ہم پر اُمتوں کے معاملے میں کوئی راہ نہیں ہے“

یعنی اُمتوں کا مال کھانے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں۔ ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کے لیے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ لے دے کر ان کے پاس دین کی جو پونجی رہ گئی تھی وہ تھی فال گیری، جادو اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔ انہیں چیزوں کی بدولت وہ اپنے آپ کو صاحبِ علم و فضل اور روحانی قائد و پیشوا سمجھتے تھے۔

یہودیوں کو دولت کمانے کے فنون میں بڑی مہارت تھی۔ غلے، کھجور، شراب، اور کپڑے کی تجارت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ غلے، کپڑے اور شراب درآمد کرتے تھے اور کھجور درآمد کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے مختلف کام تھے جن میں وہ سرگرم رہتے تھے۔ وہ اپنے اموال تجارت میں عربوں سے دوگنا تین گنا منافع لیتے تھے اور اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ وہ سود خوار بھی تھے۔ اس لیے وہ عرب شیوخ اور سرداروں کو سودی قرض کے طور پر بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے جنہیں یہ سردار حصولِ شہرت کے لیے اپنی مدح سرائی کرنے والے شعراء وغیرہ پر بالکل فضول اور بے دریغ خرچ کر دیتے تھے۔ ادھر یہود ان رقموں کے عوض ان سرداروں سے ان کی زمینیں، کھیتیاں اور باغات وغیرہ گرو رکھوا لیتے تھے اور چند سال گذرتے گذرتے ان کے مالک بن بیٹھتے تھے۔ یہ لوگ ویسے کاریوں، سازشوں اور جنگ و فساد کی آگ بھڑکانے میں بھی بڑے ماہر تھے۔ ایسی باریکی سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے بیج بونے اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ ان قبائل کو احساس تک نہ ہوتا۔ اس کے بعد ان قبائل میں یہم جنگ برپا رہتی اور اگر خدا نخواستہ جنگ کی یہ آگ سرد پڑتی دکھائی دیتی تو یہود کی خفیہ انگلیاں پھر حرکت میں آجاتیں اور جنگ پھر بھڑک اٹھتی۔ کمال یہ تھا کہ یہ لوگ قبائل کو لڑا بھڑا کر چپ چاپ کنارے بیٹھ رہتے اور عربوں کی تباہی کا تماشا دیکھتے۔ البتہ بھاری بھرم سودی قرض دیتے رہتے تاکہ سرمائے کی کمی کے سبب لڑائی بند نہ ہونے پاتے اور اس طرح وہ دوہرا نفع کھاتے رہتے۔ ایک طرف اپنی یہودی جمعیت کو محفوظ رکھتے اور دوسری طرف سود کا بازار ٹھنڈا نہ پڑنے دیتے بلکہ سود در سود کے ذریعے بڑی بڑی دولت کھاتے۔

غیرب میں ان یہود کے تین مشہور قبیلے تھے۔

۱۔ بنو قینقاع۔ یہ خزرج کے حلیف تھے اور ان کی آبادی مدینے کے اندر ہی تھی۔

۲۔ بنو نضیر۔

۳۔ بنو قریظہ۔ یہ دونوں قبیلے اوس کے حلیف تھے اور ان دونوں کی آبادی مدینے کے اطراف میں تھی۔

ایک مدت سے یہی قبائل اوس و خزرج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکا رہے تھے اور جنگ بعات میں اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوتے تھے۔

فطری بات ہے کہ ان یہود سے اس کے سوا کوئی اور توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ یہ اسلام کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھیں کیونکہ پیغمبران کی نسل سے نہ تھے کہ ان کی نسلی عصبیت کو، جو ان کی نفسیات اور ذہنیت کا جزو لاینفک بنی ہوئی تھی، سکون ملتا۔ پھر اسلام کی دعوت ایک صالح دعوت تھی جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتی تھی۔ بغض و عداوت کی آگ بجھاتی تھی تمام معاملات میں امانتداری برتنے اور پاکیزہ اور حلال مال کھانے کی پابندی بناتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب یثرب کے قبائل آپس میں جڑ جائیں گے اور ایسی صورت میں لازماً وہ یہود کے بچوں سے آزاد ہو جائیں گے؛ لہذا ان کی تاجرانہ سرگرمی ماند پڑ جائے گی اور وہ اس سودی دولت سے محروم ہو جائیں گے جس پر ان کی مالداری کی چکی گردش کر رہی تھی بلکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں یہ قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلا عوض حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ ان زمینوں اور باغات کو واپس نہ لے لیں جنہیں سود کے ضمن میں یہودیوں نے ہتھیایا تھا۔

جب سے یہود کو معلوم ہوا تھا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تب ہی سے انہوں نے ان ساری باتوں کو اپنے حساب میں داخل کر رکھا تھا۔ اسی لیے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے وقت ہی سے یہود کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہو گئی تھی؛ اگرچہ وہ اُس کے مظاہرے کی جسارت خاصی مدت بعد کر سکے۔ اس کیفیت کا بہت صاف صاف پتا ابن اسحاق کے بیان کئے ہوئے ایک واقعے سے لگتا ہے۔

ان کا ارشاد ہے کہ مجھے اُم المومنین حضرت صفیہ بنت محیی بن اخطیب رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ملی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہیں اپنے والد اور چچا ابویاسر کی نگاہ میں اپنے والد کی سب سے چھٹی اولاد تھی۔ میں چچا اور والد سے جب کہی ان کی کسی بھی اولاد کے ساتھ ملتی تو وہ اس کے بجائے مجھے ہی اٹھاتے۔

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قبار میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول فرما ہوئے تو میرے والد محیی بن اخطب اور میرے چچا ابویاسر آپ ﷺ کی خدمت میں صبح تڑکے حاضر ہوئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ بالکل تھکے ماندے، گرتے پڑتے لڑکھڑاتی چال چلتے ہوئے۔ میں نے حسب معمول چپک کر ان کی طرف دوڑ لگائی، لیکن انہیں اس قدر غم تھا کہ بخدا دونوں میں سے کسی نے بھی میری طرف التفات نہ کیا اور میں نے اپنے چچا کو سنا وہ میرے والد محیی بن اخطب سے کہہ رہے تھے۔

کیا یہ وہی ہے؟

انہوں نے کہا ہاں! خدا کی قسم۔

چچا نے کہا آپ انھیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں؟

والد نے کہا ہاں!

چچا نے کہا، تو اب آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا ارادے ہیں؟

والد نے کہا، عداوت — خدا کی قسم — جب تک زندہ رہوں گا۔

اسی کی شہادت صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ملتی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ موصوف ایک نہایت بلند پایہ یہودی علم تھے۔ آپ کو جب بنو لبحار میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں بعجلت تمام حاضر ہوئے اور چند سوالات پیش کئے جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے اور جب نبی ﷺ کی طرف سے ان کے جوابات سنے تو وہیں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ سے کہا کہ یہ یہودی ایک بہتان باز قوم ہے۔ اگر انہیں اس سے قبل کہ آپ کچھ دریافت فرمائیں، میرے اسلام لانے کا پتا لگ گیا تو وہ آپ کے پاس مجھ پر بہتان تراشیں گے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا۔ وہ آئے۔ اور ادھر عبداللہ بن سلام گھر کے اندر چھپ گئے تھے — تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تمہارے اندر کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سردار

ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں، اور ہم میں سب سے افضل ہیں اور سب سے افضل آدمی کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ مسلمان ہو جائے تو؟ یہود نے دو باتیں بارگاہِ اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ برآمد ہوئے اور فرمایا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) اتنا سنا تھا کہ یہود بول پڑے: شَرُّنَا وَاِبْنُ شَرِّنَا۔ ”یہ ہمارا سب سے بُرا آدمی ہے اور سب سے بُرے آدمی کا بیٹا ہے۔“ اور (اسی وقت) ان کی برائیاں شروع کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے جماعت یہود اللہ سے ڈرو۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم لوگ جانتے ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ حق لے کر تشریف لاتے ہیں۔“ لیکن یہودیوں نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔

یہ پہلا تجربہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو یہود کے متعلق حاصل ہوا۔ اور مدینے میں داخلے کے پہلے ہی دن حاصل ہوا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا یہ مدینے کے داخلی حالات سے متعلق تھا۔ بیرونِ مدینہ مسلمانوں کے سب سے کڑے دشمن قریش تھے اور تیرہ سال تک جب کہ مسلمان ان کے زیرِ دست تھے، دہشت مچانے، دھمکی دینے اور تنگ کرنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر چکے تھے۔ طرح طرح کی سختیاں اور مظالم کر چکے تھے۔ منظم اور وسیع پروپیگنڈے اور نہایت صبر آزماتِ نفسیاتی حربے استعمال میں لاپچھے تھے۔ پھر جب مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تو قریش نے ان کی زمینیں، مکانات اور مال و دولت سب کچھ ضبط کر لیا اور مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے؛ بلکہ جس کو پا کے قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں دیں؛ پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ سربراہِ دعوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کی دعوت کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے

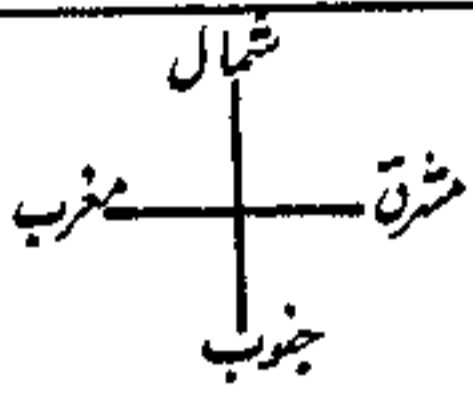
یہ خوفناک سازشیں کیں اور اسے رُوبہ عمل لانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں تب ہی
 جب مسلمان کسی طرح بچ کر کوئی پانچ سو کیلومیٹر دور مدینہ کی سر زمین پر جا پہنچے تو قریش نے اپنی
 ساکھ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھناؤنا سیاسی کردار انجام دیا۔ یعنی یہ چونکہ حرم کے باشندے اور پیٹ اللہ
 کے پڑوسی تھے اور اس کی وجہ سے انہیں اہل عرب کے درمیان دینی قیادت اور دنیادی ریاست
 کا منصب حاصل تھا اس لیے انہوں نے جزیرۃ العرب کے دوسرے مشرکین کو بھڑکا اور درغلا کر
 مدینے کا تقریباً مکمل بائیکاٹ کر دیا جس کی وجہ سے مدینہ کی درآمدات نہایت مختصر رہ گئیں جب کہ
 وہاں مہاجرین پناہ گروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ درحقیقت مکے کے ان سرکشوں اور
 مسلمانوں کے اس نئے وطن کے درمیان حالت جنگ قائم ہو چکی تھی اور یہ نہایت احمقانہ بات ہے
 کہ اس جھگڑے کا الزام مسلمانوں کے سر ڈالا جائے۔

مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کئے گئے تھے اسی طرح وہ بھی ان
 سرکشوں کے اموال ضبط کریں جس طرح انہیں ستیا گیا تھا اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کو ستائیں، اور
 جس طرح مسلمانوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی ان سرکشوں کی
 زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کریں اور ان سرکشوں کو جیسے کو تیسوا والا بدلہ دیں تاکہ انہیں
 مسلمانوں کو تباہ کرنے اور بیخ و بن سے اکھاڑنے کا موقع نہ مل سکے۔

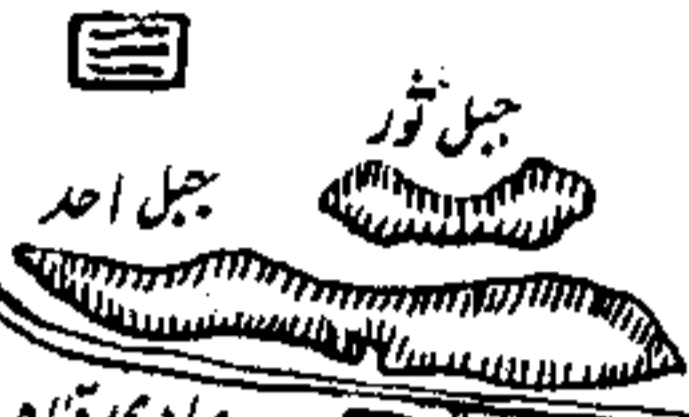
یہ تھے وہ قضایا اور مسائل جن سے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کے بعد
 بحیثیت رسول و دای اور امام و قائد واسطہ درپیش تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مسائل کے تئیں مدینہ میں پیغمبرانہ کردار اور قائدانہ رول
 ادا کیا اور جو قوم نرمی و محبت یا سختی و درشتی جس سلوک کی مستحق تھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا
 اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رحمت و محبت کا پہلو سختی اور درشتی پر غالب تھا، یہاں تک کہ چند
 برسوں میں تمام کار اسلام اور اہل اسلام کے ہاتھ آگئی۔ اگلے صفحات میں انہی باتوں کی تفصیلات
 ہدیہ قارئین کی جائیں گی۔

مدینه بوقت هجرت



زغابه
مجمع الایمال



برف
بئر روم

وادی قنہ
جبل عینین



دیوار بنی حارثہ

دیوار بنی عبدالشہل

دیوار بنی ظفر

دیوار بنی قریظہ



وادی بھجان



عینہ

وادی بھجان

وادی ابراہیم

وادی زینب

وادی عقیقہ

ذوالحلیفہ

عوالی
دیوار بنی ظفر



قلعہ کعب بن اشرف

جبل یوسف

نئے معشرے کی تشکیل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں بنو النجار کے یہاں جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے نزول فرمایا تھا اور اسی وقت فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ یہیں منزل ہوگی۔ پھر آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر | اس کے بعد نبی ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لیے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ زمین قیمتاً خریدی اور بنفس نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔ آپ اینٹ اور پتھر ڈھوتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے،

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ فَاعْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ
اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔
یہ بھی فرماتے سہ

هَذَا الْحِمَالُ لِأَحْمَالِ خَيْبَرَ هَذَا أَبْرُ رَبِّنَا وَأَطْهَرُ
”یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں ہے۔ یہ ہمارے پروردگار کی قسم زیادہ نیک اور پاکیزہ ہے۔“
آپ کے اس طرز عمل سے صحابہ کرام کے جوش و غروش اور سرگرمی میں بڑا اضافہ ہو جاتا تھا چنانچہ صحابہ کرام کہتے تھے،

لَيْنٌ قَعْدَنَا وَالنَّبِيُّ يَعْلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ
”اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی ﷺ کام کریں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہوگا۔“
اس زمین میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ بھی تھا۔ کھجور اور غرقہ کے چند درخت بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی قبریں اکھڑوا دیں، ویرانہ برابر کر دیا، اور کھجوروں اور درختوں کو کاٹ کر قبلے کی جانب لگا دیا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔

دروازے کے بازو کے دونوں پائے پتھر کے بنائے گئے۔ دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوادیتے گئے اور کھجور کے تنوں کے کھجے بنا دیئے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں (چھریاں) بچھا دی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبلے کی دیوار سے پھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کچھ کم تھی۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ گہری تھی۔

آپ ﷺ نے مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کئے جن کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور چھتیں کھجور کے تنوں کی کڑیاں دے کر کھجور کی شاخ اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ یہی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ ان حجروں کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے یہیں منتقل ہو گئے۔

مسجد محض اداۓ نماز ہی کے لیے نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں مسلمان اسلامی تعلیمات و ہدایات کا درس حاصل کرتے تھے اور ایک محفل تھی جس میں مدتوں جاہلی کشاکش و نفرت اور باہمی لڑائیوں سے دوچار رہنے والے قبائل کے افراد اب میل محبت سے مل جل رہے تھے۔ نیز یہ ایک مرکز تھا جہاں سے اس نئی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور مختلف قسم کی ہمیں بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس کی حیثیت ایک پارلیمنٹ کی بھی تھی جس میں مجلس شوریٰ اور مجلس انتظامیہ کے اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے۔

ان سب کے ساتھ ساتھ یہ مسجد ہی ان فقرا و مہاجرین کی ایک خاصی بڑی تعداد کا مسکن تھی جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ اہل و عیال۔

پھر اوائل ہجرت ہی میں اذان بھی شروع ہوئی۔ یہ ایک لاہوتی نعمت تھا جو روزانہ پانچ بار اُفق میں گونجتا تھا اور جس سے پورا عالم وجود لرز اٹھتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدالبرہ رضی اللہ عنہ کے خواب کا واقعہ معروف ہے۔ (تفصیل جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

مُسلِمَانوں میں بھائی چارگی

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماع اور صل و محبت کے ایک مرکز کو

وجودِ نبیؐ اسی طرح آپ ﷺ نے تاریخِ انسانی کا ایک اور نہایت تابناک کا زمانہ انجام دیا جسے مہاجرین و انصار کے درمیان موافقات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابنِ قیم لکھتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبی قرابتداروں کے بجائے ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگِ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ .. (۶:۳۳)

”نسبی قرابتدار اب دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں“ (یعنی وراثت میں)

تو انصار و مہاجرین میں باہمی تواریث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اور بھائی چارہ کرایا تھا جو خود باہم مہاجرین کے درمیان تھا لیکن پہلی بات سی ثابت ہے۔ یوں بھی مہاجرین اپنی باہمی اسلامی اخوت، وطنی اخوت اور رشتہ و قرابتداری کی اخوت کی بنا پر آپس میں اب مزید کسی بھائی چارے کے محتاج نہ تھے جبکہ مہاجرین اور انصار کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔

اس بھائی چارے کا مقصود۔ جیسا کہ محمد غزالی نے لکھا ہے۔ یہ تھا کہ جاہلی عصیتیں تحلیل ہو جائیں۔ حمیت و غیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لیے ہو۔ نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ بلندی و پستی کا معیار انسانیت و تقویٰ کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بھائی چارے کو محض کھوکھلے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا بلکہ اسے ایک ایسا نافذ عمل عہد و پیمان قرار دیا تھا جو خون اور مال سے مربوط تھا۔ یہ خالی خولی سلامی اور مبارکباد نہ تھی کہ زبان پر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ نہ ہو بلکہ اس بھائی چارے کے ساتھ ایشار و غمگساری اور مؤانست کے جذبات بھی مخلوط تھے اور اسی لیے اُس نے اس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کا زمانوں سے پُر کر دیا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مہاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ

نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن زید کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا۔ اس کے بعد حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا: انصار میں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں آپ میرا مال دو حصوں میں بانٹ کر (آدھا لے لیں) اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتادیں میں اُسے طلاق دے دوں اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کہاں ہے؟ لوگوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پیسہ اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ جاتے رہے۔ پھر ایک دن آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کو نہر کتنا دیا ہے؟ بولے: ایک نواۃ گٹھلی کے ہوزن (یعنی کوئی سوا تولہ) سونا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے کہ انصار نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان ہمارے کھجور کے باغات تقسیم فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں انصار نے کہا تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام کر دیا کریں اور ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم نے بات سنی اور مانی۔ ۵

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انصار نے کس طرح بڑھ چڑھ کر اپنے مہاجر بھائیوں کا اعزاز و اکرام کیا تھا اور کس قدر محبت، خلوص، ایثار اور قربانی سے کام لیا تھا اور مہاجرین ان کی اس کرم و نوازش کی کتنی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان سے صرف اتنا ہی حاصل کیا جس سے وہ اپنی ٹوٹی ہوئی معیشت کی کمر سیدھی کر سکتے تھے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ بھائی چارہ ایک نادر حکمت، حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سارے مسائل کا ایک بہترین حل تھا۔

اسلامی تعاون کا پیمانہ

مذکورہ بھائی چارے کی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد و پیمانہ کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشاکش

۴ صحیح بخاری: باب اخبار النسبی ﷺ بین المہاجرین والانصار ۱/۵۵۳

۵ ایضاً باب اذا قال اکفنی مؤنة النخل ۱/۳۱۲

اور قبائلی کشمکش کی بنیاد ڈھادی اور دورِ جاہلیت کے رسم و رواج کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔
ذیل میں اس پیمان کو اس کی وقعت سمیت مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ تحریر ہے محمد نبی ﷺ کی جانب سے قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے
ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ:

۱۔ یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

۲۔ مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے
درمیان معروف اور — انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے
اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور
اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

۳۔ اور اہل ایمان اپنے درمیان کسی بکس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق
عطا و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۴۔ اور سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا
اہل ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جو یا ہوگا۔

۵۔ اور یہ کہ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی
کیوں نہ ہو۔

۶۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر
کی مدد کرے گا۔

۷۔ اور اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہوگا، ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔
۸۔ جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں، ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل
ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۹۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں
مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

۱۰۔ مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۱۔ کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اس

کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہوگا، اس سے قصاص لیا جائے گا۔

سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۳۔ اور یہ کہ سارے مومنین اس کے خلاف ہوں گے۔ ان کے لیے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا

کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

۱۴۔ کسی مومن کے لیے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (یا بدعتی) کی مدد کرے اور

اسے پناہ دے، اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا، اس پر قیامت کے دن اللہ کی

لعنت اور اس کا غضب ہوگا اور اس کا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۵۔ تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رونا ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی

طرف پلٹایا جائے گا۔

اس حکمت بالغہ اور اس دور اندیشی سے رسول اللہ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی بنیادیں استوار

معاشرے پر معنویات کا اثر

کیں لیکن معاشرے کا ظاہری رخ درحقیقت ان معنوی کمالات کا پرتو تھا جس سے نبی ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کی بدولت یہ بزرگ ہستیاں بہرہ ور ہو چکی تھیں۔ نبی ﷺ ان کی تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور مکارم اخلاق کی ترغیب میں مسلسل کوشاں رہتے تھے اور انہیں محبت و بھائی چارگی، مجد و شرف اور عبادت و اطاعت کے آداب برابر سکھاتے اور بتاتے رہتے تھے۔

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ یعنی اسلام میں کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور شناسا اور غیر شناسا بھی کو سلام کرو۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تو اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے پہلی بات جو ارشاد فرمائی

وہ یہ تھی: "اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، ہلہ چھی کرو، اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔" ۱۵

آپ ﷺ فرماتے تھے: "وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور تباہ کاریوں سے مامون و محفوظ نہ رہے۔" ۱۶

اور فرماتے تھے: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔" ۱۷ اور فرماتے تھے: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" ۱۸

اور فرماتے تھے: "سارے مومنین ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔" ۱۹

اور فرماتے: "مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو قوت پہنچاتا ہے۔" ۲۰

اور فرماتے: "اپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے اوپر چھوڑے رہے۔" ۲۱

اور فرماتے: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرے؛ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت (برآری) میں کوشاں ہوگا اللہ اس کی حاجت (برآری) میں ہوگا؛ اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی غم اور دکھ دور کرے گا اللہ اس شخص سے روز قیامت کے دکھوں میں سے کوئی دکھ دور کرے گا؛ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔" ۲۲

اور فرماتے: "تم لوگ زمین والوں پر مہربانی کرو تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا۔" ۲۳

۱۵ ترمذی - ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ۱/۱۶۸
 ۱۶ صحیح مسلم، مشکوٰۃ ۲/۲۲۲ - صحیح بخاری ۱/۶۱ - صحیح مسلم، مشکوٰۃ ۲/۲۲۲
 ۱۷ متفق علیہ، مشکوٰۃ ۲/۲۲۲ - صحیح بخاری ۲/۸۹۰ - صحیح بخاری ۲/۸۹۶
 ۱۸ متفق علیہ، مشکوٰۃ ۲/۲۲۲ - سنن ابی داؤد ۲/۳۳۵ - جامع ترمذی ۲/۱۴

اور فرماتے: "وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کھالے اور اس کے بازو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا رہے۔" ۱۸

اور فرماتے: "مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے مار کاٹ کرنا کفر ہے۔" ۱۹
اسی طرح آپ ﷺ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیتے تھے اور اسے ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ شمار کرتے تھے۔ ۱۹

نیز آپ ﷺ صدقے اور خیرات کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے ایسے ایسے فضائل بیان فرماتے تھے کہ اس کی طرف دل خود بخود کھینچتے چلے جائیں، چنانچہ آپ فرماتے کہ صدقہ گناہوں کو ایسے ہی بچھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ ۲۰

اور آپ ﷺ فرماتے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنا دے اللہ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلا دے اللہ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلا دے اللہ اسے جنت کی ٹہر لگی ہوئی شرابِ طہور پلائے گا۔ ۲۱

آپ ﷺ فرماتے: "آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے، اور اگر وہ بھی نہ پاؤ تو پاکیزہ بول ہی کے ذریعے۔" ۲۲

اور اسی کے پہلو بہ پہلو دوسری طرف آپ مانگنے سے پرہیز کی بھی بہت زیادہ تاکید فرماتے صبر و قناعت کی فضیلتیں سناتے اور سوال کرنے کو سائل کے چہرے کے لیے نوح، خراش اور زخم قرار دیتے۔ ۲۳ البتہ اس سے اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا جو حد درجہ مجبور ہو کر سوال کرے۔

اسی طرح آپ ﷺ یہ بھی بیان فرماتے کہ کن عبادات کے کیا فضائل ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا کیا اجر و ثواب ہے؟ پھر آپ پر آسمان سے جو وحی آتی آپ اس سے مسلمانوں کو بڑی نچنگی کے ساتھ مربوط رکھتے۔ آپ ﷺ وہ وحی مسلمانوں کو پڑھ کر سناتے اور

۱۸ شعب الایمان للبیہقی مشکوٰۃ ۲/۲۲۴ ۱۹ صحیح بخاری ۲/۸۹۳

۱۹ اس مضمون کی حدیث صحیحین میں مروی ہے مشکوٰۃ ۱/۱۲، ۱۶۷

۲۰ احمد، ترمذی، ابن ماجہ - مشکوٰۃ ۱/۱۲

۲۱ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی - مشکوٰۃ ۱/۱۶۹ ۲۲ صحیح بخاری ۱/۱۹۰، ۲/۸۹۰

۲۳ دیکھئے ابوداؤد، ترمذی - نسائی، ابن ماجہ، دارمی - مشکوٰۃ ۱/۱۶۳

مسلمان آپ کو پڑھ کر سنا تے تاکہ اس عمل سے ان کے اندر فہم و تدبیر کے علاوہ دعوت کے حقوق اور پیغمبرانہ فتنے و اریوں کا شعور بھی بیدار ہو۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اخلاقیات بلند کیں، ان کی خدو اوصلاہیتوں کو عروج بخشا اور انہیں بلند ترین اقدار و کردار کا مالک بنایا، یہاں تک کہ وہ انسانی تاریخ میں انبیاء کے بعد فضل و کمال کی سب سے بلند چوٹی کا نمونہ بن گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو طریقہ اختیار کرنا ہو وہ گزرے ہوئے لوگوں کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ زندہ کے بارے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے افضل، سب سے نیک دل، سب سے گہرے علم کے مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کیا، لہذا ان کا فضل پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت سے تمسک کرو کیونکہ وہ لوگ ہدایت کے صراطِ مستقیم پر تھے۔

پھر ہمارے پیغمبرِ عظیم ﷺ خود بھی ایسی معنوی اور ظاہری خوبیوں، کمالات، خدو اوصلاہیتوں، مجدد و فضائل، مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے متصف تھے کہ دل خود بخود آپ کی جانب کھینچے جاتے تھے اور جانیں قربان ہوا چاہتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زبان سے جو نہی کوئی کلمہ صادر ہوتا صحابہ کرام اس کی بجا آوری کے لیے دوڑ پڑتے اور ہدایت رہنمائی کی جو بات آپ ارشاد فرمادیتے اسے عزیز جان بنانے کے لیے گویا ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی بازی لگ جاتی۔

اس طرح کی کوششوں کی بدولت نبی ﷺ مدینے کے اندر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے جو تاریخ کا سب سے زیادہ باکمال اور شرف سے بھرپور معاشرہ تھا اور اس معاشرے کے مسائل کا ایسا خوشگوار حل نکالا کہ انسانیت نے ایک طویل عرصے تک زمانے کی چکی میں پس کر اور اتھاہ تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار کر تھک جانے کے بعد پہلی بار چین کا نس لیا۔ اس نئے معاشرے کے عناصر ایسی بلند و بالا تعلیمات کے ذریعے مکمل ہوئے جس نے پوری پامردی کے ساتھ زمانے کے ہر جھکے کا مقابلہ کر کے اس کا رخ پھیر دیا اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

یہود کے ساتھ معاہدہ

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے رواداری اور کثادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ یہ لوگ اگرچہ درپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کسی محاذ آرائی اور جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا، جس میں انہیں دین و مذہب اور جان و مال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور جلا وطنی، ضبطی، جامد ادا یا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رُخ اختیار نہیں کیا گیا تھا۔

یہ معاہدہ اسی معاہدے کے ضمن میں ہوا تھا جو خود مسلمانوں کے درمیان باہم طے پایا تھا اور جس کا ذکر قریب ہی گذر چکا ہے۔ آگے اس معاہدے کی اہم دفعات پیش کی جا رہی ہیں۔

۱۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین

معاہدے کی دفعات

پر۔ خود ان کا بھی یہی حق ہوگا، اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی۔ اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲۔ یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳۔ اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس

میں تعاون کریں گے۔

۴۔ اور اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷۔ جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ فرج برداشت کریں گے۔

۸۔ اس معاہدے کے سالے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور گشت و خون حرام ہوگا۔

۹۔ اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو

اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۰۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔ جو کوئی شرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور

ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۲۔ یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔

اس معاہدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف ایک وفاقی حکومت

بن گئے جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ

تھے۔ اور جس میں کلمہ نافذہ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی؛ اور اس طرح مدینہ واقعہ اسلام

کا دارالحکومت بن گیا۔

امن و سلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لیے نبی ﷺ نے آئندہ دوسرے

قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معاہدے کئے، جن میں سے بعض بعض کا ذکر

آگے چل کر آئے گا۔



مسلح کشاکش

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی مخالفت قریش کی فتنہ خیزیاں اور عبداللہ بن ابی سہل سے نامور پیام

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ کفار مکہ نے مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے اور جب مسلمانوں نے ہجرت شروع کی تو ان کے خلاف کیسی کیسی کارروائیاں کی تھیں جن کی بنا پر وہ مستحق ہو چکے تھے کہ ان کے اموال ضبط کر لیے جائیں اور ان پر بزن بول دیا جائے مگر اب بھی ان کی حماقت کا سلسلہ بند نہ ہوا اور وہ اپنی ستم رانیوں سے باز نہ آئے بلکہ یہ دیکھ کر ان کا جوش غضب اور بھڑک اٹھا کہ مسلمان ان کی گرفت سے چھوٹ نکلے ہیں اور انہیں مینے میں ایک پُر امن جاتے قرار مل گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو جو ابھی تک کھلم کھلا مشرک تھا۔ اس کی اس حیثیت کی بنا پر ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ وہ انصار کا سردار ہے۔ کیونکہ انصار اس کی سربراہی پر متفق ہو چکے تھے اور اگر اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری نہ ہوتی ہوتی تو اس کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیے ہوتے۔ مشرکین نے اپنے اس خط میں عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک رفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے دو لوگ لفظوں میں لکھا: ”آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے“ اس لیے ہم اللہ کی قسم لکھا کہ کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجئے یا اسے نکال دیجئے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر کے آپ کے سارے مردان جنگی کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے“

اس خط کے پہنچتے ہی عبداللہ بن ابی کے اپنے ان مشرک بھائیوں کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ پڑا اس لیے کہ وہ پہلے ہی سے نبی ﷺ کے خلاف رنج اور کینہ لیے بیٹھا تھا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ہی نے اس سے بادشاہت چھینی ہے چنانچہ

جب یہ خط عبد اللہ بن ابی اور اس کے بت پرست رفقار کو موصول ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع ہو گئے جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "قریش کی دھمکی تم لوگوں پر بہت گہرا اثر کر گئی ہے تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا دینا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟" نبی ﷺ کی یہ بات سن کر لوگ بکھر گئے۔ اس وقت تو عبد اللہ بن ابی جنگ کے ارادے سے باز آ گیا کیونکہ اس کے ساتھی ڈھیلے پڑ گئے تھے یا بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی لیکن حقیقت میں قریش کے ساتھ اس کے روابط درپردہ قائم رہے کیونکہ مسلمان اور مشرکین کے درمیان شر و فساد کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ یہود کو بھی ساٹ رکھا تھا تاکہ اس معاملے میں ان سے بھی مدد حاصل کرے؛ لیکن وہ تو نبی ﷺ کی حکمت تھی جو رہ رہ کر شر و فساد کی بھرکنے والی آگ کو بجھا دیا کرتی تھی۔

اس کے بعد
حضرت سعد

مسلمانوں پر مسجد حرام کا دروازہ بند کئے جانے کا اعلان

بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے اور اُمیہ بن خلف کے ہمان ہوئے۔ انہوں نے اُمیہ سے کہا: "میرے لیے کوئی خلوت کا وقت دیکھو ذرا میں بیت اللہ کا طواف کروں۔" اُمیہ دوپہر کے قریب انہیں لے کر نکلا تو ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے اُمیہ کو مخاطب کر کے کہا: "ابو صفوان تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا: "یہ سعد ہیں۔ ابو جہل نے سعد کو مخاطب کر کے کہا: "اچھا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے بے دینیوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ زعم رکھتے ہو کہ ان کی نصرت و اعانت بھی کرو گے سنو! خدا کی قسم اگر تم ابو صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جاسکتے تھے۔" اس پر حضرت سعد نے باواز بلند کہا: "سن! خدا کی قسم اگر تو نے مجھ کو اس سے روکا تو میں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا جو تجھ پر اس سے بھی زیادہ گراں ہوگی؛ یعنی اہل مدینہ کے پاس سے گذرنے والا تیرا (تجارتی) راستہ۔"

پھر قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا، تم مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے، ہم شرب ہی پہنچ کر تمہارا ستیاناں

مہاجرین کو قریش کی دھمکی

کر دیتے ہیں۔ ۵

اور یہ محض دھمکی نہ تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اتنے مؤکد طریقے پر قریش کی چالوں اور بڑے ارادوں کا علم ہو گیا تھا کہ آپ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا صحابہ کرام کے پہرے میں سوتے تھے چنانچہ صحیح بخاری مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا: کاش آج رات میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سنائی پڑی۔ آپ نے فرمایا: کون ہے؟ جواب آیا: سعد بن ابی وقاص۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ بولے: "میرے دل میں آپ کے متعلق خطرے کا اندیشہ ہوا تو میں آپ کے یہاں پہرہ دینے آ گیا۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعادی۔ پھر سو گئے۔ ۶

یہ بھی یاد رہے کہ پہرے کا یہ انتظام بعض راتوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ مسلسل اور دائمی تھا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے پہرہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔) تب رسول اللہ ﷺ نے قبے سے سڑ نکالا اور فرمایا: لوگو! واپس جاؤ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ ۷

پھر یہ خطرہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ سارے ہی مسلمانوں کو لاحق تھا؛ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء مدینہ تشریف لائے، اور انصار نے انہیں اپنے یہاں پناہ دی تو سارا عرب ان کے خلاف متحد ہو گیا۔ چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔

ان پُرخطر حالات میں جو مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کے لیے چیلنج بنے ہوئے تھے اور جن سے عیاں تھا کہ قریش کسی

جنگ کی اجازت

طرح ہوش کے ناخن لینے اور اپنے ترمذ سے باز آنے کے لیے تیار نہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت فرمادی ؛ لیکن اسے فرض قرار نہیں دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نازل ہوا وہ یہ تھا :

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۲۲﴾ (۲۹:۲۲)

”جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی کیونکہ وہ

مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔“

پھر اس آیت کے ضمن میں مزید چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ یہ اجازت محض جنگ برائے جنگ کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود باطل کے خاتمے اور اللہ کے شعار کا قیام ہے۔ چنانچہ آگے چل کر ارشاد ہوا :

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴿۲۲﴾ (۳۱:۲۲)

”جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار سونپ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔“

صحیح بات جسے قبول کرنے کے سوا چارہ کار نہیں یہی ہے کہ یہ اجازت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی تھی ؛ کئے میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ البتہ وقت نزول کا قطعی تعین مشکل ہے۔

جنگ کی اجازت تو نازل ہو گئی لیکن جن حالات میں نازل ہوئی وہ چونکہ محض قریش کی قوت اور ترمذ کا نتیجہ تھے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے تسلط کا دائرہ قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پھیلا دیں جو مکے سے شام تک آتی جاتی ہے ؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تسلط کے اس پھیلاؤ کے لیے دو منصوبے اختیار کئے۔

(۱) ایک ؛ جو قبائل اس شاہراہ کے ارد گرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک درمیانی علاقے میں آباد تھے ان کے ساتھ حلفِ دوستی و تعاون اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ۔

(۲) دوسرا منصوبہ ؛ اس شاہراہ پر گشتی دستے بھیجنا۔

پہلے منصوبے کے ضمن میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ پچھلے صفحات میں یہود کے ساتھ کئے گئے

جس معاہدے کی تفصیل گذر چکی ہے، آپ نے عسکری مہم شروع کرنے سے پہلے اس طرح کی دوستی و تعاون اور عدم جنگ کا ایک معاہدہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ بھی کیا۔ ان کی آبادی مدینے سے تین مرحلے پر — ۴۵ یا ۵۰ میل کے فاصلے پر — واقع تھی۔ اس کے علاوہ طلایہ گردی کے دوران بھی آپ نے متعدد معاہدے کئے جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

دوسرا منصوبہ سرایا اور غزوات سے تعلق رکھتا ہے جس کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ آتی رہیں گی۔

جنگ کی اجازت نازل ہونے کے بعد ان دونوں منصوبوں کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کی عسکری مہمات کا سلسلہ عملاً شروع ہو گیا۔ طلایہ گردی کی شکل میں فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ اس کا مقصد وہی تھا جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مدینے کے گرد و پیش کے راستوں پر عموماً اور کتے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے اور اس کے احوال کا پتا لگایا جاتا رہے اور ساتھ ہی ان راستوں پر واقع قبائل سے معاہدے کئے جائیں اور شرب کے مشرکین و یہود اور آس پاس کے بدوؤں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مسلمان طاقتور ہیں اور اب انہیں اپنی پرانی کمزوری سے نجات مل چکی ہے۔ نیز قریش کو ان کے بیجا طیش اور نہہور کے خطرناک نتیجے سے ڈرایا جائے تاکہ جس حماقت کی دلدل میں وہ اب تک دھنستے چلے جا رہے ہیں اس سے نکل کر ہوش کے ناخن لیں اور اپنے اقتصاد اور اسباب معیشت کو خطرے میں دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کے خاتمے کے جو عزائم رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جو رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں اور کتے کے کمزور مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں ان سب سے باز آجائیں اور مسلمان جزیرۃ العرب میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آزاد ہو جائیں۔

ان سرایا اور غزوات کے مختصر احوال ذیل میں درج ہیں۔

(۱) سُریۃ السیف البحریۃ۔ رمضان ۱۰ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء

۵ اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ بنفسِ نفس تشریف لے گئے ہوں خواہ جنگ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور سُریۃ وہ فوجی مہم ہے جس میں آپ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔ سرایا اسی سُریۃ کی جمع ہے۔

۶ سیف البحر اس کو زیر پڑھیں گے۔ یعنی ساحل سمندر۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو اس سریرہ کا امیر بنایا اور تیس ہاجرین کو ان کے زیرِ کمان شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کا پتالگانے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ مسلمان عینص تلے کے اطراف میں ساحل سمندر کے پاس پہنچے تو قافلے کا سامنا ہو گیا اور فریقین جنگ کے لیے صف آرا ہو گئے۔ لیکن قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے جو فریقین کا حلیف تھا، دوڑ دھوپ کر کے جنگ نہ ہونے دی۔

حضرت حمزہؓ کا یہ جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علمبردار حضرت ابو مرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲) سریرہ رابع - شوال ۱۱ھ - اپریل ۶۲۳ء

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث بن المطلب کو ہاجرین کے ساتھ سواروں کا رسالہ دے کر روانہ فرمایا۔ رابع کی وادی میں ابوسفیان سے سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ دو سو آدمی تھے۔ فریقین نے ایک دوسرے پر تیر چلائے لیکن اس سے آگے کوئی جنگ نہ ہوئی۔

اس سریرے میں کئی لشکر کے دو آدمی مسلمانوں سے آئے۔ ایک حضرت مقداد بن عمرو البهرانی اور دوسرے عتبہ بن غزو ان المازنی رضی اللہ عنہما۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور کفار کے ساتھ نکلے ہی اس مقصد سے تھے کہ اس طرح مسلمانوں سے جا ملیں گے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کا علم سفید تھا اور علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ بن مطلب بن عبد مناف تھے۔

(۳) سریرہ خزاز - ذی قعدہ ۱۱ھ - مئی ۶۲۳ء

رسول اللہ ﷺ نے اس سریرہ کا امیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر فرمایا اور انہیں بیس آدمیوں کی کمان دے کر قریش کے ایک قافلے کا پتالگانے کے لیے روانہ فرمایا اور

تلے عینص - بحیرہ احمہ کے اطراف میں ینبع اور مروہ کے درمیان ایک مقام ہے۔
تلے خزاز پر زبر اور رپر تشدید، جحفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

یہ تاکید فرمادی کہ خزار سے آگے نہ بڑھیں۔ یہ لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ پانچویں روز صبح خزار پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ ایک دن پہلے جا چکا ہے۔

اس سزے کا علم سفید تھا اور علمبردار حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔

(۴) غزوة ابوار یا ودان^{۱۲}۔ صفر ۲ھ۔ اگست ۶۲۳ھ

اس مہم میں ستر ہاجرین کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے تھے اور مدینے میں حضرت سعد بن عبادہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما دیا تھا۔ مہم کا مقصد قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنا تھا۔ آپ ودان تک پہنچے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔

اسی غزوہ میں آپ نے بنو ضمرہ کے سردار وقت، عمرو بن مخشی الضمیری سے حلیفانہ معاہدہ کیا،

معاہدے کی عبارت یہ تھی

”یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنے جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جوان پر یورش کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی؛ الا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے جب تک سمندر اُن کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انہیں آواز دیں گے تو انہیں آنا ہوگا۔“^{۱۳}

یہ پہلی فوجی مہم تھی جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود تشریف لے گئے تھے اور

پندرہ دن مدینے سے باہر گزار کر واپس آئے۔ اس مہم کے پرچم کا رنگ سفید تھا اور حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔

(۵) غزوة بواط۔ ربیع الاول ۲ھ۔ ستمبر ۶۲۳ھ

اس مہم میں رسول اللہ ﷺ دو صحابہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے بمقصد قریش کا

ایک قافلہ تھا جس میں امیہ بن خلف سمیت قریش کے ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔

آپ رضوی کے اطراف میں مقام بواط تک تشریف لے گئے لیکن کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔

^{۱۲} ودان، وپر زبر۔ دپر تشدید، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ یہ ربیع سے مدینہ

جاتے ہوئے ۲۹ میل کے فاصلے پر پڑتا ہے۔ ابوار ودان کے قریب ہی ایک دوسرے مقام کا نام ہے۔

^{۱۳} المواہب اللدنیہ ۱/۵، مع شرح زرقانی ^{۱۴} بواط، ب پر پیش۔ اور رضوی (باقی اگلے صفحہ)

اس غزوہ کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا امیر بنایا گیا تھا۔ پرچم سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(۶) غزوہ سفوان - ربيع الاول ۲ھ، ستمبر ۶۲۳ء

اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ کوزین جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصر سی فوج کے ساتھ مدینے کی چراگاہ پر چھا پہ مارا اور کچھ مویشی لوٹ لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں واقع وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کوزا اور اس کے ساتھیوں کو نہ پاسکے اور کسی ٹکراؤ کے بغیر واپس آ گئے۔ اس غزوہ کو بعض لوگ غزوہ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کے دوران مدینے کی امارت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ علم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

(۷) غزوہ ذی العشیرہ - جمادی الاولیٰ و جمادی الآخرة ۲ھ نومبر، دسمبر ۶۲۳ء

اس مہم میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو ہاجرین تھے لیکن آپ نے کسی کو روانگی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ سواری کے لیے صرف تیس اونٹ تھے۔ اس لیے لوگ باری باری سوار ہوتے تھے بمقصد قریش کا ایک قافلہ تھا جو ملک شام جا رہا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ یہ کتے سے چل چکا ہے۔ اس قافلے میں قریش کا خاص مال تھا۔ آپ اس کی طلب میں ذوالعشیرہ تک پہنچے لیکن آپ کے پہنچنے سے کئی دن پہلے ہی قافلہ جا چکا تھا۔ یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تو یہ قافلہ تونج نکلا لیکن جنگ بدر پیش آ گئی۔ اس مہم پر ابن اسحاق کے بقول رسول اللہ ﷺ جمادی الاولیٰ کے اواخر میں روانہ ہوئے۔ اور جمادی الآخرة میں واپس آئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس غزوے کے پہنچنے کی تحسین میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔

اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے بنو مدلیج اور ان کے حلیف بنو نضیرہ سے عدم جنگ

(بقیہ نٹ گزشتہ صفحہ) کوہستان جہینہ کے سلسلے کے دو پہاڑ ہیں جو درحقیقت ایک ہی پہاڑ کی دو شاخیں ہیں یہ جگہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل ہے اور مدینہ سے ۲۸ میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۵ عشیرہ - ع کو پیش اور شش کوزبر - عشیرہ اور عسیرہ بھی کہا گیا ہے۔ یثویع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

کا معاہدہ کیا۔

ایام سفر میں مدینہ کی سربراہی کا کام حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس دفعہ بھی پرچم سفید تھا اور علم برداری حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔

(۸) سُورِيَّةُ نَخْلَةٍ - رجب ۲ھ - جنوری ۶۲۴ء

اس مہم پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ ہجیرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ ہر دو آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری دونوں سوار ہوتے تھے۔ دستے کے امیر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور ہدایت فرمائی تھی کہ دو دن سفر کر لینے کے بعد ہی اسے دیکھیں گے۔ چنانچہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ نے تحریر دیکھی تو اس میں یہ درج تھا: ”جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں آؤ اور وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔“ انہوں نے سمع و طاعت کہا اور اپنے رفقاء کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا، جسے شہادت محبوب ہو وہ اٹھ کھڑا ہو اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔ باقی رہا میں! تو میں بہرحال آگے جاؤں گا۔ اس پر سارے ہی رفقاء اٹھ کھڑے ہوئے اور منزل مقصود کے لیے چل پڑے۔ البتہ راستے میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزو ان رضی اللہ عنہما کا اونٹ غائب ہو گیا جس پر یہ دونوں بزرگ باری باری سفر کر رہے تھے۔ اس لیے یہ دونوں پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گذرا جو کشمش، چمڑے اور سامان تجارت لیے ہوئے تھا۔ قافلے میں عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور عمرو بن حضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ مغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں۔ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اور رات بھر رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی یہی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی لوگوں نے عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا؛ البتہ نوفل بھاگ نکلا۔ اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور سامانِ قافلہ کو لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ انہوں نے مال

غنیمت سے خمس بھی نکال لیا تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت پر باز پرس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؛ اور سامانِ قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کسی بھی طرح کے تصرف سے ہاتھ روک لیا۔

ادھر اس حادثے سے مشرکین کو اس پروپیگنڈے کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیا؛ چنانچہ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولی اور بتلایا کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی حرکت سے بدرجہا زیادہ بڑا جرم ہے؛ ارشاد ہوا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ
عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط (۲: ۲۱۷)

”لوگ تم سے حرام مہینے میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ کہدو اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔“ اس وحی نے صراحت کر دی کہ لڑنے والے مسلمانوں کی سیرت کے بارے میں مشرکین نے جو شور برپا کر رکھا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ قریش اسلام کے خلاف لڑائی میں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم رانی میں ساری ہی حرمتیں پامال کر چکے ہیں۔ کیا جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا مال چھینا گیا اور پیغمبر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو یہ واقعہ شہر حرام (مکہ) سے باہر کہیں اور کا تھا؛ پھر کیا وجہ ہے کہ اب ان حرمت کا تقدس اچانک پلٹ آیا اور ان کا چاک کرنا باعثِ ننگ و عار ہو گیا۔ یقیناً مشرکین نے پروپیگنڈے کا جو طوفان برپا کر رکھا ہے وہ کھلی ہوئی بے حیائی اور صریح بے شرمی پر مبنی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا اور مقتول کے

۱۶ اہل بیبر کا بیان یہی ہے مگر اس میں پیچیدگی یہ ہے کہ خمس نکالنے کا حکم جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوا تھا اور اس کے سبب نزول کی جو تفصیلات کتب تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تک مسلمان خمس کے حکم سے نا آشنا تھے۔

یہ ہیں جنگِ بدر سے پہلے کے سریلے اور غزوے۔ ان میں سے کسی میں بھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی نوبت نہیں آئی جب تک کہ مشرکین نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں ایسا نہیں کیا، اس لیے اس کی ابتداء بھی مشرکین ہی کی جانب سے ہوئی جب کہ اس سے پہلے بھی وہ طرح طرح کی ستم رانیوں کا ارتکاب کر چکے تھے۔

ادھر سریرہ عبداللہ بن جحش کے واقعات کے بعد مشرکین کا خوف حقیقت بن گیا اور ان کے سامنے ایک واقعی خطرہ محسوس ہو کر آ گیا۔ انہیں جس پھندے میں پھنسنے کا اندیشہ تھا اس میں اب وہ واقعی پھنس چکے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ مدینے کی قیادت انتہائی بیدار مغز ہے اور ان کی ایک ایک تجارتی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے۔ مسلمان چاہیں تو تین سو میل کا راستہ طے کر کے ان کے علاقے کے اندر انہیں مار کاٹ سکتے ہیں، قید کر سکتے ہیں، مال لوٹ سکتے ہیں اور ان سب کے بعد صحیح سالم واپس بھی جاسکتے ہیں۔ مشرکین کی سمجھ میں آ گیا کہ ان کی شامی تجارت اب مستقل خطرے کی زد میں ہے لیکن ان سب کے باوجود وہ اپنی حماقت سے باز آنے اور جھیلنے اور بنو نضیرہ کی طرح صلح و صفائی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے جذبہ غیظ و غضب اور جوش بغض و عداوت میں کچھ اور آگے بڑھ گئے اور ان کے صنادرید و اکابر نے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کا صفایا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی طیش تھا جو انہیں میدانِ بدر تک لے آیا۔

باقی رہے مسلمان تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے سریرہ کے بعد شبان سلسلے میں ان پر جنگ فرض قرار دے دی اور اس سلسلے میں کئی واضح آیات نازل فرمائیں:

ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

۱/ ۵۹۱ - ۶۰۵ - رجمۃ للعالمین ۱/ ۱۱۵، ۱۱۶، ۲/ ۲۱۵، ۲۱۶، ۴۶۸، ۴۷۰ - ان ماخذ میں ان سرائیا اور غزوات کی تفصیل کتب ذیل سے لی گئی ہے۔ زاد المعاد ۲/ ۸۳ - ۸۵ ابن ہشام اختلاف ہے۔ ہم نے علامہ ابن قیم اور علامہ منصور پوری کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

المُعْتَدِينَ ○ وَقَتْلُوهُمْ حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجْتُمْ
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ
فَإِنْ قُتِلُوا فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ○ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○
وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا
عَلَى الظَّالِمِينَ ○ (۱۹۰:۱۲-۱۹۳)

”اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔
یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور انہیں جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے
انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انہیں نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔
اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں۔ پس
اگر وہ (روہاں) قتال کریں تو تم (روہاں بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر
وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ ہے
اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کوئی تعدی نہیں ہے مگر ظالموں ہی پر۔“
اس کے جلد ہی بعد دوسری نوع کی آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا طریقہ بتایا گیا
ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْنَتُمُوهُمْ فَشُدُّوا
الْوَتَانَ ۗ فَمَا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۗ ذَلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ
اللَّهُ لَأَنْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا
لَهُم ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنصَرُوا لِلَّهِ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ○ (۴:۷۴)

”پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں
اچھی طرح کھل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے
ہتھیار رکھ دے۔ یہ ہے (تمہارا کام) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن
روہ چاہتا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل
کئے جائیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز رائیگاں نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کا

حال درست کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس سے ان کو واقف کرا چکا ہے۔
اے اہل ایمان! اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جن کے دل جنگ کا حکم سن کر
کانپنے اور دھڑکنے لگے تھے۔ فرمایا:

فَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالَ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۗ (۲۰:۴۷)

”تو جب کوئی محکم سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے
ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا
ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو“

حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی فرضیت و ترغیب اور اس کی تیاری کا حکم حالات کے تقاضے
کے عین مطابق تھا حتیٰ کہ اگر حالات پر گہری نظر رکھنے والا کوئی کمانڈر ہوتا تو وہ بھی اپنی فوج کو
ہر طرح کے ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا۔ لہذا وہ پروردگار
برتر کیوں نہ ایسا حکم دیتا جو ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات
حق و باطل کے درمیان ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کا تقاضا کر رہے تھے؛ خصوصاً سریہ
عبد اللہ بن جحشؓ کے بعد جو کہ مشرکین کی غیرت و حمیت پر ایک سنگین ضرب تھی اور جس نے
انہیں کباب سیخ بنا رکھا تھا۔

احکام جنگ کی آیات کے سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا تھا کہ خونریز معرکے کا وقت
قریب ہی ہے اور اس میں آخری فتح و نصرت مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگی۔ آپ اس بات پر
نظر ڈالئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں سے مشرکین نے نہیں نکالا ہے
اب تم بھی وہاں سے انہیں نکال دو۔ پھر کس طرح اس نے قیدیوں کے باندھنے اور مخالفین کو کچل
کر سلسلہ جنگ کو خاتمے تک پہنچانے کی ہدایت دی ہے جو ایک غالب اور فاتح فوج سے تعلق
رکھتی ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ آخری غلبہ مسلمانوں ہی کو نصیب ہوگا۔ لیکن یہ بات پردوں اور اشاروں
میں بتائی گئی تاکہ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جتنی گر مجبوشی رکھتا ہے اس کا عملی مظاہرہ بھی کر سکے۔
پھر ان ہی دنوں۔ شعبان ۶۲۲ء میں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قبہ

بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو بنایا جائے اور نماز میں اسی طرف رخ پھیرا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کمزور اور منافق یہود جو مسلمانوں کی صف میں محض اضطراب و انتشار پھیلانے کے لیے داخل ہو گئے تھے کھل کر سامنے آ گئے اور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصل حالت پر واپس چلے گئے اور اس طرح مسلمانوں کی صفیں بہت سے غداروں اور خیانت کوششوں سے پاک ہو گئیں۔

تحویل قبلہ میں اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے جو اس قبلہ پر مسلمانوں کے قبضے سے پہلے ختم نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ کسی قوم کا قبلہ اس کے دشمنوں کے قبضے میں ہو اور اگر ہے تو پھر ضروری ہے کہ کسی نہ کسی دن اُسے آزاد کرایا جائے۔

ان احکام اور اشاروں کے بعد مسلمانوں کی نشاط میں مزید اضافہ ہو گیا اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات اور دشمن سے فیصلہ کن ٹکرائے کی آرزو کچھ اور بڑھ گئی۔

غزوة بدر کبریٰ

اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ

غزوة عُشیرہ کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قریش کا ایک قافلہ
مکہ سے شام جاتے ہوئے نبی ﷺ کی گرفت سے بچ نکلا

غزوة کا سبب

تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو نبی ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہ
اور سعید بن زید کو اس کے حالات کا پتا لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ دونوں
صحابی مقام حوزرات تک تشریف لے گئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر
وہاں سے گذرا تو یہ نہایت تیز رفتاری سے مدینہ پلٹے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔
اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی؛ یعنی ایک ہزار اونٹ نئے جن پر کم از کم پچاس
ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کیلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان باریک ہوا تھا۔ دراصل حایکہ
اس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا زہریں موقع تھا جبکہ اہل مکہ کے لیے اس مالِ فراوان سے محرومی بڑی
زبردست فوجی، سیاسی اور اقتصادی مار کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے
مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے اس کیلئے نکل پڑو
ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بطورِ غنیمت تمہارے حوالے کر دے۔

لیکن آپ نے کسی پرروانگی ضروری نہیں قرار دی بلکہ اسے محض لوگوں کی رغبت پر چھوڑ
دیا کیونکہ اس اعلان کے وقت یہ توقع نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکرِ قریش کے ساتھ میدانِ
بدر میں ایک نہایت پُر زور ٹکر ہو جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ ہی
میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر آپ کی گذشتہ عام فوجی ہجرت سے
مختلف نہ ہوگا اور اسی لیے اس غزوة میں شریک بننے والوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

اسلامی لشکر کی تعداد اور کمان کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ روانگی کے
لیے تیار ہوئے تو آپ کے ہمراہ کچھ

اوپر تین سو افسراد تھے۔ (یعنی ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۵) جن میں سے ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۶ مہاجر تھے اور بقیہ انصار۔ پھر انصار میں سے ۶۱ قبیلہ اؤس سے تھے اور ۷۰ قبیلہ خزرج سے۔ اس لشکر نے غزوے کا نہ کوئی خاص اہتمام کیا تھا نہ مکمل تیاری۔ چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے (ایک حضرت زبیر بن عوام کا اور دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی کا) اور ستر اونٹ، جن میں سے ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی کے حصے میں آیا تھا جن پر تینوں حضرات باری باری سوار ہوتے تھے۔

مدینہ کا انتظام اور نماز کی امامت پہلے پہل حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی؛ لیکن جب نبی ﷺ مقام رَوْحَاء تک پہنچے تو آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمسذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا منتظم بنا کر واپس بھیج دیا۔ شکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک حبش مہاجرین کا بنایا گیا اور ایک انصار کا۔ مہاجرین کا علم حضرت علی بن ابی طالب کو دیا گیا اور انصار کا علم حضرت سعد بن معاذ کو اور جنرل کمان کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیا گیا۔ میمنہ کے افسر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے اور میسرہ کے افسر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ۔ اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، پورے لشکر میں صرف یہی دونوں بزرگ شہسوار تھے۔ ساقہ کی کمان حضرت قیس بن ابی صعصعہ کے حوالے کی گئی اور سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان رسول اللہ ﷺ نے خود سنبھالی۔

رسول اللہ ﷺ اس نامکمل لشکر کو بدر کی جانب اسلامی لشکر کی روانگی

لے کر روانہ ہوئے تو مدینہ کے دہانے

سے نکل کر مکہ جانے والی شاہراہ عام پر چلتے ہوئے بمصر رَوْحَاء تک تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے تو کئے کار اسنے بائیں جانب چھوڑ دیا اور داہنے جانب کترا کر چلتے ہوئے نازیہ پہنچے (منزل مقصود بدر تھی) پھر نازیہ کے ایک گوشے سے گذر کر وادی رحقان پارکی۔ یہ نازیہ اور درۃ صفرار کے درمیان ایک وادی ہے۔ اس وادی کے بعد درۃ صفرار سے گذرے۔ پھر درۃ سے اتر کر وادی صفرار کے قریب جا پہنچے اور وہاں سے قبیلہ ہہلینہ کے دو آدمیوں یعنی بیس بن عمر اور عدی بن ابی الزغبار کو قافلے کے حالات کا پتا لگانے کے لیے بدر روانہ فرمایا

دوسری طرف قافلے کی صورت حال یہ تھی کہ ابوسفیان جو اس کا نگہبان تھا، حد درجہ محتاط تھا۔ اسے معلوم

مکہ میں خطرے کا اعلان

تھا کہ مکے کا راستہ خطروں سے پُر ہے، اس لیے وہ حالات کا مسلسل پتہ لگاتا رہتا تھا اور جن قافلوں سے ملاقات ہوتی تھی ان سے کیفیت دریافت کرتا رہتا تھا؛ چنانچہ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ نے صحابہ کرام کو قافلے پر حملے کی دعوت دے دی ہے؛ لہذا اس نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکے بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے قریش میں نفیر عام کی صدا لگائے۔ ضمضم نہایت تیز رفتاری سے مکہ آیا اور عرب دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چھڑی، کجاوہ اٹا، گرتا پھاڑا اور وادی مکہ میں اسی اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی: "اے جماعت قریش! قافلہ... قافلہ... تمہارا مال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہے اس پر محمد اور اس کے ساتھی دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں کہ تم اسے پاسکو گے۔ مدد... مدد..."

یہ آواز سن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ کہنے لگے محمد ﷺ اور اس کے ساتھی

جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری

سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابنِ حضرمی کے قافلے جیسا ہے؛ جی نہیں! ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! انہیں پتا چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ سارے مکے میں دوہی طرح کے لوگ تھے یا تو آدمی خود جنگ کے لیے نکل رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا اور اس طرح گویا سبھی نکل پڑے۔ خصوصاً معززین مکہ میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ صرف ابولہب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیجا۔ گرد و پیش کے قبائل عرب کو بھی قریش نے بھرتی کیا اور خود قریشی قبائل میں سے سوائے بنو عدی کے کوئی بھی پیچھے نہ رہا؛ البتہ بنو عدی کے کسی بھی آدمی نے اس جنگ میں شرکت نہ کی۔

ابتداء میں مکی لشکر کی تعداد تیرہ سو تھی جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زہریں تھیں۔ اونٹ کثرت سے تھے جن کی ٹھیک

مکی لشکر کی تعداد

ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ لشکر کا سپہ سالار ابو جہل بن ہشام تھا۔ قریش کے نو معزز آدمی اس کی رسد کے ذمے دار تھے۔ ایک دن تو اور ایک دن دس اونٹ فوج کے جاتے تھے۔

قبائل بنو بکر کا مسئلہ

جب مکئی لشکر روانگی کے لیے تیار ہو گیا تو قریش کو یاد آیا کہ قبائل بنو بکر سے ان کی دشمنی اور جنگ چل رہی ہے اس لیے انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ قبائل پیچھے سے حملہ نہ کر دیں اور اس طرح وہ دشمنوں کے بیچ میں گھر جائیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال قریش کو ان کے ارادہ جنگ سے روک دے، لیکن عین اسی وقت ابیسی لعین بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن عیشم مدحجی کی شکل میں نمودار ہوا اور بولا: "میں بھی تمہارا رفیق کار ہوں اور اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ بنو کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہ کریں گے۔"

اس ضمانت کے بعد اہل مکہ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: "اتراتے ہوئے، لوگوں کو اپنی شان دکھاتے

ہوئے، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے، مدینہ کی جانب روانہ ہوئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنی دھارا اور ہتھیار لے کر، اللہ سے خار کھاتے ہوئے اور اس کے رسول سے خار کھاتے ہوئے، جوش انتقام سے چور اور جذبہ جہت و غضب سے مخور۔ اس پر کچھ پاتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اہل مکہ کے قافلوں پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟ بہر حال یہ لوگ نہایت تیز رفتاری سے شمال کے رخ پر بدر کی جانب چلے جا رہے تھے کہ وادی عسفان اور قدید سے گذر کر جحفہ پہنچے تو ابوسفیان کا ایک نیا پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ لوگ اپنے قافلے، اپنے آدمیوں اور اپنے اموال کی حفاظت کی غرض سے نکلے ہیں اور چونکہ اللہ نے ان سب کو بچا لیا ہے لہذا اب واپس چلے جائیے۔"

ابوسفیان کے بیچ نکلنے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ شام سے کاروانی شاہراہ پر چلا تو آ رہا تھا لیکن مسلسل چونکا اور بیدار تھا۔ اس نے اپنی فراہمی

قافلہ بیچ نکلا

اطلاعات کی کوششیں بھی دوچند کر رکھی تھیں۔ جب وہ بدر کے قریب پہنچا تو خود قافلے سے آگے جا کر مجدی بن عمرو سے ملاقات کی اور اس سے شکر مدینہ کی بابت دریافت کیا۔ مجدی نے کہا: "میں نے کوئی خلاف معمول آدمی تو نہیں دیکھا البتہ دو سوار دیکھے جنہوں نے پٹیلے کے پاس اپنے جانور بٹھائے۔ پھر اپنے مشکیزے میں پانی بھر کر چلے گئے۔" ابوسفیان پک کر وہاں پہنچا اور

ان کے اونٹ کی میگنیاں اٹھا کر توڑیں تو اس میں کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! یہ میثرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد وہ تیزی سے قافلے کی طرف پلٹا اور اُسے مغرب کی طرف موڑ کر اس کا رخ ساحل کی طرف کر دیا اور بدر سے گزرنے والی کاروانی شاہراہ کو ہاتھ ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح قافلے کو مدنی لشکر کے قبضے میں جانے سے بچایا اور فوراً ہی مکئی لشکر کو اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دیتے ہوئے اُسے واپس جانے کا پیغام دیا جو اسے جمعہ میں موصول ہوا۔

مکئی لشکر کا ارادہ واپسی اور باہمی مہوٹ

یہ پیغام سن کر مکئی لشکر نے چاہا کہ واپس چلا جائے لیکن قریش کا

طاغوتِ اکبر ابو جہل کھڑا ہو گیا اور نہایت کبر و غرور سے بولا: خدا کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ بدر جا کر وہاں تین روز قیام کریں گے اور اس دوران اونٹ ذبح کر دیں گے۔ لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ لڑکیاں ہمارے لیے گانے گائیں گی اور سارے عرب ہمارا اور ہمارے سفر و اجتماع کا حال سننے گا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ان پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ لیکن ابو جہل کے علی الرغم احنس بن شریق نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو مگر لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اس لیے وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا کیونکہ وہ بنو زہرہ کا حلیف اور اس لشکر میں ان کا سردار تھا۔ بنو زہرہ کی کل تعداد کوئی تین سو تھی۔ ان کا کوئی بھی آدمی جنگ بدر میں حاضر نہ ہوا۔ بعد میں بنو زہرہ احنس بن شریق کی رائے پر حد درجہ شاداں و فرحاں تھے اور ان کے اندر اس کی تعظیم و اطاعت ہمیشہ برقرار رہی۔

بنو زہرہ کے علاوہ بنو ہاشم نے بھی چاہا کہ واپس چلے جائیں لیکن ابو جہل نے بڑی سختی کی اور کہا کہ جب تک ہم واپس نہ ہوں یہ گروہ ہم سے الگ نہ ہونے پائے۔

غرض لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ بنو زہرہ کی واپسی کے بعد اب اس کی تعداد ایک ہزار رہ گئی تھی اور اس کا رخ بدر کی جانب تھا۔ بدر کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کے حدود پر جنوبی دہانے کے پاس واقع ہے۔

ادھر مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو جبکہ

اسلامی لشکر کے لیے حالات کی نزاکت

ابھی آپ راستے ہی میں تھے اور وادیِ ذفران سے گذر رہے تھے قافلے اور لشکر دونوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں۔ آپ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ اب ایک خوزینہ مکر او کا وقت آ گیا ہے اور ایک ایسا اقدام ناگزیر ہے جو شجاعت و بسالت اور جرات و جسارت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہ بات قطعی تھی کہ اگر مکی لشکر کو اس علاقے میں یوں ہی دندناتا ہوا پھرنے دیا جاتا تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی قوت پہنچ جاتی اور ان کی سیاسی بالادستی کا دائرہ دور تک پھیل جاتا۔ مسلمانوں کی آواز دہ کر کمزور ہو جاتی اور اس کے بعد اسلامی دعوت کو ایک بے رُوح ڈھانچہ سمجھ کر اس علاقے کا ہر کس و ناکس جو اپنے سینے میں اسلام کے خلاف کینہ و عداوت رکھتا تھا شر پر آمادہ ہو جاتا۔

پھر ان سب باتوں کے علاوہ آخر اس کی کیا ضمانت تھی کہ مکی لشکر مدینے کی جانب پیش قدمی نہیں کرے گا اور اس معرکہ کو مدینہ کی چہار دیواری تک منتقل کر کے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں گھس کر تباہ کرنے کی جرات اور کوشش نہیں کرے گا؟ جی ہاں! اگر مدنی لشکر کی جانب سے ذرا بھی گریز کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو مسلمانوں کی ہیبت و شہرت پر تو یہ حال اس کا نہایت بُرا اثر پڑتا۔

حالات کی اس اچانک اور پُرخطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلس شوریٰ منعقد کی جس

مجلس شوریٰ کا اجتماع

میں درپیش صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور عام فوجیوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ اس موقع پر ایک گروہ خوزینہ مکر او کا نام سن کر کانپ اٹھا اور اس کا دل لرزنے اور دھڑکنے لگا۔ اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ
يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ○ (۲/۵۱۸)

”جیسا کہ تجھے تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنین کا ایک گروہ ناگوار سمجھ رہا تھا۔ وہ تجھ سے حق کے بارے میں اس کے واضح ہو چکنے کے بعد جھگڑ رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔“

لیکن جہاں تک قارئینِ شکر کا تعلق ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور نہایت

اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی نہایت عمدہ بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جو راہ دکھلائی ہے اس پر رواں دواں رہتے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ:

..فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ○ (۲۴:۵)

”تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔“

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو بڑک، غمناک لے چلیں تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپ کے ساتھ و ہاں بھی چلیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔

یہ تینوں کمانڈر مہاجرین سے تھے جن کی تعداد شکر میں کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور معرکے کا اصل بوجھ انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ درآں حالیکہ بیعت عقبہ کی رو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں اس لیے آپ نے مذکورہ تینوں حضرات کی باتیں سننے کے بعد پھر فرمایا: ”لوگو! مجھے مشورہ دو“ مقصود انصار تھے اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد بن معاذ نے بھانپ لی؛ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ بخدا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں! انہوں نے کہا: ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپ کو اپنی سمع و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے؛ لہذا اے اللہ کے رسول! آپ کا جو ارادہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اسمیں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔

ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جو امر وہیں اور ممکن ہے اللہ آپ کو ہمارا وہ جو ہر دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں پس آپ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ غالباً آپ کو اندیشہ ہے کہ انصار اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد محض اپنے دیا میں کریں اس لیے میں انصار کی طرف سے بول رہا ہوں اور ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں عرض ہے کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں جس سے چاہیں تعلق استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلق کاٹ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں دے دیں۔ اور جو آپ لے لیں گے وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جسے آپ چھوڑ دیں گے۔ اور اس معاملے میں آپ کا جو بھی فیصلہ ہوگا ہمارا فیصلہ بہر حال اس کے تابع ہوگا۔ خدا کی قسم اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے بڑک بناد تک جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی کود جائیں گے۔

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ پر نشاط طاری ہوئی۔ آپ نے فرمایا: چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ذفران سے آگے بڑھے اور چند پہاڑی موڑ سے گذر کر جنہیں اصافر کہا جاتا ہے دیت نامی ایک آبادی میں اترے اور حنان نامی پہاڑ نما توڑے کو دائیں ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے بعد بدر کے قریب نزول فرمایا۔

یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفیق غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور خود فراہمی اطلاعات کے لیے نکل پڑے۔ ابھی دور ہی سے مکہ شکر کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا عرب مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے قریش اور محمد و اصحاب محمدؐ کا حال دریافت کیا۔ دونوں لشکروں کے متعلق پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی شخصیت پر پردہ پڑا ہے۔ لیکن بڑھے نے کہا: جب یہک تم لوگ یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا تعلق کس قوم سے ہے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا، جب تم ہمیں بتا دو گے تو ہم بھی تمہیں بتا دیں گے۔ اس نے کہا: اچھا تو یہ اس کے بدلے ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی فلاں روز نکلے ہیں۔ اگر مجھے بتانے والے نے صحیح بتایا ہے تو آج وہ لوگ فلاں جگہ ہوں گے۔ اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینے کا لشکر تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے قریش فلاں دن نکلے ہیں۔ اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے۔ اور ٹھیک اس جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت مکے کا لشکر تھا۔

جب بڑھا اپنی بات کہہ چکا تو بولا: اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم دونوں کس سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ پانی سے ہیں اور یہ کہہ کر واپس چل پڑے۔ بڑھا بکتا رہا: پانی سے ہیں؟ کیا؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

لشکرِ مکہ کے بارے میں اہم معلومات کا حصول

اسی روز شام کو آپ نے دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لیے نئے سرے سے ایک جاسوسی دستہ روانہ فرمایا۔ اس کا رُوائی کے لیے ہماجرین کے تین قائد علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ یہ لوگ میدھے بدر کے چشمے پر پہنچے۔ وہاں دو غلام مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ نے ان دونوں سے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش کے سقتے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی بھرنے کے لیے بھیجا ہے تو م کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ انہیں توقع تھی کہ یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہوں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں اب بھی کبھی آرزو رہ گئی تھی کہ قافلے پر غلبہ حاصل ہو۔ چنانچہ صحابہ نے ان دونوں کی ذرا سخت پٹائی کر دی۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس کے بعد مارنے والوں نے ہاتھ روک لیا۔

رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ناراضی سے فرمایا، جب ان دونوں نے صحیح بات بتائی تو آپ لوگوں نے پٹائی کر دی اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم ان دونوں نے صحیح کہا تھا کہ یہ قریش کے آدمی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ان دونوں غلاموں سے فرمایا: اچھا! اب مجھے قریش کے متعلق بتاؤ۔ انہوں نے کہا: یہ شیبہ جو وادی کے آخری دہانے پر دکھائی دے رہا ہے قریش اسی کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: لوگ کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا: بہت ہیں۔ آپ نے پوچھا: تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا، روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا: تب تو لوگوں کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ نے پوچھا، ان کے اندر معززین قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ربیعہ کے دونوں صاحبزادے عُثْبَہ اور شَيْبَہ اور ابوالختر بن ہشام، حکیم بن حزام، ثُوَیْلُ بن حُوَيْلِد، حارث بن عامر، طُعَيْمِ بن عَدِي، نصر بن حارث، زَمْعَةُ بن اسود، ابوہل بن ہشام، اُمَیَہ بن خلف اور مزید کچھ لوگوں کے نام گنوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے۔

اللہ عزوجل نے اسی رات ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی

لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انہیں پاک کر دیا، شیطان کی گندگی (بزدلی) دور کر دی۔ اور زمین کو ہوار کر دیا۔ اس کی وجہ سے ریت میں سختی آگئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے۔ قیام خوشگوار ہو گیا اور دل مضبوط ہو گئے

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کو حرکت دی تاکہ

اہم فوجی مراکز کی طرف اسلامی لشکر کی سبقت

مشرکین سے پہلے بدر کے چشمے پر پہنچ جائیں اور اس پر مشرکین کو مستط نہ ہونے دیں چنانچہ عشاء

کے وقت آپ نے بدر کے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔ اس موقع پر حضرت جباب بن منذر نے

ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس مقام پر آپ اللہ

کے حکم سے نازل ہوتے ہیں کہ ہمارے لیے اس سے آگے پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں یا آپ نے

اسے محض ایک جنگی حکمتِ عملی کے طور پر اختیار فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ محض جنگی حکمتِ عملی کے

طور پر ہے۔ انہوں نے کہا: یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آپ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے

سب سے قریب جو چشمہ ہو اس پر پڑاؤ ڈالیں۔ پھر ہم بقیہ چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے چشمے

پر حوض بنا کر پانی بھریں گے، اس کے بعد ہم قریش سے جنگ کریں گے تو ہم پانی پیتے رہیں گے اور

انہیں پانی نہ ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت ٹھیک مشورہ دیا۔ اس کے بعد آپ لشکر سمیت اُٹھے اور کوئی آدھی رات گئے دشمن کے سب سے قریب ترین چشمہ پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر صحابہ کرام نے حوض بنایا اور باقی تمام چشموں کو بند کر دیا۔

صحابہ کرام چشمے پر پڑاؤ ڈال چکے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلمان آپ کے لیے ایک مرکزِ قیادت تعمیر کر دیں تاکہ خدا نخواستہ فتح کے بجائے شکست سے دوچار ہونا پڑ جائے یا کسی اور ہنگامی حالت سے سابقہ پیش آجائے تو اس کے لیے ہم پہلے ہی سے مستعد رہیں؛ چنانچہ انہوں نے عرض کیا:

”اے اللہ کے نبی! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک چھپر تعمیر کر دیں جس میں آپ تشریف رکھیں گے اور ہم آپ کے پاس آپ کی سواریاں بھی ہتیا رکھیں گے۔ اس کے بعد اپنے دشمن سے ٹکر لیں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت بخشی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ وہ چیز ہوگی جو ہمیں پسند ہے! اور اگر دوسری صورت پیش آگئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس جا رہیں گے جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ درحقیقت آپ کے پیچھے اے اللہ کے نبی! ایسے لوگ رہ گئے ہیں کہ ہم آپ کی محبت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ اگر انہیں یہ اندازہ ہوتا کہ آپ جنگ سے دوچار ہوں گے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ کے خیر خواہ ہوں گے اور آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دُعا خیر کی؛ اور مسلمانوں نے میدانِ جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنایا جہاں سے پورا میدانِ جنگ دکھائی پڑتا تھا۔ پھر آپ کے اس مرکزِ قیادت کی نگرانی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ منتخب کر دیا گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی اور میدانِ جنگ میں تشریف

لے گئے۔ وہاں آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے جا رہے تھے کہ یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے؛ ان اشارہ اللہ اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے؛ ان اشارہ اللہ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری اور مسلمانوں نے بھی پُر سکون نفس اور تابناک اُفتی کے ساتھ رات گزاری۔ ان کے دل اعتماد سے پُرتھے اور انہوں نے راحت و سکون سے اپنا حصہ حاصل کیا۔ انہیں یہ توقع تھی کہ صبح اپنی آنکھوں سے اپنے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُفُوبَهُ
وَيُذْهِبَ عَنْكُم رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○ (۱۱:۸)

”جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برس رہا تھا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جمادے۔“

یہ رات جمعہ، ۱۷ رمضان ۱۰۱ھ کی رات تھی اور آپ اس مہینے کی ۸ یا ۱۲ تاریخ کو مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

میدان جنگ میں مکئی لشکر کی آمد اور ان کا باہمی اختلاف

دوسری
طرف

قریش نے وادی کے دہانے کے باہر اپنے کیمپ میں رات گزاری اور صبح اپنے تمام دستوں سمیت ٹیلے سے اُتر کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی جانب بڑھا۔ آپ نے فرمایا، انہیں چھوڑ دو۔ مگر ان میں سے جس نے بھی پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ صرف حکیم بن حزام باقی بچا جو بعد میں مسلمان ہوا اور بہت اچھا مسلمان ہوا۔ اس کا دستور تھا کہ جب بہت سختہ قسم کھانی ہوتی تو کہتا لا وَالَّذِي نَجَاتِي مِنْ يَوْمِ بَدْرٍ قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن سے نجات دی۔“

بہر حال جب قریش مطمئن ہو چکے تو انہوں نے مدنی لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے عمیر بن وہب جمعی کو روانہ کیا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا چکر لگایا۔ پھر واپس جا کر بولا: ”کچھ کم یا کچھ زیادہ تین سو آدمی ہیں؛ لیکن ذرا ٹھہرو۔ میں دیکھ لوں ان کی کوئی کمین گاہ یا کمک تو نہیں؟ اس کے بعد وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا دُور تک نکل گیا لیکن اُسے کچھ دکھائی نہ پڑا؛ چنانچہ اُس نے واپس جا کر کہا: میں نے کچھ پایا تو نہیں لیکن اے قریش کے لوگو! میں نے بلائیں دیکھی ہیں جو موت کو لادے ہوتے ہیں۔ شرب کے اونٹ اپنے اوپر خالص موت سوار کئے

ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی ساری حفاظت اور بلجا و ماویٰ خود ان کی تلواریں ہیں۔ کوئی اور چیز نہیں۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کا کوئی آدمی تمہارے آدمی کو قتل کئے بغیر قتل نہ ہوگا، اور اگر تمہارے خاص خاص افراد کو انہوں نے ماریا تو اس کے بعد جینے کا مزہ ہی کیا ہے! اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔“

اس موقع پر ابو جہل کے خلاف۔ جو معرکہ آرائی پر تلا ہوا تھا۔ ایک اور جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ جنگ کے بغیر مکہ واپس جائیں۔ چنانچہ حکیم بن حزام نے لوگوں کے درمیان دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور بولا: ابو الولید! آپ قریش کے بڑے آدمی اور واجب الطاعت سردار ہیں؛ پھر آپ کیوں نہ ایک اچھا کام کر جائیں جس کے سبب آپ کا ذکر ہمیشہ بھلائی سے ہوتا رہے“ عتبہ نے کہا: حکیم وہ کون سا کام ہے؟ اس نے کہا: آپ، لوگوں کو واپس لے جائیں اور اپنے حلیف عمرو بن حفص کا معاملہ۔ جو سریہ نخلہ میں مارا گیا تھا۔ اپنے ذمے لے لیں۔“ عتبہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔ تم میری طرف سے اس کی ضمانت لو۔ وہ میرا حلیف ہے، میں اس کی دیت کا بھی فقے دار ہوں اور اس کا جو مال ضائع ہوا اس کا بھی۔“ اس کے بعد عتبہ نے حکیم بن حزام سے کہا: تم حنظلیہ کے پوتے کے پاس جاؤ کیونکہ لوگوں کے معاملات کو بگاڑنے اور بھڑکانے کے سلسلے میں مجھے اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی اندیشہ نہیں۔ حنظلیہ کے پوتے سے مراد ابو جہل ہے۔ حنظلیہ اس کی ماں تھی۔

اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور کہا: قریش کے لوگو! تم لوگ محمد اور ان کے ساتھیوں سے لڑ کر کوئی کارنامہ انجام نہ دو گے۔ خدا کی قسم اگر تم نے انہیں ماریا تو صرف ایسے ہی چہرے دکھائی پڑیں گے جنہیں دیکھنا پسند نہ ہوگا، کیونکہ آدمی نے اپنے چہرے بھائی کو یا خال زاد بھائی کو یا اپنے ہی کنبے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کیا ہوگا۔ اس لیے واپس چلے چلو اور محمد (ﷺ) اور سارے عرب سے کنارہ کش ہو رہو۔ اگر عرب نے انہیں ماریا تو یہ وہی چیز ہوگی جسے تم چاہتے ہو؛ اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو محمد (ﷺ) تمہیں اس حالت میں پائیں گے کہ تم نے جو سلوک ان سے کرنا چاہا تھا اسے کیا نہ تھا۔“

ادھر حکیم بن حزام ابو جہل کے پاس پہنچا تو ابو جہل اپنی زرہ درست کر رہا تھا۔ حکیم نے کہا کہ اے ابو الحکم! مجھے عتبہ نے تمہارے پاس یہ اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ابو جہل نے کہا: خدا

کی قسم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ سُوج آیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔
 بخدا ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ فرمادے۔
 عتبہ نے جو کچھ کہا ہے محض اس لیے کہا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو اونٹ خور
 سمجھتا ہے اور خود عتبہ کا بیٹا بھی انہیں کے درمیان ہے اس لیے وہ نہیں ان سے ڈراتا ہے۔
 — عتبہ کے صاحبزادے ابو حذیفہ قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے۔
 — عتبہ کو جب پتا چلا کہ ابو جہل کہتا ہے ”خدا کی قسم عتبہ کا سینہ سُوج آیا ہے“ تو بولا: اس سرین
 پر خوشبو لگا کر بُزدوں کا مظاہرہ کرنے والے کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا
 سینہ سُوج آیا ہے؛ میرا یا اس کا؟ ادھر ابو جہل نے اس خوف سے کہ کہیں یہ معارضہ طاقتور نہ ہو
 جائے، اس گفتگو کے بعد جھٹ عامر بن حضرمی کو — جو سر یہ عبد اللہ بن حش کے مقتول عمرو بن حضرمی
 کا بھائی تھا — بلا بھیجا اور کہا کہ یہ تمہارا حلیف — عتبہ — چاہتا ہے کہ لوگوں کو واپس
 لے جائے حالانکہ تم اپنا انتقام اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہو؛ لہذا اٹھو! اور اپنی مطلوبیت اور
 اپنے بھائی کے قتل کی دہائی دو۔ اس پر عامر اٹھا اور سرین سے کپڑا اٹھا کھینچا۔ واعمرہ واعمرہ بٹے عمرو،
 ہائے عمرو۔ اس پر قوم گرم ہو گئی۔ ان کا معاملہ سنگین اور ان کا ارادہ جنگ پختہ ہو گیا اور عتبہ
 نے جس سُوج بوجھ کی دعوت دی تھی وہ رائیگاں گئی۔ اس طرح ہوش پر جوش غالب آ گیا اور یہ
 معارضہ بھی بے نتیجہ رہا۔

دو دنوں لشکر آئے سائے

بہر حال جب مشرکین کا لشکر نمودار ہوا اور دونوں فوجیں
 ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو رسول اللہ (ﷺ)

نے فرمایا: اے اللہ یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے
 اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آگے ہیں۔ اے اللہ تیری مدد۔۔۔ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔
 اے اللہ آج انہیں اینٹھ کر رکھ دے۔“

نیز رسول اللہ (ﷺ) نے عتبہ بن ربیعہ کو اس کے ایک سُرخ اونٹ پر دیکھ کر فرمایا: اگر قوم
 میں سے کسی کے پاس خیر ہے تو سُرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر لوگوں نے اس کی بات
 مان لی تو صحیح راہ پائیں گے۔“

اس موقع پر رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمانوں کی صفیں درست فرمائیں۔ صاف کی درنگی کے

دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے آپ صف سیدھی فرما رہے تھے کہ سواد بن غزیرہ کے پیٹ پر، جو صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے، تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا، سواد! برابر ہو جاؤ۔ سواد نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچا دی بدلہ دیجئے۔ آپ نے اپنا پیٹ کھول دیا اور فرمایا، بدلہ لے لو۔ سواد آپ سے چمٹ گئے اور آپ کے پیٹ کا بوسہ لینے لگے۔ آپ نے فرمایا: سواد اس حرکت پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! جو کچھ درپیش ہے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایسے موقع پر آپ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد سے چھو جائے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی۔

پھر جب صفیں درست کی جا چکیں تو آپ نے شکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک لمبے آپ کے آخری احکام موصول نہ ہو جائیں جنگ شروع نہ کرے۔ اس کے بعد طریقہ جنگ کے بارے میں ایک خصوصی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب مشرکین جھگھٹ کر کے تمہارے قریب جائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر بچانے کی کوشش کرنا۔ یعنی پہلے ہی سے فضول تیر اندازی کر کے تیروں کو ضائع نہ کرنا۔ اور جب تک وہ تم پر چھانہ جائیں تلوار نہ کھینچنا سگے اس کے بعد خاص آپ اور ابو بکر رضی اللہ عنہم چھپر کی طرف واپس گئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنا نگران دستہ لے کر چھپر کے دروازے پر تعینات ہو گئے۔

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابو جہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا، اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اُسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیر کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرما۔ بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنْ تَسْتَفْتُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُدُّوا نَعْدًا وَلَنْ نُّغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتَكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۱۹:۸)

”اگر تم فیصلہ چاہتے تو تمہارے پاس فیصلہ آگیا، اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہی تمہارے لیے

بہتر ہے؛ لیکن اگر تم راہی اس حرکت کی طرف، پلٹو گے تو ہم بھی تمہاری سزا کی طرف، پلٹیں گے اور تمہاری جماعت اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ را اور یاد رکھو کہ اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔“

اس معرکے کا پہلا ایندھن اسود بن عبد اللہ اسد
نقطہ صفر اور معرکے کا پہلا ایندھن
 مخزومی تھا۔ یہ شخص بڑا اڑیل اور بدخلق تھا۔

یہ کہتے ہوئے میدان میں نکلا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا، ورنہ اسے ڈھا دوں گا یا اس کے لیے جان دے دوں گا۔ جب یہ اُدھر سے نکلا تو اُدھر سے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب برآمد ہوئے۔ دونوں میں حوض سے پرے ہی مڈ بھیر ہوئی۔ حضرت حمزہؓ نے ایسی تلوار ماری کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ کر اڑ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اس کے پاؤں سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا جس کا رخ اس کے ساتھیوں کی طرف تھا لیکن اس کے باوجود وہ گھسوں کے بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا اور اس میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا تاکہ اپنی قسم پوری کرے کہ اتنے میں حضرت حمزہؓ نے دوسری ضرب لگائی اور وہ حوض کے اندر ہی ڈھیر ہو گیا۔

یہ اس معرکے کا پہلا قتل تھا اور اس سے جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی؛ چنانچہ
مبارزت
 اس کے بعد قریش کے تین بہترین شہسوار نکلے جو سب کے سب ایک ہی

خاندان کے تھے۔ ایک عتبہ اور دوسرا اس کا بھائی شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے اور تیسرا ولید جو عتبہ کا بیٹا تھا۔ انہوں نے اپنی صف سے الگ ہوتے ہی دعوتِ مبارزت دی۔ مقابلے کے لیے انصار کے تین جوان نکلے۔ ایک عوف، دوسرے مویذ۔ یہ دونوں حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفرات تھا۔ تیسرے عبد اللہ بن رواحہ۔ قریشیوں نے کہا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا، انصار کی ایک جماعت ہیں۔ قریشیوں نے کہا، آپ لوگ شریفِ مد مقابل ہیں لیکن ہمیں آپ سے سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے چھیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔ پھر ان کے منادی نے آواز لگائی: محمد... ہمارے پاس ہماری قوم کے ہمسروں کو بھیجو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عبیدہ بن حارث! اٹھو۔ حمزہؓ! اٹھو۔ علیؓ! اٹھو۔ جب یہ لوگ اٹھے اور قریشیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے پوچھا، آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ قریشیوں

نے کہا ہاں آپ لوگ شریف مد مقابل ہیں۔ اس کے بعد معرکہ آرائی ہوئی۔ حضرت عبیدہ نے۔ جو سب سے معمر تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ سے اور حضرت علیؓ نے ولید سے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو اپنے اپنے مقابل کو جھٹ مار لیا لیکن حضرت عبیدہ اور ان کے مد مقابل کے درمیان ایک ایک وار کا تبادلہ ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو گہرا زخم لگایا۔ اتنے میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر آگے آتے ہی عتبہ پر ٹوٹ پڑے، اس کا کام تمام کیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا لاتے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا اور آواز بند ہو گئی تھی جو مسلسل بند ہی رہی یہاں تک کہ جنگ کے چوتھے یا پانچویں دن جب مسلمان مدینہ واپس ہوتے ہوئے وادی صفراء سے گزر رہے تھے ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی۔

هَذَيْنِ خَصْمَيْنِ اِخْتَصَمُوْا فِي رَبِّهِمْ (۱۹:۲۲)

”یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے“

عام، مجوم | اس مبارزت کا انجام مشرکین کے لیے ایک بُرا آغاز تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اپنے تین بہترین شہسواروں اور کمانڈروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے ایسے انہوں نے غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر ایک آدمی کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرنے اور اس کے حضور اخلاص و تضرع اپنانے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر بچے اور دفاعی موقف اختیار کئے مشرکین کے باہر توڑ حملوں کو روک رہے تھے اور انہیں خاصا نقصان پہنچا رہے تھے۔ زبان پر اُحد اُحد کا کلمہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا | ادھر رسول اللہ ﷺ صافیں درست کر کے واپس آتے ہی اپنے پاک پروردگار سے

نصرت و مدد کا وعدہ پورا کرنے کی دعا مانگنے لگے۔ آپ کی دعا یہ تھی :

اللَّهُمَّ اِنجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ ، اَللّٰهُمَّ اَنْشُدْكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ .

”اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے۔ اے اللہ! میں تجھ

سے تیرا عہد اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔“

پھر جب گھمان کی جنگ شروع ہو گئی، نہایت زور کارن پڑا اور لڑائی شباب پر آگئی تو آپ نے یہ دعا فرمائی :

اللَّهُمَّ إِنَّ تَهْلِكَ هَذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ ، اللَّهُمَّ إِنَّ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا .

”اے اللہ! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو

چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کبھی نہ کی جائے۔“

آپ نے خوب تضرع کے ساتھ دعا کی یہاں تک کہ دونوں کندھوں سے چادر گر گئی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے: ”اے اللہ کے رسول! بس

فرمائیے! آپ نے اپنے رب سے بڑے الحاح کے ساتھ دعا فرمائی۔“ ادھر اللہ نے فرشتوں کو وحی کی کہ:

← .. اِنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا سَالِقِي فِي قُلُوْبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ .. (۱۲:۸)

”میں تمہارے ساتھ ہوں؛ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رعب

ڈال دوں گا“

اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ:

.. اِنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِنْ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ (۱۹:۸)

”میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک جھکی آئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ”ابو بکر خوش ہو جاؤ، یہ جبریلؑ ہیں،

فرشتوں کا نزول

گردوغبار میں اٹے ہوئے۔“ ابن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ابو بکر خوش ہو جاؤ، تمہارے پاس اللہ کی مدد آگئی۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام

تھامے اور اس کے آگے آگے چلتے ہوئے آرہے ہیں اور گردوغبار میں اٹے ہوئے ہیں۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ چھپر کے دروازے سے باہر تشریف لائے۔ آپ

نے زرہ پہن رکھی تھی۔ آپ پر جوش طور پر آگے بڑھ رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ (۲۵:۵۴)

”عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔“

اس کے بعد آپ نے ایک منٹھی کنکرلی مٹی لی اور قریش کی طرف رُخ کر کے فرمایا،
شَاهَتِ الْوُجُوہُ۔ چہرے بگڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔
پھر مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں اس ایک منٹھی
مٹی میں سے کچھ نہ کچھ گیا نہ ہو۔ اسی کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (۱۷:۸۱)

”جب آپ نے پھینکا تو درحقیقت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو ابی حملہ کا حکم اور جنگ کی ترغیب
دیتے ہوئے فرمایا: ”شُدُّوا۔ چڑھ دوڑو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ

میں محمد ﷺ کی جان ہے ان سے جو آدمی بھی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر اور
پیچھے نہ ہٹ کر لڑے گا اور مارا جائے گا اللہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔“

آپ نے قتال پر ابھارتے ہوئے یہ بھی فرمایا، اس جنت کی طرف اٹھو جس کی پہنائیاں آسمانوں
اور زمین کے برابر ہیں۔ (آپ کی یہ بات سن کر) عمیر بن حمام نے کہا، ”بہت خوب بہت خوب
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بہت خوب، بہت خوب، کیوں کہہ رہے ہو؟ انہوں نے
کہا، نہیں، خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ مجھے توقع ہے
کہ میں بھی اسی جنت والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا تم بھی اسی جنت والوں میں
سے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر بولے، اگر
میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھا لوں تو یہ تو لمبی زندگی ہو جائے گی چنانچہ ان
کے پاس جو کھجوریں تھیں انہیں پھینک دیا۔ پھر مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔“

اسی طرح مشہور خاتون عفرات کے صاحبزادے عوف بن حارث نے دریافت کیا کہ اے اللہ
کے رسول! پروردگار اپنے بندے کی کس بات سے (خوش ہو کر) مسکراتا ہے۔ آپ نے فرمایا،
”اس بات سے کہ بندہ خالی جسم (بغیر حفاظتی ہتھیار پہنے) اپنا ہاتھ دشمن کے اندر ڈبو دے۔“ یہ
سن کر عوف نے اپنے بدن سے زره اتار پھینکی اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے

لڑتے شہید ہو گئے۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ نے جوانی حملے کا حکم صادر فرمایا، دشمن کے حملوں کی تیزی جاچکی تھی اور ان کا جوش و خروش سرد پڑ رہا تھا۔ اس لیے یہ باہمت منصوبہ مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط کرنے میں بہت موثر ثابت ہوا، کیونکہ صحابہ کرام کو جب حملہ آور ہونے کا حکم ملا اور ابھی ان کا جوش جہاد شباب پر تھا۔ تو انہوں نے نہایت سخت تہذیب اور صفایا کن حملہ کیا۔

وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرتے اور گردنیں کاٹتے آگے بڑھے۔ ان کے جوش و خروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آگئی کہ رسول اللہ ﷺ بغیر نفیس زرہ پہنتے تیز تیز چلتے تشریف

لا رہے ہیں اور پورے یقین و صراحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ ”عنقریب یہ جتھہ شکست کھا

جائے گا، اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔“ اس لیے مسلمانوں نے نہایت پرجوش و پرخروش لڑائی لڑی

اور فرشتوں نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت میں حضرت عکرمہ سے مروی

ہے کہ اس دن آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا اور آدمی کا ہاتھ

کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے کاٹا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا

تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑے کی مار پڑنے کی آواز آئی اور ایک شہسوار

کی آواز سنائی پڑی جو کہہ رہا تھا کہ جیڑوم! آگے بڑھ۔ مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ

چپت گرا، پک کر دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا، چہرہ پٹھا ہوا تھا جیسے کوڑے سے

مارا گیا ہو اور یہ سب کا سب ہرا پڑ گیا تھا۔ اس انصاری مسلمان نے آکر رسول اللہ ﷺ

سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔“

ابوداؤد مازنی کہتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لیے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس

کا سر میری تلوار پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے بجائے کسی اور نے

قتل کیا ہے۔

ایک انصاری حضرت عباس بن عبدالمطلب کو قید کر کے لایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ”واللہ!

مجھے اس نے قید نہیں کیا ہے؛ مجھے تو ایک بے بال کے سروالے آدمی نے قید کیا ہے جو نہایت خوب رو

تھا اور ایک چنگبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں دیکھ نہیں رہا ہوں۔“ انصاری

نے کہا: اے اللہ کے رسول! انہیں میں نے قید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، خاموش رہو۔ اللہ نے ایک بزرگ فرشتے سے تمہاری مدد فرمائی ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ابلیس لعین، سراقہ بن مالک بن جشم مدیجی کی شکل میں آیا تھا اور مشرکین سے اب تک

میدان سے ابلیس کا فرار

جدا نہیں ہوا تھا؛ لیکن جب اس نے مشرکین کے خلاف فرشتوں کی کارروائیاں دیکھیں تو اُٹے پاؤں پلٹ کر بھاگنے لگا، مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ واقعی سراقہ ہی ہے، لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسا گھونسا مارا کہ وہ گر گیا اور ابلیس نکل بھاگا۔ مشرکین کہنے لگے، سراقہ کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے مددگار ہو، ہم سے جدا نہ ہو گے؟ اس نے کہا، میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ بڑی سخت سزا والا ہے۔ اس کے بعد بھاگ کر سمندر میں جا رہا۔

تھوڑی دیر بعد مشرکین کے لشکر میں ناکامی اور اضطراب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان کی صفیں مسلمانوں کے سخت اور تازہ توڑ حملوں سے

شکستِ فاش

درہم برہم ہونے لگیں اور معرکہ اپنے انجام کے قریب جا پہنچا۔ پھر مشرکین کے جتھے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے مارتے کاٹتے اور پکڑتے باندھتے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کو بھرپور شکست ہو گئی۔

لیکن طاغوتِ اکبر ابوہلہل نے جب اپنی صفوں میں اضطراب کی ابتدائی علامتیں دیکھیں تو چاہا کہ اس سیلاب کے سامنے ڈٹ جائے چنانچہ وہ

ابوہلہل کی اکڑ

اپنے لشکر کو لٹکارتا ہوا اکڑا اور تکبر کے ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ سراقہ کی کنارہ کشی سے تمہیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے محمد (ﷺ) کے ساتھ پہلے سے ساز باز کر رکھی تھی۔ تم پر عتبہ، ہشیمہ اور ولید کے قتل کا ہول بھی سوار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انہیں رسیوں میں جکڑ لیں۔ دیکھو، تمہارا کوئی آدمی ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے بلکہ انہیں پکڑو اور گرفتار کرو تاکہ ہم ان کی بڑی حرکت کا انہیں مزہ چکھائیں۔

لیکن اسے اس غرور کی حقیقت کا بہت جلد پتا لگ گیا۔ کیونکہ چند ہی لمحے بعد مسلمانوں کے

جوابی حملے کی تندی کے سامنے مشرکین کی صفیں پھٹنا شروع ہو گئیں؛ البتہ ابو جہل اب بھی اپنے گرد مشرکین کا ایک غول لئے جما ہوا تھا۔ اس غول نے ابو جہل کے چاروں طرف تلواروں کی بارھ اور نیزوں کا جنگل قائم کر رکھا تھا؛ لیکن اسلامی ہجوم کی آندھی نے اس بارھ کو بھی بکھیر دیا اور اس جنگل کو بھی اکھیڑ دیا۔ اس کے بعد یہ طاغوتِ اکبر دکھائی پڑا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔ ادھر اس کی موت دو انصاری جوانوں کے ہاتھوں اس کا خون چوسنے کی منتظر تھی۔

ابو جہل کا قتل

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جنگ بدر کے روز صف کے اندر تھا کہ اچانک مڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دائیں بائیں دو

نوعمر جوان ہیں۔ گویا ان کی موجودگی سے میں حیران ہو گیا کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چپا کر مجھ سے کہا: "چچا جان! مجھے ابو جہل کو دکھلا دیجئے۔" میں نے کہا: "بھتیجے تم اسے کیا کرو گے؟" اس نے کہا: "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے الگ نہ ہو گا یہاں تک کہ ہم جس جس کی موت پہلے لکھی ہے وہ مر جائے۔" وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے شخص نے مجھے اشارے سے متوجہ کر کے یہی بات کہی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے چند ہی لمحوں بعد دیکھا کہ ابو جہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے۔ میں نے کہا: "ارے دیکھتے نہیں! یہ رہا تم دونوں کا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔" ان کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی وہ دونوں اپنی تلواریں لیے جھپٹ پڑے اور اسے مار کر قتل کر دیا۔ پھر پیٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اپنی اپنی تلواریں پونچھ چکے ہو؟ بولے نہیں۔ آپ نے دونوں کی تلواریں دکھیں اور فرمایا: تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ البتہ ابو جہل کا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا۔ دونوں حملہ آوروں کا نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عذرا ہے۔

۵ صحیح بخاری ۱/۴۴۴، ۲/۵۶۸ مشکوٰۃ ۲/۳۵۲۔ بعض دوسری روایات میں دوسرا نام معوذ بن عذرا بتایا گیا ہے۔ (ابن ہشام ۱/۶۳۵) نیز ابو جہل کا سامان صرف ایک ہی آدمی کو اس لیے دیا گیا کہ بعد میں حضرت معاذ (معوذ) بن عذراء اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ البتہ ابو جہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود کو دی گئی کیونکہ ان ہی نے اس (ابو جہل) کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ (دیکھئے سنن ابی داؤد باب من اجاز علی جریح الخ ۲/۳۷۳)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح نے بتلایا کہ میں نے مشرکین کو سنا وہ ابو جہل کے بارے میں جو گھنے درختوں جیسی — نیزوں اور تلواروں کی — باڑھ میں تھا کہہ رہے تھے، ابو الحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ معاذ بن عمرو کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو اسے اپنے نشانے پر لے لیا اور اس کی سمت بھاڑا۔ جب گنجائش ملی تو میں نے حملہ کر دیا اور ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے اڑ گیا۔ واللہ جس وقت یہ پاؤں اڑا ہے تو میں اس کی تشبیہ صرف اس گٹھلی سے دے سکتا ہوں جو موسل کی مار پڑنے پر جھٹک کر اڑ جائے۔ ان کا بیان ہے کہ ادھر میں نے ابو جہل کو مارا اور ادھر اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر تلوار چلائی جس سے میرا ہاتھ کٹ کر میرے بازو کے چمڑے سے لٹک گیا اور لڑائی میں مغل ہونے لگا۔ میں اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے سارا دن لڑا، لیکن جب وہ مجھے اذیت پہنچانے لگا تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اُسے زور سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ اس کے بعد ابو جہل کے پاس معاذ بن عمرو پہنچے۔ وہ زخمی تھا۔ انہوں نے اُسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا صرف سانس آتی جاتی رہی۔ اس کے بعد معاذ بن عمرو خود بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

جب معمر کہ ختم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو دیکھے کہ ابو جہل کا انجام کیا ہوا؟" اس پر صحابہ کرام اس کی تلاش میں بکھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں پایا کہ ابھی سانس آ جا رہی تھی۔ انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کاٹنے کے لیے داڑھی پکڑی اور فرمایا: "او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسوا کیا نا؟" اس نے کہا: "مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے اس سے بھی بلند پایہ کوئی آدمی ہے؟" یا جس کو تم لوگوں نے قتل کیا اس سے بھی اوپر کوئی آدمی ہے؟ پھر بولنا: "کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔" اس کے بعد کہنے لگا: "مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟" حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول کی۔" اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود سے — جو اس کی گردن پر پاؤں رکھ چکے تھے — کہنے لگا: "او بکری کے چرواہے! تو بڑی اونچی اور مشکل جگہ پر چڑھ گیا۔" واضح رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ رہا اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر۔ آپ نے تین بار فرمایا: واقعی۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد فرمایا،
 اللَّهُ أَكْبَرُ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ
 الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔

”اللہ اکبر، تمام حمد اللہ کیلئے ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔“

پھر فرمایا، چلو مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ ہم نے آپ کو لے جا کر لاش دکھائی۔ آپ نے فرمایا، یہ اس امت کا فرعون ہے۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عوف بن عارث ابن عفرار کے ایمان افروز کارناموں کا ذکر کچھ صفحات

ایمان کے تابناک نقوش

میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معرکے میں قدم قدم پر ایسے مناظر پیش آئے جن میں عقیدے کی قوت اور اصول کی پختگی نمایاں اور جلوہ گر تھی۔ اس معرکے میں باپ اور بیٹے میں بھائی اور بھائی میں صف آرائی ہوئی۔ اصولوں کے اختلاف پر تلواریں بے نیام ہوئیں اور مظلوم و مقہور نے ظالم و قاہر سے ٹکرا کر اپنے غصے کی آگ بجھائی۔

۱۔ ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ زبردستی میدان جنگ میں لاتے گئے ہیں۔ انہیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہذا بنو ہاشم کا کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اور ابو البختری بن ہشام کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اور عباس بن عبدالمطلب کسی کی زد میں آجائیں تو وہ بھی انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ بالجبر لاتے گئے ہیں۔ اس پر عتبہ کے صاحبزادے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم اپنے باپ بیٹوں، بھائیوں اور کنبے قبیلے کے لوگوں کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے خدا کی قسم! اگر اس سے میری ٹڈبھیڑ ہو گئی تو میں تو اسے تلوار کی لگام پینا دوں گا۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا رسول اللہ ﷺ کے چپا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑیے میں تلوار سے اس

شخص کی گردن اڑادوں کیونکہ بخدا یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔“

بعد میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، اس دن میں نے جو بات کہہ دی تھی اس کی وجہ میں مطمئن نہیں ہوں۔ برابر خوف لگا رہتا ہے۔ صرف یہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ اور بالآخر وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہو ہی گئے۔

۲۔ ابوالبختری کو قتل کرنے سے اس لیے منع کیا گیا تھا کہ کتے میں یہ شخص سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی سے اپنا ہاتھ روکے ہوتے تھا۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتا تھا اور نہ اس کی طرف سے کوئی ناگوار بات سننے میں آتی تھی، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بائیکاٹ کا صحیفہ چاک کیا تھا۔

لیکن ان سب کے باوجود ابوالبختری قتل کر دیا گیا۔ ہوا یہ کہ حضرت مجذّب بن زیاد بلوی سے اس کی ٹڈ بھڑ ہو گئی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ لڑے تھے۔ حضرت مجذّب نے کہا: ابوالبختری! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آپ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نے کہا، اور میرا ساتھی؟ حضرت مجذّب نے کہا: نہیں، بخدا ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس نے کہا، خدا کی قسم تب میں اور وہ دونوں مریں گے۔ اس کے بعد دونوں نے لڑائی شروع کر دی۔ مجذّب نے مجبوراً اسے بھی قتل کر دیا۔

۳۔ کتے کے اندر جاہلیت کے زمانے سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور اُمیہ بن خلف میں باہم دوستی تھی۔ جنگ بدر کے روز اُمیہ اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ اتنے میں ادھر سے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا گذر ہوا۔ وہ دشمن سے کچھ زہریں چھین کر لاوے لیے جا رہے تھے۔ اُمیہ نے انہیں دیکھ کر کہا: کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زہریوں سے بہتر ہوں۔ آج جیسا منظر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟ — مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اُسے فدیے میں خوب دودھیل اوٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے زہریں پھینک دیں اور دونوں کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں اُمیہ اور اس کے بیٹے کے درمیان چل رہا تھا کہ اُمیہ نے پوچھا، آپ لوگوں میں وہ کونسا آدمی تھا جو اپنے سینے پر شتر مرغ کا پد لگائے ہوتے تھا؟ میں نے کہا: وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ اُمیہ نے کہا: یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی

مچارکھی تھی۔

حضرت عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ واللہ میں ان دونوں کو لیے جا رہا تھا کہ اچانک حضرت بلالؓ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ یاد رہے کہ امیہ حضرت بلالؓ کو کتے میں ستایا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے کہا، او ہوا کفار کا مغز، امیہ بن خلف! اب یا تو میں بچوں گا یا یہ نیچے گا۔ میں نے کہا، اے بلالؓ! یہ میرا قیدی ہے۔ انہوں نے کہا، اب یا تو میں رہوں گا یا یہ لٹے گا۔ پھر نہایت بند آواز سے پکارا: اے اللہ کے انصارو! یہ رہا کفار کا مغز امیہ بن خلف، اب یا تو میں رہوں گا یا یہ لٹے گا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کہتے ہیں کہ اتنے میں لوگوں نے ہمیں کنگن کی طرح گھیرے میں لے لیا۔ میں ان کا بچاؤ کر رہا تھا مگر ایک آدمی نے تلوار سونت کر اس کے بیٹے کے پاؤں پر ضرب لگائی اور وہ تیوراً گر گیا۔ ادھر امیہ نے اتنے زور کی چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی سنی ہی نہ تھی۔ میں نے کہا نکل بھاگو۔ مگر آج بھاگنے کی گنجائش نہیں، خدا کی قسم! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کا بیان ہے کہ لوگوں نے اپنی تلواروں سے ان دونوں کو کاٹ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ کہا کرتے تھے: اللہ بلالؓ پر رحم کرے میری زہریں بھی گئیں اور میرے قیدی کے بارے میں مجھے تڑپا بھی دیا۔

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے امیہ بن خلف سے کہا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال لیا۔ لیکن لوگوں نے نیچے سے تلوار مار کر امیہ کو قتل کر دیا۔ بعض تلواروں سے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کا پاؤں بھی زخمی ہو گیا۔

۴۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کو۔ جو اس وقت مشرکین کے

بمراہ تھے۔ پکار کر کہا، او خبیث! میرا مال کہاں ہے؟ عبدالرحمنؓ نے کہا:

لم یبق غیر شکة و یحبوب و صادم یقتل ضلال الثیب

ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔

۶۔ جس وقت مسلمانوں نے مشرکین کی گرفتاری شروع کی رسول اللہ ﷺ چھپر میں تشریف فرما

تھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار حائل کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ رسول اللہ

ﷺ نے دیکھا کہ حضرت سعدؓ کے چہرے پر لوگوں کی اس حرکت کا ناگوار اثر پڑ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اے سعد! بخدا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم کو مسلمانوں کا یہ کام ناگوار ہے۔" انہوں نے کہا: "جی ہاں! خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! یہ اہل شرک کے ساتھ پہلا معرکہ ہے جس کا موقع اللہ نے ہمیں فراہم کیا ہے۔ اس لیے اہل شرک کو باقی چھوڑنے کے بجائے مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے اور اچھی طرح کچل دیا جائے۔"

۷۔ اس جنگ میں حضرت عکاشہ بن معصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں لکڑی کا ایک پھٹا تھما دیا اور فرمایا عکاشہ! اسی سے لڑائی کرو۔ عکاشہؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے لے کر ہلایا تو وہ ایک لمبی، مضبوط اور چم چم کرتی ہوئی سفید تلوار میں تبدیل ہو گیا۔ پھر انہوں نے اسی سے لڑائی کی یہاں تک کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اس تلوار کا نام عون۔ یعنی مدد۔ رکھا گیا تھا۔ یہ تلوار مستقلاً حضرت عکاشہؓ کے پاس رہی اور وہ اسی کو لڑائیوں میں استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ دورِ صدیقی میں مرتدین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس ہی تھی۔

۸۔ خاتمہ جنگ کے بعد حضرت مُصْعَب بن عُمَيْرِ عُبَدْرِي رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابو عزیز بن عُمَيْرِ عُبَدْرِي کے پاس سے گزرے۔ ابو عزیز نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور اس وقت ایک انصاری صحابی اس کا ہاتھ باندھ رہے تھے۔ حضرت مُصْعَبؓ نے اس انصاری سے کہا: "اس شخص کے ذریعے اپنے ہاتھ مضبوط کرنا، اس کی مال بڑی مالدار ہے وہ غالباً تمہیں اچھا فدیہ دے گی۔" اس پر ابو عزیز نے اپنے بھائی مُصْعَبؓ سے کہا: "کیا میرے بارے میں تمہاری یہی وصیت ہے؟ حضرت مُصْعَبؓ نے فرمایا۔ رہاں! تمہارے بجائے یہ۔ انصاری۔ میرا بھائی ہے۔"

۹۔ جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور عتبہ بن ربیعہ کو کنویں کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے صاحبزادے حضرت ابو حذیفہؓ کے چہرے پر نظر ڈالی، دیکھا تو غمزدہ تھے، چہرہ بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: "ابو حذیفہ! غالباً اپنے والد کے سلسلے میں تمہارے دل کے اندر کچھ احساسات ہیں؟ انہوں نے کہا: "نہیں واللہ یا رسول اللہ!"

میرے اندر اپنے باپ کے بارے میں اور ان کے قتل کے بارے میں ذرا بھی لرزش نہیں؛ البتہ میں اپنے باپ کے متعلق جانتا تھا کہ ان میں سوجھ بوجھ ہے۔ دورانِ اندیشی اور فضل و کمال ہے اس لیے میں اس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ خوبیاں انہیں اسلام تک پہنچادیں گی؛ لیکن اب ان کا انجام دیکھ کر اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے افسوس ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ان سے بھلی بات کہی۔

یہ معرکہ، مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین پر ختم ہوا اور اس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ ہاجرین میں سے

فریقین کے مقتولین

اور آٹھ انصار میں سے؛ لیکن مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کئے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑے بڑے سربراہ آوردہ حضرات تھے۔

خاتمہ جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: تم لوگ اپنے نبی کے لیے کتنا بڑا کنبہ اور قبیلہ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اوروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑا جبکہ اوروں نے میری تائید کی۔ تم نے مجھے نکالا جبکہ اوروں نے مجھے پناہ دی۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا اور انہیں گھسیٹ کر بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔

حضرت ابو طلحہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتویٰ دیتے تو تین دن میدانِ جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو آپ کے حسبِ حکم آپ کی سواری پر کجاوہ کسا گیا۔ اس کے بعد آپ پیدل چلے اور پیچھے پیچھے صحابہ کرام بھی چلے یہاں تک کہ آپ کنویں کی بار پر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہیں ان کا اور ان کے باپ کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش آتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برحق پایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی؛ یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کہ رہے ہیں جن میں رُوح ہی نہیں؛ نبی ﷺ

نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ سنتے والے نہیں لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ

مشرکین نے میدان بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تشریتر ہو کر گھبراہٹ کے عالم میں مکے کا رخ کیا۔ شرم و

مکے میں شکست کی خبر

ندامت کے سبب ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح مکے میں داخل ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو شخص قریش کی شکست کی خبر لے کر مکے وارد ہوا وہ عیسان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: عقبہ بن ربیعہ، شعیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف — اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیتے ہوئے — یہ سب قتل کر دیئے گئے۔ جب اس نے مقتولین کی فہرست میں اشراف قریش کو گناہ شروع کیا تو صفوان بن امیہ نے جو حطیم میں بیٹھا تھا کہا، خدا کی قسم! اگر یہ ہوش میں ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو۔ لوگوں نے پوچھا صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے کہا، وہ تو وہ دیکھو! حطیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا اس کے باپ اور اس کے بھائی کو قتل ہوتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ابورافع کا بیان ہے کہ میں ان دنوں حضرت عباسؓ کا غلام تھا۔ ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے، اُمّ الفضل مسلمان ہو چکی تھیں، میں بھی مسلمان ہو چکا تھا؛ البتہ حضرت عباسؓ نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ ادھر ابولہب جنگ بدر میں حاضر نہ ہوا تھا۔ جب اسے خبر ملی تو اللہ نے اس پر ذلت و رو سیاہی طاری کر دی اور ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی۔ میں کمزور آدمی تھا تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرے میں بیٹھا تیر کے دستے پھیلتا رہتا تھا۔ واللہ! اس وقت میں حجرے میں بیٹھا اپنے تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس اُمّ الفضل بیٹھی ہوئی تھیں اور جو خبر آئی تھی اس سے ہم شاداں و فرحاں تھے کہ اتنے میں ابولہب اپنے دونوں پاؤں بڑی طرح گھیٹا ہوا آپہنچا اور حجرے کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی۔ ابھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ اچانک شور ہوا: یہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آگیا۔ ابولہب نے اس سے کہا، میرے پاس آؤ، میری عمر کی قسم تمہارے

پاس خبر ہے۔ وہ ابوہب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ کھڑے تھے۔ ابوہب نے کہا، بھتیجے بتاؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ اس نے کہا، کچھ نہیں۔ بس لوگوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی اور ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیئے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے تھے قید کرتے تھے، اور خدا کی قسم میں اس کے باوجود لوگوں کو ملامت نہیں کر سکتا۔ درحقیقت ہماری مڈبھیڑ کچھ ایسے گوسے چپٹے لوگوں سے ہوئی تھی جو آسمان و زمین کے درمیان چٹکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ خدا کی قسم نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے اور نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹمک پاتی تھی۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا کنارہ اٹھایا، پھر کہا، وہ خدا کی قسم فرشتے تھے؟ یہ سن کر ابوہب نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے چہرے پر زور دار تھپڑ رسید کیا۔ میں اس سے لڑ پڑا لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پشک دیا۔ پھر میرے اوپر گھٹنے کے بل بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں کمزور جو ٹھہرا۔ لیکن اتنے میں اُمّ الفضل نے اٹھ کر خیمے کا ایک کھبایا اور اسے ایسی ضرب ماری کہ سر میں بڑی طرح چوٹ آگئی اور ساتھ ہی بولیں، اس کا مالک نہیں ہے اس لیے اسے کمزور سمجھ رکھا ہے؟ ابوہب رسوا ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔ اس کے بعد خدا کی قسم صرف سات راتیں گذری تھیں کہ اللہ نے اُسے عدسہ (ایک قسم کے طاعون) میں مبتلا کر دیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ عدسہ کی گلٹی کو عرب بہت منخوس سمجھتے تھے؛ چنانچہ (مرنے کے بعد) اس کے بیٹوں نے بھی اسے یوں ہی چھوڑ دیا اور وہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا۔ کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا اور نہ اس کی تدفین کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کے بیٹوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس طرح چھوڑنے پر لوگ انہیں ملامت کریں گے تو ایک گڑھا کھود کر اسی میں لکڑی سے اس کی لاش دھکیل دی اور دُور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر چھپا دی۔

غرض اس طرح اہل مکہ کو میدان بدر کی شکستِ فاش کی خبر ملی اور ان کی طبیعت پر اس کا نہایت بُرا اثر پڑا حتیٰ کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی تاکہ مسلمانوں کو ان کے غم پر خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔

اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں اسود بن عبدالمطلب کے تین بیٹے مارے گئے اس لیے وہ ان پر رونا چاہتا تھا۔ وہ اندھا آدمی تھا۔ ایک رات اس نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی۔ جھٹ اپنے غلام کو بھیجا اور کہا، ذرا دیکھو! کیا نوحہ کرنے کی اجازت

مل گئی ہے؛ کیا قریش اپنے مقتولین پر رو رہے ہیں تاکہ میں بھی۔ اپنے بیٹے۔ ابو حکیمہ پر روؤں، کیونکہ میرا سینہ جل رہا ہے۔ غلام نے واپس آ کر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گم شدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بے اختیار کہہ پڑا؛

اتبکی ان یضل لها بعید
فلا تبکی علی بکر ولکن
علی بدر سراً بنی ہصیص
وبکی ان بکیت علی عقیل
وبکیہم ولا تسعی جمیعا
الا قد ساد بعدہم رجال
و یمنعہا من النوم السہود
علی بدر نقاصرت الحدود
ومخزوم و رھط ابی الولید
وبکی حارثا اسد الاسود
وما لابی حکیمۃ من ندید
ولو لا یوم بیدر لم یسودوا

”کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہو گیا؟ اور اس پر بے خوابی نے

اس کی نیند حرام کر رکھی ہے؟ تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔ ہاں ہاں! بدر پر رو جہاں بنی ہصیص، بنی مخزوم اور ابو الولید کے قبیلے کے سربر آوردہ افراد ہیں۔ اگر رونما ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ تو ان لوگوں پر رو اور سب کا نام نہ لے۔ اور ابو حکیمہ کا تو کوئی ہمسر ہی نہ تھا۔ دیکھو! ان کے بعد ایسے ایسے لوگ سردار ہو گئے کہ اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو وہ سردار نہ ہو سکتے تھے۔“

ادھر مسلمانوں کی فتح مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ

مدینے میں فتح کی خوش خبری

نے اہل مدینہ کو جلد از جلد خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنہیں عوالی ربالاتی مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا اور دوسرے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں زید بن مدینہ کے باشندوں کے پاس بھیجا گیا تھا۔

اس دوران یہود اور منافقین نے جھوٹے پروپیگنڈے کر کے مدینے میں بھل بپا کر رکھی تھی یہاں تک کہ یہ خبر بھی اڑا رکھی تھی کہ نبی ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں؛ چنانچہ جب ایک منافق نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی اونٹنی قصوٰء پر سوار آتے دیکھا تو بول پڑا ”واقعی محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ دیکھو! یہ تو انہیں کی اونٹنی ہے۔ ہم اسے

پہچانتے ہیں، اور یہ زید بن حارثہ ہے، شکست کھا کر بھاگا ہے اور اس قدر مرعوب ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے۔ بہر حال جب دونوں قاصد پہنچے تو مسلمانوں نے انہیں گھیر لیا اور ان سے تفصیلات سننے لگے حتیٰ کہ انہیں یقین آ گیا کہ مسلمان فتح یاب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور مدینے کے درو بام تھلیل و تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور جو سربراہ اور وہ مسلمان مدینے میں رہ گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو اس فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے بدر کے راستے پر نکل پڑے۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس اس وقت خبر پہنچی جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، دفن کر کے قبر پر مٹی برابر کر چکے تھے۔ ان کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے مدینے ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے معرکہ ختم ہونے کے بعد تین دن بدر میں قیام فرمایا، اور ابھی آپ نے میدان جنگ سے کوچ

مالِ غنیمت کا مسئلہ

نہیں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں لشکر کے اندر اختلاف پڑ گیا اور جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپ کے حوالے کرے صحابہ کرام نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد اللہ نے وحی کے ذریعے اس مسئلے کا حل نازل فرمایا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ

مدینے سے نکلے اور بدر میں پہنچے۔ لوگوں سے جنگ ہوئی اور اللہ نے دشمن کو شکست دی۔ پھر ایک گروہ ان کے تعاقب میں لگ گیا اور انہیں کھدیڑنے اور قتل کرنے لگا اور ایک گروہ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑا اور اسے بٹورنے اور سمیٹنے لگا اور ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے رکھا کہ مبادا دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی اذیت پہنچا دے جب رات آئی اور لوگ پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو مالِ غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ ہم نے اسے جمع کیا ہے لہذا اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس کے حق دار نہیں کیونکہ اس مال سے دشمن کو بھگانے اور دُور رکھنے کا کام ہم نے کیا تھا، اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما

رہے تھے انہوں نے کہا: ہمیں یہ خطرہ تھا کہ دشمن آپ کو غفلت میں پا کر کوئی اذیت نہ پہنچا دے اس لیے ہم آپ کی حفاظت میں مشغول رہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۗ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۱۸)

”لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو غنیمت اللہ اور رسول کے لیے ہے۔

پس اللہ سے ڈرو، اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مالِ غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔^{۱۲}

رسول اللہ ﷺ تین روز بدر میں قیام فرما کر مدینے کے لیے چل پڑے۔ آپ کے ہمراہ مشرک

اسلامی شکر مدینے کی راہ میں

قیدی بھی تھے اور مشرکین سے حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت بھی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی سونپی تھی۔ جب آپ وادی صفراء کے درے سے باہر نکلے تو درے اور تازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑا ڈالا اور وہیں خمس رہا پانچواں حصہ علیحدہ کر کے باقی مالِ غنیمت مسلمانوں پر برابر تقسیم کر دیا۔

اور وادی صفراء ہی میں آپ نے حکم صادر فرمایا کہ نصر بن حارث کو قتل کر دیا جائے۔ اس شخص نے جنگ بدر میں مشرکین کا پرچم اٹھا رکھا تھا اور یہ قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا۔ اسلام دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں صدرجہ بڑھا ہوا تھا۔ آپ کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مار دی۔

اس کے بعد جب آپ عرقِ الطیبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ شخص جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اس کا کچھ ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھ ڈالی تھی اور اسی شخص نے آپ کی گردن پر چادر لپیٹ کر آپ کو قتل کرنا چاہا تھا اور اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ بروقت نہ گئے ہوتے تو اس نے اپنی دانست میں تو

آپ کا گلا گھونٹ کر مار ہی ڈالا تھا۔ جب نبی ﷺ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تو کہنے لگا: اے محمد! بچوں کے لیے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آگ! اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے — اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے — اس کی گردن مار دی۔

جنگی لفظ نظر سے ان دونوں طاعتوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا کیونکہ یہ صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جدید اصطلاح کی رو سے جنگی مجرم بھی تھے۔

اس کے بعد جب آپ مقام رُوْحَار پہنچے تو ان مسلمان سربراہوں سے ملاقات ہوئی جو دونوں قاصدوں سے فتح کی بشارت سن کر آپ کا استقبال کرنے اور آپ کو فتح کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب انہوں نے مبارک باد پیش کی تو حضرت سلمہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ ہمیں کاہے کی مبارک باد دے رہے ہیں ہمارا ٹکراؤ تو خدا کی قسم، گنجه سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو اونٹ جیسے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: بھتیجے! یہی لوگ سربراہ اور دکان قوم تھے۔

اس کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ عرض پر دانہ ہوئے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی حمد ہے کہ اس نے آپ کو کامیابی سے بہنکار کیا اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ بخدا! میں یہ سمجھتے ہوئے بدر سے پیچھے نہ رہا تھا کہ آپ کا ٹکراؤ دشمن سے ہوگا؛ میں تو سمجھ رہا تھا کہ بس قافلے کا معاملہ ہے، اور اگر میں یہ سمجھتا کہ دشمن سے سابقہ پڑے گا تو میں پیچھے نہ رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سچ کہتے ہو۔

اس کے بعد آپ مدینہ منورہ میں اس طرح منظر و منصور داخل ہوئے کہ شہر اور گرد و پیش کے سارے دشمنوں پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس فتح کے اثر سے مدینے کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسی موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کیا۔

آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک دن بعد قیدیوں کی آمد آمد ہوئی۔ آپ نے انہیں

صحابہ کرام پر تقسیم فرمادیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اس وصیت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام خود کھجور کھاتے تھے لیکن قیدیوں کو روٹی پیش کرتے تھے۔ واضح رہے کہ مدینے میں کھجور بے حیثیت چیز تھی اور روٹی خاصی گراں قیمت)

قیدیوں کا قضیہ | جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپ نے صحابہ کرام سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ چھیرے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہوگا۔ اور یہ بھی متوقع ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازو بن جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: "واللہ میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکرؓ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں کو۔ (جو حضرت عمرؓ کا قریبی تھا)۔ میرے حوالے کریں اور میں اس کی گردن مار دوں۔ عقیل بن ابی طالب کو علیؓ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن ماریں اور فلاں کو جو حمزہؓ کا بھائی ہے حمزہؓ کے حوالے کریں اور وہ اس کی گردن مار دیں یہاں تک کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے نرم گوشہ نہیں ہے، اور یہ حضرات مشرکین کے صنّادید وائمہ اور قائدین ہیں۔"

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں فرمائی؛ چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر لیا۔ اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے بھی رونے کی وجہ ملی تو روؤں گا اور اگر نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے۔ اسی کی وجہ سے رو رہا ہوں؛ اور آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا۔"

اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُشْحِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ
عَرْضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ
اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۶۸/۶۷:۸)

”کسی نبی کے لیے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کر لے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے؛ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے نوشتہ سبقت نہ کر چکا ہوتا تو تم لوگوں نے جو کچھ لیا ہے اس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا۔“

اور اللہ کی طرف سے جو نوشتہ سبقت کر چکا تھا وہ یہ تھا۔ فَاِمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاِمَّا
فِدَاءً (۴:۴۷) یعنی ”مشرکین کو جنگ میں قید کرنے کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو۔“

چونکہ اس نوشتے میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے صحابہ کرامؓ کو قبولِ فدیہ پر سزا نہیں دی گئی بلکہ صرف سزائش کی گئی اور یہ بھی اس لیے کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے سے پہلے قیدی بنایا تھا؛ اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے ایسے بحرین جنگ سے فدیہ لینا قبول کر لیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے اکابر بحرین تھے جنہیں جدید قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا، اور جن کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

بہر حال چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہو چکا تھا اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اہل مکہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے جبکہ اہل مدینہ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے، اس لیے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جب یہ نیچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے کسی قیدیوں پر احسان بھی فرمایا اور انھیں فدیہ لینے بغیر رہا کر دیا۔ اس فہرست میں مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابو عزہ حمجی کے نام آتے ہیں۔ آخر الذکر کو آئندہ جنگ احد میں قید اور قتل کیا گیا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

آپ نے اپنے داماد ابوالعاص کو بھی اس شرط پر بلا فدیہ چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ نہ روکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ حضرت زینبؓ نے ابوالعاص کے فدیے میں کچھ مال بھیجا تھا جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار درحقیقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور جب انہوں نے حضرت زینبؓ کو ابوالعاص کے پاس رخصت کیا تھا تو یہ ہار انہیں ڈے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر بڑی رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ کرامؓ سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں۔ صحابہ نے اسے بسر و چشم قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوالعاص نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت زینبؓ نے ہجرت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن عارثہ اور ایک انصاری صحابی کو بھیج دیا کہ تم دونوں بطن یا حج میں رہنا۔ جب زینبؓ تمہارے پاس سے گزریں تو ساتھ ہو لینا۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔ حضرت زینبؓ کی ہجرت کا واقعہ بڑا طویل اور المناک ہے۔

قیدیوں میں ہیل بن عمرو بھی تھا جو بڑا زبان آور خطیب تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے۔ اس کی زبان پٹ جا یا کرے گی اور وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپ کے خلاف کبھی کھڑا نہ ہو سکے گا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ گزارش مسترد کر دی کیونکہ یہ منٹے کے ضمن میں آتا ہے جس پر قیامت کے روز اللہ کی طرف سے پکڑ کا خطرہ تھا۔

حضرت سعد بن نoman رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے مکملے تو انہیں ابوسفیان نے قید کر لیا۔ ابوسفیان کا بیٹا عمرو بھی جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا۔ چنانچہ عمرو کو ابوسفیان کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے حضرت سعدؓ کو چھوڑ دیا۔

قرآن کا تبصرہ | اسی غزوے کے تعلق سے سورۃ انفال نازل ہوئی جو درحقیقت اس غزوے پر ایک خدائی تبصرہ ہے۔ اگر یہ تعبیر صحیح ہو۔ اور یہ تبصرہ بادشاہوں اور کمانڈروں وغیرہ کے فائنمانہ تبصروں سے بالکل ہی جداگانہ ہے۔ اس تبصرے کی چند باتیں مختصر یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مسلمانوں کی نظر ان کوتاہیوں اور اخلاقی کمزوریوں کی طرف مبذول کرائی جو ان میں فی الجملہ باقی رہ گئی تھیں اور جن میں سے بعض بعض کا اظہار اس موقع پر ہو گیا تھا۔ اس توجہ دہانی کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک صاف کر کے کامل ترین بن جائیں۔

اس کے بعد اس فتح میں اللہ تعالیٰ کی جو تائید اور غیبی مدد شامل تھی، اس کا ذکر فرمایا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان اپنی شجاعت و بہادری کے فریب میں نہ آجائیں۔ جس کے نتیجے میں مزاج و طبائع پر غرور و تکبر کا تسلط ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اس کے اور پیغمبر ﷺ کے اطاعت کیش رہیں۔

پھر ان بلند اغراض و مقاصد کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خوفناک اور خوریز معرکے میں قدم رکھا تھا اور اسی ضمن میں ان اخلاق و اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جو معرکوں میں فستح کا سبب بنتے ہیں۔

پھر مشرکین و منافقین کو اور یہود اور جنگی قیدیوں کو مخاطب کر کے فصیح و بلیغ نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ حق کے سامنے جھک جائیں اور اس کے پابند بن جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے معاملے میں مخاطب کرتے ہوئے انہیں اس مسئلے کے تمام بنیادی قواعد و اصول سمجھائے اور بتائے گئے ہیں۔

پھر اس مرحلے پر اسلامی دعوت کو جنگ و صلح کے جن قوانین کی ضرورت تھی ان کی توضیح اور مشروعیت ہے تاکہ مسلمانوں کی جنگ اور اہل جاہلیت کی جنگ میں امتیاز قائم ہو جائے، اور اخلاق و کردار کے میدان میں مسلمانوں کو برتری حاصل رہے، اور دنیا اچھی طرح جان لے کہ اسلام محض ایک نظریہ نہیں ہے بلکہ وہ جن اصولوں اور ضابطوں کا داعی ہے ان کے مطابق اپنے ماننے والوں کی عملی تربیت بھی کرتا ہے۔

پھر اسلامی حکومت کے قوانین کی کئی دفعات بیان کی گئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں بسنے والے مسلمانوں اور اس دائرے سے باہر رہنے والے مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔

متفرق واقعات

۲۷ھ میں رمضان کا روزہ اور صدقہ فطر فرض کیا گیا اور زکوٰۃ کے مختلف نصابوں کی تفصیلاً تعیین کی گئی۔ صدقہ فطر کی فرضیت

اور زکوٰۃ کے نصاب کی تعیین سے اس بوجھ اور مشقت میں بڑی کمی آگئی جس سے فقراء و مہاجرین کی ایک بڑی تعداد دوچار تھی، کیونکہ وہ طلب رزق کے لیے زمین میں دوڑ دھوپ کے امکانات سے محروم تھے۔

پھر نہایت نفیس موقع اور خوشگوار اتفاق یہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں پہلی عید جو منائی وہ شوال ۲۷ھ کی عید تھی جو جنگ بدر کی فتح میں کے بعد پیش آئی۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عید سعید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح و عزت کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افروز تھا اس نماز عید کا منظر جسے مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تکیہ و توحید اور تحمید و تسبیح کی آوازیں بلند کرتے ہوئے میدان میں جا کر ادا کیا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کی کی ہوئی تائید کے سبب اس کی رحمت و ضوان کے شوق سے لبریز اور اس کی طرف رغبت کے جذبات سے معمور تھے اور ان کی پیشانیاں اس کے شکر و سپاس کی ادائیگی کے لیے جھکی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:

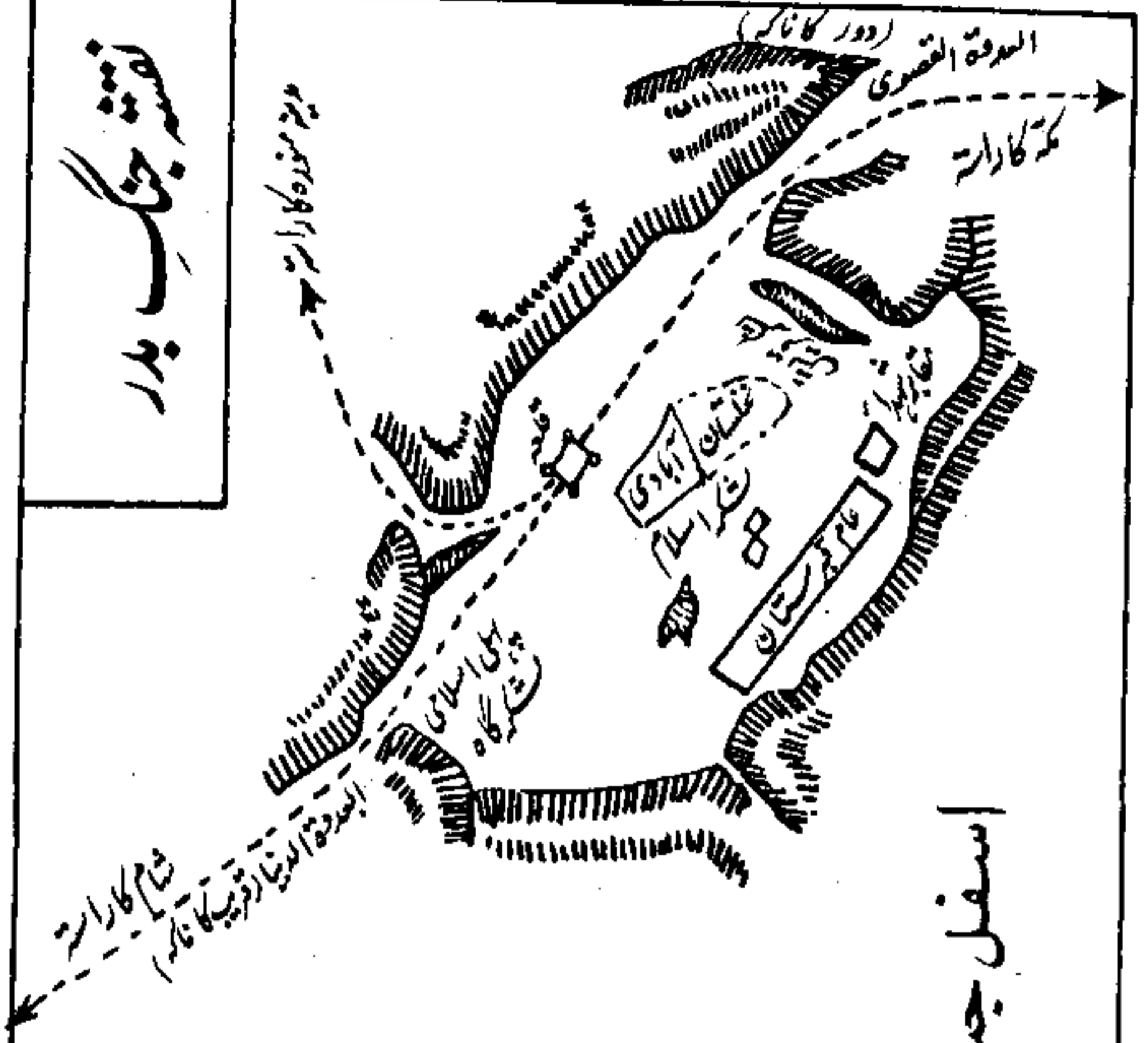
وَ اذْکُرُوْا اِذَا نُنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَفَكُمُ النَّاسُ

فَاُوْبِكُمْ وَاٰیْدُكُمْ بِبَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (۲۶:۸)

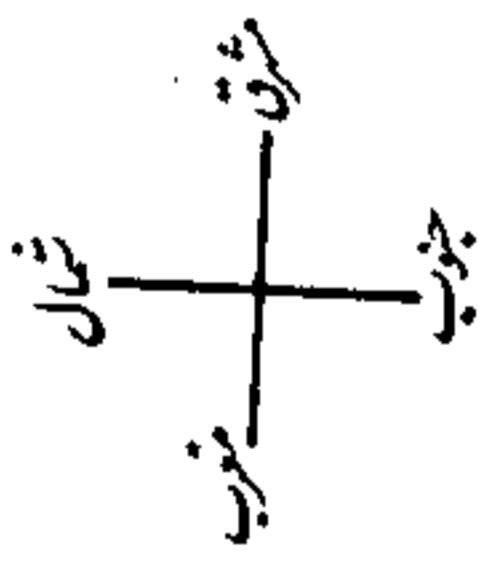
”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے پس اس نے تمہیں ٹھکانا رحمت فرمایا اور اپنی مدد کے ذریعے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تاکہ تم لوگ اس کا شکر ادا کرو۔“

فہرست جنگ بدر

مہینہ سنو ۶ کا راستہ



اسفل جمیل



بھرا ہونے کے لئے کا وہ راستہ جس پر پھیل کر اوسٹینان نے قافلہ کو مسلمانوں کی زد سے بچا دیا۔

بھرا ہونے

بد کے بعد کی جنگی سرگرمیاں

بدر کا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کا سب سے پہلا مسلح ٹکراؤ اور فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو فتحِ مبین حاصل ہوئی اور سارے عرب نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اس معرکہ کے نتائج سے سب سے زیادہ وہی لوگ دل گرفتہ تھے جنہیں براہِ راست یہ نقصانِ عظیم برداشت کرنا پڑا تھا، یعنی مشرکین؛ یا وہ لوگ جو مسلمانوں کے غلبہ و سر بلندی کو اپنے مذہبی اور اقتصادی وجود کے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے، یعنی یہود۔ چنانچہ جب سے مسلمانوں نے بدر کا معرکہ سر کیا تھا یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور رنج و الم سے جل بھن رہے تھے جیسا کہ ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ﴿۸۲﴾ (۸۲:۱۵)

”تم اہل ایمان کا سب سے زبردست دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو۔“

مدینے میں کچھ لوگ ان دونوں گروہوں کے ہراز و دساز تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اپنا وقار برقرار رکھنے کی اب کوئی سبیل باقی نہیں رہ گئی ہے تو بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کا گروہ تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور مشرکین سے کم غم و غصہ نہ رکھتا تھا۔

ان کے علاوہ ایک چوتھا گروہ بھی تھا، یعنی وہ بدو جو مدینے کے گرد و پیش بود و باش رکھتے تھے۔ انہیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی؛ لیکن یہ لمبیرے اور رہزن تھے، اس لیے بدر کی کامیابی سے انہیں بھی قلق و اضطراب تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ مدینے میں ایک طاقت ور حکومت قائم ہو گئی تو ان کی ٹوٹ کھسوٹ کا راستہ بند ہو جائے گا، اس لیے ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف کینہ جاگ اٹھا اور یہ بھی مسلم دشمن ہو گئے۔

اس طرح مسلمان چاروں طرف سے خطرے میں گھر گئے، لیکن مسلمانوں کے سلسلے میں ہر فریق کا طرزِ عمل دوسرے سے مختلف تھا۔ ہر فریق نے اپنے حسبِ حال ایسا طریقہ اپنایا تھا جو اس کے خیال میں اس کی غرض و غایت کی تکمیل کا فیصل تھا، چنانچہ اہل مدینہ نے اسلام کا اظہار کر کے درپردہ سازشوں

دسیسہ کاریوں اور باہم لڑانے بھڑانے کی راہ اپنائی۔ یہود کے ایک گروہ نے کھلم کھلا رنج و عداوت اور غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا۔ اہل مکہ نے کمر توڑ ضرب کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور بدلہ اور انتقام لینے کا کھلا اعلان کیا۔ ان کی جنگی تیاریاں بھی کھلے عام ہو رہی تھیں؛ گویا وہ زبان حال سے مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ

ولا ید من یوم اغرّ محجل یطول استماعی بعدہ للنوادب

ایک ایسا روشن اور تابناک دن ضروری ہے جس کے بعد عرصہ دراز تک نوحہ کرنے

والیوں کے زحے سننا رہوں۔

اور سال بھر کے بعد وہ عملاً ایک ایسی معرکہ آرائی کے لیے مدینے کی چہار دیواری تک چڑھ آتے جو تاریخ میں غزوہ احد کے نام سے معروف ہے اور جس کا مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر بڑا اثر پڑا تھا۔

ان خطرات سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں نے بڑے اہم اقدامات کئے جن سے نبی ﷺ کی قائدانہ عبقریت کا پتا چلتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینے کی قیادت گرد و پیش کے ان خطرات کے سلسلے میں کس قدر بیدار تھی اور ان سے نمٹنے کیلئے کتنے جامع منصوبے رکھتی تھی۔ اگلی سطور میں اسی کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

غزوہ بدر کے بعد سب سے پہلی خبر جو مدینے کے
۱۔ غزوہ بنی سلیم بہ مقام کدر
 شبہ اطلاعات نے فراہم کی وہ یہ تھی کہ قبیلہ

عطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینے پر چڑھائی کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ نے دو سو سواروں کے ساتھ ان پر خود ان کے اپنے علاقے میں اچانک دھاوا بول دیا اور مقام کدر میں ان کی منازل تک جا پہنچے۔ بنو سلیم میں اس اچانک حملے سے بھگدڑ مچ گئی اور وہ افراتفری کے عالم میں وادی کے اندر پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے جس پر شکر مدینہ نے قبضہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکال کر بقیہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں دو دو اونٹ آتے۔ اس غزوے میں یسار نامی ایک

لے کدر۔ ک پر پیش اور دال ساکن ہے۔ یہ دراصل مٹیائے رنگ کی ایک چڑیا ہوتی ہے لیکن یہاں بنو سلیم کا ایک حشمہ مراد ہے جو نجد میں کتے سے (براہتہ نجد) شام جانے والی کاروانی شاہراہ پر واقع ہے۔

غلام ہاتھ آیا جسے آپ نے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ دیارِ نبی شکریم میں تین روز قیام فرما کر مدینہ پلٹ آئے۔

یہ غزوہ شوال ۲ء میں بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران شیباع بن عرفطہ کو اور کہا جاتا ہے کہ ابنِ اُمّ مکتوم کو مدینے کا انتظام سونپا گیا تھا۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش

جنگ بدر میں شکست کھا کر مشرکین غصے سے بے قابو تھے

اور پورا نگہ نبی ﷺ کے خلاف ہانڈی کی طرح کھول رہا تھا۔ بالآخر مکے کے دو بہادر جوانوں نے طے کیا کہ وہ۔ اپنی دانست میں۔ اس اختلاف و شقاق کی بنیاد اور اس ذلتِ رسوائی کی جڑ (نعوذ باللہ) یعنی نبی ﷺ کا خاتمہ کر دیں گے۔

چنانچہ جنگ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ عمیر بن وہب مجھی۔ جو قریش کے شیطانوں میں سے تھا اور مکے میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور اب اس کا بیٹا وہب بن عمیر جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں تھا۔ اس نے ایک دن صفوان بن امیہ کے ساتھ حطیم میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہوئے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتولوں کا ذکر کیا۔ اس پر صفوان نے کہا: خدا کی قسم ان کے بعد جینے میں کوئی لطف نہیں۔ جواب میں عمیر نے کہا: خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو۔ دیکھو! خدا کی قسم اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا، جس کی ادائیگی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں، اور اہل و عیال نہ ہوتے، جن کے بارے میں اندیشہ ہے کہ میرے بعد ضائع ہو جائیں گے، تو میں سوار ہو کر محمد کے پاس جاتا اور اُسے قتل کر ڈالتا، کیونکہ میرے لیے وہاں جانے کی ایک وجہ موجود ہے۔ میرا بیٹا ان کے ہاں قید ہے۔

صفوان نے اس صورتِ حال کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا: اچھا چلو! تمہارا قرض میرے ذمے ہے میں اسے تمہاری جانب سے ادا کر دوں گا، اور تمہارے اہل و عیال میرے اہل و عیال ہیں۔ جب تک وہ موجود رہیں گے میں ان کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرے پاس کوئی چیز موجود ہو اور ان کو نہ ملے۔

عمیر نے کہا: اچھا تو اب میرے اور اپنے اس معاملے کو صیغہ راز میں رکھنا۔ صفوان نے

کہا ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔

اس کے بعد عمیر نے اپنی تلوار پر سان رکھائی اور زہر آلود کرائی، پھر روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا؛ لیکن ابھی وہ مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی بٹھا ہی رہا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے درمیان جنگ بدر میں اللہ کے عطا کردہ اعزاز و اکرام کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا: ”یہ کتا، اللہ کا دشمن عمیر، کسی بُرے ہی ارادے سے آیا ہے۔“ پھر انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمیر اپنی تلوار حائل کے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے پاس لے آؤ۔“ عمیر آیا تو حضرت عمر نے اس کی تلوار کے پرتلے کو اس کے گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور انصار کے چند افراد سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور وہیں بیٹھ جاؤ اور آپ کے خلاف اس خبیث کے خطرے سے چو کنا رہو؛ کیونکہ یہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ عمیر کو اندر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی گردن میں اس کی تلوار کا پرتلا پیٹ کر پکڑے ہوئے ہیں تو فرمایا: ”عمر! اسے چھوڑ دو۔ اور عمیر! تم قریب آ جاؤ۔“ اس نے قریب آ کر کہا: ”آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو! نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے تجیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تجیہ سے بہتر ہے، یعنی سلام سے، جو اہل جنت کا تجیہ ہے۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”اے عمیر! تم کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا یہ قیدی جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے اسی کے لیے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے بارے میں احسان فرما دیجئے۔“ آپ نے فرمایا: ”پھر یہ تمہاری گردن میں تلوار کیوں ہے؟ اُس نے کہا: اللہ ان تلواروں کا بڑا کرے۔ کہ یہ ہمارے کچھ کام نہ آسکیں!“

آپ نے فرمایا: ”سچ سچ بتاؤ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا: بس صرف اسی قیدی کے لیے آیا ہوں۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے۔ اور قریش کے جو مقتولین کتوں میں پھینکے گئے ہیں ان کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا: اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور میرے اہل و عیال نہ ہوتے تو میں یہاں سے جاتا اور عسند کو قتل کر دیتا۔ اس پر صفوان نے تمہارے قرض اور اہل و عیال کی ذمہ داری لی بشرطیکہ تم مجھے قتل کر دو۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ میرے اور تمہارے

درمیان حائل ہے۔

سک عمیر نے کہا ہیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمان کی جو خبریں لاتے تھے، اور آپ پر جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے ہم جھٹلا دیا کرتے تھے لیکن یہ تو ایسا معاملہ ہے جس میں میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اس لیے واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بات اللہ کے سوا اور کسی نے آپ تک نہیں پہنچائی۔

پس اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور اس مقام تک ہانک کر پہنچایا۔ پھر عمیر نے کلمہ حق کی شہادت دی اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: "اپنے بھائی کو دین سمجھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

ادھر صفوان لوگوں سے کہتا پھر رہا تھا کہ یہ خوشخبری سن لو کہ چند ہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آئے گا جو بدر کے مصائب بھلوا دے گا۔ ساتھ ہی وہ آنے جانے والوں سے عمیر کی بابت پوچھتا بھی رہتا تھا۔ بالآخر اسے ایک سوار نے بتایا کہ عمیر مسلمان ہو چکا ہے۔ یہ سن کر صفوان نے قسم کھائی کہ اس سے کبھی بات نہ کرے گا اور نہ کبھی اسے نفع پہنچائے گا۔ ادھر عمیر نے اسلام سیکھ کر ننگے کی راہ لی اور وہیں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

۳۔ غزوہ بنی قینقاع | رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہود کے ساتھ جو معاہدہ فرمایا تھا اس کی دفعات پچھلے صفحات

میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری کوشش اور خواہش تھی کہ اس معاہدے میں جو کچھ طے پا گیا ہے وہ نافذ رہے؛ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جو اس معاہدے کی عبارت کے کسی ایک حرف کے بھی خلاف ہو۔ لیکن یہود جن کی تاریخ غدروخیانت اور عہد شکنی سے پُر ہے وہ بہت جلد اپنے قدیم مزاج کی طرف پلٹ گئے اور مسلمانوں کی صفوں کے اندر ویسے کاری، سازش، لڑانے بھڑانے اور ہنگامے اور ضرب باپا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لگے ہاتھوں ایک مثال بھی سنتے چلیے۔

یہود کی عیاری کا ایک نمونہ | ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی

شاش بن قیس — جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھا، بڑا زبردست کافر تھا، اور مسلمانوں سے سخت عداوت و حسد رکھتا تھا — ایک بار صحابہ کرام کی ایک مجلس کے پاس سے گذرا، جس میں اوس و خزرج دونوں ہی قبیلے کے لوگ بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ اسے یہ دیکھ کر کہ اب ان کے اندر جاہلیت کی باہمی عداوت کی جگہ اسلام کی الفت و اجتماعیت نے لے لی ہے، اور ان کی دیرینہ شکر رنجی کا خاتمہ ہو گیا ہے، سخت رنج ہوا۔ کہنے لگا: اوہ اس دیار میں بنو قیید کے اشراف متحد ہو گئے ہیں! بخدا ان اثرات کے اتحاد کے بعد تو ہمارا یہاں گذر نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی کو جو اس کے ساتھ تھا حکم دیا کہ ان کی مجالس میں جاتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر پھر جنگ بٹھا اور اس کے پہلے کے حالات کا ذکر کرے اور اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے ہیں کچھ ان میں سے سنائے۔ اس یہودی نے ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں اوس و خزرج میں تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ لوگ جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے حتیٰ کہ دونوں قبیلوں کے ایک ایک آدمی نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رد و شرح شروع کر دی؛ پھر ایک نے اپنے بدمقابل سے کہا: اگر چاہو تو ہم اس جنگ کو پھر جو ان کر کے پٹا دیں — مقصد یہ تھا کہ ہم اس یاہمی جنگ کے لیے پھر تیار ہیں جو اس سے پہلے لڑی جا چکی ہے۔ اس پر دونوں فریقوں کو تاؤ آ گیا اور بولے، چلو ہم تیار ہیں۔ حُرّہ میں مقابلہ ہوگا — ہتھیار۔۔۔۔۔ ہتھیار۔۔۔۔۔!

اور لوگ ہتھیار لے کر حُرّہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ خزیرہ جنگ ہو جاتی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ اپنے ہاجرین صحابہ کو ہمراہ لے کر جھٹ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ۔ اللہ۔ کیا میرے رہتے ہوئے جاہلیت کی پکار! اور وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرما چکا ہے اور اس کے ذریعے تم سے جاہلیت کا معاملہ کاٹ کر اور تمہیں کفر سے نجات دے کر تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ چکا ہے! آپ کی نصیحت سن کر صحابہ کو احساس ہوا کہ ان کی حرکت شیطان کا ایک جھٹکا اور دشمن کی ایک چال تھی؛ چنانچہ وہ رونے لگے اور اوس و خزرج کے لوگ ایک دوسرے سے گلے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت شعار و فرمانبردار بن کر اس حالت میں واپس آئے کہ اللہ نے ان کے دشمن

شاش بن قیس کی عیاری کی آگ بجھادی تھی

یہ ہے ایک نمونہ ان ہنگاموں اور اضطراب کا جنہیں یہود مسلمانوں کی صفوں میں بپا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور یہ ہے ایک مثال اس روٹے کی جسے یہ یہود اسلامی دعوت کی راہ میں اٹکاتے رہتے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مختلف منصوبے بنا رکھے تھے۔ وہ جھوٹے پروپیگنڈے کرتے تھے۔ صبح مسلمان ہو کر شام کو پھر کافر ہو جاتے تھے تاکہ کمزور اور سادہ لوح قسم کے لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ کے بیج بوسکیں۔ کسی کے ساتھ مالی تعلق ہوتا اور وہ مسلمان ہو جاتا تو اس پر معیشت کی راہیں تنگ کر دیتے؛ چنانچہ اگر اس کے ذمے کچھ بقایا ہوتا تو صبح و شام تقاضے کرتے۔ اور اگر خود اس مسلمان کا کچھ بقایا ان پر ہوتا تو اسے ادا نہ کرتے بلکہ باطل طریقے پر کھا جاتے اور کہتے کہ تمہارا قرض تو ہمارے اوپر اُس وقت تھا جب تم اپنے آبائی دین پر تھے لیکن اب جبکہ تم نے اپنا دین بدل دیا ہے تو اب ہمارا اور تمہارا کوئی لین دین نہیں۔

واضح رہے کہ یہود نے یہ ساری حرکتیں بدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں، اور اس معاہدے کے علی الرغم شروع کر دی تھیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ وہ ان یہود کی ہدایت یابی کی امید میں ان ساری باتوں پر صبر کرتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلوب تھا کہ اس علاقے میں امن و سلامتی کا ماحول برقرار رہے۔

جب یہود نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی زبردست مدد فرما کر انہیں عزت و شوکت

بنو قینقاع کی عہد شکنی

سے سرفراز فرمایا ہے اور ان کا رعب و دہد بہ دور و نزدیک ہر جگہ رہنے والوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے تو ان کی عداوت و حسد کی ہانڈی پھٹ پڑی۔ انہوں نے کھلم کھلا شر و عداوت کا مظاہرہ کیا اور علی الاعلان بغاوت و ایذا رسانی پر اتر آئے۔

ان میں سب سے زیادہ کینہ تو زاور سب سے بڑھ کر شریکعب بن اشرف تھا جس کا ذکر

آگے آ رہا ہے؛ اسی طرح قینوں یہودی قبائل میں سب سے زیادہ بد معاش بنو قینقاع کا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مدینے ہی کے اندر رہتے تھے اور ان کا محلہ انہی کے نام سے موسوم تھا۔ یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے سونار، لوہار اور برتن ساز تھے۔ ان پیشوں کے سبب ان کے ہر آدمی کے پاس وافر مقدار میں سامان جنگ موجود تھا۔ ان کے مردان جنگی کی تعداد سات سو تھی اور وہ مدینے کے سب سے بہادر یہودی تھے۔ انہیں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ تفصیل یہ ہے :

جب اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تو ان کی سرکشی میں شدت آگئی۔ انہوں نے اپنی شرارتوں، خباثتوں اور لڑانے بھڑانے کی حرکتوں میں وسعت اختیار کر لی اور خلفشار پیدا کرنا شروع کر دیا؛ چنانچہ جو مسلمان ان کے بازار میں جاتا اس سے وہ مذاق و استہزاء کرتے اور اُسے اذیت پہنچاتے حتیٰ کہ مسلمان عورتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس طرح جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی اور ان کی سرکشی خاصی بڑھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جمع فرما کر وعظ و نصیحت کی اور رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوئے ظلم و بغاوت کے انجام سے ڈرایا۔ لیکن اس سے ان کی بد معاشی اور غرور میں کچھ اور ہی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ امام ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بدر کے دن شکست دیدی اور آپ مدینہ تشریف لائے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع کیا اور فرمایا: "اے جماعت یہود! اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم پر بھی ویسی ہی مار پڑے جیسی قریش پر پڑ چکی ہے۔" انہوں نے کہا: "اے محمد! تمہیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری مڈ بھیر قریش کے اناڑی اور نا آشنائے جنگ لوگوں سے ہوئی اور تم نے انہیں مار لیا۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہو گئی تو پتا چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں اور ہمارے جیسے لوگوں سے تمہیں پالانہ پڑا تھا۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَ بئْسَ الْمِهَادُ ۝
 قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ
 كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلِهِمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۚ إِنَّ

فِي ذَلِكَ لَعِبَةٌ لِّلْأُولَى الْأَبْصَارِ ○ (۱۳/۱۲:۳)

”ان کافروں سے کہہ دو کہ عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ جن دو گروہوں میں ٹکڑے ہوئی ان میں تمہارے لیے نشانی ہے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ یہ ان کو آنکھوں دیکھنے میں اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے؛ اور اللہ اپنی مدد کے ذریعے جس کی تائید چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے اندر یقیناً نظروالوں کے لیے عبرت ہے“ بہر حال بنو قینقاع نے جو جواب دیا تھا اس کا مطلب صاف صاف اعلانِ جنگ تھا؛ لیکن نبی ﷺ نے اپنا غصہ پی یا اور صبر کیا۔ مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر اس نصیحت کے بعد یہود بنو قینقاع کی جراتِ زندانہ اور بڑھ گئی؛ چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے مدینے میں بلوہ اور ہنگامہ بپا کر دیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر کھود لی اور اپنے اوپر زندگی کی راہ بند کر لی۔

ابن ہشام نے ابوعمون سے روایت کی ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور بیچ کر (کسی ضرورت کے لیے) ایک سنار کے پاس، جو یہودی تھا، بیٹھ گئی۔ یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلاکت راپھلی طرف باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہو گئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ اس پر اس عورت نے چیخ پکار مچائی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اُسے مار ڈالا۔ جو اہل یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد مقتول مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں بلوہ ہو گیا۔

اس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ آپ نے مدینے کا انتظام

محصارہ، سپردگی اور جلا وطنی

پھر یاد دے کر اللہ کے شکر کے ہمراہ بنوقینقاع کا رخ کیا۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو گرٹھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے ان کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شوال سلسلہ کی ۵ تاریخ۔ پندرہ روز تک — یعنی ہلال ذی القعدہ کے نمودار ہونے تک — محاصرہ جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی سنت ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنا چاہتا ہے تو ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے؛ چنانچہ بنوقینقاع نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جان، مال، آل و اولاد اور عورتوں کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہوگا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے ان سب کو باندھ لیا گیا۔

لیکن یہی موقع تھا جب عبداللہ بن ابی نے اپنا منافقانہ کردار ادا کیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سخت اصرار و الحاح کیا کہ آپ ان کے بارے میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ اُس نے کہا: اے محمد! میرے معاہدین کے بارے میں احسان کیجئے۔“ واضح رہے کہ بنوقینقاع خزرج کے حلیف تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کی۔ اس پر اس نے اپنی بات پھر دہرائی۔ مگر اب کی بار آپ نے اس سے اپنا رخ پھیر لیا۔ لیکن اس شخص نے آپ کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو! اور ایسے غضبناک ہوئے کہ لوگوں نے غصے کی پرچھائیاں آپ کے چہرے پر دیکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس، مجھے چھوڑ۔ لیکن یہ منافق اپنے اصرار پر قائم رہا اور بولا: نہیں بخدا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے معاہدین کے بارے میں احسان فرمادیں۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زہ پوش جنہوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے؟ واللہ! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔“

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کے ساتھ جس کے اظہارِ اسلام پر ابھی کوئی ایک ہی مہینہ گزرا تھا، رعایت کا معاملہ کیا اور اس کی خاطر ان سب کی جان بخشی کر دی البتہ انہیں حکم دیا کہ وہ مدینے سے نکل جائیں اور آپ کے پڑوس میں نہ رہیں؛ چنانچہ یہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں اکثر کی موت واقع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اموال ضبط کر لیے۔ جن میں سے تین کمائیں، دو زرہیں،

تین تلواریں اور تین نیزے اپنے لیے منتخب فرماتے اور مالِ غنیمت میں سے خمس بھی نکالا۔
 عنانم جمع کرنے کا کام محمد بن مسلمہ نے انجام دیا۔ ۵

ایک طرف صفوان بن امیہ، یہود اور منافقین اپنی اپنی سازشوں
 میں مصروف تھے تو دوسری طرف ابوسفیان بھی کوئی ایسی کارروائی انجام

۴۔ غزوة سويق

دینے کی ادھیڑ میں تھا جس میں بارگم سے کم پڑے لیکن اثر نمایاں ہو۔ وہ ایسی کارروائی جلد از جلد
 انجام دے کر اپنی قوم کی آبرو کی حفاظت اور ان کی قوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نذر
 مان رکھی تھی کہ جنابت کے سبب اس کے سر کو پانی نہ چھوسکے گا یہاں تک کہ محمد ﷺ سے
 لڑائی کر لے۔ چنانچہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا۔ اور
 وادی قناتہ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں خمیہ زن ہوا مدینے سے اس
 کا فاصلہ کوئی بارہ میل ہے؛ لیکن چونکہ ابوسفیان کو مدینے پر کھلم کھلا حملے کی ہمت نہ ہوتی اس لیے
 اُس نے ایک ایسی کارروائی انجام دی جسے ڈاکہ زنی سے ملتی جلتی کارروائی کہا جاسکتا ہے۔ اس کی
 تفصیل یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اطرافِ مدینہ کے اندر داخل ہوا اور حُئی بن اخطب کے
 پاس جا کر اس کا دروازہ کھلوا یا۔ حُئی نے انجام کے خوف سے انکار کر دیا۔ ابوسفیان پلٹ کر
 بَنُو نَضِیر کے ایک دوسرے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا جو بَنُو نَضِیر کا خزاچی بھی تھا۔ ابوسفیان
 نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت بھی دی اور مہمان نوازی بھی کی۔ خوراک کے
 علاوہ شراب بھی پلائی اور لوگوں کے پس پردہ حالات سے آگاہ بھی کیا۔ رات کے پھلے پہر
 ابوسفیان وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کا ایک دستہ بھیج کر مدینے کے
 اطراف میں عریض نامی ایک مقام پر حملہ کرادیا۔ اس دستے نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے
 اور جلاتے اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو ان کے کھیت میں پا کر قتل کر دیا اور
 تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

رسول اللہ ﷺ نے واردات کی خبر ملتے ہی تیز رفتاری سے ابوسفیان اور اس کے
 ساتھیوں کا تعاقب کیا لیکن وہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بھاگے؛ چنانچہ وہ لوگ
 تو دستیاب نہ ہوئے لیکن انہوں نے بوجھ بھکا کرنے کے لیے ستو، توٹے اور بہت سا ساز و سامان

پھینک دیا تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کرکرة الکر تک تعاقب کر کے واپسی کی راہ لی۔ مسلمان سٹو وغیرہ لاد پھاند کر واپس ہوتے اور اس مہم کا نام غزوة سونق رکھ دیا۔ سونق عربی زبان میں سٹو کو کہتے ہیں۔ یہ غزوة، جنگ بدر کے صرف دو ماہ بعد ذی الحجہ ۳ھ میں پیش آیا۔ اس غزوة کے دوران مدینے کا انتظام ابولبابہ بن عبدالمندر رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا تھا۔ ۹

۵۔ غزوة ذی امر

معرکہ بدر واحد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیر قیادت یہ سب سے بڑی فوجی مہم تھی جو محرم ۳ھ میں پیش آئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع فراہم کی کہ بنو ثعلبہ اور محارب کی بہت بڑی جمعیت مدینے پر چھا پہ مارنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے۔ یہ اطلاع ملنے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور سوار و پیادہ پر مشتمل ساڑھے چار سو کی نفری لے کر روانہ ہوئے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

راستے میں صحابہ نے بنو ثعلبہ کے جبار نامی ایک شخص کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے اُسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں دے دیا اور اس نے راہ شناس کی حیثیت سے مسلمانوں کو دشمن کی سرزمین تک راستہ بتایا۔

ادھر دشمن کو جیشِ مدینہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ گرد و پیش کی پہاڑیوں میں بکھر گئے لیکن نبی ﷺ نے پیش قدمی جاری رکھی اور شکر کے ہمراہ اس مقام تک تشریف لے گئے جسے دشمن نے اپنی جمعیت کی فراہمی کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ درحقیقت ایک چشمہ تھا جو ”ذی امر“ کے نام سے معروف تھا۔ آپ نے وہاں بدوؤں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے اور انہیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس دلانے کے لیے صفر ۳ھ کا پورا یا تقریباً پورا مہینہ گزار دیا اور اس کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ ۱۰

۹ زاد المعاد ۲/۹۰، ۹۱، ابن ہشام ۲/۴۴، ۴۵، ۱۰ ابن ہشام ۲/۴۶، زاد المعاد ۲/۹۱ کہا جاتا ہے کہ دشمنوں یا غورث محاربتی نے اسی غزوة میں نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک دوسرے غزوة میں پیش آیا دیکھئے صحیح بخاری ۲/۵۹۳

۶۔ کعب بن اشرف کا قتل

یہودیوں میں یہ وہ شخص تھا جسے اسلام اور اہل اسلام سے نہایت سخت عداوت اور جلن تھی۔ یہ نبی

ﷺ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ کے خلاف جنگ کی کھلم کھلا دعوت دیتا پھرتا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ طی کی شاخ بنو بھان سے تھا اور اس کی ماں قبیلہ بنی نضیر سے تھی۔ یہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ عرب میں اس کے حُسن و جمال کا شہرہ تھا اور یہ ایک معروف شاعر بھی تھا۔ اس کا قلعہ مدینے کے جنوب میں بنو نضیر کی آبادی کے پیچھے واقع تھا۔

اسے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور سردارانِ قریش کے قتل کی پہلی خبر ملی تو بے ساختہ بول اٹھا: کیا واقعہ ایسا ہوا ہے؟ یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ اگر محمد نے ان کو ماریا ہے تو روئے زمین کا شکم اس کی پشت سے بہتر ہے۔“

اور جب اسے یقینی طور پر اس خبر کا علم ہو گیا تو اللہ کا یہ دشمن، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو اور دشمنانِ اسلام کی مدح سرائی پر اتر آیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس سے بھی اس کے جذبات آسودہ نہ ہوئے تو سوار ہو کر قریش کے پاس پہنچا اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا ہمان ہوا۔ پھر مشرکین کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتشِ انتقام تیز کرنے اور انہیں نبی ﷺ کے خلاف آمادہ جنگ کرنے کے لیے اشعار کہہ کہہ کر ان سردارانِ قریش کا نوحہ و ماتم شروع کر دیا جنہیں میدانِ بدر میں قتل کے جانے کے بعد کنویں میں پھینک دیا گیا تھا۔ کتے میں اس کی موجودگی کے دوران ابوسفیان اور مشرکین نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارا دین تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا؟ اور دونوں میں سے کون سا فریق زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: تم لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور افضل ہو۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَنزَلْنَا لَهُمُ الْكُتُبَ وَالنَّارُوتِ وَالطَّاعُونَ
وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ○ (۵۱:۴)

”تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ جنت اور طاعت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہیں۔“

کعب بن اشرف یہ سب کچھ کر کے مدینہ واپس آیا تو یہاں آکر صحابہ کرام کی عورتوں کے

بارے میں واہیات اشعار کہنے شروع کئے اور اپنی زبان درازی و بدگوئی کے ذریعے سخت اذیت پہنچائی۔

یہی حالات تھے جن سے متنگ آکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔ اس کے جواب میں محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، ابونانہ — جن کا نام سلکان بن سلامہ تھا اور جو کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ — حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس مختصر سی کمپنی کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے۔

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں روایات کا حاصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے، تو محمد بن مسلمہ نے اٹھ کر عرض کیا: "یا رسول اللہ میں حاضر ہوں کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا: تو آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، کہہ سکتے ہو۔"

اس کے بعد محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس تشریف لے گئے اور بولے: "اس شخص نے — اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا — ہم سے صدقہ طلب کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال رکھا ہے۔"

کعب نے کہا: "واللہ، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا: "اب جبکہ ہم اس کے پیروکار بن ہی چکے ہیں تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے! اچھا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ دے دیں۔"

کعب نے کہا: "میرے پاس کچھ رہن رکھو۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا: "آپ کون سی چیز پسند کریں گے؟"

کعب نے کہا: "اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا: "بھلا ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کیسے رہن رکھ دیں جبکہ آپ عرب کے سب سے خوبصورت انسان ہیں۔"

اُس نے کہا: "تو پھر اپنے بیٹوں ہی کو رہن رکھ دو۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا: "ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں؟ اگر ایسا ہو گیا تو انہیں گالی دی جائے گی کہ یہ ایک دست یا دو دست کے بدلے رہن رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے عار کی بات ہے۔ البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔"

اس کے بعد دونوں میں طے ہو گیا کہ محمد بن مسلمہ رہتھیار لے کر اس کے پاس آئیں گے۔ ادھر ابو نائلہ نے بھی اسی طرح کا اقدام کیا، یعنی کعب بن اشرف کے پاس آئے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کے اشعار سنتے سنتے رہے پھر بولے: "بھئی ابن اشرف! میں ایک ضرورت سے آیا ہوں، اسے ذکر کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن اسے آپ ذرا صیغہ راز ہی میں رکھیں گے۔"

کعب نے کہا: "ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔"

ابو نائلہ نے کہا: "بھئی اس شخص — اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا — کی آمد تو ہمارے لیے آزمائش بن گئی ہے۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کر لیا ہے، ہماری راہیں بند ہو گئی ہیں۔ اہل و عیال برباد ہو رہے ہیں، جانوں پر بن آئی ہے۔ ہم اور ہمارے بال بچے مشقتوں سے چور چور ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے بھی کچھ اسی ڈھنگ کی گفتگو کی جیسی محمد بن مسلمہ نے کی تھی۔ دوران گفتگو ابو نائلہ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ رفقاء ہیں جن کے خیالات بھی بالکل میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ نیچیں۔ اور ان پر احسان کریں۔

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ اپنی اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب بن اشرف چونک نہیں سکتا تھا۔ اس ابتدائی مرحلے کو مکمل کر لینے کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۳ھ ہجری کی چاندنی رات کو مختصر سا دستہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوا۔ آپ نے بیعت غرقدہک ان کی مشایعت فرمائی۔ پھر فرمایا اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے۔ پھر آپ اپنے گھر پلٹ آئے اور نماز و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

ادھر یہ دستہ کعب بن اشرف کے قلعے کے دامن میں پہنچا تو اسے ابو نائلہ نے قدرے زور سے آواز دی۔ آواز سن کر وہ ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اس کی بیوی نے —

جو ابھی نئی نویلی دلہن تھی — کہا: اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔“

کعب نے کہا: یہ تو میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ کا ساتھی ابو نائلہ ہے۔ کریم آدمی کو اگر نیزے کی مار کی طرف بلایا جائے تو اس پکار پر بھی وہ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر آ گیا۔ خوشبو میں بسا ہوا تھا اور سر سے خوشبو کی لہریں پھوٹ رہی تھیں۔

ابو نائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آجائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا۔ جب تم دیکھنا کہ میں نے اس کا سر پکڑ کر اُسے قابو میں کر لیا ہے تو اس پر پل پڑنا۔۔۔ اور اُسے مار ڈالنا۔ چنانچہ جب کعب آیا تو کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ابو نائلہ نے کہا: ابن اشرف! کیوں نہ شعب عجز تک چلیں۔ ذرا آج رات باتیں کی جائیں۔ اس نے کہا: اگر تم چاہتے ہو تو چلتے ہیں؟ اس پر سب لوگ چل پڑے۔ اثنار راہ میں ابو نائلہ نے کہا: آج جیسی عمدہ خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ سن کر کعب کا سینہ فخر سے تن گیا۔ کہنے لگا، میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو والی عورت ہے۔ ابو نائلہ نے کہا، اجازت ہو تو ذرا آپ کا سر سونگھ لوں؟ وہ بولا ہاں ہاں۔ ابو نائلہ نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ پھر خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ کچھ اور چلے تو ابو نائلہ نے کہا، بھئی ایک بار اور۔ کعب نے کہا ہاں ہاں، ابو نائلہ نے پھر وہی حرکت کی یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو گیا۔

اس کے بعد کچھ اور چلے تو ابو نائلہ نے پھر کہا، کعب بھئی ایک بار اور۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اب کی بار ابو نائلہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر ذرا اچھی طرح پکڑ لیا تو بولے: لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔ اتنے میں اس پر کئی تلواریں پڑیں؛ لیکن کچھ کام نہ دے سکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیڑوں پر لگا کر چڑھ بیٹھے۔ کدال اُپر ہو گئی اور اللہ کا یہ دشمن وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حملے کے دوران اس نے اتنی زبردست چیخ لگائی تھی کہ گرد و پیش میں پھل مچ گئی تھی اور کوئی ایسا قلعہ باقی نہ بچا تھا جس پر آگ روشن نہ کی گئی ہو۔ لیکن ہوا کچھ بھی نہیں۔ کارروائی کے دوران حضرت حارث بن اوس کو بعض ساتھیوں کی تلوار کی نوک لگ گئی تھی۔ جس سے وہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے جسم سے خون بہ رہا تھا؛ چنانچہ واپسی میں جب یہ دستہ عرہ عریض پہنچا تو دیکھا کہ حارث ساتھ نہیں ہیں اس لیے سب لوگ وہیں رُک گئے۔ تھوڑی دیر

بعد حارث بھی ان کے نشانات قدم دیکھتے ہوئے آن پہنچے۔ وہاں سے لوگوں نے انہیں اٹھایا۔ اور بقیع غرقہ پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی سنائی پڑا۔ آپ سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے اُسے ماریا ہے؛ چنانچہ آپ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا اَفْلَحْتَ الْوَجُوهُ۔ یہ چہرے کا میاب رہیں۔ ان لوگوں نے کہا وَوَجْهَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ آپ کا چہرہ بھی اے اللہ کے رسول! اور اس کے ساتھ ہی اس طاغوت کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس کے قتل پر اللہ کی حمد و ثناء کی اور حارث کے زخم پر لعابِ دہن لگا دیا جس سے وہ شفا یاب ہو گئے اور آئندہ کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ اللہ

ادھر یہود کو جب اپنے طاغوت کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے ہٹ دھرم اور ضدی دلوں میں رعب کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ محسوس کر لیں گے کہ امن و امان کے ساتھ کھیلنے والوں، ہنگامے اور اضطراریات بپا کرنے والوں اور عہد و پیمان کا احترام نہ کرنے والوں پر نصیحت کارگر نہیں ہو رہی ہے تو آپ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کریں گے، اس لیے انہوں نے اپنے اس طاغوت کے قتل پر چوں نہ کیا بلکہ ایک دم، دم سادھے پڑے رہے۔ ایفائے عہد کا مظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے؛ یعنی سانپ تیزی کے ساتھ اپنی بلوں میں جا گھسے۔

اس طرح ایک مدت تک کے لیے رسول اللہ ﷺ بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کا سامنا کرنے کے لیے فارغ ہو گئے اور مسلمان ان بہت سی اندرونی مشکلات کے بارگراں سے سبکدوش ہو گئے جن کا اندیشہ انہیں محسوس ہو رہا تھا اور جن کی بُو وقتاً فوقتاً وہ سونگھتے رہتے تھے۔

یہ ایک بڑی فوجی طلائیہ گردی تھی جس کی تعداد تین سو تھی۔ اس فوج کو لے کر رسول اللہ ﷺ ماہ ربیع الآخر ۳ھ میں بحران نامی ایک علاقے کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ حجاز کے اندر فرع کے اطراف میں ایک معدنیاتی مقام ہے۔ اور ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے وہیں قیام فرما رہے۔

اللہ اس واقعے کی تفصیل ابن ہشام ۲/۵۱-۵۴- صحیح بخاری ۱/۳۴۱-۳۴۵، ۲/۵۴۴۔

سنن ابی داؤد مع عویٰ المعبود ۲/۴۲، ۴۳۔ اور زاد المعاد ۲/۹۱ سے ماخوذ ہے۔

اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ کسی قسم کی لڑائی سے سابقہ پیش نہ آیا۔

۸۔ سریتہ زید بن حارثہ | جنگ احد سے پہلے مسلمانوں کی یہ آخری اور کامیاب ترین مہم تھی جو جمادی الاخرہ ۳ء میں پیش آئی۔

واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ قریش جنگ بدر کے بعد سے قلع و اضطراب میں مبتلا تو تھے ہی مگر جب گرمی کا موسم آگیا اور ملک شام کے تجارتی سفر کا وقت آن پہنچا تو انہیں ایک اور فکر دامن گیر ہوئی۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ صفوان بن امیہ نے — جسے قریش کی طرف سے اس سال ملک شام جانے والے تجارتی قافلے کا میرکارواں منتخب کیا گیا تھا۔ قریش سے کہا: ”مخدا اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ ہمارے لیے پُرصوبت بنا دی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس کے ساتھیوں سے کیسے نمٹیں۔ وہ ساحل چھوڑ کر بٹھتے ہی نہیں اور باشندگان ساحل نے ان سے مصالحت کر لی ہے۔ عام لوگ بھی انہیں کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کون سا راستہ اختیار کریں؟ اگر ہم گھروں ہی میں بیٹھ رہیں تو اپنا اصل مال بھی کھا جائیگا اور کچھ باقی نہ بچے گا؛ کیونکہ مکے میں ہماری زندگی کا دار و مدار اس پر ہے کہ گرمی میں شام اور جاڑے میں حبشہ سے تجارت کریں۔“

صفوان کے اس سوال کے بعد اس موضوع پر غور و خوض شروع ہو گیا۔ آخر اسود بن عبدالمطلب نے صفوان سے کہا: ”تم ساحل کا راستہ چھوڑ کر عراق کے راستے سفر کرو۔“ واضح رہے کہ یہ راستہ بہت لمبا ہے۔ نجد سے ہو کر شام جاتا ہے اور مدینہ کے مشرق میں خاصے فاصلے سے گذرتا ہے۔ قریش اس راستے سے بالکل ناواقف تھے اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے صفوان کو مشورہ دیا کہ وہ فرات بن حیان کو — جو قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا — راستہ بتانے کے لیے راہنما رکھ لے۔ وہ اس سفر میں اس کی رہنمائی کر دے گا۔

اس انتظام کے بعد قریش کا کارواں صفوان بن امیہ کی قیادت میں نئے راستے سے روانہ

۱۲ ابن ہشام ۲/۵۰، ۵۱۔ زاد المعاد ۲/۹۱۔ اس غزوے کے اسباب کی تعیین میں ماخذ مختلف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ بنو سلیم مدینہ اور اطراف مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ قریش کے کسی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے۔ ابن ہشام نے یہی سبب ذکر کیا ہے اور ابن قیم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ پہلا سبب سرے سے ذکر نہیں کیا ہے۔ یہی بات درست بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بنو سلیم فرع کے اطراف میں آباد نہیں تھے بلکہ نجد میں آباد تھے جو فرع سے بہت زیادہ دور ہے۔

ہوا مگر اس کا رواں اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی خبر مدینہ پہنچ گئی۔ ہوا یہ کہ سلیط بن نعمان جو مسلمان ہو چکے تھے نعیم بن مسعود کے ساتھ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، بادہ نوشی کی ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب نعیم پر نشے کا غلبہ ہوا تو انہوں نے قافلے اور اس کے سفر کے پورے منصوبے کی تفصیل بیان کر ڈالی۔ سلیط پوری برق رفتاری کے ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور ساری تفصیل کہہ سنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً حملے کی تیاری کی۔ اور سو سواروں کا ایک رسالہ حضرت زید بن عارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کی کمان میں دے کر روانہ کر دیا۔ حضرت زید نے نہایت تیزی سے راستہ طے کیا اور ابھی قریش کا قافلہ بالکل بے خبری کے عالم میں قرہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ اسے جایا اور اچانک یلغار کر کے پورے قافلے پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ اور دیگر محافظین کا رواں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

مسلمانوں نے قافلے کے راہنما فرات بن حیان کو اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ظروف اور چاندی کی بہت بڑی مقدار جو قافلے کے پاس تھی، اور جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا، بطور غنیمت ہاتھ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر مالِ غنیمت رسالے کے افراد پر تقسیم کر دیا اور فرات بن حیان نے نبی ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ سلا

بدر کے بعد قریش کے لیے یہ سب سے الم انگیز واقعہ تھا جس سے ان کے قلق و اضطراب اور غم و الم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو اپنا کبر و غرور چھوڑ کر مسلمانوں سے صلح کر لیں یا بھرپور جنگ کر کے اپنی عزتِ رفتہ اور مجد گشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت کو اس طرح توڑ دیں کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔ قریش مکہ نے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا؛ چنانچہ اس واقعہ کے بعد قریش کا جوشِ انتقام کچھ اور بڑھ گیا اور اس نے مسلمانوں سے ٹکر لینے اور ان کے دیار میں گھس کر ان پر حملہ کرنے کے لیے بھرپور تیاری شروع کر دی۔ اس طرح پچھلے واقعات کے علاوہ یہ واقعہ بھی معرکہ احد کا خاص عامل

ہے۔

غزوة حُند

انتقامی جنگ کے لیے قریش کی تیاریاں | اہل مکہ کو معرکہ بدر میں شکست و ہزیمت کی جوڑک اور اپنے صنّادید

اشراف کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا اس کے سبب وہ مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب سے کھول رہے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے مقتولین پر آہ و فغاں کرنے سے بھی روک دیا تھا اور قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے منع کر دیا تھا تاکہ مسلمان ان کے رنج و غم کی شدت کا اندازہ نہ کر سکیں۔ پھر انہوں نے جنگ بدر کے بعد یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں سے ایک بھر پور جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں اور اپنے جذبہ غیظ و غضب کو تسکین دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس طرح کی معرکہ آرائی کی تیاری بھی شروع کر دی۔ اس معاملے میں سردار ابن قریش میں سے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب، اور عبداللہ بن ربیعہ زیادہ پُر جوش اور سب سے پیش پیش تھے۔

ان لوگوں نے اس سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو جنگ بدر کا باعث بنا تھا اور جسے ابوسفیان بچا کر نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس کا سارا مال جنگی اخراجات کے لیے روک لیا اور جن لوگوں کا مال تھا ان سے کہا کہ: اے قریش کے لوگو! تمہیں محمدؐ نے سخت دھچکا لگایا ہے اور تمہارے منتخب سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اس مال کے ذریعے مدد کرو؛ ممکن ہے کہ ہم بدلہ چکالیں۔ قریش کے لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ یہ سارا مال جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی، جنگ کی تیاری کے لیے بیچ ڈالا گیا۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ط
فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ط (۳۶:۸)

”جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کریں گے۔ تو یہ

خرچ تو کریں گے لیکن پھر یہ ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگا۔ پھر مغلوب کئے جائیں گے۔“

پھر انہوں نے رضا کارانہ جنگی خدمت کا دروازہ کھول دیا کہ جو احابش، کنانہ اور اہلِ ہامہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونا چاہیں وہ قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ترغیب و تحریر کی مختلف صورتیں بھی اختیار کیں، یہاں تک کہ ابو عرہ شاعر جو جنگ بدر میں قید ہوا تھا اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے یہ عہد لے کر کہ اب وہ آپ کے خلاف کبھی نہ اٹھے گا ازراہِ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا، اُسے صفوان بن امیہ نے ابھارا کہ وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا کام کرے اور اس سے یہ عہد کیا کہ اگر وہ لڑائی سے بچ کر زندہ سلامت واپس آگیا تو اُسے مالِ مال کر دے گا، ورنہ اس کی لڑکیوں کی کفالت کرے گا۔ چنانچہ ابو عرہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے عہد و پیمانہ کو پس پشت ڈال کر جذباتِ غیرت و حمیت کو شعلہ زن کرنے والے اشعار کے ذریعے قبائل کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اسی طرح قریش نے ایک اور شاعر مسافع بن عبد مناف مجحی کو اس مہم کے لیے تیار کیا۔ ادھر ابوسفیان نے غزوہٴ سویق سے ناکام و نامراد بلکہ سامانِ رسد کی ایک بہت بڑی مقدار سے ہاتھ دھو کر واپس آنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارنے اور بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھائی۔

پھر اخیر میں سر یہ زید بن حارثہ کے واقعے سے قریش کو جس سنگین اور اقتصادی طور پر کمزور خسارہ سے دوچار ہونا پڑا اور انہیں جس قدر بے اندازہ رنج و الم پہنچا اس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آگئی۔

چنانچہ سال پورا ہوتے ہوتے قریش کی تیاری مکمل ہو گئی۔ ان کے اپنے افراد کے

علاوہ ان کے حلیفوں اور احابش کو ملا کر مجموعی طور پر کل تین ہزار فوج تیار ہوئی۔ قائدین قریش کی رائے ہوئی کہ اپنے ساتھ عورتیں بھی لے چلیں تاکہ حرمت و ناموس کی حفاظت کا احساس کچھ زیادہ ہی جذبہٴ جان سپاری کے ساتھ لڑنے کا سبب بنے۔ لہذا اس لشکر میں انکی عورتیں بھی شامل ہوئیں جن کی تعداد پندرہ تھی۔ سواری و بار برداری کے لیے تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے کے

یہ دوسو گھوڑے لیے ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے انہیں پورے راستے بازو میں لے جایا گیا یعنی ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زہریں تھیں۔

ابوسفیان کو پورے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رسالے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو ان کا معاون بنایا گیا۔ پرچم مقررہ دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

مکی لشکر کی روانگی | اس بھرپور تیاری کے بعد مکی لشکر نے اس حالت میں مدینے کا رُخ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور انتقام کا جذبہ ان کے دلوں میں شعلہ بن کر بھڑک رہا تھا اور یہ جو عنقریب پیش آنے والی جنگ کی خوریزی اور شدت کا پتا دے رہا تھا۔

مدینے میں اطلاع | حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کی اس ساری نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں کا بڑی چابکدستی اور گہرائی سے مطالعہ کر رہے تھے؛

چنانچہ جوں ہی یہ لشکر حرکت میں آیا، حضرت عباسؓ نے اس کی ساری تفصیلات پر مشتمل ایک خط فوراً نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ فرما دیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قاصد پیغام رسانی میں نہایت پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے نکتے سے مدینے تک کوئی پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے ان کا خط نبی ﷺ کے حوالے کیا۔ اس وقت آپ مسجد قبا میں تشریف فرما تھے۔

یہ خط حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے انہیں رازداری برتنے کی تاکید کی اور جھٹ مدینہ تشریف لا کر انصار و مہاجرین کے قسامین سے صلاح و مشورہ کیا۔

ہنگامی صورت حال کے مقابلے کی تیاری | اس کے بعد مدینے میں عام لام بندی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

لوگ کسی بھی اچانک صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے لگے؛ حتیٰ کہ نماز میں بھی ہتھیار جدا نہیں کیا جاتا تھا۔

ادھر انصار کا ایک مختصر سادستہ، جس میں سعد بن معاذ، اُسَید بن حُضَیر اور سعد بن عبادہ

رضی اللہ عنہم تھے، رسول اللہ ﷺ کی نگرانی پر تعینات ہو گیا۔ یہ لوگ ہتھیار پہن کر ساری ساری رات رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر گزار دیتے تھے۔

کچھ اور دستے اس خطرے کے پیش نظر کہ غفلت کی حالت میں اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ مدینے میں داخلے کے مختلف راستوں پر تعینات ہو گئے۔

چند دیگر دستوں نے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے طلایہ گردی شروع کر دی یہ دستے ان راستوں پر گشت کرتے رہتے تھے جن سے گذر کر مدینے پر چھا پہ مارا جاسکتا تھا۔

ادھر مکی لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا رہا۔ جب ابوعمر پہنچا تو ابوسفیان کی بیوی ہند بنت

مکی لشکر، مدینے کے دامن میں

عتبہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی قبر اکھیر دی جائے۔

لیکن اس دروازے کو کھولنے کے جو سنگین نتائج نکل سکتے تھے اس کے خوف سے قائدین لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔

اس کے بعد لشکر نے اپنا سفر بدستور جاری رکھا یہاں تک کہ مدینے کے قریب پہنچ کر پہلے وادی عقیق سے گذرا پھر کسی قدر داہنے جانب کترا کر کوہ احد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر جو مدینہ کے شمال میں وادی قناتہ کے کنارے ایک بنجر زمین ہے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جمعہ ۶ شوال ۳ہ کا واقعہ ہے۔

مدینے کی دفاعی حکمت عملی کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس

مکی لشکر کی ایک ایک خبر مدینہ پہنچا رہے تھے، حتیٰ کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی پہنچا دی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مناسب حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے صلاح مشورہ کرنا تھا۔ آپ نے انہیں اپنا دیکھا ہوا ایک خواب بتلایا۔ آپ نے بتلایا کہ واللہ میں نے ایک بھلی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ ذرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپ نے گائے کی یہ تعبیر بتلانی کہ کچھ صحابہ قتل کئے جائیں گے۔ تلوار میں شکستگی کی یہ تعبیر بتلانی کہ آپ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہوگا اور محفوظ

مدینے کے
ذرائع اطلاعات

زیرہ کی تعبیر بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

پھر آپ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے دفاعی حکمتِ عملی کے متعلق اپنی رائے پیش کی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ اب اگر مشرکین اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو بے مقصد اور بُرا قیام ہوگا اور اگر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی۔ یہی صحیح رائے تھی اور اسی رائے سے عبداللہ بن ابی راس المنافقین نے بھی اتفاق کیا جو اس مجلس میں خزیج کے ایک سرکردہ نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھا لیکن اس کے اتفاق کی بنیاد یہ نہ تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہی صحیح موقف تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دُور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس نے چاہا کہ یہ شخص اپنے رفقاء سمیت پہلی بار سرعام رسوا ہو جائے اور ان کے کفر و نفاق پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ ہٹ جائے اور مسلمانوں کو اپنے مشکل ترین وقت میں معلوم ہو جائے کہ ان کی آستین میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔

چنانچہ فضلاءِ صحابہ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی، بڑھ کر نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے چلیں اور انہوں نے اپنی اس رائے پر سخت اصرار کیا؛ حتیٰ کہ بعض صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اس کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ دشمن کے بد مقابل ہی تشریف لے چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں۔“

ان گرم جوش حضرات میں خود رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جو معرکہ بدر میں اپنی تلوار کا جوہر دکھلا چکے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا یہاں تک کہ مدینہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ کر لوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری

فیصلہ یہی ہوا کہ مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں معرکہ آرائی کی جائے۔

اسلامی لشکر کی ترتیب اور میدان جنگ کیلئے روانگی

اس کے بعد نبی ﷺ نے

جمعہ کی نماز پڑھائی تو وعظ و نصیحت کی، جدوجہد کی ترغیب دی اور بتلایا کہ صبر اور ثابت قدمی ہی سے غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ سن کر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس کے بعد جب آپ نے عصر کی نماز پڑھی تو اس وقت تک لوگ جمع ہو چکے تھے عموماً کے باشندے بھی آچکے تھے۔ نماز کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور لباس پہنایا۔ آپ نے نیچے اوپر دو زبریں پہنیں، تلوار جمائل کی اور ہتھیار سے آراستہ ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لائے۔ لوگ آپ کی آمد کے منتظر تو تھے ہی لیکن اس دوران حضرت سعد بن معاذ اور اُسید بن حُضَیْر رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا ہے لہذا معاملہ آپ ہی کے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کر سب لوگوں نے ندامت محسوس کی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آپ کو جو پسند ہو وہی کیجئے۔ اگر آپ کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں رہیں تو آپ ایسا ہی کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے تاکہ اللہ اس کے درمیان اور اُس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرمادے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔

- ۱- مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مُصْعِب بن عُمَیْر عُبَدِیْ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔
 - ۲- قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اُسَیْد بن حُضَیْر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
 - ۳- قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اس کا علم جناب بن مُنْذِر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔
- پورا لشکر ایک ہزار مردان جنگی پر مشتمل تھا جن میں ایک سو زره پوش اور پچاس شہسوار

تھے بلکہ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہسوار کوئی بھی نہ تھا۔

حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ مدینے کے اندر رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اس کے بعد کوچ کا اعلان فرما دیا اور شکر نے شمال کا رخ کیا۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے نبی ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔

شَیْئَةُ الْوَدَاعِ سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا جو نہایت عمدہ ہتھیار پہنے ہوئے تھا اور پورے لشکر سے الگ تھلگ تھا۔ آپ نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ خزرج کے حلیف یہود ہیں جو مشرکین کے خلاف شریک جنگ ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا، کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ اس پر آپ نے اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔

پھر آپ نے ”شیخان“ نامی ایک مقام تک پہنچ کر لشکر کا معائنہ فرمایا۔ جو لوگ چھوٹے یا ناقابل جنگ نظر آتے انہیں واپس کر دیا۔ ان کے نام

لشکر کا معائنہ

یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، اسید بن ظہیر، زید بن ثابت، زید بن ارقم، عرابہ بن اوس، عمرو بن حزم، ابوسعید خدری، زید بن حارثہ انصاری اور سعد بن حبرہ رضی اللہ عنہم۔ اسی فہرست میں حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن صحیح بخاری میں ان کی جو روایت مذکور ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اُحد کے موقع پر لڑائی میں شریک تھے البتہ صغر سنی کے باوجود حضرت رافع بن خدیج اور سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہما کو جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تیر انداز تھے اس لیے انہیں اجازت مل گئی۔ جب انہیں اجازت مل گئی تو حضرت سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو رافع سے زیادہ طاقتور ہوں؛ میں اسے پچھاڑ

لے یہ بات ابن تیم نے زاد المعاد ۲/۹۲ میں بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ فاش غلطی ہے موسیٰ بن عقبہ نے حرم کے ساتھ کہا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ اُحد میں سرے سے کوئی گھوڑا تھا ہی نہیں۔ واقعی کا بیان ہے کہ صرف دو گھوڑے تھے، ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ اور ایک ابوبدہ رضی اللہ عنہ کے پاس (فتح الباری، ۲۵۷)۔

یہ واقعہ ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ یثربینا کے یہود تھے۔

(۳۴/۲) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یثربینا کو جنگ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد جلا وطن کر دیا گیا تھا۔

سکتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے اپنے سامنے دونوں کے کشتی لڑوائی اور واقعہ سمرہ نے رافع کو پھپھاڑ دیا۔ لہذا انہیں بھی اجازت مل گئی۔

یہیں شام ہو چکی تھی۔ لہذا آپ نے یہیں مغرب اور پھر عشاء کی نماز

اُحد اور مدینے کے درمیان شب گزاری

پڑھی اور یہیں رات بھی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ پہرے کے لیے پچاس صحابہ منتخب فرمائے جو کیمپ کے گرد پیش گشت لگاتے رہتے تھے۔ ان کے قائد محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے والی جماعت کی قیادت فرمائی تھی۔ ذکوان بن عبداللہ بن قیس خاص نبی ﷺ کے پاس پہرہ دے رہے تھے۔

طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ پھر چل پڑے اور مقام ”شوط“ پہنچ

عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی کشتی

کے فجر کی نماز پڑھی۔ اب آپ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہیں پہنچ کر عبداللہ بن اُبی منافق نے بغاوت کر دی اور کوئی ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں خواہ مخواہ اپنی جان دیں۔ اس نے اس بات پر بھی احتجاج کا مظاہرہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی اور دوسروں کی بات مان لی۔

یقیناً اس علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اس منافق نے ظاہر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، کیونکہ اس صورت میں حبش نبوی کے ساتھ یہاں تک اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے شکر کی روانگی کے پہلے ہی قدم پر الگ ہو جانا چاہیے تھا۔ اس لیے حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا ہو؛ تاکہ ایک طرف تو عام فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کی ہمت بندھے اور اس کے حوصلے بند ہوں۔ لہذا یہ کارروائی نبی ﷺ اور ان کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی ایک موثر تدبیر تھی جس کے بعد اس منافق کو توقع تھی کہ اس کی اور اس کے رفقاء کی سرداری و سربراہی

کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔

قریب تھا کہ یہ منافق اپنے بعض مقاصد کی برآری میں کامیاب ہو جاتا، کیونکہ مزید دو جماعتوں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑ چکے تھے اور وہ واپسی کی سوچ رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور یہ دونوں جماعتیں اضطراب اور ارادہ واپسی کے بعد جم گئیں۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ (۱۲۲:۳)

”جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ بڑی دلی اختیار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔“

بہر حال منافقین نے واپسی کا فیصلہ کیا تو اس نازک ترین موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کا فرض یاد دلانا چاہا۔ چنانچہ موصوف انہیں ڈانٹتے ہوئے واپسی کی ترغیب دیتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلے کہ آؤ۔ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو۔ مگر انہوں نے جواب میں کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ لوگ لڑائی کریں گے تو ہم واپس نہ ہوتے۔ یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن حرام یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ اواللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی مار۔ یاد رکھو! اللہ اپنے نبی کو تم سے مستثنیٰ کر دے گا۔ ان ہی منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ○ (۱۶۴:۳)

”اور تاکہ اللہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی، اور ان سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے۔ یہ لوگ آج ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے۔“

اس بغاوت اور واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ لشکر کو لے کر جس کی تعداد سات سو

بقیہ اسلامی لشکر دامن احد میں

تھی، دشمن کی طرف قدم بڑھایا۔ دشمن کا پڑاؤ آپ کے درمیان اور اُحد کے درمیان کئی سمت سے حائل تھا۔ اس لیے آپ نے دریافت کیا کہ کوئی آدمی ہے جو ہمیں دشمن کے پاس سے گذرے بغیر کسی قریبی راستے سے لے چلے۔

اس کے جواب میں ابو خنیس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ پھر انہوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کو مغرب کی سمت چھوڑتا ہوا بنی حارثہ کے حرہ اور کھیتوں سے گذرتا تھا۔

اس راستے سے جاتے ہوئے لشکر کا گذر مربع بن قنظی کے باغ سے ہوا۔ یہ شخص منافق بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے لشکر کی آمد محسوس کی تو مسلمانوں کے چہروں پر دُھول پھینکنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو یاد رکھیں کہ آپ کو میرے باغ میں آنے کی اجازت نہیں۔ لوگ اسے قتل کرنے کو پکے لیکن آپ نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو۔ یہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر وادی کے آخری سرے پر واقع اُحد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا۔ سامنے مدینہ تھا اور پیچھے اُحد کا بلند وبالا پہاڑ؛ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حدِ فاصل بن گیا۔

دفاعی منصوبہ | یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی اور جنگی نقطہ نظر سے اسے کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیراندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب کیا جو پچاس مردانِ جنگی پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دؤسی بدری رضی اللہ عنہ کو سپرد کی اور انہیں وادی قناتہ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع ہے اور اب جبلِ رماہ کے نام سے مشہور ہے، تعینات فرمایا۔ اس کا مقصد ان کلمات سے واضح ہے جو آپ نے ان تیراندازوں کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ آپ نے ان کے کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دُور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم بر حملہ نہ ہونے پائے۔ پھر آپ نے تیراندازوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ صحیح بخاری کے الفاظ کے مطابق آپ نے یوں فرمایا: "اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پریشی ہے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھجوں؛ اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھجوں۔"

ان سخت ترین فوجی احکامات و ہدایات کے ساتھ اس دستے کو اس پہاڑی پر متعین فرما کر رسول اللہ ﷺ نے وہ واحد شگاف بند فرما دیا جس سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا تھا اور ان کو محاصرے اور زخموں میں لے سکتا تھا۔

باقی لشکر کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر حضرت منذر بن عمرو مقرر ہوئے اور میسرہ پر حضرت زبیر بن عوف۔ اور ان کا معاون حضرت مقداد بن اسود کو بنایا گیا۔ حضرت زبیر کو یہ ہم بھی سونپی گئی تھی کہ وہ خالد بن ولید کے شہسواروں کی راہ رو کے رکھیں۔ اس ترتیب کے علاوہ صف کے اگلے حصے میں ایسے ممتاز اور منتخب بہادر مسلمان رکھے گئے جن کی جانبازی و دلیری کا شہرہ تھا اور جنہیں ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔

یہ منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت کی عبقریت کا پتا چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کیسا ہی باایقت کیوں نہ ہو آپ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ باوجودیکہ دشمن کے بعد یہاں تشریف لائے تھے لیکن آپ نے اپنے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو جنگی نقطہ نظر سے میدان جنگ کا سب سے بہترین مقام تھا؛ یعنی آپ نے پہاڑ کی بلند یوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو پر دوران جنگ جس واحد شگاف سے حملہ کر کے پشت تک پہنچا جاسکتا تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا اور پڑاؤ کے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدا نخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھاگنے اور تعاقب کنندگان کی قید میں جانے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جاسکے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے

یہ پیش قدمی کرے تو اسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس کے برعکس آپ نے دشمن کو اپنے کیمپ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھاسکے اور اگر مسلمان غالب آجائیں تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اسی طرح آپ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کر کے فوجی تعداد کی کمی پوری کر دی۔ یہ تھی نبی ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷۔ شوال ۳ شہریوم سینچر کی صبح عمل میں آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر میں شجاعت کی روح پھونکتے ہیں | اس کے بعد

رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جب تک آپ حکم نہ دیں جنگ شروع نہ کی جائے۔ آپ نے نیچے اُوپر دوڑ رہیں پہن رکھی تھیں۔ اب آپ نے صحابہ کرام کو جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے تاکید فرمائی کہ جب دشمن سے ٹکراؤ ہو تو پامردی اور ثابت قدمی سے کام لیں۔ آپ نے ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک نہایت تیز تلوار بے نیام کی اور فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ اس پر کئی صحابہ تلوار لینے کے لیے لپک پڑے جن میں علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور عمر بن خطاب بھی تھے، لیکن ابو دجانہ بن جریض رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے دشمن کے چہرے کو مار دیاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس تلوار کو لیکر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے تلوار انہیں دے دی۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جانناڑ تھے۔ لڑائی کے وقت اکڑ کر چلتے تھے۔ ان کے پاس ایک سُرخی پٹی تھی۔ جب اُسے باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ وہ اب موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ جب انہوں نے تلوار لی تو سر پر پٹی بھی باندھ لی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے۔ یہی موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، لیکن اس جیسے موقع پر نہیں۔

مشرکین نے بھی صف بندی ہی کے اصول پر اپنے لشکر کو مرتب اور منظم کیا تھا۔ اُن کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جس نے قلب لشکر

مکی لشکر کی تنظیم

میں اپنا مرکز بنایا تھا۔ یمنہ پر خالد بن ولید تھے جو ابھی تک مشرک تھے۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی اور تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ مقرر ہوئے۔

جھنڈا بنو عبدالدار کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں تھا۔ یہ منصب انہیں اسی وقت سے حاصل تھا جب بنو عبد مناف نے قصی سے وراثت میں پائے ہوئے مناصب کو باہم تقسیم کیا تھا۔ جس کی تفصیل ابتدائے کتاب میں گزر چکی ہے۔ پھر باپ دادا سے جو دستور چلا آ رہا تھا اس کے پیش نظر کوئی شخص اس منصب کے بارے میں ان سے نزاع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سپہ سالار ابوسفیان نے انہیں یاد دلایا کہ جنگ بدر میں ان کا پرچم بردار نصر بن حارث گرفتار ہوا تو قریش کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور اس بات کو یاد دلانے کے ساتھ ہی ان کا عصہ بھڑکانے کے لیے کہا: اے بنی عبدالدار! بدر کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا وہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ درحقیقت فوج پر جھنڈے ہی کی جانب سے زد پڑتی ہے۔ جب جھنڈا گر پڑتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ پس اب کی بار آپ لوگ یا تو ہمارا جھنڈا اٹھیک طور سے سنبھالیں یا ہمارے اور جھنڈے کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ ہم اس کا انتظام خود کر لیں گے۔ اس گفتگو سے ابوسفیان کا جو مقصد تھا اس میں وہ کامیاب رہا۔ کیونکہ اس کی بات سن کر بنی عبدالدار کو سخت تاؤ آیا۔ انہوں نے دھکیاں دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پل پڑیں گے۔ کہنے لگے ہم اپنا جھنڈا تمہیں دیں گے؟ کل جب ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا ہم کیا کرتے ہیں۔ اور واقعی جب جنگ شروع ہوئی تو وہ نہایت پامردی کے ساتھ جھے رہے یہاں تک کہ ان کا ایک ایک آدمی لقمہ اجل بن گیا۔

قریش کی سیاسی چال بازی

آغاز جنگ سے کچھ پہلے قریش نے مسلمانوں کی صف میں پھوٹ ڈالنے اور نزاع پیدا کرنے کی کوشش

کی۔ اس مقصد کے لیے ابوسفیان نے انصار کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے اور ہمارے پیچھے بھائی (محمد ﷺ) کے بیچ سے ہٹ جائیں تو ہمارا رخ بھی آپ کی طرف نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جس ایمان کے آگے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے اس کے آگے یہ چال کیونکر کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انصار نے اسے نہایت سخت

جواب دیا اور کڑوی کبلی سنائی۔

پھر وقت صفر قریب آگیا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں تو قریش نے اس مقصد کے لیے ایک اور کوشش کی، یعنی ان کا ایک خیانت کوش آلہ کار ابو عامر فاسق مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ اس شخص کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور اسے راہب کہا جاتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا۔ یہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا لیکن جب اسلام کی آمد آمد ہوئی تو اسلام اس کے گلے کی پھانس بن گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کھل کر عداوت پر اتر آیا۔ چنانچہ وہ مدینہ سے نکل کر قریش کے پاس پہنچا۔ اور انہیں آپ کے خلاف بھڑکا بھڑکا کر آمادہ جنگ کیا اور یقین دلایا کہ میری قوم کے لوگ مجھے دیکھیں گے تو میری بات مان کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ پہلا شخص تھا جو میدان اُحد میں اجاڑا اور اہل مکہ کے غلاموں کے ہمراہ مسلمانوں کے سامنے آیا اور اپنی قوم کو پکار کر اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا، قبیلہ اوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں۔ ان لوگوں نے کہا، 'او فاسق! اللہ تیری آنکھ کو خوشی نصیب نہ کرے۔ اس نے یہ جواب سنا تو کہا، 'او ہو! میری قوم میرے بعد شر سے دوچار ہو گئی ہے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو اس شخص نے بڑی پُزور جنگ کی اور مسلمانوں پر حملہ کر پھر برساتے۔

اس طرح قریش کی جانب سے اہل ایمان کی صفوں میں تفرقہ ڈالنے کی دوسری کوشش بھی ناکام رہی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تعداد کی کثرت اور ساز و سامان کی فراوانی کے باوجود مشرکین کے دلوں پر مسلمانوں کا کس قدر خوف اور ان کی کیسی ہیبت طاری تھی۔

جوش و ہمت دلانے کے لیے قریشی عورتوں کی تنگ و تاز

اپنا حصہ ادا کرنے اٹھیں۔ ان کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کر رہی تھی۔ ان عورتوں نے صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلایا۔ لڑائی کے لیے بھڑکایا، جانتا زوں کو غیرت دلائی، اور نیزہ بازی و شمشیر زنی، مار دھاڑ اور تیرا فگنی کے لیے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ کبھی وہ علمبرداروں کو مخاطب کر کے یوں کہتیں،

ویہا بنی عبد الدار ویہا حماة الادبار ضربا بكل بتار
دیکھو! بنی عبد الدار! دیکھو! پشت کے پاسدار خوب کرو شمشیر کا وار

اور کبھی اپنی قوم کو لڑائی کا جوش دلاتے ہوئے یوں کہتیں :

إِنْ تَقْبَلُوا نَعَانِقَ وَنَفْرَشُ الْمَارِقِ أَوْ تَدْبِرُوا نَفَارِقَ فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقِ
 اگر پیش قدمی کرو گے تو ہم گلے لگائیں گی۔ اور قالیئیں پھمائیں گی۔ اور اگر پیچھے ہٹو گے تو روٹھ جائیں
 گی اور انگ ہو جائیں گی۔

اس کے بعد دونوں فریق بالکل آمنے سامنے اور قریب
 آگئے اور لڑائی کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ جنگ کا پہلا

ایندھن مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری بنا۔ یہ شخص قریش کا نہایت بہادر شہسوار تھا۔
 اسے مسلمان کبش الکتیبہ (شکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مبارزت کی
 دعوت دی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کے سبب عام صحابہ مقابلے سے کتر آگئے لیکن حضرت
 زبیرؓ آگے بڑھے اور ایک لمحہ کی مہلت دیتے بغیر شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے۔
 پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔

نبی ﷺ نے یہ ولولہ انگیز منظر دیکھا تو فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں نے
 بھی نعرہ تکبیر لگایا پھر آپ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے
 اور میرے حواری زبیرؓ ہیں۔

اس کے بعد ہر طرف جنگ کے
 شعلے بھڑک اٹھے اور پورے

میدان میں پُر زور مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ مشرکین کا پرچم معرکہ کا مرکزِ ثقل تھا۔ بنو عبد الدار نے
 اپنے کمانڈر طلحہ بن ابی طلحہ کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے پرچم سنبھالا لیکن سب کے سب
 مارے گئے۔ سب سے پہلے طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا:

ان علی اهل اللواء حقا ان تخضب الصعدة اوتندقا
 ”پرچم والوں کا فرض ہے کہ نیزہ (رخون سے) رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔“

اس شخص پر حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور اس کے کندھے پر
 ایسی تلوار ماری کہ وہ ہاتھ سمیت کندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی یہاں تک

۹ اس کا ذکر صاحب سیرت حلبیہ نے کیا ہے۔ ورنہ احادیث میں یہ جملہ دوسرے موقعے پر مذکور ہے۔

کہ پھینچا دکھائی دینے لگا۔

اس کے بعد ابوسعبد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا اور وہ ٹھیک اس کے گلے پر لگا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی اور وہ اسی وقت مر گیا۔ لیکن بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابوسعبد نے باہر نکل کر دعوت مبارزت دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کا ایک وار کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسعبد کو مار لیا۔

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا لیکن اسے عاصم بن ثابت بن ابی اسلمح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا مگر اس پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ٹوٹ پڑے اور لڑ بھڑ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان دونوں کے بھائی جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا مگر اسے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے نیزہ مار کر ختم کر دیا؛ اور کہا جاتا ہے کہ عاصم بن ثابت بن ابی اسلمح رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ختم کیا۔ یہ ایک ہی گھر کے چھ افراد تھے۔ یعنی سب کے سب ابو طلحہ عبد اللہ بن عثمان بن عبدالدار کے بیٹے یا پوتے تھے جو مشرکین کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ اس کے بعد قبیلہ بنی عبدالدار کے ایک اور شخص اُرطاة بن شُرْحَبِيل نے پرچم سنبھالا، لیکن اُسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شُرْحَبِيل بن قارظ نے جھنڈا اٹھایا مگر اُسے قرظان نے قتل کر دیا۔ قرظان منافق تھا اور اسلام کے بجائے قبائلی حمیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے آیا تھا۔ شریح کے بعد ابوزید عمرو بن عبدمناف عبدری نے جھنڈا سنبھالا مگر اسے بھی قرظان نے ٹھکانے لگا دیا۔ پھر شُرْحَبِيل بن ہاشم عبدری کے ایک لڑکے نے جھنڈا اٹھایا مگر وہ بھی قرظان کے ہاتھوں مارا گیا۔

یہ بنو عبدالدار کے دس افراد ہوتے جنہوں نے مشرکین کا جھنڈا اٹھایا اور سب کے سب مارے گئے۔ اس کے بعد اس قبیلے کا کوئی آدمی باقی نہ بچا جو جھنڈا اٹھاتا لیکن اس موقع پر ان کے ایک حبشی غلام نے — جس کا نام صواب تھا — پک کر جھنڈا اٹھایا اور ایسی بہادری اور پامردی سے لڑا کہ اپنے سے پہلے جھنڈا اٹھانے والے اپنے آقاؤں سے بھی بازی

لے گیا یعنی یہ شخص مسلسل لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھ یکے بعد دیگرے کاٹ دیئے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے جھنڈا گرنے نہ دیا بلکہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے کھڑا کئے رکھا یہاں تک کہ جان سے مار ڈالا گیا اور اس وقت بھی یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی؟

اس غلام (صواب) کے قتل کے بعد جھنڈا زمین پر گر گیا اور اسے کوئی اٹھانے والا باقی نہ بچا اس لیے وہ گرا ہی رہا۔

ایک طرف مشرکین کا جھنڈا معرکے کا مرکز
ثقل تھا تو دوسری طرف میدان کے بقیہ حصوں

بقیہ حصوں میں جنگ کی کیفیت

میں بھی شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی رُوح چھائی ہوئی تھی اس لیے وہ شرک و کفر کے لشکر پر اس سیلاب کی طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے جس کے سامنے کوئی بند ٹھہر نہیں پاتا۔ مسلمان اس موقع پر اُمّت اُمّت کہہ رہے تھے؛ اور اس جنگ میں یہی ان کا شعار تھا۔

ادھر ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سُرُخ پٹی باندھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھامے اور اس کے حق کی ادائیگی کا عزم مصمم کئے پیش قدمی کی اور لڑتے ہوئے دُور تک جا گئے۔ وہ جس کسی مشرک سے ٹکراتے اس کا صفایا کر دیتے۔ انہوں نے مشرکین کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلوار مانگی اور آپ نے مجھے نہ دی تو میرے دل پر اس کا اثر ہوا اور میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میں آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ کا بیٹا ہوں، قریشی ہوں اور میں نے آپ کے پاس جا کر ابو دُجانہ سے پہلے تلوار مانگی لیکن آپ نے مجھے نہ دی، اور انہیں دے دی اس لیے واللہ! میں دیکھوں گا کہ وہ اس سے کیا کام لیتے ہیں؛ چنانچہ میں ان کے پیچھے لگ گیا۔ انہوں نے یہ کیا کہ پہلے اپنی سُرُخ پٹی نکالی اور سر پر باندھی۔ اس پر انصار نے کہا کہ ابو دُجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے میدان کی طرف بڑھے۔

انا الذی عاهدنی خدیجی و نحن بالسفح لذی النخیل

ان لا اقوم الدهر فی البکول اضرب بسیف اللہ والرسول

”میں نے اس نختان کے دامن میں اپنے خلیل ﷺ سے عہد کیا ہے کہ کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا بلکہ آگے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی تلوار چلاؤں گا۔“

اس کے بعد انہیں جو بھی مل جاتا اُسے قتل کر دیتے۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص تھا جو ہمارے کسی بھی زخمی کو پا جاتا تو اس کا خاتمہ کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے اور واقعہ ٹکر ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا۔ پہلے مشرک نے ابو دجانہ پر تلوار چلائی لیکن ابو دجانہ نے یہ حملہ ڈھال پر روک لیا اور مشرک کی تلوار ڈھال میں پھنس کر رہ گئی۔ اس کے بعد ابو دجانہ نے تلوار چلائی اور مشرک کو وہیں ڈھیر کر دیا۔

اس کے بعد ابو دجانہ صفوں پر صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ قرشی عورتوں کی کمانڈر تک جا پہنچے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا وہ لوگوں کو بڑے زور و شور سے جوش و ولولہ دلا رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا۔ لیکن جب تلوار سے حملہ کرنا چاہا تو اس نے ہتے پکار مچائی اور پتا چلا کہ عورت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو بٹہ نہ لگنے دیا کہ اس سے کسی عورت کو ماروں۔

یہ عورت ہند بنت عتبہ تھی۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو دجانہ کو دیکھا انہوں نے ہند بنت عتبہ کے سر کے بیچوں بیچ تلوار بلند کی اور پھر ہٹا لی۔ میں نے سوچا اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی پیچھے ہوئے شیر کی طرح جنگ لڑ رہے تھے اور بے نظیر مار دھاڑ کے ساتھ قلب شکر کی طرف بڑھے اور چڑھے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے سے بڑے بڑے بہادر اس طرح بکھر جاتے تھے جیسے تیز آندھی میں پتے اڑ رہے ہوں۔ انہوں نے مشرکین کے علمبرداروں کی تباہی میں نمایاں رول ادا کرنے کے علاوہ ان کے بڑے بڑے جانبازوں اور بہادروں کا بھی حال خراب کر رکھا تھا۔ لیکن صد حیف کہ اسی عالم میں ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ مگر انہیں بہادروں کی طرح رُو در رُو لڑ کر شہید نہیں کیا گیا بلکہ بزدلوں

کی طرح چھپ چھپا کر بے خبری کے عالم میں مارا گیا۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل کا نام وحشی بن حرب تھا۔ ہم ان کی شہادت کا واقعہ اسی کی

زبانی نقل کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور ان کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا: "اگر تم محمدؐ کے چچا حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔" وحشی کا بیان ہے کہ اس پیش کش کے نتیجے میں میں بھی لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں وحشی آدمی تھا اور جیشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب لوگوں میں جنگ چھڑ گئی تو میں نکل کر حمزہؓ کو دیکھنے لگا۔ میری نگاہیں ان کی تلاش میں تھیں۔ بالآخر میں نے انہیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا۔ وہ خاکستری اونٹ کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھک نہیں پاتی تھی۔

واللہ! میں ابھی انکے قتل کے ارادے سے تیار ہی ہو رہا تھا اور ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں قریب آنے کا موقع دینا چاہتا تھا کہ اتنے میں سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا۔ حمزہؓ نے اسے لٹکارتے ہوئے کہا: "اے شرمگاہ کی چمڑی کلٹنے والی کے بیٹے! یہ لے۔" اور ساتھ ہی اس زور کی تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا نیزہ اتولا اور جب میری مرضی کے مطابق ہو گیا تو ان کی طرف اچھال دیا۔ نیزہ ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے بیچ سے پار ہو گیا۔ انہوں نے میری طرف اٹھنا چاہا لیکن مغلوب ہو گئے۔ میں نے ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال لیا اور شکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا۔ (میرا کام ختم ہو چکا تھا) مجھے ان کے سوا کسی اور سے سروکار نہ تھا۔ میں نے انہیں محض اس لیے قتل کیا تھا کہ آزاد ہو جاؤں۔ چنانچہ جب مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔

۱۲ ابن ہشام ۲/ ۶۹-۷۲ - صحیح بخاری ۲/ ۵۸۳ - وحشی نے جنگ طائف کے بعد اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسی نیزے سے دُور صدیقی میں جنگ یمامہ کے اندر سنیہ کذاب کو قتل کیا۔ رومیوں کے خلاف جنگ یرموک میں بھی شرکت کی۔

شیر خدا اور شیر رسولؐ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے نتیجے میں مسلمانوں کو جو سنگین خسارہ اور ناکامی قابل تلافی نقصان

مسلمانوں کی بالادستی

پہنچا اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں ہی کا پتہ بھاری رہا۔ حضرت ابو بکر و عمر، علی و زبیرؓ مضرب بن عمیر، طلحہ بن عبید اللہ، عبداللہ بن جحش، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع اور نضر بن انس وغیرہم رضی اللہ عنہم جمعین نے ایسی پامردی و جانبازی سے لڑائی لڑی کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے، حوصلے ٹوٹ گئے، اور ان کی قوت بازو جواب دے گئی۔

اور آئیے! ذرا ادھر دیکھیں۔

عورت کی آغوش سے تلوار کی دھار پر

انہیں جان فروش شہبازوں میں

ایک اور بزرگ حضرت حنظلہؓ انیسل رضی اللہ عنہ نظر آ رہے ہیں۔ جو آج ایک نرالی شان سے میدان جنگ میں تشریف لاتے ہیں۔ آپ اسی ابو عامر راہب کے بیٹے ہیں جسے بعد میں فاسق کے نام سے شہرت ملی اور جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ حضرت حنظلہ نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی۔ جنگ کی منادی ہوئی تو وہ بیوی سے ہم آغوش تھے۔ آواز سنتے ہی آغوش سے نکل کر جہاد کے لیے رواں دواں ہو گئے اور جب مشرکین کے ساتھ میدان کارزار گرم ہوا تو ان کی صفیں چیرتے پھاڑتے ان کے سپہ سالار ابوسفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے۔ مگر اللہ نے خود ان کے لیے شہادت مقدر کر رکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جوں ہی ابوسفیان کو نشانے پرے کر تلوار بلند کی شہاد بن اوس نے دیکھ لیا اور جھٹ حملہ کر دیا جس سے خود حضرت حنظلہؓ شہید ہو گئے۔

جبل رماة پر جن تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے

تیر اندازوں کا کارنامہ

متعین فرمایا تھا انہوں نے بھی جنگ کی رفتار مسلمانوں

کے موافق چلانے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ مکی شہسواروں نے خالد بن ولید کی قیادت میں اور ابو عامر فاسق کی مدد سے اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچا کر بھرپور شکست سے دوچار کرنے کے لیے تین بار پُر زور حملے کئے لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انہیں اس طرح تیروں سے پھلنی کیا کہ ان کے تینوں حملے ناکام ہو گئے۔

مشرکین کی شکست

کچھ دیر تک اسی طرح شدید جنگ ہوتی رہی اور چھوٹا سا اسلامی لشکر، رفتار جنگ پر پوری طرح مسلط رہا۔ بالآخر مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے، اُن کی صفیں دائیں بائیں، آگے پیچھے سے بکھرنے لگیں۔ گویا تین ہزار مشرکین کو سات سو نہیں بلکہ تیس ہزار مسلمانوں کا سامنا ہے۔ ادھر مسلمان تھے کہ ایمان و یقین اور جانبازی و شجاعت کی نہایت بلند پایہ تصویر بنے شمشیر و سنان کے جو ہر دکھلا رہے تھے۔

جب قریش نے مسلمانوں کے تاثر توڑ حملے روکنے کے لیے اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے باوجود مجبوری و بے بسی محسوس کی، اور ان کے حوصلے اس حد تک ٹوٹ گئے کہ صواب کے قتل کے بعد کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سلسلہ جنگ جاری رکھنے کے لیے اپنے گروے ہوئے جھنڈے کے قریب جا کر اسے بلند کرے تو انہوں نے سپاہ ہونا شروع کر دیا اور فرار کی راہ اختیار کی اور بدلہ و انتقام بحالی عزم و وقار اور واپسی مجدد و شرف کی جو باتیں انہوں نے سوچ رکھی تھیں انہیں یکسر بھول گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا؛ چنانچہ مسلمانوں نے تلواروں سے مشرکین کی ایسی کٹائی کی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے اور بلاشبہ ان کو شکست فاش ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد نے فرمایا: واللہ میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اُس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آرہی ہیں۔ وہ کپڑے اٹھاتے بھاگی جا رہی ہیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی چیز بھی حاصل نہیں تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت برابر بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیوں سے کپڑے اٹھاتے پہاڑ میں تیزی سے بھاگ رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں دکھائی پڑ رہی تھیں۔ اور اس بھگدڑ کے عالم میں مسلمان مشرکین پر تلوار چلاتے اور مال سمیٹتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

لیکن عین اس وقت جبکہ یہ مختصر سا اسلامی لشکر تیر اندازوں کی خوفناک غلطی

شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگِ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی، تیراندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور خود نبی کریم ﷺ شہادت سے بال بال بچے؛ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی وہ ساکھ اور وہ ہیبت جاتی رہی جو جنگِ بدر کے نتیجے میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کو فتح و شکست ہر حال میں اپنے پہاڑی مورچے پر ڈٹے رہنے کی کتنی سخت تاکید فرمائی تھی لیکن ان سارے تاکید می احکامات کے باوجود جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان دشمن کا مالِ غنیمت لوٹ رہے ہیں تو ان پر حُتِ دُنیا کا کچھ اثر غالب آ گیا؛ چنانچہ بعض نے بعض سے کہا غنیمت.....! غنیمت.....! تمہارے ساتھی جیت گئے.....! اب کاہے کا انتظار ہے؟

اس آواز کے اُٹھتے ہی ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے احکامات یاد دلائے اور فرمایا؛ کیا تم لوگ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ لیکن ان کی غالب اکثریت نے اس یاد دہانی پر کان نہ دھرا اور کہنے لگے؛ خدا کی قسم ہم بھی لوگوں کے پاس ضرور جائیں گے اور کچھ مالِ غنیمت ضرور حاصل کریں گے۔ اس کے بعد چالیس تیراندازوں نے اپنے مورچے چھوڑ دیتے اور مالِ غنیمت سیٹھنے کے لیے عام لشکر میں جا شامل ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کی پشت خالی ہو گئی اور وہاں صرف عبداللہ بن جبیر اور ان کے نو ساتھی باقی رہ گئے جو اس عزم کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے کہ یا تو انہیں اجازت دی جائے گی یا وہ اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دیں گے۔

اسلامی لشکر مشرکین کے زغے میں | حضرت خالد بن ولید، جو اس سے پہلے تین بار اس مورچے کو سر کرنے کی

کوشش کر چکے تھے، اس زریں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت تیزی سے چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے اور چند لمحوں میں عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کا صفایا کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑے۔ ان کے شہسواروں نے ایک نعرہ بلند کیا

جس سے شکست خوردہ مشرکین کو اس نئی تبدیلی کا علم ہو گیا اور وہ بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر قبیلہ بنو حارث کی ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے پک کر زمین پر پڑا ہوا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا۔ پھر کیا تھا، بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹنے لگے اور ایک نے دوسرے کو آواز دی، جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور جم کر لڑائی شروع کر دی۔ اب مسلمان آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیرے میں آچکے تھے۔ گویا چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں پڑ گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا پرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام | اس وقت رسول اللہ

صرف نو صحابہ کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ پیچھے تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی ماروھاڑ اور مشرکین کے کھڈے جانے کا منظر دیکھ رہے تھے کہ آپ کو ایک دم اچانک خالد بن ولید کے شہسوار دکھائی پڑے۔ اس کے بعد آپ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو آپ اپنے نورفقار سمیت تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے اور اپنے لشکر کو جو اب زخمی میں آیا ہی چاہتا تھا اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے یا اپنی جان خطرے میں ڈال کر اپنے صحابہ کو بلاتے اور ان کی ایک معتد بہ تعداد اپنے پاس جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیتے اور اس کے ذریعے مشرکین کا گھیرا توڑ کر اپنے لشکر کے لیے احد کی بلندی کی طرف جانے کا راستہ بناتے۔ آزمائش کے اس نازک ترین موقع پر رسول اللہ ﷺ کی عبقریت اور بے نظیر شجاعت نمایاں ہوئی کیونکہ آپ نے جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام کی جان بچانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ آپ نے خالد بن ولید کے شہسواروں کو دیکھتے ہی نہایت بلند آواز سے صحابہ کرام کو پکارا، اللہ کے بندو... ادھر...! حالانکہ آپ جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے مشرکین تک پہنچ جائے گی اور یہی ہوا بھی؛ چنانچہ یہ آواز سن کر مشرکین کو معلوم ہو گیا کہ آپ یہیں موجود ہیں۔ لہذا ان کا ایک دستہ مسلمانوں سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا اور باقی شہسواروں

کا صحیح مسلم (۲/۱۰۷) میں روایت ہے۔ کہ آپ احد کے روز صرف سات انصار اور دو قرشی صحابہ کے درمیان رہ گئے تھے۔

۱۸ اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے والرسول یدعوکم فی اٰخراکم یعنی رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں بلا رہے تھے

نے تیزی کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرنا شروع کر دیا۔ اب ہم دونوں محاذوں کی تفصیلات الگ الگ ذکر کر رہے ہیں۔

مسلمانوں میں انتشار

جب مسلمان زرخے میں آگئے تو ایک گروہ تو ہوش کھو بیٹھا اُسے صرف اپنی جان کی پڑی تھی چنانچہ اس نے میدان جنگ چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ ان میں سے کچھ تو بھاگ کر مدینے میں جا گئے اور کچھ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ ایک اور گروہ پیچھے کی طرف پلٹا تو مشرکین کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔ دونوں لشکر گڈ بٹ ہو گئے اور ایک کو دوسرے کا پتہ نہ چل سکا۔

اس کے نتیجے میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان مار ڈالے گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ احد کے روز (پہلے) مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی کہ اللہ کے بندو! پیچھے۔۔۔۔۔ اس پر اگلی صف پلٹی اور پھلی صف سے گتھ گتی۔ حذیفہ نے دیکھا کہ ان کے والدیمان پر حملہ ہو رہا ہے۔ وہ بولے اللہ کے بندو! میرے والد ہیں۔ لیکن خدا کی قسم لوگوں نے ان سے ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انہیں مار ہی ڈالا۔ حذیفہ نے کہا اللہ آپ لوگوں کی مغفرت کرے۔ حضرت عروہ کا بیان ہے کہ بخدا حضرت حذیفہؓ میں ہمیشہ خیر کا بقیہ رہا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔^{۱۹}

غرض اس گروہ کی صفوں میں سخت انتشار اور بد نظمی پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگ حیران و سرگرداں تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائیں۔ اسی دوران ایک پکارنے والے کی پکار سنائی پڑی کہ محمد قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ اکثر لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ بعض نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور در ماندہ ہو کر ہتھیار پھینک دیئے۔ کچھ اور لوگوں نے سوچا کہ راس المنافقین عبد اللہ بن اُبی سے مل کر کہا جائے کہ وہ بوسنیان سے ان کے لیے امان طلب کر دے۔

چند لمحے بعد ان لوگوں کے پاس سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ

۱۹ صحیح بخاری ۱/۵۳۹، ۲/۵۸۱ فتح الباری ۴/۳۵۱، ۳۶۲، ۳۶۳۔ بخاری کے علاوہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دینی چاہی۔ لیکن حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی۔ اس کی وجہ سے نبی ﷺ کے نزدیک حضرت حذیفہؓ کے خیر میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دیکھئے مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ الجندی ص ۲۲۶۔

ہاتھ پر ہاتھ دھرے پڑے ہیں۔ پوچھا کا ہے؟ کا انتظار ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت انس بن نضر نے کہا: تو اب آپ کے بعد تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو! اور جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی اسی پر تم بھی جان دے دو۔ اس کے بعد کہا: اے اللہ! ان لوگوں نے — یعنی مسلمانوں نے — جو کچھ کیا ہے اس پر میں تیرے حضور معذرت کرتا ہوں؛ اور ان لوگوں نے — یعنی مشرکین نے — جو کچھ کیا ہے اس سے براہوت اختیار کرتا ہوں؛ اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ آگے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا، ابو عمر! کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انس نے جواب دیا: آبا! جنت کی خوشبو کا کیا کہنا۔ اے سعد! میں اسے اُحد کے پرے محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور آگے بڑھے اور مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خاتمہ جنگ کے بعد انہیں پہچانا نہ جاسکا حتیٰ کہ ان کی بہن نے انہیں محض انگلیوں کے پور سے پہچانا۔ ان کو نیزے، تلوار اور تیر کے استی سے زیادہ زخم آئے تھے۔ ۱۰

اسی طرح ثابت بن دُخاح نے اپنی قوم کو پکار کر کہا: ”اگر محمد قتل کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ تو نہیں مر سکتا۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔ اللہ تمہیں فتح و مدد دے گا۔ اس پر انصار کی ایک جماعت اُٹھ پڑی اور حضرت ثابت نے ان کی مدد سے خالد کے رسالے پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے حضرت خالد کے ہاتھوں نیزے سے شہید ہو گئے۔ انہیں کی طرح ان کے رفقاء نے بھی لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ ۱۱

ایک مہاجر صحابی ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو خون میں لت پت تھے۔ مہاجر نے کہا، بھئی فلاں! آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔ انصاری نے کہا، اگر محمد قتل کر دیئے گئے تو وہ اللہ کا دین پہنچا چکے ہیں۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس دین کی حفاظت کے لیے لڑو۔ ۱۲

اس طرح کی حوصلہ افزا اور ولولہ انگیز باتوں سے اسلامی فوج کے حوصلے بحال ہو گئے۔ اور ان کے ہوش و حواس اپنی جگہ آ گئے۔ چنانچہ اب انہوں نے ہتھیار ڈالنے یا ابن اُبی سے مل کر طلبِ امان کی بات سوچنے کے بجائے ہتھیار اٹھالیے اور مشرکین کے تند سیلاب سے

ٹکرا کر ان کا گھیرا توڑنے اور مرکزِ قیادت تک راستہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خیر محض جھوٹ اور گھڑنت ہے۔ اس سے ان کی قوت اور بڑھ گئی اور ان کے حوصلوں اور ولولوں میں تازگی آگئی؛ چنانچہ وہ ایک سخت اور خوزیزہ جنگ کے بعد گھیرا توڑ کر زغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اسلامی لشکر کا ایک تیسرا گروہ وہ تھا جسے صرف رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی۔ یہ گروہ گھیراؤ کی کارروائی کا علم ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹا۔ ان میں سرفہرست ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ لوگ مقاتلین کی صفِ اول میں بھی سب سے آگے تھے لیکن جب نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے خطرہ پیدا ہوا تو آپ کی حفاظت اور دفاع کرنے والوں میں بھی سب سے آگے آگے۔

رسول اللہ ﷺ کے گرد خوزیزہ معرکہ

عین اُس وقت جبکہ اسلامی لشکر زغے میں آ کر مشرکین

کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے گردا گرد بھی خوزیزہ معرکہ آرائی جاری تھی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مشرکین نے گھیراؤ کی کارروائی شروع کی تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ محض نو آدمی تھے اور جب آپ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا کہ میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں، تو آپ کی آواز مشرکین نے سن لی اور آپ کو پہچان لیا۔ کیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ آپ کے قریب تھے، چنانچہ انہوں نے بھپٹ کر آپ پر حملہ کر دیا اور کسی مسلمان کی آمد سے پہلے پہلے اپنا پورا بوجھ ڈال دیا۔ اس فوری حملے کے نتیجے میں ان مشرکین اور وہاں پر موجود نوصحابہ کے درمیان نہایت سخت معرکہ آرائی شروع ہو گئی جس میں محبتِ جان سپاری اور شجاعت و جانبازی کے بڑے بڑے نادر واقعات پیش آئے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے روز رسول اللہ

ﷺ سات انصار اور دو قریشی صحابہ کے ہمراہ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ جب حملہ آور آپ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے اور اس

کے لیے جنت ہے؛ یا یہ فرمایا کہ) وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟ اس کے بعد ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد پھر مشرکین آپ کے بالکل قریب آگئے اور پھر یہی ہوا۔ اس طرح باری باری ساتوں انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو باقیماندہ ساتھیوں یعنی قریشیوں — سے فرمایا: ”ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔“ ۲۳

ان ساتوں میں سے آخری صحابی حضرت عمارۃ بن یزید بن اسکن تھے۔ وہ لڑتے رہے لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ ۲۴

ابن اسکن کے گرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ صرف دونوں قریشی صحابی رہ گئے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابو عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان مروی ہے کہ جن ایام میں آپ نے معرکہ آرائیاں کیں ان میں سے ایک لڑائی میں آپ کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص کے سوا کوئی نہ رہ گیا تھا ۲۵ اور یہ لمحہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لیے نہایت ہی نازک ترین لمحہ تھا جبکہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری موقع تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے اپنا تار بڑ توڑ حسد نبی ﷺ پر مرکوز رکھا اور چاہا کہ آپ کا کام تمام کر دیں۔ اسی حملے میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کو پتھر مارا جس سے آپ پہلو کے بل گر گئے۔ آپ کا داہنا نچلا ربا سنی دانت ٹوٹ گیا۔ اور آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ عبد اللہ بن شہاب زہری نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی زخمی کر دی۔ ایک اور اڑیل سوار عبد اللہ بن قسہ نے لپک کر آپ کے کندھے پر ایسی سخت تلوار

۲۳ صحیح مسلم باب غزوة احد ۲/۱۰۷

۲۴ ایک لحظہ بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کرام کی ایک جماعت آگئی۔ انہوں نے کفار کو حضرت عمارہ سے پیچھے دھکیلا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ آپ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انہوں نے اس حالت میں دم توڑ دیا کہ ان کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پر تھا (ابن ہشام ۲/۸۱) گویا یہ آرزو حقیقت بن گئی کہ سہ نکل جائے دم تیرے قدموں کے اوپر یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۲۷، ۲/۵۸۱

۲۶ منہ کے بالکل نیچوں نیچے اوپر کے دو دودانت شنت یا کہلاتے ہیں اور ان کے دائیں بائیں، نیچے اوپر کے ایک ایک دانت ربا سنی کہلاتے ہیں جو کچلی کے نوکیلے دانت سے پہلے ہوتے ہیں۔

ماری کہ آپ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اس کی تکلیف محسوس کرنے رہے۔ البتہ آپ کی دوہری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس نے پہلے ہی کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری۔ جو آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں ساتھ ہی اُس نے کہا: اسے لے! میں تمہارے (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: اللہ تجھے توڑ ڈالے۔ ۲۸

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپ کا رباعی دانت توڑ دیا گیا اور سر زخمی کر دیا گیا۔ اس وقت آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: "وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا اور اس کا دانت توڑ دیا حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔" اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالُونَ ○

"آپ کو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں۔" ۲۹

طبرانی کی روایت ہے کہ آپ نے اس روز فرمایا: "اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا" پھر تھوڑی دیر تک فرمایا:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۳۰

"اے اللہ میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

صحیح مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ بار بار کہہ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۳۱

اے پروردگار! میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔"

۲۷ لوہے یا پتھر کی ٹوپی جسے جنگ میں سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے اوڑھا جاتا ہے۔

۲۸ اللہ نے آپ کی یہ دعائیں لی: چنانچہ ابن عاصم سے روایت ہے کہ ابن قیسہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریاں دیکھنے کے لیے نکلا تو یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ شخص وہاں پہنچا تو ایک پہاڑی بکرے نے حملہ کر دیا اور سینک مار مار کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے لٹھکا دیا۔ (فتح الباری ۴/۳۷۳)

اور طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ نے اس پر ایک پہاڑی بکرہ مسلط کر دیا جس نے سینک مار مار کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (فتح الباری ۴/۳۶۶) ۲۹ صحیح بخاری ۲/۵۸۲ - صحیح مسلم ۲/۱۰۸

۳۰ فتح الباری ۴/۳۷۳ ۳۱ صحیح مسلم، باب غزوة احد ۲/۱۰۸

قاضی عیاض کی شفا میں یہ الفاظ ہیں۔

اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۳۲

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ نہیں جانتی۔“

اس میں شبہ نہیں کہ مشرکین آپ کا کام تمام کر دینا چاہتے تھے مگر دونوں قریشی صحابہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما نے نادر الوجود جانبازی اور بے مثال بہادری سے کام لے کر صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر ترین تیر انداز تھے۔ انہوں نے تیر مار مار کر مشرکین حملہ آوروں کو رسول اللہ ﷺ سے پرے رکھا۔

جہاں تک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیران کے لیے بھیر دیئے اور فرمایا: "چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔" ان کی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوا کسی اور کے لیے ماں باپ کے فدا ہونے کی بات نہیں کہی۔ ۳۲

اور جہاں تک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان کے کارنامے کا اندازہ نسائی کی ایک روایت سے لگایا جاسکتا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کے اس وقت کے حملے کا ذکر کیا ہے جب آپ انصار کی ذرا جتنی نفری کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو جالیا تو آپ نے فرمایا: "کون ہے جو ان سے نمٹے؟" حضرت طلحہ نے کہا: میں۔ اس کے بعد حضرت جابر نے انصار کے آگے بڑھنے اور ایک ایک کر کے شہید ہونے کی وہ تفصیل ذکر کی ہے جسے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب یہ سب شہید ہو گئے تو حضرت طلحہ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا لڑائی کی یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس پر ان کے منہ سے آواز نکلی (سی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھالیتے"

اور لوگ دیکھتے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ پھر اللہ نے مشرکین کو پٹا دیا۔ ۳۵
اکھیل میں حاکم کی روایت ہے کہ انہیں اُحد کے روز انا لیس یا پینتیس زخم آئے اور
ان کی پھلی اور شہادت کی انگلیاں شل ہو گئیں۔ ۳۶

امام بخاری نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت
طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے اُحد کے دن انہوں نے نبی ﷺ کو بچایا تھا۔ ۳۷
ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس روز فرمایا جو
شخص کسی شہید کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ ۳۸

اور ابو داؤد طیالسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ
جب جنگ اُحد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے کہ یہ جنگ کُل کی کُل طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔ یعنی اس میں
نبی ﷺ کے تحفظ کا اصل کارنامہ انہیں نے انجام دیا تھا۔ حضرت ابو بکر نے ان کے بارے
میں یہ بھی کہا:

يا طلحة بن عبید اللہ قد وُجبتْ لك الجنان و بؤات المہا العینا
اے طلحہ بن عبید اللہ تمہارے لیے جنتیں واجب ہو گئیں۔ اور تم نے اپنے یہاں حور عین
کا ٹھکانا بنایا۔

اسی نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ نے غیب سے اپنی مدد نازل فرمائی، چنانچہ
صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اُحد کے روز
دیکھا آپ کے ساتھ دو آدمی تھے، سفید کپڑے پہنے ہوئے۔ یہ دونوں آپ کی طرف سے انتہائی
زوردار لڑائی لڑ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں
دیکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں حضرت جبریل و حضرت میکائیل تھے۔ ۳۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کے اکٹھا ہونے کی ابتدا یہ سارا حادثہ
چند لمحات

۳۵ فتح الباری ۴/۳۶۱ - سنن نسائی ۲/۵۲، ۵۳
۳۶ فتح الباری ۴/۳۶۱ صحیح بخاری ۱/۵۲۷، ۵۸۱
۳۷ مشکوٰۃ ۲/۵۶۶، ابن ہشام ۲/۸۶ فتح الباری ۴/۳۶۱
۳۸ مختصر تاریخ دمشق ۴/۸۲ - بحوالہ حاشیہ شرح تذویر الذہب ص ۱۱۴
۳۹ صحیح بخاری ۲/۵۸۰

کے اندر اندر بالکل اچانک اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آگیا۔ ورنہ نبی ﷺ کے منتخب صحابہ کرام جو لڑائی کے دوران صفِ اول میں تھے، جنگ کی صورتِ حال بدلتے ہی یا نبی ﷺ کی آواز سننے ہی آپ کی طرف بے تحاشا دوڑ کر آئے کہ ہمیں آپ کو کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آجائے۔ مگر یہ لوگ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ زخمی ہو چکے تھے، چھ انصاری شہید ہو چکے تھے، ساتویں زخمی ہو کر گر چکے تھے اور حضرت سعدؓ اور حضرت طلحہؓ جان توڑ کر مدافعت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچتے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے نبیؐ کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی اور دشمن کے تابڑ توڑ حملے روکنے میں انتہائی بہادری سے کام لیا۔ لڑائی کی صف سے آپ کے پاس پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے صحابی آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اُحد کے دن سارے لوگ نبی ﷺ سے پلٹ گئے تھے یعنی محافظین کے سوا تمام صحابہ آپ کو آپ کی قیام گاہ میں چھوڑ کر لڑائی کے لیے اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھبراؤ کے حادثے کے بعد میں پہلا شخص تھا جو نبی ﷺ کے پاس پلٹ کر آیا۔ دیکھا تو آپ کے سامنے ایک آدمی تھا جو آپ کی طرف سے لڑ رہا تھا اور آپ کو بچا رہا تھا۔ میں نے (رجی ہی جی میں) کہا، تم طلحہؓ ہوؤ۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ تم طلحہؓ ہوؤ۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اتنے میں ابو عبیدہ بن جراح میرے پاس آگئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا (اڑ رہی) ہے یہاں تک کہ مجھ سے آئے۔ اب ہم دونوں نبی ﷺ کی طرف دوڑے۔ دیکھا تو آپ کے آگے طلحہؓ بچھے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اپنے بھائی کو سنبھالو اس نے (جنت) واجب کر لی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ہم پہنچے تو) نبی ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں۔ میں نے انہیں نکالنا چاہا تو ابو عبیدہ نے کہا، خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے نکالنے دیجئے۔ اس کے بعد انہوں نے منہ سے ایک کڑی پکڑی اور آہستہ آہستہ نکالنی شروع کی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ پہنچے، اور بالآخر ایک کڑی اپنے منہ سے کھینچ کر نکال دی۔ لیکن اس کوشش میں (اُن کا ایک نچلا دانت گر گیا۔ اب دوسری میں نے کھینچنی چاہی تو ابو عبیدہ نے پھر کہا، ابو بکر!

خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے کھینچنے دیجئے! اس کے بعد دوسری بھی آہستہ آہستہ کھینچی۔ لیکن ان کا دوسرا نچلا دانت بھی گر گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کو سنبھالو۔ (اس نے جنت) واجب کر لی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم طلحہ کی طرف متوجہ ہوتے اور انہیں سنبھالا۔ ان کو دس سے زیادہ زخم آچکے تھے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس دن دفاع و قتال میں کیسی جانبازی اور بے جگری سے کام لیا تھا۔

پھر ان ہی نازک ترین لمحات کے دوران رسول اللہ ﷺ کے گرد جانباز صحابہ کی ایک جماعت بھی آن پہنچی جن کے نام یہ ہیں۔ ابو دجانہ۔ مصعب بن عمیر۔ علی بن ابی طالب۔ سہل بن حنیف۔ مالک بن سنان۔ (ابو سعید خدری کے والد) ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ۔ قتادہ بن نعمان۔ عمر بن الخطاب۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مشرکین کے دباؤ میں اضافہ

ادھر مشرکین کی تعداد بھی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی جس کے نتیجے میں ان کے حملے سخت ہوتے جا رہے تھے اور ان کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان چند گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرے جنہیں ابو عامر فاسق نے اسی قسم کی شرارت کے لیے کھود رکھا تھا اور اس کے نتیجے میں آپ کا گھٹنہ موج کھا گیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھاما اور طلحہ بن عبید اللہ نے (جو خود بھی زخموں سے چور تھے) آپ کو آغوش میں لیا۔ تب آپ برابر کھڑے ہو گئے۔

نافع بن جبیر کہتے ہیں، میں نے ایک ہاجر صحابی کو سنا فرما رہے تھے، میں جنگ احد میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر جانب سے رسول اللہ ﷺ پر تیر برس رہے ہیں اور آپ تیروں کے بیچ میں ہیں لیکن سارے تیر آپ سے پھیر دیئے جاتے ہیں رحیمی آگے گھیرا ڈالے ہوئے صحابہ انہیں روک لیتے تھے۔) اور میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن شہاب زہری کہہ رہا تھا، مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے؟ اب یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ حالانکہ رسول اللہ

ﷺ اس کے قریب تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپ سے آگے نکل گیا۔ اس پر صفوان نے اسے ملامت کی۔ جواب میں اُس نے کہا: واللہ میں نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم چار آدمی یہ عہد و پیمانہ کر کے نکلے کہ انہیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک پہنچ نہ سکے۔" ۳۴

بہر حال اس موقع پر مسلمانوں نے ایسی بے مثال جان بازی

نادرة روزگار جان بازی

اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے آگے سپر بنایا۔ وہ اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز لوگ (یعنی عام مسلمان) شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس (آنے کے بجائے ادھر ادھر) بھاگ گئے اور ابو طلحہ آپ کے آگے اپنی ایک ڈھال لے کر سپر بن گئے۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے؛ چنانچہ اس دن دو یا تین کمائیں توڑ ڈالیں۔ نبی ﷺ کے پاس سے کوئی آدمی تیروں کا ترکش لیے گذرتا تو آپ فرماتے کہ انہیں ابو طلحہ کے لیے بکھیر دو اور نبی ﷺ قوم کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو ابو طلحہ کہتے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ سر اٹھا کر نہ جھانکیں۔ آپ کو قوم کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کے آگے ہے۔" ۳۵

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ اپنا اور نبی ﷺ کا ایک ہی ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے اور ابو طلحہ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی ﷺ گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں گرا۔ ۳۶

حضرت ابو دجانہ نبی ﷺ کے آگے کھڑے ہو گئے اور اپنی پیٹھ کو آپ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ ان پر تیر پڑ رہے تھے لیکن وہ ہلتے نہ تھے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعنہ نے عتبہ بن ابی وقاص کا پیچھا کیا جس نے نبی ﷺ کا دندان مبارک شہید کیا تھا اور اسے اس زور کی تلوار ماری کہ اس کا سر چھٹک گیا۔ پھر اس کے

گھوڑے اور تلوار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بہت زیادہ خواہاں تھے کہ اپنے اس بھائی — عقبہ — کو قتل کریں مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ یہ سعادت حضرت حاطبؓ کی قسمت میں تھی۔

حضرت سہل بن حنیفؓ بھی بڑے جانباز تیر انداز تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موت پر بیعت کی اور اس کے بعد مشرکین کو نہایت زور شور سے دفع کیا۔

رسول اللہ ﷺ خود بھی تیر چلارہے تھے۔ چنانچہ حضرت قتادہ بن نعمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ اس کا کنارہ ٹوٹ گیا۔ پھر اس کمان کو حضرت قتادہ بن نعمان نے لے لیا اور وہ انھیں کے پاس رہی۔ اس روز یہ واقعہ بھی ہوا کہ حضرت قتادہ کی آنکھ چوٹ کھا کر چہرے پر ڈھلک آئی۔ نبی ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے پوٹے کے اندر داخل کر دیا۔ اس کے بعد ان کی دونوں آنکھوں میں یہی زیادہ خوبصورت لگتی تھی اور اسی کی بینائی زیادہ تیز تھی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لڑتے لڑتے منہ پر چوٹ کھائی جس سے اُن کا سامنے کا دانت ٹوٹ گیا اور انہیں بیس یا بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض زخم پاؤں میں لگے۔ اور وہ لنگڑے ہو گئے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون چوس کر صاف کیا۔ آپ نے فرمایا، ایسے تھوک دو۔ انہوں نے کہا، واللہ اسے تو میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پیٹ کر لڑنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی جنبتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ انہیں دیکھے۔ اس کے بعد وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک نادار کا زنا مہ خاتون صحابیہ حضرت امّ عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے انجام دیا۔ وہ چند مسلمانوں کے درمیان لڑتی ہوئی ابنِ قثمہ کے سامنے آ گئیں۔ ابنِ قثمہ نے ان کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ گہرا زخم ہو گیا۔ انہوں نے بھی ابنِ قثمہ کو اپنی تلوار کی کئی ضربیں لگائیں۔ لیکن کبکھت دوزر ہیں پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے بچ گیا۔ حضرت امّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے لڑتے بھرتے بارہ زخم کھائے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی پامردی و جانبازی سے جنگ کی۔

وہ رسول اللہ ﷺ سے ابنِ قتمہ اور اس کے ساتھیوں کے پے در پے حملوں کا دفاع کر رہے تھے۔ انہیں کے ہاتھ میں اسلامی لشکر کا پھریرا تھا۔ ظالموں نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور کی تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا اور کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ بالآخر ان کا بائیں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہراتے رکھا۔ اور اسی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کا قاتل ابنِ قتمہ تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ محمد ہیں کیونکہ حضرت مصعب بن عمیر آپ کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ وہ حضرت مصعبؓ کو شہید کر کے مشرکین کی طرف واپس چلا گیا اور چلا چلا کر اعلان کیا کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔

اس کے اس | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اور معرکہ پر اس کا اثر
اعلان سے نبی

ﷺ کی شہادت کی خبر مسلمانوں اور مشرکین دونوں میں پھیل گئی اور یہی وہ نازک ترین لمحہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ سے الگ تھک زرعے کے اندر آئے ہوئے بہت سے صحابہ کرام کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ان کے عزائم سرد پڑ گئے اور ان کی صفیں اٹھل پھل اور بد نظمی و انتشار کا شکار ہو گئیں۔ مگر آپ کی شہادت کی یہی خبر اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئی کہ اس کے بعد مشرکین کے پرجوش حملوں میں کسی قدر کمی آگئی کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا آخری مقصد پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب بہت سے مشرکین نے حملہ بند کر کے مسلمان شہداء کی لاشوں کا منہ کرنا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ معرکہ آرائی اور حالات پر قابو
حضرت مصعب
بن عمیر

رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ انہوں نے جم کر لڑائی کی۔ وہاں پر موجود باقی صحابہ کرام نے بھی بے مثال جان بازی و سرفروشی کے ساتھ دفاع اور حملہ کیا جس سے بالآخر اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی صفیں چیر کر زرعے میں آئے ہوتے صحابہ کرام کی جانب راستہ بنائیں۔ چنانچہ آپ نے

قدم آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کی جانب تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو پہچانا۔ خوشی سے چیخ پڑے، 'مُسلما نو! خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ!' آپ نے اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو۔ تاکہ مشرکین کو آپ کی موجودگی اور مقام موجودگی کا پتا نہ لگ سکے۔ مگر ان کی آواز مسلمانوں کے کان تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مسلمان آپ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ تقریباً تیس صحابہ جمع ہو گئے۔

جب اتنی تعداد جمع ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مگر چونکہ اس واپسی کے معنی یہ تھے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو زرعے میں لینے کی جو کارروائی کی تھی وہ بے نتیجہ رہ جائے اس لیے مشرکین نے اس واپسی کو ناکام بنانے کے لیے اپنے تابڑ توڑ حملے جاری رکھے۔ مگر آپ نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا اور شیرانِ اسلام کی شجاعت و شہ زوری کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اسی اشار میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی جانب بڑھا کہ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ٹھہر گئے مگر مقابلے کی نوبت نہ آئی؛ کیونکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا اور اتنے میں حارث بن صمہ نے اس کے پاس پہنچ کر اُسے للکارا اور اس کے پاؤں پر اس زور کی تلوار ماری کہ وہیں بٹھا دیا۔ پھر اس کا کام تمام کر کے اس کا ہتھیار لے لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے؛ مگر اتنے میں کئی فوج کے ایک دوسرے سوار عبد اللہ بن جابر نے پلٹ کر حضرت حارث بن صمہ پر حملہ کر دیا اور ان کے کندھے پر تلوار مار کر زخمی کر دیا، مگر مسلمانوں نے پک کر انہیں اٹھالیا۔ ادھر خطرات سے کھیلنے والے مردِ مجاہد حضرت ابو دجانہ جنہوں نے آج سُرخ پٹی باندھ رکھی تھی، عبد اللہ بن جابر پر ٹوٹ پڑے اور اُسے ایسی تلوار ماری کہ اُس کا سر اڑ گیا۔ کوشمہ قدرت دیکھتے کہ اسی خونریز مار دھاڑ کے دوران مسلمانوں کو نیند کی جھپکیاں بھی آرہی تھیں اور جیسا کہ قرآن نے بتلایا ہے، یہ اللہ کی طرف سے امن و طمانیت تھی۔ ابو طلحہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جن پر اُحد کے روز نیند چھا رہی تھی یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گر گئی۔ حالت یہ تھی کہ وہ گرتی تھی اور میں پکڑتا تھا پھر گرتی تھی اور پھر پکڑتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی جانبازی و جان سپاری کے ساتھ یہ دستہ منظم طور سے پیچھے ہٹتا ہوا پہاڑ کی گھاٹی میں واقع کیمپ تک جا پہنچا اور بقیہ لشکر کے لیے بھی اس محفوظ مقام تک پہنچنے کا راستہ بنا دیا۔ چنانچہ باقیماندہ لشکر بھی اب آپ کے پاس آ گیا اور حضرت خالد کی فوجی عبقریت رسول اللہ ﷺ کی فوجی عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لائے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمد کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اسے آنے دو۔ جب قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمم سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ اس کے سامنے آ پہنچے۔ اس کی خود اور زہرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی پڑی۔ آپ نے اسی پر ٹکا کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا۔ جب قریش کے پاس گیا۔ درآں حالیکہ گرون میں کوئی بڑی غراش نہ تھی البتہ خون بند تھا اور بہتا نہ تھا تو کہنے لگا مجھے واللہ محمد نے قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ نہیں واللہ کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔ اس نے کہا اوہ کتے میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ اس لیے خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا۔ ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے اگر وہ ذی الجواز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔

حضرت طلحہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھاتے ہیں | پہاڑ کی طرف نبی ﷺ

۲۸ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب مکے میں ابی کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوتی تو وہ آپ سے کہتا ہے محمد! میرے پاس عود نامی ایک گھوڑا ہے۔ میں اسے روزانہ تین صاع (۱/۲ کیلو) دانہ کھلاتا ہوں۔ اسی پر بیٹھ کر تمہیں قتل کروں گا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے بلکہ ان شاء اللہ میں تمہیں قتل کروں گا۔

۲۹ ابن ہشام ۲/۸۲ - زاد المعاد ۲/۹۷ - مختصر سیرۃ الرسول لشیخ عبد اللہ ص ۲۵۰

کی واپسی کے دوران ایک چٹان آگئی۔ آپ نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر چڑھ نہ سکے کیونکہ ایک تو آپ کا بدن بھاری ہو چکا تھا دوسرے آپ نے دوہری زرزہ پہن رکھی تھی اور پھر آپ کو سخت چوٹیں بھی آئی تھیں لہذا حضرت طلحہ بن عبید اللہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا طلحہ نے رحمت واجب کر لی۔ ۵۱

مشرکین کا آخری حملہ | جب رسول اللہ ﷺ گھائی کے اندر اپنی قیادت گاہ میں پہنچ گئے تو مشرکین نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی

آخری کوشش کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ گھائی کے اندر تشریف فرما تھے ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک دستہ چڑھ آیا رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! یہ ہم سے اوپر نہ جانے پائیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب اور ہاجرین کی ایک جماعت نے لڑکر انہیں پہاڑ سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ ۵۲

منازی اموی کا بیان ہے کہ مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد سے فرمایا ان کے حوصلے پست کرو یعنی انہیں پیچھے دھکیل دو۔ انہوں نے کہا میں تنہا ان کے حوصلے کیسے پست کروں؟ اس پر آپ نے تین باری ہی بات دہرائی۔ بالآخر حضرت سعد نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ میں نے پھر وہی تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے دوسرے کو مارا تو اس کا بھی کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد پھر تیر لیا۔ اسے پہچانتا تھا اور اس سے ایک تیسرے کو مارا تو اس کی بھی جان جاتی رہی۔ اس کے بعد مشرکین نیچے اتر گئے۔ میں نے کہا یہ مبارک تیر ہے۔ پھر میں نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر حضرت سعد کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا۔ ۵۳

شہدار کا مثلہ | یہ آخری حملہ تھا جو مشرکین نے نبی ﷺ کے خلاف کیا تھا چونکہ انہیں آپ کے انجام کا صحیح علم نہ تھا بلکہ آپ کی شہادت کا تقریباً یقین تھا اس لیے انہوں نے اپنے کیمپ کی طرف پلٹ کر مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

کچھ مُشرک مرد اور عورتیں مسلمان شہدار کے مُثلہ میں مشغول ہو گئیں؛ یعنی شہیدوں کی شرمگاہیں اور کان، ناک وغیرہ کاٹ لیے۔ پیٹ پھیر دیئے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چاک کر دیا۔ اور مُنہ میں ڈال کر چبایا اور نکلنا چاہا۔ لیکن نکل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اور کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کا پازیب اور بار بنایا۔ ۵۴

پھر اس آخری وقت
میں دو ایسے واقعات

اخیر تک جنگ لڑنے کے لیے مسلمانوں کی مستعدی

پیش آئے جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جاننا زور سرفروش مسلمان اخیر تک جنگ لڑنے کے لیے کس قدر مستعد تھے۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا کیسا ولولہ خیز جذبہ رکھتے تھے۔

۱۔ حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ میں ان مسلمانوں میں تھا جو گھاٹی سے باہر آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مشرکین کے ہاتھوں مسلمان شہدار کا مُثلہ کیا جا رہا ہے تو رک گیا۔ پھر آگے بڑھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مشرک جو بھاری بھر کم زرہ میں ملبوس تھا شہیدوں کے درمیان سے گزر رہا ہے۔ اور کہتا جا رہا ہے کہ کٹی ہوئی بکریوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ اور ایک مسلمان اس کی راہ تک رہا ہے۔ وہ بھی زرہ پہنے ہوئے ہے۔ میں چند قدم اور بڑھ کر اس کے پیچھے ہویا۔ پھر کھڑے ہو کر آنکھوں ہی آنکھوں میں مُسلم اور کافر کو تولنے لگا۔ محسوس ہوا کہ کافر اپنے ڈیل ڈول اور ساز و سامان دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔ اب میں دونوں کا انتظار کرنے لگا۔ بالآخر دونوں میں ٹکر ہو گئی اور مسلمان نے کافر کو ایسی تلوار ماری کہ وہ پاؤں تک کاٹتی چلی گئی۔ مشرک دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر مسلمان نے اپنا چہرا کھولا اور کہا: او کعب! کیسی رہی؟ میں ابو دجانہ ہوں۔ ۵۵

۲۔ خاتمہ جنگ پر کچھ مومن عورتیں میدانِ جہاد میں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور اُمّ سلیمؓ کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لارہی تھیں اور زخمیوں کے مُنہ میں انڈیل رہی تھیں۔ ۵۶ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز حضرت اُمّ سلیمؓ ہمارے لیے مشکیزے بھر بھر کر لارہی تھیں۔ ۵۷

ان ہی عورتوں میں حضرت اُمّ اَیْمُن بھی تھیں۔ انہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینے میں گھسنا چاہتے ہیں تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں اور کہنے لگیں یہ سوت کاتنے کا تکلاو اور ہمیں تلوار دو۔^{۵۸} اس کے بعد تیزی سے میدان جنگ پہنچیں اور زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر جہان بن عسرقہ نے تیر چلایا۔ وہ گر پڑیں اور پردہ کھل گیا۔ اس پر اللہ کے اس دشمن نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات گراں گزری اور آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو ایک بغیراتی کے تیر دے کر فرمایا، اسے چلاؤ۔ حضرت سعد نے چلایا تو وہ تیر جہان کے علق پر لگا اور وہ چپت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ اس طرح ہنسنے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ فرمایا سعد نے اُمّ اَیْمُن کا بدلہ چکا لیا، اللہ ان کی دعا قبول کرے۔^{۵۹}

جب رسول اللہ ﷺ نے گھائی کے اندر اپنی قیام گاہ میں ذرا قرار پایا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

گھائی میں قرار پانی کے بعد

مہر اس سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے — کہا جاتا ہے مہر اس پتھر میں بنا ہوا وہ گڑھا ہوتا ہے جس میں زیادہ سا پانی آسکتا ہو؛ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اُحد میں ایک چشمے کا نام تھا۔ بہر حال حضرت علیؑ نے وہ پانی نبی ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے قدرے ناگوار ہو محسوس کی اس لیے اسے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھویا اور سر پر بھی ڈال لیا۔ اس حالت میں آپ فرما رہے تھے: اس شخص پر اللہ کا سخت غضب ہو جس نے اس کے نبیؑ کے چہرے کو خون آلود کیا۔^{۶۰}

حضرت سہیلؓ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا؟ اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ آپ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا کر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔^{۶۱}

^{۵۸} سوت کا تنا عرب عورتوں کا خاص کام تھا۔ اس لیے سوت کاتنے کا تکلا یعنی پھر کی عورتوں کا ویسا ہی مخصوص سامان تھا جیسے ہمارے ملک میں چوڑی۔ اس موقع پر مذکورہ محاورہ کا ٹھیک وہی مطلب ہے جو ہماری زبان کے اس محاورے کا ہے کہ ”چوڑی لو اور تلوار دو۔“

^{۵۹} السیرة الجلبیة ۲۲/۲ سنہ ابن ہشام ۲/۸۵ سنہ ۱ صبح بخاری ۲/۵۸۲

ادھر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ نبی ﷺ نے نوش فرمایا اور دُعائے خیر دی۔^{۶۲} زخم کے اثر سے نبی ﷺ نے ظہر کی نماز بیٹھے بیٹھے پڑھی۔ اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہی کر نماز ادا کی۔^{۶۳}

ابوسفیان کی شہادت اور حضرت عمرؓ سے دو دو باتیں | مشرکین نے واپسی کی تیاری مکمل کر لی تو ابوسفیان

جیل اُحد پر نمودار ہوا اور باواز بلند بولا، کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا، کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے رابو بکرؓ ہیں؟ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر سوال کیا، کیا تم میں عمر بن خطابؓ ہیں؟ لوگوں نے اب کی مرتبہ بھی جواب نہ دیا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا جواب دینے سے منع فرما دیا تھا۔ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہ پوچھا کیونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام کا قیام ان ہی تینوں کے ذریعے ہے۔ بہر حال جب کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے کہا: چلو ان تینوں سے فرصت ہوتی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے: "او اللہ کے دشمن! جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا "تمہارے مقتولین کا مُشکہ ہوا ہے لیکن میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس کا بُرا ہی منایا ہے۔" پھر نعرہ لگایا: اُغْلُ هُجْلُ۔ هُجْلُ بَلَدٌ هُو۔

نبی ﷺ نے فرمایا، تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: اللهُ اَعْلَىٰ وَاَجَلٌ۔ اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لَنَا عِزٌّ وَلَا عِزٌّ لَكُمْ۔ ہمارے لیے عِزٌّ ہے۔ اور تمہارے لیے عِزٌّ ہی نہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا، جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے دریافت کیا: کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: اللهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ۔ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگِ بدر کے دن کا

۶۳ ابن ہشام ۲/۸۷

۶۲ السیرة الخلیبیہ ۳/۳۰

۶۴ یعنی کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا، جیسے ڈول کبھی کوئی کھینچتا ہے کبھی کوئی۔

۶۵ ابن ہشام ۲/۹۳، ۹۴ - زاد المعاد ۲/۹۲ - صحیح بخاری ۲/۵۷۹

بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔^{۶۴}

حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا: برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔^{۶۵}

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: 'عمر! میرے قریب آؤ۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: جاؤ۔ دیکھو کیا کہتا ہے؟ وہ قریب آئے تو ابوسفیان نے کہا: 'عمر! میں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: واللہ! نہیں۔ بلکہ اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: تم میرے نزدیک ابن قثم سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔^{۶۵}

بدر میں ایک اور جنگ لڑنے کا عہد و پیمانہ | ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابوسفیان

اور اس کے رفقاء واپس ہونے لگے تو ابوسفیان نے کہا: "آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: کہہ دو ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔^{۶۶}

مشرکین کے موقف کی تحقیق | اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو

روانہ کیا اور فرمایا: "قوم (مشرکین) کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر انہوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا ارادہ مکہ کا ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹ ہانک کر لے جائیں تو مدینے کا ارادہ ہے۔" پھر فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر انہوں نے مدینے کا ارادہ کیا تو میں مدینے جا کر ان سے دو دو ہاتھ کروں گا۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں ان کے پیچھے نکلا تو دیکھا کہ انہوں نے گھوڑے پہلو میں کر رکھے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہیں اور کتے کا رخ ہے۔^{۶۷}

^{۶۶} ابن ہشام ۹۴/۲
^{۶۷} ابن ہشام ۹۴/۲ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۳۴۷) میں لکھا ہے کہ مشرکین کے عزائم کا پتا لگانے کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے۔

شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری

قریش کی واپسی کے بعد مسلمان اپنے
شہیدوں اور زخمیوں کی کھوج خبر

لینے کے لیے فارغ ہو گئے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز
رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن الزیج کو تلاش کروں اور فرمایا کہ اگر وہ دکھائی
پڑ جائیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ دریافت کر رہے ہیں
کہ تم اپنے آپ کو کیسا پارہے ہو؟ حضرت زید کہتے ہیں کہ میں مقتولین کے درمیان چکر
لگاتے ہوئے ان کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ انہیں نیزے، تلوار
اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم آئے تھے۔ میں نے کہا: لے سعد! اللہ کے رسول آپ کو
سلام کہتے ہیں اور دریافت فرما رہے ہیں کہ مجھے بتاؤ اپنے آپ کو کیسا پارہے ہو؟ انہوں
نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو سلام۔ آپ سے عرض کرو کہ یا رسول اللہ! جنت کی خوشبو
پارہوں اور میری قوم انصار سے کہو کہ اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن
رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا تو تمہارے لیے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا۔
اور اسی وقت ان کی رُوح پرواز کر گئی۔ ۶۸

لوگوں نے زخمیوں میں اُصیرم کو بھی پایا جن کا نام عمرو بن ثابت تھا۔ ان میں تھوڑی
سی رقی باقی تھی۔ اس سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تھی مگر وہ قبول نہیں کرتے
تھے اس لیے لوگوں نے رحیرت سے کہا کہ یہ اصیرم کیسے آیا ہے؟ اسے تو ہم نے اس
حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ اس دین کا انکاری تھا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہاں
کیا چیز لے آئی؟ قوم کی حمایت کا جوش یا اسلام کی رغبت؟ انہوں نے کہا: اسلام کی
رغبت۔ درحقیقت میں اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آیا اور اس کے بعد رسول اللہ
ﷺ کی حمایت میں شریک جنگ ہوا یہاں تک کہ اب اس حالت سے دوچار ہوں
جو آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور اسی وقت اُن کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں
نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جنتیوں میں سے ہے۔
ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ — حالانکہ اُس نے اللہ کے لیے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ ۶۹

رکھو نہ اسلام لانے کے بعد ابھی کسی نماز کا وقت آیا ہی نہ تھا کہ شہید ہو گئے۔

ان ہی زخمیوں میں قرظمان بھی ملا۔ اس نے اس جنگ میں خوب خوب دادِ شجاعت دی تھی اور تنہاسات یا آٹھ مشرکین کو تہ تیغ کیا تھا۔ وہ جب ملا تو زخموں سے چور تھا۔ لوگ اسے اٹھا کر بنو ظفر کے محلے میں لے گئے اور مسلمانوں نے اسے خوشخبری سنائی۔ کہنے لگا: واللہ میری جنگ تو محض اپنی قوم کے ناموس کے لیے تھی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں لڑائی ہی نہ کرتا۔ اس کے بعد جب اس کے زخموں نے شدت اختیار کی تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر کے خودکشی کر لی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا جب بھی ذکر کیا جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ وہ جہنمی ہے نہ راور اس واقعے نے آپ کی پیشین گوئی پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کے بجائے وطنیت یا کسی بھی دوسری راہ میں لڑنے والوں کا انجام یہی ہے۔ چاہے وہ اسلام کے جھنڈے تلے بلکہ رسول اور صحابہ کے لشکر ہی میں شریک ہو کر کیوں نہ لڑے ہوں۔ اس کے بالکل برعکس مقتولین میں بنو ثعلبہ کا ایک یہودی تھا۔ اس نے اس وقت جبکہ جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے، اپنی قوم سے کہا: "اے جماعتِ یہود! خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمدؐ کی مدد تم پر فرض ہے۔ یہود نے کہا، مگر آج سبوت (سینچر) کا دن ہے۔ اس نے کہا، تمہارے لیے کوئی سبوت نہیں۔ پھر اس نے اپنی تلوار لی، ساز و سامان اٹھایا اور بولا اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال محمدؐ کے لیے ہے وہ اس میں جو چاہیں گے کریں گے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ میں گیا اور لڑتے بھڑتے مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مخیر لئیک بہترین یہودی تھا۔"

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی شہداء کا معائنہ فرمایا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کے حق میں گواہ رہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے اسے اللہ قیامت کے روز اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہ رہا ہوگا؛ رنگ تو خون ہی کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔

کچھ صحابہ نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے شہیدوں کو واپس لا کر ان کی شہادت گا ہوں میں دفن کریں نیز شہداء کے ہتھیار اور پوستین کے لباس اتار لیے جائیں پھر انہیں

غسل دینے بغیر جس حالت میں ہوں اسی حالت میں دفن کر دیا جائے۔ آپ دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفن فرمایا ہے تھے اور دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں اکٹھا پیٹ دیتے تھے اور دریافت فرماتے تھے کہ ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد ہے۔ لوگ جس کی طرف اشارہ کرتے اسے لحد میں آگے کرتے اور فرماتے کہ میں قیامت کے روز ان لوگوں کے بارے میں گواہی دوں گا۔ عبد اللہ بن عمرو بن حرام اور عمر بن جموح ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے کیونکہ ان دونوں میں دوستی تھی لیکہ

حضرت حنظلہ کی لاش غائب تھی۔ تلاش کے بعد ایک جگہ اس حالت میں ملی کہ زمین پر پڑی تھی اور اس سے پانی نپک رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتلایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا ان کی بیوی سے پوچھو کیا معاملہ ہے؟ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے واقعہ بتلایا۔ یہیں سے حضرت حنظلہ کا نام غیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) پڑ گیا لیکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہ کا حال دیکھا تو سخت غمگین ہوئے۔ آپ کی بھوپھی حضرت صفیہ تشریف لائیں، وہ بھی اپنے بھائی حضرت حمزہ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیر سے کہا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ وہ اپنے بھائی کا حال دیکھ رہیں۔ مگر حضرت صفیہ نے کہا: آخر ایسا کیوں؟ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کا مُثلہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اللہ کی راہ میں ہے اس لیے جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ میں ثواب سمجھتے ہوئے ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گی۔ اس کے بعد وہ حضرت حمزہ کے پاس آئیں انہیں دیکھا: ان کے لیے دعا کی: اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور اللہ سے مغفرت مانگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں حضرت عبد اللہ بن جحش کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ وہ حضرت حمزہ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ بن عبد المطلب پر جس طرح روتے اس سے بڑھ کر روتے ہوئے ہم نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے انہیں قبلے کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روتے کہ آواز بلند ہو گئی لیکہ درحقیقت شہداء کا منظر تھا ہی بڑا دل دوز اور زہرہ گداز، چنانچہ حضرت خیاب بن ارت کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی

توپاؤں کھل جاتے اور پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر
 اذخر گھاس ڈال دی گئی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ مصعب بن عمیرؓ کی شہادت واقع ہوئی — اور وہ
 مجھ سے بہتر تھے — تو انہیں ایک چادر کے اندر کھنکھایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر ان کا سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں
 کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ ان کی یہی کیفیت حضرت خبابؓ نے بھی بیان کی
 ہے اور اتنا مزید اضافہ فرمایا ہے کہ — (اس کیفیت کو دیکھ کر) نبی ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ
 چادر سے ان کا سر ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر ڈال دو۔

رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل کی حمد شاکر تے اور اس سے دعا فرماتے ہیں ہے کہ احد کے
 امام احمد کی روایت

روز جب مشرکین واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: برابر ہو جاؤ، ذرا میں اپنے
 رب عزوجل کی ثناء کروں۔ اس حکم پر صحابہ کرامؓ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھ لیں۔ اور آپ نے یوں فرمایا:
 ”اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔ اے اللہ! جس چیز کو تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ نہیں
 کر سکتا اور جس چیز کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی
 ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس چیز کو تو روک دے
 اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جو چیز تو دیدے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو دور کر دے اسے
 کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس چیز کو تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے
 اوپر اپنی برکتیں رحمتیں اور فضل و رزق پھیلا دے۔“

اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے
 اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے
 ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ
 ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما بنا دے اور کفر، فسق اور
 نافرمانی کو ناگوار بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان رکھتے ہوئے وفات

لے یہ بالکل بوج کے ہم کمال ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جسے مقامات پر پائے میں ڈال کر پکائی جاتی ہے۔ عرب میں
 اس کا پودا ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ سے لمبا نہیں ہوتا جبکہ ہندوستان میں ایک میٹر سے بھی لمبا ہوتا ہے۔

دے اور مسلمان ہی رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور سوائی اور قننے سے دوچار کئے بغیر صالحین میں شامل فرما۔
 لے اللہ! تو ان کافروں کو مار اور ان پر سختی اور عذاب کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور تیری راہ سے
 روکتے ہیں۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی مار جنہیں کتاب دی گئی۔ یا اللہ الحق! ۱۷۷

شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی

شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی

شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی

شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی
 شہداء کی تدفین اور اللہ عزوجل کی

پر کلماتِ تعزیت کہتے ہوئے انہیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں جب میں نے آپ کو بر سلامت دیکھ لیا تو میرے لیے ہر مصیبت بھیج ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شہداء اُحد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: اے اُمّ سعد تم خوش ہو جاؤ، اور شہداء کے گھر والوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے شہداء سب کے سب ایک ساتھ جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں ان سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔“

کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! ان کے پسماندگان کے لیے بھی دعا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان کے دلوں کا غم دور کر، ان کی مصیبت کا بدل عطا فرما اور باقی ماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما۔

اسی روز — شنبہ، شوال ۳ھ کو سرِ شام رسول اللہ ﷺ **مدینے میں** مدینہ پہنچے۔ گھر پہنچ کر اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دی اور فرمایا: بیٹی اس کا خون دھو دو، خدا کی قسم یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی تلوار لپکائی اور فرمایا: اس کا بھی خون دھو دو۔ واللہ یہی آج بہت صحیح ثابت ہوئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ سہل بن ضیف اور ابو جحانہ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔ بیشتر روایتیں متفق ہیں کہ مسلمان شہداء کی تعداد ستر تھی جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی؛ یعنی ان کے ۶۵ آدمی شہید ہوئے تھے، ۲۱ خزر ج سے اور ۲۴ اس سے ایک آدمی یہود سے قتل ہوا تھا اور مہاجرین شہداء کی تعداد صرف چار تھی۔

باقی رہے قریش کے مقتولین تو ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ان کی تعداد ۲۲ تھی لیکن اصحاب معاذی اور اہل بصرہ نے اس معرکہ کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں اور جن میں ضمناً جنگ کے مختلف مرحلوں میں قتل ہونے والے مشرکین کا تذکرہ آیا ہے ان پر گہری نظر رکھتے ہوئے دقت پسندی کے ساتھ حساب لگایا جائے تو یہ تعداد ۲۲ نہیں بلکہ ۳۷ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسلمانوں نے معرکہ اُحد سے واپس آکر (۸ شوال ۳ھ شنبہ و یک شنبہ) **مدینے میں ہنگامی حالت** کی درمیانی رات ہنگامی حالت میں گزاری۔ جنگ نے انہیں چور چور

کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ رات بھر مدینے کے راستوں اور گذرگاہوں پر پہرہ دیتے رہے اور اپنے سپہ سالارِ اعظم رسول اللہ ﷺ کی خصوصی حفاظت پر تعینات رہے کیونکہ انہیں ہر طرف سے غدشات لاحق تھیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے پوری رات جنگ سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرتے ہوئے گزاری۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ میدان جنگ میں اپنا پلہ بھاری رہتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً ندامت ہوگی اور وہ راستے سے ہٹ کر مدینے پر دوبارہ حملہ کریں گے اس لیے آپ نے فیصلہ کیا کہ بہر حال نکی لشکر کا تعاقب کیا جانا چاہیے۔

چنانچہ اہل سیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معرکہ اُحد کے دوسرے دن یعنی یکشنبہ ۸ شوال ۳؎ کو علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکہ اُحد میں موجود تھا۔ تاہم عبداللہ بن اُبی نے اجازت چاہی کہ آپ کا ہر کلب ہو مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ ادھر جتنے مسلمان تھے اگرچہ زخموں سے چور غم سے نڈھال، اور اندیشہ و خوف سے دوچار تھے، لیکن سب نے پلا تڑو دسرا طاعت خم کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے بھی اجازت چاہی جو جنگ اُحد میں شریک نہ تھے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض پر داز ہوئے۔

یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ جس کسی جنگ میں تشریف لے جائیں میں بھی حاضر خدمت رہوں اور چونکہ اس جنگ میں میرے والد نے مجھے اپنی بچیوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر روک دیا تھا لہذا آپ مجھے اجازت دیدیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ اس پر آپ نے انہیں اجازت دے دی۔

پروگرام کے مطابق رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینے سے آٹھ میل دور حمر الاسد پہنچ کر خمیہ زن ہوئے۔

اشارہ قیام میں معبد بن ابی معبد خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا کیونکہ خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان حلفت (یعنی دوستی و تعاون کا عہد) تھا۔ بہر کیف اس نے کہا: اے محمد! آپ کو اور آپ کے رفقاء کو جوڑک پہنچی ہے وہ واللہ ہم پر سخت گراں گذری ہے۔ ہماری آرزو تھی کہ اللہ آپ کو بعافیت رکھتا۔ اس اظہارِ ہمدردی پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ابوسفیان کے پاس جاتے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جو اندیشہ محسوس کیا تھا کہ مشرکین مدینے کی طرف پلٹنے کی بات سچیں گے وہ بالکل برحق تھا۔ چنانچہ مشرکین نے مدینے سے ۳۶ میل دور مقام رعوہ پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کی۔ کہنے لگے: ”تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔ ان کی شوکت و قوت توڑ کر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا حالانکہ ابھی ان کے اتنے سر باقی ہیں کہ وہ تمہارے لیے پھر در دوسرے بن سکتے ہیں، لہذا واپس چلو اور انہیں جڑ سے صاف کر دو۔“

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سطحی رائے تھی جو ان لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی تھی جنہیں فریقین کی قوت اور ان کے حوصلوں کا صحیح اندازہ نہ تھا اسی لیے ایک ذمہ دار افسر صفوان بن امیہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا: ”لوگو! ایسا نہ کرو۔ مجھے خطرہ ہے کہ جو (مسلمان غزوہ احد میں) نہیں لائے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے لہذا اس حالت میں واپس چلے چلو کہ فتح تمہاری ہے؛ ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مدینے پر پھر چڑھائی کر دو گے تو گردش میں پڑ جاؤ گے۔“ لیکن بھاری اکثریت نے یہ رائے قبول نہ کی اور فیصلہ کیا کہ مدینے واپس چلیں گے۔ لیکن ابھی پڑاؤ چھوڑ کر ابوسفیان اور اس کے فوجی بچے بھی نہ تھے کہ معبد بن ابی معبد خزاعی پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس نے پوچھا: ”معبد! پیچھے کی کیا خبر ہے؟“ معبد نے — پر پوچھنے والے کا سخت اعصابی حملہ کرتے ہوئے — کہا: ”محمد اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں۔ ان کی جمعیت اتنی بڑی ہے کہ میں نے ویسی جمعیت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوتے جا رہے ہیں۔ اُحد میں پیچھے رہ جانے والے بھی آگئے ہیں۔ وہ جو کچھ ضائع کر چکے اس پر سخت نادم ہیں اور تمہارے خلاف اس قدر جھوٹے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی ہی نہیں۔“

ابوسفیان نے کہا: ”ارے بھائی یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

معبد نے کہا: ”واللہ میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے گھوڑوں کی پشانیاں دیکھ لو گے

یا لشکر کا ہر اول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے نمودار ہو جائے گا۔“

ابوسفیان نے کہا: ”واللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان پر پلٹ کر پھر حملہ کریں اور ان کی جھڑکاٹ کر رکھ دیں۔“

معبد نے کہا: ”ایسا نہ کرنا۔ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔“

یہ باتیں سن کر مکئی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ان پر گھبراہٹ اور رعب طاری ہو گیا اور انہیں

اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکے کی جانب اپنی واپسی جاری رکھیں۔ البتہ ابوسفیان نے اسلامی لشکر کو تعاقب

سے باز رکھنے اور اس طرح دوبارہ مسلح ٹکراؤ سے بچنے کے لیے پروپیگنڈے کا ایک جوانی اعصابی حملہ کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ابوسفیان کے پاس سے قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ گذرا۔ ابوسفیان نے کہا: کیا آپ لوگ میرا ایک پیغام محمد کو پہنچادیں گے؟ میرا وعدہ ہے کہ اس کے بدلے جب آپ لوگ مکہ آئیں گے تو عکاظ کے بازار میں آپ لوگوں کو اتنی کشمش دوں گا جتنی آپ کی یہ اونٹنی اٹھا سکے گی۔

ان لوگوں نے کہا: جی ہاں۔

ابوسفیان نے کہا: محمد کو یہ خبر پہنچادیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹ دینے کے لیے دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ حمراء الاسد میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس سے گذرا تو ان سے ابوسفیان کا پیغام کہہ سنایا اور کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں، ان سے ڈرو۔ مگر ان کی باتیں سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔ (اس ایمانی قوت کی بدولت) وہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے۔ انہیں کسی بُرائی نے نہ چھوا اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی، پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اتوار کے دن حمراء الاسد تشریف لے گئے تھے۔ دو شنبہ، منگل اور بدھ یعنی ۹-۱۰-۱۱ شوال ۶ ہجرت تک وہیں مقیم رہے اس کے بعد مدینہ واپس آئے۔ مدینہ واپسی سے پہلے ابو عذہ جُحلی آپ کی گرفت میں آگیا۔ یہ وہی شخص ہے جسے بدر میں گرفتار کئے جانے کے بعد اس کے فقر اور لڑکیوں کی کثرت کے سبب اس شرط پر بلا عوض چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا لیکن اس شخص نے وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی اور اپنے اشعار کے ذریعہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے خلاف لوگوں کے جذبات کو برا نگینہ کیا۔ جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

پھر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے خود بھی جنگ اُحد میں آیا۔ جب یہ گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو کہنے لگا: محمد! میری لغزش سے درگزر کرو۔ مجھ پر احسان کرو اور میری بچیوں کی خاطر مجھے چھوڑ دو۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اب دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مکے جا کر اپنے زخماں پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکہ دیا۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔ اس کے بعد حضرت زبیر

یا حضرت عاصم بن ثابت کو حکم دیا اور انہوں نے اس کی گردن مار دی۔

اسی طرح مکے کا ایک جاسوس بھی مارا گیا۔ اس کا نام معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا اور یہ عبد الملک بن مروان کا نانا تھا۔ یہ شخص اس طرح زد میں آیا کہ جب احد کے روز مشرکین واپس چلے گئے تو یہ اپنے پچیرے بھائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملنے آیا۔ حضرت عثمان نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی۔ آپ نے اس شرط پر امان دیدی کہ اگر وہ تین روز کے بعد پایا گیا تو قتل کر دیا جائے گا؛ لیکن جب مدینہ اسلامی لشکر سے خالی ہو گیا تو یہ شخص قریش کی جاسوسی کے لیے تین دن سے زیادہ ٹھہر گیا اور جب لشکر واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا اور انہوں نے اس شخص کا تعاقب کر کے اسے تیرغ کر دیا۔

غزوہ حمر الاسد کا ذکر اگرچہ ایک مستقل نام سے کیا جاتا ہے مگر یہ درحقیقت کوئی مستقل غزوہ نہ تھا بلکہ غزوہ احد ہی کا جزو و تتمہ اور اسی کے صفحات میں سے ایک صفحہ تھا۔

یہ ہے غزوہ احد، اپنے تمام مراحل اور جملہ تفصیلات

جنگ احد میں فتح و شکست کا ایک تجزیہ

سمیت۔ اس غزوے کے انجام کے بارے میں بڑی طویل بحثیں کی گئی ہیں کہ آیا اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا جائے یا نہیں؟ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ جنگ کے دوسرے راؤنڈ میں مشرکین کو برتری حاصل تھی اور میدان جنگ انہیں کے ہاتھ تھا۔ جانی نقصان بھی مسلمانوں ہی کا زیادہ ہوا اور زیادہ خوفناک شکل میں ہوا اور مسلمانوں کا کم از کم ایک گروہ یقیناً شکست کھا کر بھاگا اور جنگ کی رفتار کی لشکر کے حق میں رہی؛ لیکن ان سب کے باوجود بعض امور ایسے ہیں جنکی بنا پر ہم اسے مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

ایک تو یہی بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ مکہ لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض نہیں ہو سکا تھا اور مدنی لشکر کے بڑے حصے نے سخت اتھل پھیل اور بدمی کے باوجود فرار نہیں اختیار کیا تھا؛ بلکہ تہائی دلیری سے لڑتے ہوئے اپنے سپہ سالار کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ نیز مسلمانوں کا پہلا اس حد تک ہلکا

۵۵ غزوہ احد اور غزوہ حمر الاسد کی تفصیلات ابن ہشام ۶۰۲ تا ۶۰۹، زاد المعاد ۲/۹۱ تا ۱۰۸، فتح الباری مع صحیح البخاری، ۳۴۵ تا ۳۴۷، مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۲۲۲ تا ۲۵۷ سے جمع کی گئی ہیں اور دوسرے مصادر کے حوالے متعلقہ مقامات ہی پر دے دیئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا تھا کہ ملی لشکر ان کا تعاقب کرتا۔ علاوہ ازیں کوئی ایک بھی مسلمان کافروں کی قید میں نہیں گیا نہ کفار نے کوئی مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر کفار جنگ کے تیسرے راؤنڈ کے لیے تیار نہیں ہوئے حالانکہ اسلامی لشکر ابھی اپنے کیمپ ہی میں تھا علاوہ ازیں کفار نے میدان جنگ میں ایک یا دو دن یا تین دن قیام نہیں کیا حالانکہ اس زلزلے میں فاتحین کا یہی دستور تھا اور فتح کی یہ ایک نہایت ضروری علامت تھی، مگر کفار نے فوراً واپسی کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ خالی کر دیا۔ نیز انہیں بچے قید کرنے اور مال لوٹنے کے لیے مدینے میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ یہ شہر چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا اور فوج سے مکمل طور پر خالی اور ایک مگھلا پڑا تھا اور راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ان ساری باتوں کا ماہر یہ ہے کہ قریش کو زیادہ سے زیادہ صرف یہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک وقتی موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ذرا سخت قسم کی زک پہنچا دی ورنہ اسلامی لشکر کو زرخے میں لینے کے بعد اسے کلی طور پر قتل یا قید کر لینے کا جو فائدہ انہیں جنگی نقطہ نظر سے لازماً حاصل ہونا چاہیے تھا اس میں وہ ناکام رہے اور اسلامی لشکر قدرے بڑے خسارے کے باوجود زرخہ توڑ کر نکل گیا، اور اس طرح کا خسارہ تو بہت سی دفعہ خود فاتحین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیے اس معاملے کو مشرکین کی فتح سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

بلکہ واپسی کے لیے ابوسفیان کی عجلت اس بات کی غماز ہے کہ اسے خطرہ تھا کہ اگر جنگ کا تیسرا دور شروع ہو گیا تو اس کا لشکر سخت تباہی اور شکست سے دوچار ہو جائے گا۔ اس بات کی مزید تائید ابوسفیان کے اس موقف سے ہوتی ہے جو اس نے غزوہ حمرہ الاسد کے تین اختیار کیا تھا۔

ایسی صورت میں ہم اس غزوے کو کسی ایک فریق کی فتح اور دوسرے کی شکست سے تعبیر کرنے کے بجائے غیر فیصلہ کن جنگ کہہ سکتے ہیں جس میں ہر فریق نے کامیابی اور خسر سے اپنا اپنا حصہ حاصل کیا۔ پھر میدان جنگ سے بھاگے بغیر اور اپنے کیمپ کو دشمن کے قبضہ کے لیے چھوڑے بغیر لڑائی سے دامن کشی اختیار کر لی اور غیر فیصلہ کن جنگ کہتے ہی اسی کو ہیں۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اشارہ نکلتا ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ اِنْ تَكُونُوا تَالِمُونَ فَاِنَّهُمْ يَأْتُمُونَكُمْ
تَالِمُونَ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ ط (۱۰۴:۴)

”قوم (مشرکین) کے تعاقب میں ڈھیلے نہ پڑو۔ اگر تم اہم محسوس کر رہے ہو تو تمہاری ہی طرح وہ بھی اہم

محسوس کر رہے ہیں اور تم لوگ اللہ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرر پہنچانے اور ضرر محسوس کرنے میں ایک لشکر کو دوسرے لشکر سے تشبیہ دی ہے

جسکا مفاد یہ ہے کہ دونوں فریق کے موقف متماثل تھے اور دونوں فریق اس حالت میں واپس ہوئے تھے کہ کوئی بھی غالب نہ تھا۔ بعد میں قرآن مجید نازل ہوا تو اس میں اس معرکے کا ایک **اس غزوے پر قرآن کا تبصرہ** مرحلے پر روشنی ڈالی گئی اور تبصرہ کرتے ہوئے ان اسباب کی نشاندہی کی گئی جن کے نتیجے میں مسلمانوں کو اس عظیم خسارے سے دوچار ہونا پڑا تھا اور بتلایا گیا کہ اس طرح کے فیصلہ کن مواقع پر اہل ایمان اور یہ امت جسے دوسروں کے مقابل خیر امت ہونے کا امتیاز حاصل ہے، جن اونچے اور اہم مقاصد کے حصول کے لیے وجود میں لائی گئی ہے ان کے لحاظ سے ابھی اہل ایمان کے مختلف گروہوں میں کیا کیا کمزوریاں رہ گئی ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے منافقین کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حقیقت بے نقاب کی۔ ان کے یستوں میں خدا اور رسول کے خلاف چھپی ہوئی عداوت کا پردہ فاش کیا اور سادہ لوح مسلمانوں میں ان منافقین اور ان کے بھائی یہود نے جو سو سے پھیلا رکھے تھے ان کا ازالہ فرمایا اور ان قابل ستائش حکمتوں اور مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا جو اس معرکے کا حاصل تھیں۔ اس معرکے کے متعلق سورہ آل عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے معرکے کے ابتدائی مرحلے کا ذکر کیا گیا ارشاد ہوا :

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط (۱۲۱:۳)

”یاد کرو جب تم اپنے گھر سے نکل کر میدان اُحد میں گئے اور وہاں، مؤمنین کو قتال کے لیے جا بجا مقرر کر رہے تھے“

پھر اخیر میں اس معرکے کے نتائج اور حکمت پر ایک جامع روشنی ڈالی گئی؛ ارشاد ہوا :
مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ
مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ
مَنْ يَشَاءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (۱۴۹:۳)

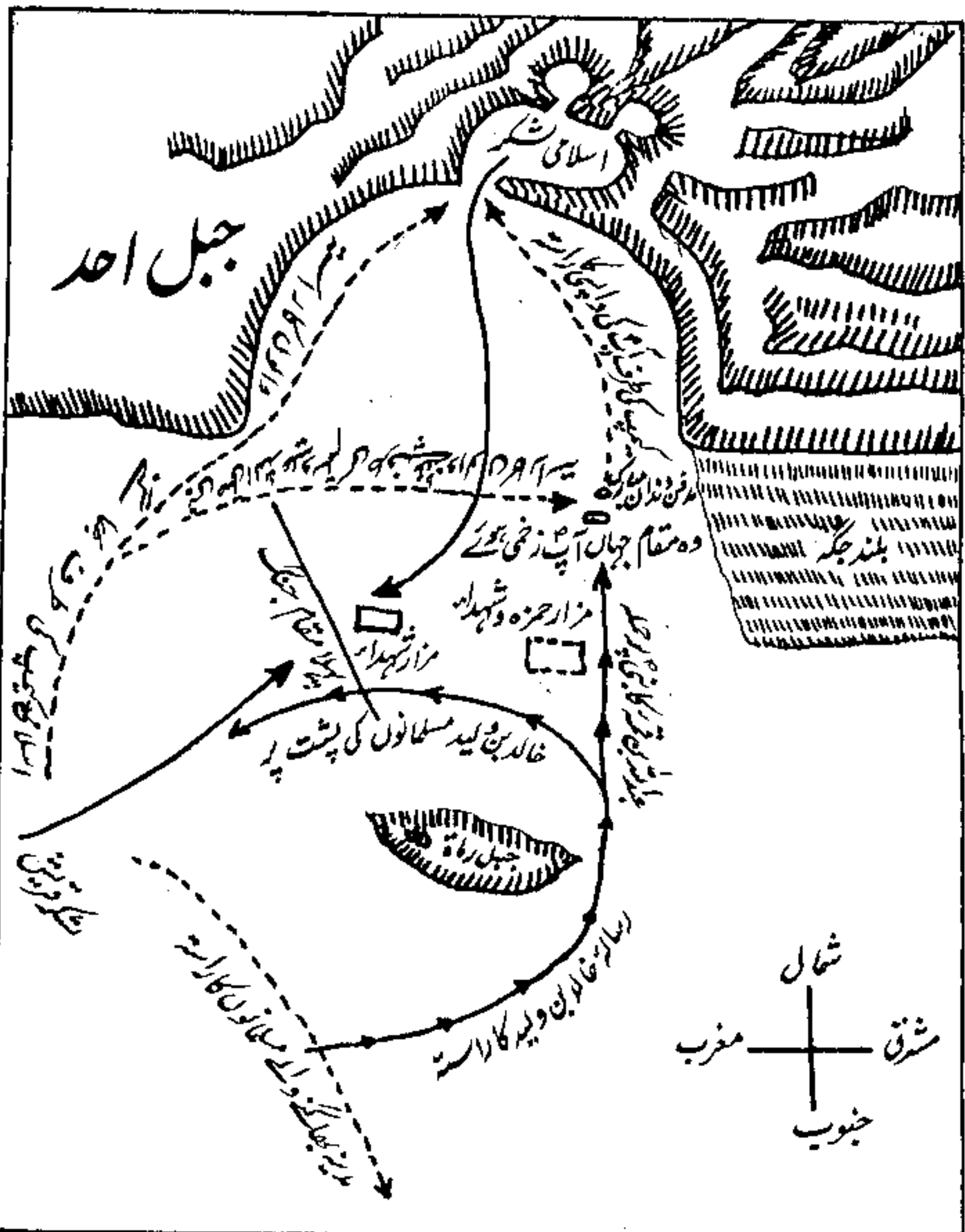
”ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ مؤمنین کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کر دے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرے، لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔“

علامہ ابن قیم نے اس عنوان پر بہت تفصیل سے **غزوے میں کارفرما خدائی مقاصد اور حکمتیں** لکھا ہے۔ شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ غزوہ احد اور اس کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی زک میں بڑی عظیم ربانی حکمتیں اور فوائد تھے۔ مثلاً مسلمانوں کو مصیبت کے بُرے انجام اور ارتکابِ نہی کی نحوست سے آگاہ کرنا۔ کیونکہ تیر اندازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا انہوں نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکز چھوڑ دیا تھا (اور اسی وجہ سے زک اٹھانی پڑی تھی) ایک حکمت پونجیروں کی اس سُنت کا اظہار تھا کہ پہلے وہ ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں پھر انجام کار انہیں کو کامیابی ملتی ہے؛ اور اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہوتو اہل ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی گھس آئیں گے جو صاحبِ ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق و کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ اور اگر ہمیشہ شکست ہی شکست سے دوچار ہوں تو ان کی بعثت کا مقصد ہی پورا نہ ہو سکے گا۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں تاکہ صادق و کاذب میں تمیز ہو جائے۔ کیونکہ منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا اور اہل نفاق نے اپنے قول و فعل کا اظہار کیا تو اشارہ صراحت میں بدل گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے اپنے گھروں کے اندر بھی ان کے دشمن موجود ہیں؛ اس لیے مسلمان ان سے نمٹنے کے لیے مستعد اور ان کی طرف سے محتاط ہو گئے۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بعض مقامات پر مدد کی آمد میں تاخیر سے خاکساری پیدا ہوتی ہے اور نفس کا غرور ٹوٹتا ہے۔ چنانچہ حیب اہل ایمان ابتلاء سے دوچار ہوئے تو انہوں نے صبر سے کام لیا؛ البتہ منافقین میں آہ و زاری مچ گئی۔

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ نے اہل ایمان کے لیے اپنے اعزاز کے گھر (یعنی جنت) میں کچھ ایسے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک ان کے اعمال کی رسائی نہیں ہوتی۔ لہذا ابتلاء و محن کے بھی کچھ اسباب مقرر فرما رکھے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ان درجات تک اہل ایمان کی رسائی ہو جائے۔ اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ شہادت اولیاءِ کرام کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے لہذا یہ مرتبہ ان کیلئے نہیں فرمادیا گیا۔ اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ لہذا ان کے لیے اس کے اسباب بھی فراہم کر دیئے؛ یعنی کفر و ظلم اور اولیاءِ اللہ کی ایذا رسانی میں عدسے بڑھی ہوئی سرکشی۔ (پھر ان کے اسی عمل کے نتیجے میں) اہل ایمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا اور کافروں کو ہلاک و برباد کیا۔



ابتداء میں مسلمانوں نے مشرکین کو شکستِ فاش دی اور ان کے کیمپ پر دھاوا بول دیا۔ مگر عین اسی وقت جبل عینین (جبل رماة) پر متعین تیراندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید فوراً چکر کاٹ کر مسلمانوں کی پشت پر پہنچ گئے اور انہیں ترغہ میں لے کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

اُحد کے بعد کی فوجی مہمات

مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر اُحد کی ناکامی کا بہت برا اثر پڑا۔ ان کی ہوا اکھڑ گئی اور مخالفین کے دلوں سے ان کی ہیبت جاتی رہی۔ اس کے نتیجے میں اہل ایمان کی داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ مدینے پر ہر جانب سے خطرات منڈلانے لگے۔ یہود، منافقین اور بدوؤں نے کھل کر عداوت کا مظاہرہ کیا اور ہر گروہ نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی؛ بلکہ یہ توقع باندھ لی کہ وہ مسلمانوں کا کام تمام کر سکتا ہے اور انہیں یمن و یمن سے اکھاڑ سکتا ہے چنانچہ اس غزوے کو ابھی دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو اسد نے مدینے پر چھاپہ مارنے کی تیاری کی پھر صفر ۳ھ میں عضل اور قارہ کے قبائل نے ایک ایسی مکارانہ چال چلی کہ دس صحابہ کرام کو جام شہادت نوش کرنا پڑا؛ اور ٹھیک اسی مہینے میں رئیس بنو عامر نے اسی طرح کی ایک قابازی کے ذریعے ستر صحابہ کرام کو شہادت سے ہمکنار کر لیا۔ یہ عاوثہ بن معوذہ کے نام سے معروف ہے۔ اس دوران بنو نضیر بھی کھلی عداوت کا مظاہرہ شروع کر چکے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ربیع الاول ۳ھ میں خود نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ ادھر بنو غطفان کی جرات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے جمادی الاولیٰ ۳ھ میں مدینے پر حملہ کا پروگرام بنایا۔ غرض مسلمانوں کی جو ساکھ غزوہ اُحد میں اکھڑ گئی تھی اس کے نتیجے میں مسلمان ایک مدت تک یہم خطرات سے دوچار رہے۔ لیکن وہ تو نبی کریم ﷺ کی حکمت بالغہ تھی جس نے سارے خطرات کا رُخ پھیر کر مسلمانوں کی ہیبت رفته واپس ولادی اور انہیں دوبارہ مجد و عزت کے مقام بلند تک پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں آپ کا سب سے پہلا قدم حمرار الاسد تک مشرکین کے تعاقب کا تھا۔ اس کا ررواتی سے آپ کے لشکر کی آبر و بڑی حد تک برقرار رہ گئی کیونکہ یہ ایسا پر وقار اور شجاعت پر مبنی جنگی اقدام تھا کہ مخالفین خصوصاً منافقین اور یہود کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر آپ نے مسلسل ایسی جنگی کارروائیاں کیں کہ ان سے مسلمانوں کی صرف سابقہ ہیبت ہی بحال نہیں ہوتی بلکہ اس میں مزید اضافہ بھی ہو گیا۔ اگلے صفحات میں انہیں کا کچھ تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کے خلاف سب سے پہلے بنو اسد بن خزیمہ کا
 ۱۔ سریرۃ الرسول ﷺ قبیلہ اٹھا۔ اس کے متعلق مدینے میں یہ اطلاع پہنچی کہ خزیمہ کے دو بیٹے طلحہ اور

سلمہ اپنی قوم اور اپنے اطاعت شعاروں کو لے کر نبو اسد کو رسول اللہ ﷺ پر حملے کی دعوت دیتے پھر یہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جھٹ ڈیڑھ سوانصار و مہاجرین کا ایک دستہ تیار فرمایا اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم دے کر سپہ سالار بنا کر روانہ فرما دیا۔ حضرت ابو سلمہ نے نبو اسد کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی ان پر اس قدر چاٹک حملہ کیا کہ وہ بھاگ کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور سالم و غانم مدینہ واپس آگئے۔ انہیں دو بڑے جنگ بھی نہیں لڑنی پڑی۔

یہ سر یہ محترم سلمہ کا چاند نمودار ہونے پر روانہ کیا گیا تھا۔ واپسی کے بعد حضرت ابو سلمہ کا ایک زخم جو انہیں اُحد میں لگا تھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ جلد ہی وفات پا گئے۔

۲۔ **عبداللہ بن اُمیس کی مہم** | اسی ماہ محرم ۳ھ کی ۵ تاریخ کو یہ خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف کارروائی کے لیے عبداللہ بن اُمیس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

عبداللہ بن اُمیس رضی اللہ عنہ مدینہ سے ۱۸ روز باہر رہ کر ۲۳ محرم کو واپس تشریف لائے۔ وہ خالد کو قتل کر کے اس کا سر بھی ہمراہ لاتے تھے۔ جب خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ سراپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے انہیں ایک عصا مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز نشانی رہے گا۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ان کے کفن میں لپیٹ دیا جائے۔

۳۔ **زیج کا حادثہ** | اسی سال ۴ھ کے ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عضل اور

قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے لہذا آپ ان کے ہمراہ کچھ لوگوں کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے روانہ فرمادیں۔ آپ نے ابن اسحاق کے بقول چھ افراد کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس افراد کو روانہ فرمایا؛ اور ابن اسحاق کے بقول مرشدین ابی مرثد غنومی کو اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عاصم بن عمر بن خطاب کے ناتا حضرت عاصم بن ثابت کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رابع اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہذیل کے زیج نامی ایک چشمے پر پہنچے تو ان پر عضل اور قارہ کے مذکورہ افراد نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحيان کو چڑھا دیا اور بنو لحيان کے کوئی ایک سو تیرا انداز ان کے پیچھے لگ گئے اور نشانات قدم

دیکھ دیکھ کر انہیں جالیا۔ یہ صحابہ کرام ایک ٹیلے پر پناہ گیر ہو گئے۔ بنو لحيان نے انہیں گھیر لیا اور کہا، تمہارے لیے عہد و پیمان ہے کہ اگر ہمارے پاس اتر آؤ تو ہم تمہارے کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عائشہ نے اترنے سے انکار کر دیا اور اپنے رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ بالآخر تیروں کی بوچھاڑ سے سات افراد شہید ہو گئے اور صرف تین آدمی حضرت خبیث، زید بن دثنہ اور ایک اور صحابی باقی بچے۔ اب پھر بنو لحيان نے اپنا عہد و پیمان دہرایا اور اس پر تینوں صحابی ان کے پاس اتر آئے لیکن انہوں نے قابو پاتے ہی بد عہدی کی اور انہیں اپنی کمالوں کی تانت سے باندھ لیا۔ اس پر تیسرے صحابی نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ پہلی بد عہدی ہے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کھینچ گھسیٹ کر ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تو انہیں قتل کر دیا اور حضرت خبیث اور زید رضی اللہ عنہما کو مکہ لیجا کر بیچ دیا۔ ان دونوں صحابہ نے بدر کے روز اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیث کچھ عرصہ اہل مکہ کی قید میں رہے، پھر مکے والوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا اور انہیں حرم سے باہر تنعیم لے گئے۔ جب سولی پر چڑھانا چاہا تو انہوں نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو ذرا دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ مشرکین نے چھوڑ دیا اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب سلام پھیر چکے تو فرمایا: بخدا اگر تم لوگ یہ نہ کہتے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں گھبراہٹ کی وجہ سے کر رہا ہوں تو میں کچھ اور طول دیتا۔ اس کے بعد فرمایا: لے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے گن لے پھر انہیں بکھیر کر مارنا اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑنا۔ پھر یہ اشعار کہے:

لقد اجمع الاحزاب حولی والبوا
وقد قربوا ابناءہم و نساءہم
الی اللہ اشکو غربتی بعد کربتی
فذا العرش صبرنی علی ما یراد ب
وقد خیرونی الکفر و الموت دونہ
ولست ابالی حین اقتل مسلما
وذلك فی ذات الالہ وان یشا

قبائلہم واستجمعوا کل مجمع
وقربت من جزع طویل ممانع
وما جمع الاحزاب لی عند مضجعی
فقد بضعوا لحمی وقد بؤس مطعی
فقد ذرفت عینای من غیر مد مع
علی ای شق ککان للہ مضجعی
یبارک علی اوصال شلوم مع

” لوگ میرے گرد گروہ در گروہ جمع ہو گئے ہیں، اپنے قبائل کو چڑھالائے ہیں اور سارا مجمع جمع

کر لیا ہے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی قریب لے آئے ہیں اور مجھے ایک لمبے مضبوط تنے کے قریب کر دیا گیا ہے میں اپنی بے وطنی و بیکسی کا شکوہ اور اپنی قتل گاہ کے پاس گرد و ہوں کی جمع کردہ آفات کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ اسے عرش والے! میرے خلاف دشمنوں کے جو ارادے ہیں اس پر مجھے صبر دے۔ انہوں نے مجھے بوٹی بوٹی کر دیا ہے اور میری خوراک بُری ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے حالانکہ موت اس سے کمتر اور آسان ہے۔ میری آنکھیں آنسو کے بغیر اُمڈ آئیں۔ میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوں گا۔ یہ تو اللہ کی ذات کے لیے ہے اور وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کئے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت دے۔“

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت خبیث سے کہا: کیا تمہیں یہ بات پسند آئے گی کہ تمہارے بدلے محمد ہمارے پاس ہوتے ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل و عیال میں رہتے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ واللہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں رہوں اور اس کے بدلے محمد ﷺ کو جہاں آپ ہیں وہیں رہتے ہوئے، کاٹا چھ جاتے، اور وہ آپ کو تکلیف دے۔“

اس کے بعد مشرکین نے انہیں سولی پر لٹکا دیا اور ان کی لاش کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کر دیے، لیکن حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رات میں جھانک دے کہ لاش اٹھالے گئے اور اسے دفن کر دیا۔ حضرت خبیث کا قاتل عقبہ بن حارث تھا۔ حضرت خبیث نے اس کے باپ حارث کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت خبیث پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قتل کے موقع پر دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ شروع کیا۔ انہیں قید میں دیکھا گیا کہ وہ انگوڑ کے گچھے کھا رہے تھے حالانکہ ان دنوں مکے میں کھجور بھی نہیں ملتی تھی۔

دوسرے صحابی جو اس واقعے میں گرفتار ہوئے تھے، یعنی حضرت زید بن دثنہ، انہیں صفوان بن اُمیہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے قتل کر دیا۔

قریش نے اس مقصد کے لیے بھی آدمی بھیجے کہ حضرت عاصم کے جسم کا کوئی ٹکڑا لائیں جس سے انہیں پہچانا جاسکے کیونکہ انہوں نے جنگ بدر میں قریش کے کسی عظیم آدمی کو قتل کیا تھا لیکن اللہ نے ان پر پھڑوں کا جھنڈ بھیج دیا جس نے قریش کے آدمیوں سے ان کی لاش کی حفاظت کی اور یہ لوگ ان کا کوئی حصہ حاصل کرنے پر قدرت نہ پاسکے۔ درحقیقت حضرت عاصم نے اللہ سے یہ عہد پیمان

کر رکھا تھا کہ نہ انہیں کوئی مُشرک چھوئے گا نہ وہ کسی مُشرک کو چھوئیں گے۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو فرمایا کرتے تھے کہ اللہ مومن بندے کی حفاظت اس کی وفات کے بعد بھی کرتا ہے جیسے اس کی زندگی میں کرتا ہے۔

جس مہینے ربیع کا حادثہ پیش آیا ٹھیک اسی مہینے برمعونہ کا المیہ
۲۔ برمعونہ کا المیہ | بھی پیش آیا، جو ربیع کے حادثہ سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء، عامر بن ماک، جو لأعب الأستہ (نیروں سے کھیننے والا) کے لقب سے مشہور تھا، مدینہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن دُوری بھی اختیار نہیں کی۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اگر آپ اپنے اصحاب کو دعوتِ دین کے لیے اہل نجد کے پاس بھیجیں تو مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے۔" آپ نے فرمایا: "مجھے اپنے صحابہ کے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے۔" ابو براء نے کہا: "وہ میری پناہ میں ہوں گے۔" اس پر نبی ﷺ نے ابن اسحاق کے بقول چالیس اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ستر آدمیوں کو اس کے ہمراہ بھیج دیا۔ شری کی روایت درست ہے، اور مُنذر بن عمرو کو جو بنو ساعدہ سے تعلق رکھتے تھے اور "سَمْتَقُ لَمُوت" (موت کے لیے آزاد کردہ) کے لقب سے مشہور تھے، ان کا امیر بنا دیا۔ یہ لوگ فضلار، قرار اور سادات و انبیاء صحابہ تھے۔ دن میں لکڑیاں کاٹ کر اس کے عوض اہل صُفہ کے لیے غلہ خریدتے اور قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے اور رات میں خُدا کے حضور مناجات و نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس طرح چلتے چلاتے معونہ کے کنوئیں پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور حرہ بنی سُلَیم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہ کرام نے اُم سُلَیم کے بھائی حُرّام بن لُحمان کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر دشمن خُدا عامر بن طفیل کے پاس روانہ کیا؛ لیکن اس نے خط کو دیکھا تک نہیں اور ایک آدمی کو اشارہ کر دیا جس نے حضرت حُرّام کو پیچھے سے اس زور کا نیزہ مارا کہ وہ نیزہ آ رہا ہو گیا۔ خون دیکھ کر حضرت حُرّام نے فرمایا: "اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

اس کے بعد فوراً ہی اس دشمن خُدا عامر نے باقی صحابہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنی عامر کو آواز دی۔ مگر انہوں نے ابو براء کی پناہ کے پیش نظر اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ ادھر سے

مایوس ہو کر اس شخص نے بنو سلیم کو آواز دی۔ بنو سلیم کے تین قبیلوں عصبیہ، رعل اور ذکوان نے اس پر لبیک کہا اور جھٹ آکر ان صحابہ کرام کا محاصرہ کر لیا۔ جو اباً صحابہ کرام نے بھی لڑائی کی مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف حضرت کعب بن زید بن نجار رضی اللہ عنہ زندہ بچے۔ انہیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھالایا گیا اور وہ جنگ خندق تک حیات رہے۔ ان کے علاوہ مزید دو صحابہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت منذر بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما اونٹ چرا رہے تھے انہوں نے جاتے واردات پر چڑیوں کو منڈلاتے دیکھا تو سیدھے جلتے واردات پر پہنچے۔ پھر حضرت منذر تو اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو قید کر لیا گیا۔ لیکن جب بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے — جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی — آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اس دردناک ایسے کی خبر لے کر مدینہ پہنچے۔ ان ستر اہل مسلمین کی شہادت کے لیے نے جنگ احد کا چرکہ تازہ کر دیا۔ اور یہ اس لحاظ سے زیادہ المناک تھا کہ شہداء احد تو ایک کھلی ہوئی اور دو بدو جنگ میں مارے گئے تھے مگر یہ بچاے ایک شرمناک غداری کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری واپسی میں وادی قناتہ کے سرے پر واقع مقام قرقر پہنچے تو ایک درخت کے سائے میں اتر پڑے۔ وہیں بنو کلاب کے دو آدمی بھی آکر اتر رہے۔ جب وہ دونوں بخبر سو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ نے ان دونوں کا صفایا کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اپنے ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں حالانکہ ان دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد تھا مگر حضرت عمرو جانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب مدینہ آکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی اس کارروائی کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت مجھے لازماً ادا کرنی ہے۔ اس کے بعد آپ مسلمان اور ان کے حلقہ یہود سے دیت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور یہی واقعہ غزوہ بنی نضیر کا سبب بنا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو معونہ اور رزق کے ان المناک واقعات سے جو چند ہی دن آگے سچے پیش آئے تھے، اس قدر رنج پہنچا اور آپ اس قدر غمگین و دلفگار ہوئے کہ جن قوموں اور

۴ دیکھئے ابن ہشام ۲/۱۸۳ تا ۱۸۸، زاد المعاد ۲/۱۰۹، ۱۱۰، صحیح بخاری ۲/۵۸۴، ۵۸۶

۵ واقعی نے لکھا ہے کہ رزق اور معونہ دونوں حادثوں کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔

۶ ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر اہل بئر معونہ پر (باقی صفحہ)

قبیلوں نے ان صحابہ کرام کے ساتھ غدروقتل کا یہ سلوک کیا تھا آپ نے ان پر ایک مہینے تک بددعا فرمائی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے صحابہ کو برہمنوں پر شہید کیا تھا آپ نے ان پر تیس روز تک بددعا کی۔ آپ نماز فجر میں رُعل، ذکوان، لحيان اور عُصَيِّیہ پر بددعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عَصِيْبَةُ نَبِيِّ اللَّهِ اور اس کے رسول کی معصیت کی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اپنے نبی پر وحی نازل کی، جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔ وہ وحی یہ تھی: ”ہماری قوم کو یہ بتلا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ قنوت ترک فرما دیا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ یہود اسلام اور مسلمانوں سے جلتے بھنتے تھے مگر چونکہ

۵۔ غزوة بنی نضیر

وہ مرد میدان نہ تھے، سازشی اور دیسہ کار تھے، اس لیے جنگ کے بجائے کینے اور عداوت کا مظاہرہ کرتے تھے اور مسلمانوں کو عہد و پیمان کے باوجود اذیت دینے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں کرتے تھے۔ البتہ بنو قینقاع کی جلا وطنی اور کعب بن شرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر خاموشی اور سکون اختیار کر لیا؛ لیکن غزوة احد کے بعد ان کی جرأت پھر پلٹ آئی۔ انہوں نے کھلم کھلا عداوت و بدعہدی کی۔ مدینہ کے منافقین اور مکے کے مشرکین سے پس پردہ ساز باز کی اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں کام کیا۔

نبی ﷺ نے سب کچھ جانتے ہوئے صبر سے کام لیا لیکن جمع اور معونہ کے حادثات کے بعد یہودی جرأت و جسارت حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے نبی ﷺ ہی کے خاتمے کا پروگرام بنالیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے چند صحابہ کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنو کلاب کے ان دونوں مقتولین کی دیت میں اعانت کے لیے بات چیت کی۔ (جنہیں حضرت عمرو بن امیہ ضمیری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا) ان پر معاہدے کی رُو سے یہ اعانت واجب تھی۔ انہوں

(بقیہ زکوة غنم غنمیں مجھے میں نے کسی اور پر آپ کو اتنا زیادہ غنمیں ہوتے نہیں دیکھا۔ مختصر السیرة للشیخ عبداللہ ص ۲۶)

۵ صحیح بخاری ۲/۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸

۵ سنن ابی داؤد باب خیر النضیر کی روایت سے یہ بات مستفاد ہے دیکھئے سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود ۳/۱۱۶، ۱۱۷

نے کہا: "ابو القاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھئے ہم آپ کی ضرورت پوری کئے دیتے ہیں۔" آپ ان کے ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور ان کے وعدے کی تکمیل کا انتظام کرنے لگے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھی تشریف فرما تھی۔

ادھر یہود تنہائی میں جمع ہوتے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بدبختی ان کا نوشتہ تقدیر بن چکی تھی اسے شیطان نے خوشنما بنا کر پیش کیا۔ یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ نبی ﷺ ہی کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: کون ہے جو اس چکی کو لے کر اوپر جائے اور آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے؟ اس پر ایک بدبخت یہودی عمز بن جحاش نے کہا، میں... ان لوگوں سے سلام بن مشکم نے کہا بھی کہ ایسا نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم انہیں تمہارے ارادوں کی خبر دیدی جائے گی اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان جو عہد و پیمان ہے یہ اس کی خلاف ورزی بھی ہے، لیکن انہوں نے ایک نہ سستی اور اپنے منصوبے کو روبرو عمل لانے کے عزم پر برقرار رہے۔

ادھر رب العالمین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل تشریف لائے اور آپ کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپ تیزی سے اُٹھے اور مدینے کے لیے چل پڑے۔ بعد میں صحابہ کرام بھی آپ سے آن ملے اور کہنے لگے، آپ اُٹھ آئے اور ہم سمجھ نہ سکے۔ آپ نے بتلایا کہ یہود کا کیا ارادہ تھا۔

مدینہ واپس آ کر آپ نے فوراً ہی محمد بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ، اب یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس کی گردن مار دی جائے گی۔ اس نوٹس کے بعد یہود کو بلاوٹی کے سوا کوئی چارہ کار سمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ وہ چند دن تک سفر کی تیاریاں کرتے رہے۔ لیکن اسی دوران عبداللہ بن ابی رئیس المناضلی نے کہلا بھیجا کہ اپنی جگہ برقرار رہو، ڈٹ جاؤ، اور گھر بار نہ چھوڑو۔ میرے پاس دو ہزار مردان جنگی ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت میں جان دے دیں گے اور اگر تمہیں نکالا ہی گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی سے ہرگز نہیں دیں گے؛ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور بنو قریظہ اور بنو غطفان جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

یہ پیغام سن کر یہود کی خود اعتمادی پلٹ آئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ جلا وطن ہونے کے بجائے ٹھکر لی جائے گی۔ ان کے سردار حُئی بن اخطب کو توقع تھی کہ اس المناقتین نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا کرے گا اس لیے اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جوابی پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے دیار سے نہیں نکلتے آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لحاظ سے یہ صورت حال نازک تھی، کیونکہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک اور پھپھوڑے موڑ پر دشمنوں سے ٹکراؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور مسلمانوں کے دو بیعتی و فود نہایت بے دردی سے تیرنغ کیے جا چکے تھے۔ پھر بنی نضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا اور ان سے جنگ مول لینے میں طرح طرح کے خدشات تھے۔ مگر یہ معونہ کے ایسے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو نئی کر دٹ لی تھی اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بد عہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا۔ لہذا انہوں نے طے کر لیا کہ چونکہ بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا تھا اس لیے ان سے بہر حال لڑنا ہے۔ خواہ اس کے نتائج جو بھی ہوں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کو حسی بن اخطب کا جوابی پیغام ملا تو آپ نے اور صحابہ کرام نے کہا اللہ اکبر! اور پھر لڑائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابن اُتم مکتوم کو مدینہ کا انتظام سونپ کر بنو نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم تھا بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔

ادھر بنو نضیر نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لی اور قلعہ بند رہ کر فصیل سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ چونکہ کھجور کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ بعد میں اسی کی طرف اشارہ کر کے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُؤَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ

بنی لوی کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بُؤیرۃ میں آگ کے شعلے بلند ہوں دیویرہ! بنو نضیر

کے نخلستان کا نام تھا اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نازل ہوا:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْسَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ
وَالْيُغْزَىٰ الْفٰسِقِينَ ○ (۵:۵۹)

”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جنہیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے
تھا۔ اور ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے۔“

بہر حال جب ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو بنو قریظہ ان سے الگ تھلگ رہے۔ عبداللہ بن ابی
نے بھی خیانت کی اور ان کے حلیف عطفان بھی مدد کو نہ آئے۔ غرض کوئی بھی انہیں مدد دینے
یا ان کی مصیبت ٹالنے پر آمادہ نہ ہوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کی مثال یوں بیان
فرمائی:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسٰنِ الْكٰفِرِ ۙ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىۤ اَبْرٰىءٌ مِّنْكَ ..
(۱۷:۵۹)

”جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کفر کرو اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تم سے بری ہوں“
محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا بلکہ صرف چھ رات۔ یا بقول بعض پندرہ رات۔
جاری رہا کہ اس دوران اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، وہ
ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو کہلوا بھیجا کہ ہم مدینے سے نکلنے کو تیار ہیں۔
آپ نے ان کی جلا وطنی کی پیش کش منظور فرمائی اور یہ بھی منظور فرمایا کہ وہ اسلحہ کے سوا باقی جتنا
سازو سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہوں سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

بنو نضیر نے اس منظوری کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے ہاتھوں اپنے مکانات اجاڑ ڈالے
تاکہ دروازے اور کھڑکیاں بھی لاد لے جائیں۔ بلکہ بعض بعض نے تو چھت کی کڑیاں اور دیواروں کی
کھونٹیاں بھی لاد لیں۔ پھر عورتوں اور بچوں کو سوار کیا اور چھ سو اونٹوں پر لدا کر روانہ ہو گئے۔ بیشتر
یہود اور ان کے اکابر مثلاً حی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق نے خیر کارُخ کیا۔ ایک جماعت
ملک شام روانہ ہوئی صرف دو آدمیوں یعنی یامین بن عمرو اور ابو سعید بن وہب نے اسلام قبول
کیا۔ لہذا ان کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق بنو نضیر کے ہتھیار، زمین، گھر اور باغات اپنے
قبضے میں لے لیے ہتھیاریں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

بنو نضیر کے یہ باغات، زمین اور مکانات خالص رسول اللہ ﷺ کا حق تھا۔ آپ کو اختیار تھا

کہ آپ اسے اپنے لیے محفوظ رکھیں یا جسے چاہیں دیں۔ چنانچہ آپ نے (مالِ غنیمت کی طرح) ان اموال کا خمس (پانچواں حصہ) نہیں نکالا کیونکہ اسے اللہ نے آپ کو بطور حقے دیا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر اسے (بزدور شمشیر) فتح نہیں کیا تھا لہذا آپ نے اپنے اس اختیارِ خصوصی کے تحت اس پورے مال کو صرف مہاجرین اولین پر تقسیم فرمایا۔ البتہ دو انصاری صحابہ یعنی ابو جحانہ اور سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کے فقر کے سبب اس میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ نے (ایک چھوٹا سا ٹکڑا اپنے لیے محفوظ رکھا جس میں سے آپ) اپنی ازواجِ مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لیے ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرمادیتے تھے۔

غزوہ بنی نضیر ذی القعدہ ۶۲۵ء میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس تعلق سے پوری سورہ حشر نازل فرمائی جس میں یہود کی جلا وطنی کا نقشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرزِ عمل کا پردہ فاش کیا گیا ہے اور مالِ فتنے کے احکام بیان فرماتے ہوئے مہاجرین و انصار کی مدح و ستائش کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت کاٹے جاسکتے ہیں اور ان میں آگ لگائی جاسکتی ہے۔ ایسا کرنا فساد فی الارض نہیں ہے۔ پھر اہل ایمان کو تقویٰ کے التزام اور آخرت کی تیاری کی تاکید کی گئی ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد و ثنا فرماتے ہوئے اور اپنے اسماء و صفات کو بیان کرتے ہوئے سورہ نختم فرمادی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورہ (حشر) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی نضیر کہتے ہیں۔

غزوہ بنی نضیر میں کسی قربانی کے بغیر مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سے مدینے میں قائم مسلمانوں کا اقتدار مضبوط ہو گیا اور منافقین پر بددلی

چھا گئی۔ اب انہیں کھل کر کچھ کرنے کی جرات نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ ان بددلوں کی خبر لینے کے لیے یکسو ہو گئے جنہوں نے اُحد کے بعد ہی سے مسلمانوں کو سخت مشکلات میں الجھا رکھا تھا اور نہایت ظالمانہ طریقے سے داعیانِ اسلام پر حملے کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار چکے تھے اور اب ان کی جرات اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ مدینے پر چڑھائی کی سوچ رہے تھے۔

چنانچہ غزوہ بنو نضیر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ ابھی ان بدعہدوں کی تادیب کیلئے اٹھے بھی نہ تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ بنی غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ لڑائی کے لیے بدوؤں اور اعرابیوں کی نفری فراہم کر رہے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی نبی ﷺ نے نجد پر یلغار کا فیصلہ کیا اور صحرائے نجد میں دور تک گھستے چلے گئے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ان سنگ دل بدوؤں پر خوف طاری ہو جائے اور وہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف پہلے جسی سنگین کارروائیوں کے اعاد کی جرأت نہ کریں۔

ادھر سرکش بدو، جو لوٹ مار کی تیاریاں کر رہے تھے مسلمانوں کی اس اچانک یلغار کی خبر سنتے ہی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا دیکے۔ مسلمانوں نے لیٹے قبائل پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے بعد امن و امان کے ساتھ واپس مدینے کی راہ لی۔ اہل بیرونے اس سلسلے میں ایک معین غزوے کا نام لیا ہے جو ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳ھ میں سرزمین نجد کے اندر پیش آیا تھا اور وہ اسی غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک حقائق اور ثبوت کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ان ایام میں نجد کے اندر ایک غزوہ پیش آیا تھا کیونکہ مدینے کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ ابوسفیان نے غزوہ احد سے واپسی کے وقت آئندہ سال میدان بدر میں جس غزوے کے لیے لٹکارتا تھا اور جسے مسلمانوں نے منظور کر لیا تھا اب اس کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اور جنگی نقطہ نظر سے یہ بات کسی طرح مناسب نہ تھی کہ بدوؤں اور اعراب کو ان کی سرکشی اور بغاوت پر قائم چھوڑ کر بدر جیسی زوردار جنگ میں جانے کے لیے مدینہ خالی کر دیا جائے؛ بلکہ ضروری تھا کہ میدان بدر میں جس ہولناک جنگ کی توقع تھی اس کے لیے نکلنے سے پہلے ان بدوؤں کی شوکت پر ایسی ضرب لگائی جائے کہ انہیں مدینے کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہو۔

باقی رہی یہ بات کہ یہی غزوہ جو ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳ھ میں پیش آیا تھا غزوہ ذات الرقاع تھا، ہماری تحقیق کے مطابق صحیح نہیں۔ کیونکہ غزوہ ذات الرقاع میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما موجود تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ خیبر سے صرف چند دن پہلے اسلام لائے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر یمن سے روانہ ہوئے تو ان کی کشتی ساحل حبشہ سے جا لگی تھی؛ اور وہ حبشہ سے اس وقت واپس آئے تھے جب نبی ﷺ

خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس طرح وہ پہلی بار خیبر ہی کے اندر خدمت نبوی میں حاضر ہو سکے تھے۔ پس ضروری ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا ہو۔

سلسلہ کے ایک عرصے بعد غزوہ ذات الرقاع کے پیش آنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی تھی اور صلوٰۃ خوف پہلے پہل غزوہ عسفان میں پڑھی گئی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوہ عسفان کا زمانہ غزوہ خندق کے بھی بعد کا ہے جبکہ غزوہ خندق کا زمانہ ۳ھ کے اخیر کا ہے۔ درحقیقت غزوہ عسفان سفرِ مدینہ کا ایک ضمنی واقعہ تھا اور سفرِ مدینہ ۳ھ کے اخیر میں پیش آیا تھا جس سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی راہ لی تھی اس لیے اس اعتبار سے بھی غزوہ ذات الرقاع کا زمانہ خیبر کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے۔

اعراب کی شوکت توڑ دینے اور بدوؤں کے شر سے مطمئن ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے دشمن (قریش) سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور احد کے موقع پر طے کیا ہوا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور محمد ﷺ اور صحابہ کرام کا فرض تھا کہ میدان کارزار میں ابوسفیان اور اس کی قوم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے نکلیں اور جنگ کی چکی اس حکمت کے ساتھ چلائیں کہ جو فریق زیادہ ہدایت یافتہ اور پابدار بقا کا مستحق ہو حالات کارخ پوری طرح اس کے حق میں ہو جائے۔

چنانچہ شعبان ۳ھ جنوری ۶۲۶ء میں رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا انتظام حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپ کر اس طے شدہ جنگ کیلئے بدر کا رخ فرمایا۔ آپ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار کی جمعیت اور دس گھوڑے تھے۔ آپ نے فوج کا علم حضرت علی کو دیا اور بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابوسفیان بھی پچاس سواروں سمیت دو ہزار مشرکین کی جمعیت لے کر روانہ ہوا اور

۳ھ حالت جنگ کی نماز کو صلوٰۃ خوف کہتے ہیں جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدھی فوج ہتھیار بند ہو کر امام کے پیچھے نماز پڑھے باقی آدھی فوج ہتھیار باندھے دشمن پر نظر رکھے۔ ایک رکعت کے بعد یہ فوج امام کے پیچھے آجائے اور پہلی فوج دشمن پر نظر رکھنے چلی جائے۔ امام دوسری رکعت پوری کر لے تو باری باری فوج کے دونوں حصے اپنی اپنی نماز پوری کریں۔ اس نماز کے اس سے ملتے جلتے اور بھی متعدد طریقے ہیں جو موقع جنگ کی مناسبت سے اختیار کیے جاتے ہیں۔ تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔

کے سے ایک مرحلہ دور وادی مرا نظر ان پہنچ کر مجنہ نام کے مشہور چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن وہ مکہ ہی سے بوجھل اور بد دل تھا۔ بار بار مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا اور رعیت ہیبت سے لرز اٹھاتا تھا۔ مرا نظر ان پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا۔ بالآخر اپنے ساتھیوں سے کہا: قریش کے لوگو! جنگ اس وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور بھی چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہی لشکر کے اعصاب پر خون و ہیبت سوار تھی کیونکہ یوسفیان کے اس مشورہ پر کسی قسم کی مخالفت کے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی اور کسی نے بھی سہرا جاری رکھنے اور مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی رائے نہ دی۔

ادھر مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز تک ٹھہر کر دشمن کا انتظار کیا اور اس دوران اپنا سامان تجارت بیچ کر ایک درہم کے دو درہم بناتے رہے۔ اس کے بعد اس شان سے مدینہ واپس آئے کہ جنگ میں پیش قدمی ان کے ہاتھ آپکی تھی، دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ غزوہ بدر موعد، بدر ثانیہ، بدر آخرہ اور بدر صغریٰ کے ناموں سے معروف ہے۔

رسول اللہ ﷺ بدر سے واپس ہوتے تو ہر طرف امن و امان قائم ہو چکا تھا اور پوری اسلامی قلمرو میں اطمینان کی باد بہاری چل رہی تھی۔ اب آپ عرب کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے اور اس کی ضرورت بھی تھی تاکہ حالات پر مسلمانوں کا غلبہ اور کنٹرول ہے اور دوست و دشمن سبھی اس کو محسوس اور تسلیم کریں۔

چنانچہ بدر صغریٰ کے بعد چھ ماہ تک آپ نے اطمینان سے مدینہ میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاعات ملیں کہ شام کے قریب دومتہ الجندل کے گرد آباد قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے گزرنے والی اشیاء لوٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی جمعیت فراہم کر لی ہے۔ ان اطلاعات کے پیش نظر رسول اللہ

ﷺ نے سیاح بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرما کر ایک ہزار مسلمانوں کی نفری کے ساتھ کوچ فرمایا۔ یہ ۲۵ ربیع الاول ۶۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ راستہ بتانے کے لیے بنو عذرہ کا ایک آدمی رکھ لیا گیا تھا جس کا نام مذکور تھا۔

اس غزوے میں آپ کا معمول تھا کہ آپ رات میں سفر فرماتے اور دن میں چھپے رہتے تھے تاکہ دشمن پر بالکل اچانک اور بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں؛ لہذا ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر ہتھیاروں یا کچھ ہاتھ آئے کچھ نکل بھاگے۔ جہاں تک دؤمۃ الجندل کے باشندوں کا تعلق ہے تو حین کا بدھرینگ سما یا بھاگ نکلا جب مسلمان دؤمۃ کے میدان میں اترے تو کوئی نہ ملا۔ آپ نے چند دن قیام فرما کر ادھر ادھر متعدد دستے روانہ کئے لیکن کوئی بھی ہاتھ نہ آیا۔ بالآخر آپ مدینہ پلٹ آئے اس غزوے میں عیینہ بن حصین سے مصالحت بھی ہوئی۔

دؤمۃ — وال کو پیش — یہ سرد شام میں ایک شہر ہے۔ یہاں سے دمشق کا فاصلہ پانچ رات اور مدینے کا پندرہ رات ہے۔

ان اچانک اور فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حزم و تدبیر پر مبنی منصوبوں کے ذریعے نبی ﷺ نے قلم و اسلام میں امن و امان بحال کرنے اور صورت حال پر قابو پانے میں کلیدیابی حاصل کی اور وقت کی رفتار کا رخ مسلمانوں کے حق میں موڑ لیا اور ان اندرونی اور بیرونی مشکلات پر ہم کی شدت کم کی جو ہر جانب سے انہیں گھیرے ہوئے تھیں۔ چنانچہ منافقین خاموش اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ یہود کا ایک قبیلہ جلا وطن کر دیا گیا۔ دوسرے قبائل نے حق ہمتی اور عہد و پیمان کے ایفاء کا مظاہرہ کیا۔ بدو اور اعراب ڈھیلے پڑ گئے اور قریش نے مسلمانوں کے ساتھ ٹکرانے سے گریز کیا اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے اور رب العالمین کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے مواقع میسر آئے۔



غزوة احزاب جنگ خندق

ایک سال سے زیادہ عرصے کی پیہم فوجی مہمات اور کارروائیوں کے بعد جزیرۃ العرب پر سکون چھا گیا تھا اور ہر طرف امن و امان اور آشتی و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا تھا؛ مگر یہود کو جو اپنی خباثتوں، سازشوں اور وسیع کاریوں کے نتیجے میں طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا مزہ چکھ چکے تھے، اب بھی ہوش نہیں آیا تھا۔ انہوں نے غلو و خیانت اور مکر و سازش کے مکروہ نتائج سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا۔ چنانچہ خیر مستقل ہونے کے بعد پہلے تو انہوں نے یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان جو فوجی کشاکش چل رہی ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن جب دیکھا کہ حالات مسلمانوں کے لیے سازگار ہو گئے ہیں، مگر دش لیل و نہار نے انکے اثر و نفوذ کو مزید وسعت دے دی ہے، اور دُور دُور تک ان کی حکمرانی کا سکہ بیٹھ گیا ہے تو انہیں سخت جلن ہوئی۔ انہوں نے نئے سرے سے سازش شروع کی اور مسلمانوں پر ایک ایسی آخری کاری ضرب لگانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں ان کا چراغ حیات ہی گل ہو جائے۔ لیکن چونکہ انہیں براہ راست مسلمانوں سے ٹکراتے کی جرأت نہ تھی اس لیے اس مقصد کی خاطر ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو نضیر کے بیس سردار اور رہنما مکے میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف آمادہ جنگ کرتے ہوئے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کی بات مان لی۔ چونکہ وہ احد کے روز میدان بدر میں مسلمانوں سے صفت آرائی کا عہد و پیمانہ کر کے اس کی خلاف ورزی کر چکے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ اب اس مجوزہ جنگی اقدام کے ذریعے وہ اپنی شہرت بھی بحال کر لیں گے اور اپنی کہی ہوئی بات بھی پوری کر دیں گے۔

اس کے بعد یہود کا یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور قریش ہی کی طرح انہیں بھی آمادہ جنگ کیا۔ وہ بھی تیار ہو گئے۔ پھر اس وفد نے بقیہ قبائل عرب میں گھوم گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی اور ان قبائل کے بھی بہت سے افراد تیار ہو گئے۔ غرض اس طرح یہودی سیاست کاروں

نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے تمام بڑے بڑے گروہوں اور جمہوں کو نبی ﷺ اور آپ کی دعوت اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لیے تیار کر لیا۔

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جنوب سے قریش، کنانہ، اور تہامہ میں آباد دوسرے حلیف قبائل نے مدینے کی جانب کوچ کیا ان سب کا سپہ سالار اعلیٰ البوسفیان تھا اور ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ لشکر مرانظہران پہنچا تو نبی ﷺ بھی اس میں شامل ہوئے۔ ادھر اسی وقت مشرق کی طرف سے غطفانی قبائل فزارہ، مرہ اور اشجع نے کوچ کیا۔ فزارہ کا سپہ سالار یعینہ بن حصن تھا۔ نومرہ کا عارث بن عوف اور بنو اشجع کا مسعر بن زحیلہ۔ انہیں کے ضمن میں بنو اسد اور دیگر قبائل کے بہت سے افراد بھی آئے تھے۔

ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رخ کیا تھا اس لیے چند دن کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار سپاہ کا ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ غالباً مدینے کی پوری آبادی (دعوتوں بچوں بوڑھوں اور جوانوں کو ملا کر بھی) اس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینے کی چہاں دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوتا۔ کچھ عجب نہیں کہ ان کی جرٹک جاتی اور ان کا مکمل صفایا ہو جاتا لیکن مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور چوکس قیادت تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور وہ حالات کا تجزیہ کر کے آنے والے واقعات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ بھی لگاتی تھی اور ان سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم بھی اٹھاتی تھی۔ چنانچہ کفار کا لشکر عظیم جوں ہی اپنی جگہ سے حرکت میں آیا مدینے کے مخبرین نے اپنی قیادت کو اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

اطلاع پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح مشورہ کیا۔ اہل شوریٰ نے غور و خوض کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔ یہ تجویز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں پیش کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! ﷺ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔

یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی۔ اہل عرب اس سے واقف نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ

نے اس تجویز پر فوراً عمل درآمد شروع فرماتے ہوئے ہر دس آدمی کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا اور مسلمانوں نے پوری محنت اور دلجمعی سے خندق کھودنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ اس کام کی ترغیب بھی دیتے تھے اور عملاً اس میں پوری طرح شریک بھی رہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق میں تھے۔ لوگ کھدائی کر رہے تھے اور ہم کندھوں پر مٹی ڈھور رہے تھے کہ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ لَاعِيشِ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

”اے اللہ! زندگی تو پسِ آخرت کی زندگی ہے۔ پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔“

ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاجرین و انصار ایک ٹھنڈی صبح میں کھودنے کا کام کر رہے ہیں ان کے پاس غلام نہ تھے کہ ان کے بجائے غلام یہ کام کر دیتے۔ آپ نے ان کی مشقت اور بھوک دیکھ کر فرمایا:

اللَّهُمَّ اِنْ الْعِيشِ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

”اے اللہ! یقیناً زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار و مہاجرین کو بخش دے۔“

انصار و مہاجرین نے اس کے جواب میں کہا۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

”ہم وہ ہیں کہ ہم نے ہمیشہ کے لیے جب تک کہ باقی رہیں محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے۔“

صحیح بخاری ہی میں ایک روایت حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں

رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خندق سے مٹی ڈھور رہے تھے یہاں تک کہ غبار نے آپ کے شکم کی جلد ڈھانک دی تھی۔ آپ کے بال بہت زیادہ تھے۔ میں نے اسی حالت میں آپ کو عبد اللہ بن رواحہ کے رجز پر کلمات کہتے ہوئے سنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا أَهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبَّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَأَقْبِنَا
إِنَّ الْأَوْلَىٰ رَغِبُوا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

”لے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پلتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل فرما۔

اور اگر ٹکراؤ ہو جائے تو ہمارے قدم ثابت رکھ۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی فتنہ چاہا تو ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے“

حضرت بڑا فرماتے ہیں کہ آپؐ آخری الفاظ کھینچ کر کہتے تھے۔ ایک روایت میں آخری

شعر اس طرح ہے۔

إِنَّ الْأَوْلَىٰ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

”یعنی انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اور اگر وہ ہمیں فتنے میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہونگے“

مسلمان ایک طرف اس گرجوشی کے ساتھ کام کر رہے تھے تو دوسری طرف اتنی شدت کی بھوک برداشت کر رہے تھے کہ اس کے تصور سے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اہل خندق کے پاس دوٹھی جو لایا جاتا تھا اور بو دیتی ہوئی چکنائی کے ساتھ بنا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ لوگ بھوکے ہوتے تھے اور اس کا ذائقہ حلق کے لیے ناخوشگوار ہوتا تھا۔ اس سے بدبو اٹھ رہی ہوتی تھی۔ لگے

ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر

ایک ایک پتھر دکھلایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھلائے

خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کی کئی نشانیاں بھی جلوہ فگن ہوئیں۔ صحیح بخاری کی

روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اندر سخت بھوک کے

آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھائی کیلو) جو پیسا،

پھر رسول اللہ ﷺ سے رازداری کے ساتھ گزارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ تشریف

لائیں۔ لیکن نبی ﷺ تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی، ہمراہ لے کر چل پڑے۔

اور سب لوگوں نے اسی ذرا بھتنے کھانے سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی گوشت کی ہانڈی اپنی حالت

پر برقرار رہی اور بھری کی بھری جوش مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا۔ اس

روٹی پکائی جاتی رہی یہ

حضرت نعمان بن بشیر کی بہن خندق کے پاس دو مٹھی کھجور لے کر آئیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھالیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے ان سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑے کے اوپر بکھیر دیں۔ پھر اہل خندق کو دعوت دی۔ اہل خندق انہیں کھاتے گئے اور وہ بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ سارے اہل خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔

انہی ایام میں ان دونوں واقعات سے کہیں بڑھ کر ایک اور واقعہ پیش آیا جسے امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک چٹان نما ٹکڑا آڑے آگیا۔ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ چٹان نما ٹکڑا خندق میں حائل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اتر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ اٹھے، آپ کے شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے تین روز سے کچھ کچھانا نہ تھا۔ پھر نبی ﷺ نے کدال لے کر مارا تو وہ چٹان نما ٹکڑا ابھر بھرے توڑے میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آپڑی جس سے کدال اچٹ جاتی تھی کچھ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا شکوہ کیا۔ آپ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی (تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا) اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سُرخ مملوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا، اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا: بسم اللہ۔ تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی۔ پھر فرمایا: اللہ اکبر! مجھے مین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صنعا کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔

ابن اسحاق نے ایسی ہی روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔

۱۰ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مروی ہے دیکھئے ۵۸۸/۲، ۵۸۹

۱۱ ابن ہشام ۲/۲۱۸، صحیح بخاری ۲/۵۸۸

۱۲ سنن نسائی ۲/۵۶، منہاجہ، یہ الفاظ نسائی کے نہیں ہیں۔ اور نسائی میں عن رجل من الصحابة ہے۔

۱۳ ابن ہشام ۲/۲۱۹

چونکہ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے حرے (لاوے کی چٹانوں) پہاڑوں اور کھجور کے باغات سے گھرا ہوا ہے اور نبی ﷺ ایک ماہر اور تجربہ کار فوجی کی حیثیت سے یہ جانتے تھے کہ مدینے پر اتنے بڑے لشکر کی یورش صرف شمال ہی کی جہت سے ہو سکتی ہے اس لیے آپ نے صرف اسی جانب خندق کھدوائی۔

مسلمانوں نے خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر پلٹ آتے یہاں تک کہ مدینے کی دیواروں تک کفار کے لشکر جزار کے پہنچنے سے پہلے مقررہ پروگرام کے مطابق خندق تیار ہو گئی۔

ادھر قریش اپنا چار ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پہنچے تو رومہ، جوف اور زغابہ کے درمیان مجمع الایمال میں خیمہ زن ہوئے؛ اور دوسری طرف سے غطفان اور ان کے نجدی ہمسفر چھ ہزار کی نفری لے کر آئے تو احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ○ (۲۲:۲۳)

”اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اور اس (حالت) نے ان کے ایمان اور بندۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا“

لیکن منافقین اور کمزور نفس لوگوں کی نظر اس لشکر پر پڑی تو ان کے دل دہل گئے۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ
وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ○ (۱۲:۲۳)

”اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا“

بہر حال اس لشکر سے مقابلے کے لیے رسول اللہ ﷺ بھی تین ہزار مسلمانوں کی نفری لے کر تشریف لائے اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔ مسلمانوں کا شعار (کوٹ لفظ) تھا حَمَلًا يَنْصُرُونَ۔ (حم ان

کی مدد نہ کی جائے، مدینے کا انتظام حضرت ابن اُمّ مکتوم کے حوالے کیا گیا تھا اور عورتوں اور بچوں کو مدینے کے قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

جب مشرکین حملے کی نیت سے مدینے کی طرف بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی سی خندق ان کے اور مدینے کے درمیان حائل ہے۔ مجبوراً انہیں محاصرہ کرنا پڑا، حالانکہ وہ گھروں سے چلتے وقت اس کیلئے تیار ہو کر نہیں آتے تھے۔ کیونکہ دفاع کا یہ منصوبہ — خود ان کے بقول — ایک ایسی چال تھی جس سے عرب واقف ہی نہ تھے۔ لہذا انہوں نے اس معاملے کو سرے سے اپنے حساب میں داخل ہی نہ کیا تھا۔

مشرکین خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگے۔ انہیں ایسے کمزور نقطے کی تلاش تھی جہاں سے وہ اتر سکیں۔ ادھر مسلمان ان کی گردش پر پوری پوری نظر رکھے ہوئے تھے اور ان پر تیرمد ساتے رہتے تھے تاکہ انہیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بنا سکیں۔

ادھر قریش کے شہسواروں کو گوارا نہ تھا کہ خندق کے پاس محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ پڑے رہیں۔ یہ ان کی عادت اور شان کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت نے جن میں عمرو بن عبدود، حکمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان میں چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے حضرت علیؑ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انہوں نے گھوڑے کدائے تھے اسے قبضے میں لیکر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے مبارزت کے لیے للکارا۔ حضرت علیؑ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے مقابل میں آ گئے۔ اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اس کی کوچیں کاٹیں، اس کے چہرے کو مارا اور حضرت علیؑ کے دوہوا گیا۔ بڑا ہادرا اور شہ زور تھا۔ دونوں میں پُر زور ٹکڑ ہوئی ہر ایک نے دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے۔ بالآخر حضرت علیؑ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرکین بھاگ کر خندق پار چلے گئے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ حکمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ دیا۔

مشرکین نے کسی کسی دن خندق پار کرنے یا اسے پاٹ کر راستہ بنانے کی بڑی زبردست کوشش کی لیکن مسلمانوں نے بڑی عمدگی سے انہیں دور رکھا اور انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا اور ایسی پامردی سے ان کی تیر اندازی کا مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔

اسی طرح کے پُر زور مقابلوں کے دوران رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی بعض نمازیں بھی فوت ہو گئی تھیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے روز آئے اور کفار کو سخت سست کہتے ہوئے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ﷺ آج میں مشکل سورج ڈوبتے ڈوبتے نماز پڑھ سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں نے تو واللہ ابھی نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ بطنان میں اترے۔ آپ نے نماز کے لیے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ یہ سورج ڈوب چکنے کے بعد کی بات ہے۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ نبی ﷺ کو اس نماز کے فوت ہونے کا اس قدر ملال تھا کہ آپ نے مشرکین پر بددعا فرمادی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے خندق کے روز فرمایا: ”اللہ ان مشرکین کے لیے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو نماز و سُنَّتی (کی ادائیگی) سے مشغول رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا“۔

مسند احمد اور مسند شافعی میں مروی ہے کہ مشرکین نے آپ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی ادائیگی سے مصروف رکھا چنانچہ آپ نے یہ ساری نمازیں یکجا پڑھیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ان روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنگ خندق کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ پس کسی دن ایک صورت پیش آئی اور کسی دن دوسری۔

یہیں سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی کوشش اور مسلمانوں کی طرف سے پیہم دفاع کئی روز تک جاری رہا؛ مگر چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان خندق حامل تھی اس لیے دست بدست اور خونریز جنگ کی نوبت نہ آسکی۔ بلکہ صرف تیراندازی ہوتی رہی۔ اسی تیراندازی میں فریقین کے چند افراد مارے بھی گئے۔ لیکن انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے یعنی چھ مسلمان اور دس مشرک جن میں سے ایک یا دو آدمی تلوار سے قتل کئے گئے تھے۔

اسی تیراندازی کے دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا جس سے انکے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ انہیں حبان بن عرقہ نامی ایک قریشی مشرک کا تیر لگا تھا۔ حضرت

سعد نے زخمی ہونے کے بعد دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور انہیں نکال باہر کیا ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے جس قدر محبوب آتا کسی اور قوم سے نہیں ہے۔ اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ اب تو نے ہماری اور انکی جنگ کو آخری مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔ پس اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کہ میں ان سے تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی ختم کر دی ہے تو اسی زخم کو جاری کر کے اسے میری موت کا سبب بنا دے۔^{۱۵} ان کی اس دعا کا آخری ٹکڑا یہ تھا کہ (لیکن) مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے۔^{۱۶} یہ کیفیت ایک طرف مسلمان محاذ جنگ پر ان مشکلات سے دوچار تھے تو دوسری طرف سازش اور دسیسہ کاری کے سانپ اپنے بلوں میں حرکت کر رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر اتار دیں۔ چنانچہ بنو نضیر کا مجرم اکبر حُجَی بن اخطب بنو قریظہ کے دیار میں آیا اور ان کے سردار کعب بن اسد قرظی کے پاس حاضر ہوا۔ یہ کعب بن اسد وہی شخص ہے جو بنو قریظہ کی طرف سے عہد و پیمان کرنے کا مجاز و مختار تھا اور جس نے رسول اللہ ﷺ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جنگ کے مواقع پر آپ کی مدد کرے گا۔ (جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔) حُجَی نے آکر اس کے دروازے پر دستک دی تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا؛ مگر حُجَی اس سے ایسی ایسی باتیں کرتا رہا کہ آخر کار اس نے دروازہ کھول ہی دیا۔ حُجَی نے کہا: اے کعب! میں تمہارے پاس ہمیشہ کی عزت اور (فوجوں کا) بھربے کران لے کر آیا ہوں میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور قائدین سمیت لاکر رومہ کے مجمع الایال میں اتار دیا ہے اور بنو غطفان کو ان کے قائدین اور سرداروں سمیت اُحد کے پاس ذنبِ نقمی میں خیمہ زن کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا مکمل صفایا کیے بغیر یہاں سے نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا: خدا کی قسم تم میرے پاس ہمیشہ کی ذلت اور (فوجوں کا) برسا ہوا بدل لے کر آئے ہو جو صرف گرج چمک رہا ہے، مگر اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ حُجَی! تجھ پر افسوس! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں نے محمدؐ میں صدق و وفا کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے۔

مگر حُجَی اس کو فریب دہی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے رام کر ہی لیا۔

البتہ اس مقصد کیلئے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ اگر قریش نے محمد کو ختم کئے بغیر واپسی کی راہ لی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعے میں داخل ہو جاؤں گا۔ پھر جو انجام تمہارا ہو گا وہی میرا بھی ہو گا۔ جیسی کہ اس پیمانہ و فاکے بعد کعب بن اسد نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے ساتھ طے کی ہوئی ذمے داریوں سے بری ہو کر ان کے خلاف مشرکین کی جانب سے جنگ میں شریک ہو گیا۔

اس کے بعد قرظیہ کے یہود عملی طور پر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے فارغ نامی قلعے کے اندر تھیں۔ حضرت حسان عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہیں تھے۔ حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک یہودی گذرا اور قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنو قرظیہ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمانہ توڑ کر آپ سے برسر پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نہ تھا جو ہمارا دفاع کرتا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سمیت دشمن کے بالمقابل پھنسے ہوئے تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو جاتا تو آپ انہیں چھوڑ کر انہیں سکتے تھے اس لیے میں نے کہا: اے حسان! یہ یہودی — جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، قلعے کا چکر لگا رہا ہے اور مجھے خدا کی قسم اندیشہ ہے کہ یہ باقی یہود کو بھی ہماری کمزوری سے آگاہ کر دے گا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ ہماری مدد کو نہیں آسکتے لہذا آپ جابئے اور اسے قتل کر دیجئے۔ حضرت حسان نے کہا واللہ آپ جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں۔ حضرت صفیہ کہتی ہیں اب میں نے خود اپنی کمر باندھی یہ پھر ستون کی ایک لکڑی لی۔ اور اس کے بعد قلعے سے اتر کر اس یہودی کے پاس پہنچی اور لکڑی سے مار مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آئی اور حسان سے کہا: جابئے اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لیجئے۔ چونکہ وہ مرد ہے اس لیے میں نے اُس کے ہتھیار نہیں اتائے حسان نے کہا: مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت پر رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے اس جانبازانہ کارنامے کا بڑا گہرا اور اچھا اثر پڑا۔ اس کارروائی سے غالباً یہود نے سمجھا کہ

ان قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے۔ حالانکہ وہاں کوئی لشکر نہ تھا۔ اسی لیے یہود کو دوبارہ اس قسم کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ وہ بُت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد اور انضمام کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے انہیں مسلسل رسد پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کی رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ بھی کر لیا۔

بہر حال یہود کی عہد شکنی کی خبر رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فوراً اس کی تحقیق کی طرف توجہ فرمائی تاکہ بنو قریظہ کا موقف واضح ہو جائے اور اس کی روشنی میں فوجی نقطہ نظر سے جو اقدام مناسب ہو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خبر کی تحقیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبریر رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ جاؤ! دیکھو! بنی قریظہ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ واقعی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو واپس آ کر صرف مجھے بتا دینا اور وہ بھی اشاروں اشاروں میں۔ تاکہ لوگوں کے حوصلے پست نہ ہوں۔ اور اگر وہ عہد و پیمان پر قائم ہیں تو پھر لوگوں کے درمیان علانیہ اس کا ذکر کر دینا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے اعلانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں، اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی۔ کہنے لگے: "اللہ کا رسول کون...؟ ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد ہے نہ پیمان یہ سن کر وہ لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر صوت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہا، عضل اور قارہ مقصود یہ تھا کہ جس طرح عضل اور قارہ نے اصحابِ رجب کے ساتھ بد عہدی کی تھی اسی طرح یہود بھی بد عہدی پر تلے ہوتے ہیں۔

باوجودیکہ ان صحابہ کرام نے ان خفائے حقیقت کی کوشش کی لیکن عام لوگوں کو صورتحال کا علم ہو گیا اور اس طرح ایک خوفناک خطرہ ان کے سامنے مجسم ہو گیا۔

درحقیقت اس وقت مسلمان نہایت نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ پیچھے بنو قریظہ تھے جن کا حملہ روکنے کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نہ تھا؛ آگے مشرکین کا لشکرِ جبار تھا جنہیں چھوڑ کر ہٹنا ممکن نہ تھا۔ پھر مسلمان عورتیں اور بچے تھے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بد عہد یہودیوں کے قریب ہی تھے اس لیے لوگوں میں سخت اضطراب برپا ہوا جس کی کیفیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللهِ
الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○ (۱۱/۱۰:۳۳)

” اور جب نگاہیں کج ہو گئیں، دل حلق میں آگئے، اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔“

پھر اسی موقع پر بعض منافقین کے نفاق نے بھی سر نکالا؛ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ محمد تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ پیشاب پانتخانے کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ بعض اور منافقین نے اپنی قوم کے اشراف کے سامنے یہاں تک کہا کہ ہمارے گھر دشمن کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں کیونکہ ہمارے گھر شہر سے باہر ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بنو سلمہ کے قدم اکھڑ رہے تھے اور وہ پسپائی کی سوچ رہے تھے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ
إِلَّا غُرُورًا ○ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا
وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ
إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ (۱۳/۱۲:۳۳)

” اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو وعدہ کیا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب ان کی ایک جماعت نے کہا کہ اسے اہل یثرب! تمہارے لیے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں لہذا واپس چلو۔ اور ان کا ایک فریق نبی سے اجازت مانگ رہا تھا۔ کہتا تھا، ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ خالی نہیں پڑے تھے۔ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے۔“

ایک طرف شکر کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف رسول ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے بنو قریظہ کی بد عہدی کی خبر سن کر اپنا سر اور چہرہ کپڑے سے ڈھک لیا اور دیر تک چت بیٹھ رہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر لوگوں کا اضطراب اور زیادہ بڑھ گیا؛ لیکن اس کے بعد آپ پر امید کی روح غالب آگئی اور آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا، مسلمانو! اللہ کی

مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو! اس کے بعد آپ نے پیش آمدہ حالات سے نمٹنے کا پروگرام بنایا اور اسی پروگرام کے ایک جزو کے طور پر مدینہ کی نگرانی کے لیے فوج میں سے کچھ محافظ بھیجتے رہے تاکہ مسلمانوں کو غافل دیکھ کر یہود کی طرف سے عورتوں اور بچوں پر اچانک کوئی حملہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کی ضرورت تھی جس کے ذریعے دشمن کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے بے تعلق کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سوچا کہ بنو غطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر مصالحت کر لیں تاکہ یہ دونوں سردار اپنے اپنے قبیلے لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمان تنہا قریش پر جنگی طاقت کا بار بار اندازہ لگایا جا چکا تھا؛ ضرب کاری لگانے کے لیے فارغ ہو جائیں۔ اس تجویز پر کچھ گفت و شنید بھی ہوئی مگر جب آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اس تجویز کے بارے میں مشورہ کیا تو ان دونوں نے بیک زبان عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تب تو بلا چون و چرا تسلیم ہے اور اگر محض آپ ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب ہم لوگ اور یہ لوگ دونوں شرک و بت پرستی پر تھے تب تو یہ لوگ میزبانی یا خرید و فروخت کے سوا کسی اور صورت سے ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے تو بھلا اب جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایتِ اسلام سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ کے ذریعے عزت بخشی ہے، ہم انہیں اپنا مال دیں گے؛ واللہ ہم تو انہیں صرف اپنی تلوار دیں گے۔ آپ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ جب میں نے دیکھا کہ سارا عرب ایک کمان کھینچ کر تم پر پل پڑا ہے تو محض تمہاری خاطر میں نے یہ کام کرنا چاہا تھا۔

پھر — الحمد للہ — اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دشمن ذلیل ہو گئے۔ ان کی جمعیت شکست کھا گئی اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ ہوا یہ کہ بنو غطفان کے ایک صاحب جن کا نام نعیم بن مسعود بن عامر شجعی تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! ﷺ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں لہذا آپ مجھے کوئی حکم فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم فقط ایک آدمی ہو لہذا کوئی فوجی اقدام تو نہیں کر سکتے، البتہ جس قدر ممکن ہو ان کی حوصلہ شکنی کرو کیوں جنگ تو حکمتِ عملی کا نام ہے۔ اس پر حضرت نعیم فوراً ہی بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ جاہلیت میں ان سے ان کا بڑا

میل جول تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے کہا، آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق ہے۔ انہوں نے کہا، جی ہاں۔ نعیم نے کہا، اچھا تو سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا گھر بار ہے، مال و دولت ہے، بال بچے ہیں۔ آپ اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے مگر جب قریش و غطفان محمدؐ سے جنگ کرنے آئے تو آپ نے محمدؐ کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ ظاہر ہے ان کا یہاں نہ گھر بار ہے نہ مال و دولت ہے نہ بال بچے ہیں اس لیے انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریابستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے۔ پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمدؐ ہوں گے۔ لہذا وہ جیسے چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے، اس پر بنو قریظہ چونکے اور بولے نعیم! بتائیے اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا، دیکھئے! قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے کہا، آپ نے بہت مناسب راستے دی ہے۔

اس کے بعد حضرت نعیمؓ سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور بولے: "آپ لوگوں سے مجھے جو محبت اور جذبہ خیر خواہی ہے اسے تو آپ جانتے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! حضرت نعیمؓ نے کہا: "اچھا تو سنئے کہ یہود نے محمدؐ اور ان کے رفقار سے جو عہد شکنی کی تھی اس پر وہ نادم ہیں اور اب ان میں یہ مراسلت ہوئی ہے کہ وہ (یہود) آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے ان (محمدؐ) کے حوالے کر دیں گے اور پھر آپ لوگوں کے خلاف محمدؐ سے اپنا معاملہ استوار کر لیں گے۔ لہذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ ہرگز نہ دیں۔" اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جا کر یہی بات دہرائی۔ (اور ان کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔)

اس کے بعد جمعہ اور سینچر کی درمیانی رات کو قریش نے یہود کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا قیام کسی سازگار اور موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ بگھوٹے اور اونٹ مر رہے ہیں لہذا ادھر سے آپ لوگ اور ادھر سے ہم لوگ اٹھیں اور محمدؐ پر حملہ کر دیں۔ لیکن یہود نے جواب میں کہلایا کہ آج سینچر کا دن ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے جن لوگوں نے اس دن کے بارے میں حکم شریعت کی خلاف ورزی کی تھی انہیں کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک اپنے کچھ آدمی ہمیں بطور یرغمال نہ دے دیں ہم لڑائی میں شریک نہ ہوں گے۔ قاصد جب یہ جواب

لے کر واپس آئے تو قریش اور غطفان نے کہا، ”واللہ نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہود کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم! ہم آپ کو کوئی آدمی نہ دیں گے، بس آپ لوگ ہمارے ساتھ ہی نکل پڑیں اور (دونوں طرف سے) محمد پر ہلہ بول دیا جائے۔ یہ سن کر قرظیہ نے باہم کہا، ”واللہ نعیم نے ہم سے سچ ہی کہا تھا اس طرح دونوں فریق کا اعتماد ایک دوسرے سے اٹھ گیا۔ ان کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

اس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے تھے: **اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَامِنْ رَوْعَاتِنَا** : اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے اور رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرما رہے تھے:

اللَّهُمَّ مِّنْزِلِ الْكِتَابِ سَرِيعِ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ ۱۹

”اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے؛ ان لشکروں کو شکست دے۔ اے

اللہ! انہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے“

بالآخر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں۔ چنانچہ مشرکین

کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور بددلی و پست ہمتی سرایت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس نے ان کے نصیے اکھیڑ دیئے، ہانڈیاں الٹ دیں، طنابوں کی کھونٹیاں اکھاڑ دیں، کسی چیز کو قرار نہ رہا اور اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے انہیں ہلا ڈالا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا۔

اسی سُرود اور کڑکڑاتی ہوئی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان

رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ موصوف ان کے محاذ میں پہنچے تو وہاں ٹھیک یہی حالت پاتھی اور مشرکین واپسی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خدمت نبویؐ میں واپس آکر ان کی روانگی کی اطلاع دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی تو (دیکھا کہ میدان صاف ہے) اللہ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقع دیتے بغیر اس کے غیظ و غضب سمیت واپس کر دیا ہے اور ان سے جنگ کے لیے رسول کو کافی ہو گیا ہے۔ الغرض اس طرح اللہ

نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندے کی مدد کی، اور اکیلے ہی سارے لشکروں کی شکست دی۔ چنانچہ اس کے بعد آپ مدینہ واپس آگئے۔

غزوة خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال ۵ھ میں پیش آیا تھا اور مشرکین نے ایک ماہ یا تقریباً ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔ تمام ماخذ پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا تھا اور خاتمہ ذی قعدہ میں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس روز خندق سے واپس ہوئے بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کے ختم ہونے میں صرف سات دن باقی تھے۔

جنگِ احزاب درحقیقت نقصانِ جان و مال کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں کوئی خوریزہ معرکہ پیش نہیں آیا لیکن پھر بھی یہ اسلامی تاریخ کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشوونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جنگِ احزاب میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہو گئی تھی اس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے احزاب کی واپسی کے بعد فرمایا:

"الآن نغزوهم ولا يغزونا، نحن نسير اليهم" (صحیح بخاری ۵۹۰/۲)

”اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے اب ہمارا لشکر ان کی

طرف جائے گا“

نقشه جنگ خندق



زغابیه
مجمع الایسیال

بئر روم



جبل ثور

جبل احد

وادی قنّاء و نبت نعتی

جبل رماة

قاریش کا حصہ

بیت المقدس کا حصہ

دیوار بنی حارثہ



وادی حارثہ



دیوار بنی ظفر



دیوار بنی قریظہ



باغات

مدینہ

جبل سلع

مسلمانوں کا حصہ

یہودیوں کا حصہ

وادی حارثہ

وادی عقیقہ

حوالی

قبا



دیوار بنی نضیر

قلعہ کعب بن اشرف

بہجاء اب

مسلمان آباد تھے

جبل عیبر

دو الخلیفہ

غزوة بنو قریظہ

جس روز رسول اللہ ﷺ خندق سے واپس تشریف لائے اسی روز ظہر کے وقت جبکہ آپ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل فرما رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے بس واپس چلا آ رہا ہوں۔ اُٹھئے! اور اپنے رفیقار کو لے کر بنو قریظہ کا رخ کیجئے۔ میں آگے آگے جا رہا ہوں۔ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا یہ کہہ کر حضرت جبریل فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے متادی کر دانی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔ اس کے بعد مدینے کا انتظام حضرت ابن اُم مکتوم کو سونپا اور حضرت علی کو جنگ کا پھر یاد دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ وہ بنو قریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے جلو میں روانہ ہو چکے تھے۔ آپ نے بنو قریظہ کے دیار میں پہنچ کر انا " نامی ایک کنوئیں پر نزول فرمایا۔ عام مسلمانوں نے بھی لڑائی کا اعلان سن کر فوراً دیار بنی قریظہ کا رخ کیا۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض نے کہا ہم — جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے — بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے۔ حتیٰ کہ بعض نے عصر کی نماز عشاء کے بعد پڑھی۔ لیکن کچھ دوسرے صحابہ نے کہا آپ کا مقصود یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ہم جلد از جلد روانہ ہو جائیں۔ اس لیے انہوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی البتہ (جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوا تو) آپ نے کسی بھی فریق کو سخت سست نہیں کہا۔

بہر کیف مختلف مکٹوبوں میں بٹ کر اسلامی لشکر دیا بنو قریظہ میں پہنچا اور نبی ﷺ کے ساتھ

جا شامل ہوا۔ پھر بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس لشکر کی کل تعداد تین ہزار تھی اور اس میں تیس گھوڑے تھے۔

جب محاصرہ سخت ہو گیا تو یہود کے سردار کعب بن اسد نے یہود کے سامنے تین متبادل تجویزیں پیش کیں۔

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لیں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو کر اپنی جان، مال اور بال بچوں کو محفوظ کر لیں۔ کعب بن اسد نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ واللہ تم لوگوں پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ واقعی نبی اور رسول ہیں اور وہ وہی ہیں جنہیں تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔

۲۔ یا اپنے بیوی بچوں کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دیں۔ پھر تلوار سونت کر نبی ﷺ کی طرف نکل پڑیں، اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں یا سب کے سب مارے جائیں۔

۳۔ یا پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر دھوکے سے سینچر کے دن پل پڑیں، کیونکہ انہیں اطمینان ہو گا کہ آج لڑائی نہیں ہوگی۔

لیکن یہود نے ان تینوں میں سے کوئی بھی تجویز منظور نہ کی جس پر ان کے سردار کعب بن اسد نے (جھلا کر) کہا: تم میں سے کسی نے ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے بعد ایک رات بھی ہوشمندی کے ساتھ نہیں گذاری۔

ان تینوں تجاویز کو رد کر دینے کے بعد بنو قریظہ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور اپنی قسمت کا فیصلہ آپ پر چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کر لیں۔ ممکن ہے پتا لگ جائے کہ ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ابو لبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابو لبابہ ان کے حلیف تھے اور ان کے باغات اور آل اولاد بھی اسی علاقے میں تھے۔ جب ابو لبابہ وہاں پہنچے تو مرد حضرات انہیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا: ابو لبابہ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟

انہوں نے فرمایا، ہاں! لیکن ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ لیکن انہیں فوراً احساس ہوا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آنے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک کھبے سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انہیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے اور وہ آئندہ بنو قریظہ کی سرزمین میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی واپسی میں دیر ہو رہی ہے۔ پھر جب تفصیلات کا علم ہوا تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لیے بخشش کی دعا کر دیتا۔ لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب میں بھی انہیں ان کی جگہ سے کھول نہیں سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ لے۔

ادھر ابولہب کے اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے یہی طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور وہ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ حالانکہ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف ان کے پاس وافر مقدار میں سامان خورد و نوش تھا، پانی کے چشمے اور کنوئیں تھے۔ مضبوط اور محفوظ قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں خون منجمد کر دینے والے جاڑے اور بھوک کی سختیاں سہہ رہے تھے اور آغاز جنگ خندق کے بھی پہلے سے مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چور چور تھے۔ لیکن جنگ بنی قریظہ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا اور ان کے حوصلے ٹوٹے جا رہے تھے۔ پھر حوصلوں کی یہ شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرج کر یہ اعلان کیا کہ ایمان کے فوجیو! خدا کی قسم اب میں بھی یا تو وہی چکوں گا جو حمزہ نے چکھایا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

چنانچہ حضرت علی کا یہ عزم سن کر بنو قریظہ نے جلدی سے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مردوں کو باندھ دیا جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگ رسول اللہ ﷺ

سے عرض پر داز ہوئے کہ آپ نے بنو قینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا تھا وہ آپ کو یاد ہی ہے بنو قینقاع ہمارے بھائی خزرج کے حلیف تھے اور یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں لہذا ان پر احسان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک ایک آدمی فیصلہ کرے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تو یہ معاملہ سعد بن معاذ کے حوالے ہے۔ اوس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حضرت سعد بن معاذ کو بلا بھیجا۔ وہ مدینہ میں تھے۔ لشکر کے ہمراہ تشریف نہیں لائے تھے کیونکہ جنگ خندق کے دوران بازو کی رگ کٹنے کے سبب زخمی تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ جب قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں دونوں جانب سے گھیر لیا اور کہنے لگے: سعد اپنے حلیفوں کے بارے میں اچھائی اور احسان سے کام لیتے گا۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسی لیے حکم بنایا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں۔ مگر وہ چپ چاپ تھے کوئی جواب نہ دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گزارش کی پھر مار کر دی تو بوسے اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پردا نہ ہو۔ یہ سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ آگئے اور قیدیوں کی موت کی خبر پھیلا دی۔

اس کے بعد جب حضرت سعد بن معاذ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے سردار کے استقبال کے لیے اٹھ کر جاؤ!۔ لوگوں نے جب انہیں سواری سے اتار لیا تو آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ لوگ تمہارے فیصلے پر اتارے ہیں۔ حضرت سعد نے کہا: کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے پھر کہا: اور جو یہاں ہیں ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی فرودگاہ کی طرف تھا؛ مگر اجلال و تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ مجھ پر بھی۔ حضرت سعد نے کہا: تو ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال تقسیم کر دیئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

حضرت سعد کا یہ فیصلہ انتہائی عدل و انصاف پر مبنی تھا کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کی

موت و حیات کے نازک ترین لمحات میں جو خطرناک بد عہدی کی تھی وہ تو تھی ہی اس کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں ہتیا کر رکھی تھیں۔ جن پر فتح کے بعد مسلمانوں نے قبضہ کیا۔

اس فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کو مدینہ لا کر بنو نجار کی ایک عورت — جو عارث کی صاحبزادی تھیں — کے گھر میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندق میں کھودی گئیں۔ پھر انہیں ایک ایک جماعت کر کے لے جایا گیا اور ان خندقیوں میں ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے؟ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: کیا تم لوگ کسی بھی جگہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رُک نہیں رہا ہے اور جانے والا پلٹ نہیں رہا ہے، یہ خدا کی قسم قتل ہے۔ بہر کیف ان سب کی جن کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی، گردنیں مار دی گئیں۔

اس کارروائی کے ذریعے غدروخیانت کے ان سانپوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا جنہوں نے پختہ عہد و پیمان توڑا تھا۔ مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ان کی زندگی کے نہایت سنگین اور نازک ترین لمحات میں دشمن کو مدد دے کر جنگ کے اکابر مجرمین کا کردار ادا کیا تھا اور اب وہ واقعہً مقدمے اور پچانسی کے مستحق ہو چکے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی کے ساتھ ہی بنو نضیر کا شیطان اور جنگِ احزاب کا ایک بڑا مجرم جیحی بن اخطب بھی اپنے کینفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہ شخص اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش و غطفان کی واپسی کے بعد جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انہوں نے قلعہ بندی اختیار کی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہو گیا تھا کیونکہ غزوہٴ احزاب کے ایام میں یہ شخص جب کعب بن اسد کو غدروخیانت پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس کا وعدہ کر رکھا تھا اور اب اسی وعدے کو نباہ رہا تھا۔ اسے جس وقت خدمتِ نبویؐ میں لایا گیا تو ایک جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مالِ غنیمت میں نہ رکھو الیا جاتے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رستی سے یکجا بندھے ہوئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: "سُنیے! میں نے آپ کی عداوت پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کی؛

لیکن جو اللہ سے لڑتا ہے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: لوگو! اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو نوشتہ تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردن ماری گئی۔

اس واقعہ میں بنو قریظہ کی ایک عورت بھی قتل کی گئی۔ اس نے حضرت خلد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں قتل کر دیا تھا، اسی کے بدلے اسے قتل کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ جس کے زیر ناف بال آچکے ہوں اسے قتل کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت عطیہ قرظی کو ابھی بال نہیں آتے تھے لہذا انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔

حضرت ثابت بن قیس نے گزارش کی کہ زبیر بن باطا اور اس کے اہل و عیال کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیر نے ثابت پر کچھ احسانات کئے تھے۔ ان کی گزارش منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد ثابت بن قیس نے زبیر سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو اور تمہارے اہل و عیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا ہے اور میں ان سب کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ (یعنی تم بال بچوں سمیت آزاد ہو) لیکن جب زبیر بن باطا کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: ثابت! تم پر میں نے جو احسان کیا تھا اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی دوستوں تک پہنچا دو۔ چنانچہ اس کی بھی گردن مار کر اسے اس کے یہودی دوستوں تک پہنچا دیا گیا۔ البتہ حضرت ثابت نے زبیر بن باطا کے لڑکے عبدالرحمن کو زندہ رکھا چنانچہ وہ اسلام لا کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح بنو سجار کی ایک خاتون حضرت أم المنذر سلمی بنت قیس نے گزارش کی کہ سموال قرظی کے لڑکے رفاعہ کو ان کے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ ان کی بھی گزارش منظور ہوئی اور رفاعہ کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے رفاعہ کو زندہ رکھا اور وہ بھی اسلام لا کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔

چند اور افراد نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا لہذا ان کی بھی جان و مال اور ذریت محفوظ رہی۔ اسی رات عمرو نامی ایک اور شخص نے بنو قریظہ کی بد عہدی میں شرکت نہ کی تھی۔ باہر نکلا۔ اسے پہرہ داروں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ نے دیکھا لیکن پہچان کر چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہیں وہ کہاں گیا۔

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر تقسیم فرما دیا۔ شہسوار کو تین حصے دیئے؛ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں اور بچوں کو حضرت سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت عمرو بن خنوفہ کو منتخب کیا۔ یہ ابن اسحاق کے بقول آپ کی وفات تک آپ کی ملکیت میں رہیں؛ لیکن کلبی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں سلمہ میں آزاد کر کے شادی کر لی تھی۔ پھر جب آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپ نے انہیں بستیج میں دفن فرما دیا۔

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو بندہ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا جس کا ذکر غزوہ احزاب کے دوران آچکا ہے؛ چنانچہ ان کا زخم پھوٹ گیا۔ اس وقت وہ مسجد نبوی میں تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے وہیں خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ قریب ہی سے ان کی عیادت کر لیا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ان کے سینے کا زخم پھوٹ کر بہا۔ مسجد میں بنو غفار کے بھی چند خیمے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر چونکے کہ ان کی جانب خون بہ کر آ رہا ہے۔ انہوں نے کہا: ”خیمے والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہماری طرف آ رہا ہے؟“ دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون کی دھار رواں تھی۔ پھر اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے رحمان کا عرش ہل گیا۔ امام ترمذی نے حضرت انس سے ایک حدیث روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا: ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔“

بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران صرف ایک ہی مسلمان شہید ہوئے جن کا نام خلداد بن سُوید

ہے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن پر نو قرینہ کی ایک عورت نے چلی کا پاٹ پھینک مارا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عکاشہ کے بھائی ابوسٹمان بن محسن نے محاصرے کے دوران وفات پائی۔

جہاں تک حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو وہ چھ رات مسلسل ستون سے بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر کھول دیتی تھیں اور وہ نماز سے فالغ ہو کر پھر اسی ستون میں بندھ جاتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر صبح دم ان کی توبہ نازل ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابولبابہ کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا، اے ابولبابہ خوش ہو جاؤ! اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ یہ سن کر صحابہ انہیں کھولنے کے لیے اچھل پڑے لیکن انہوں نے انکار کر دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بجائے کوئی اور نہ کھولے گا۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نماز فجر کے لیے نکلے اور وہاں سے گزرے تو انہیں کھول دیا۔

یہ غزوہ ذی قعدہ میں پیش آیا، پچیس روز تک محاصرہ قائم رہا۔ اللہ نے اس غزوہ اور غزوہ خندق کے متعلق سورہ احزاب میں بہت سی آیات نازل فرمائیں اور دونوں غزوں کی اہم جزئیات پر تبصرہ فرمایا، مومنین و منافقین کے حالات بیان فرمائے، دشمن کے مختلف گروہوں میں پھوٹ اور پست ہمتی کا ذکر فرمایا اور اہل کتاب کی بد عہدی کے نتائج پر روشنی ڈالی۔



۱ ابن ہشام ۲/۲۳۷، ۲۳۸ غزوے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام ۲/۲۳۲، تا ۲۴۳ صحیح بخاری

۲ ۵۹۰، ۵۹۱ زاد المعاد ۲/۴۲، ۴۳، ۴۴، مختصر السیرة للشیخ عبد اللہ ص ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰۔

غزوة احزاب و قرظہ کے بعد کی جنگِ حنین

۱۔ سلام بن ابی اُحشیق کا قتل | سلام بن ابی اُحشیق — جس کی کنیت ابو رافع تھی — یہود کے ان اکابرِ مجرمین میں تھا،

جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو درغلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مال اور رسد سے ان کی امداد کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا بھی پہنچاتا تھا؛ اس لیے جب مسلمان بنو قرظہ سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی چونکہ اس سے پہلے کعب بن اشرف کا قتل قبیلہ اوس کے چند صحابہ کے ہاتھوں ہو چکا تھا اس لیے قبیلہ خزرج کی خواہش تھی کہ ایسا ہی کوئی کارنامہ ہم بھی انجام دیں؛ اس لیے انہوں نے اجازت مانگنے میں جلدی کی۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت تو دے دی لیکن تاکید فرمادی کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک مختصر سادستہ جو پانچ آدمیوں پر مشتمل تھا اس مہم پر روانہ ہوا۔ یہ سب کے سب قبیلہ خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن عتیک تھے۔

اس جماعت نے سیدھے خیبر کا رخ کیا کیونکہ ابورافع کا قلعہ وہیں تھا جب قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے ڈھور ڈنگر لے کر واپس ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیک نے کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حیلہ اختیار کرتا ہوں؛ ممکن ہے اندر داخل ہو جاؤں۔ اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جا کر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گویا قضا نے حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہا: "او اللہ کے بندے! اگر اندر آتا ہے تو آ جاؤ ورنہ میں دروازہ بند کر کے جا رہا ہوں۔"

عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں اندر گھس گیا اور چھپ گیا۔ جب سب لوگ اندر آ گئے تو پہرے دار نے دروازہ بند کر کے ایک کھونٹی پر چابیاں لٹکا دیں۔ (دیر بعد جب ہر طرف سکون ہو گیا تو) میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور دروازہ کھول دیا۔ ابورافع بالا خانے میں رہتا تھا اور وہاں مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب اہل مجلس چلے گئے تو میں اس کے بالا خانے کی طرف چڑھا۔ میں جو کوئی دروازہ بھی کھولتا تھا اسے اندر کی جانب سے بند کر لیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتلا لگ بھی گیا تو اپنے پاس ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے ابورافع کو قتل کر لوں گا۔ اس طرح میں اس کے پاس پہنچ تو گیا (لیکن) وہ اپنے بال بچوں کے درمیان ایک تار یک کمرے میں تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں کس جگہ ہے اس لیے میں نے کہا 'ابورافع! اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں نے جھٹ آواز کی طرف پک کر اس پر تلوار کی ایک ضرب لگائی لیکن میں اس وقت ہڑبڑایا ہوا تھا اس لیے کچھ نہ کر سکا۔ ادھر اس نے زور کی چیخ ماری لہذا میں جھٹ کمرے سے باہر نکل گیا اور ذرا دور ٹھہر کر پھر آ گیا اور آواز بدل کر 'بولا' ابورافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا تیری ماں برباد ہو، ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تلوار ماری ہے۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ اب میں نے ایک زوردار ضرب لگائی جس سے وہ خون میں لت پت ہو گیا لیکن اب بھی میں اسے قتل نہ کر سکا تھا اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دباوی اور وہ اس کی پیٹھ تک جا رہی۔ میں سمجھ گیا کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے اس لیے اب میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا واپس ہوا اور ایک سیڑھی کے پاس پہنچ کر یہ سمجھتے ہوئے کہ زمین تک پہنچ چکا ہوں پاؤں رکھا تو نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی، پنڈلی سرک گئی؛ میں نے پگڑی سے اسے کس کر باندھا اور دروازے پر آ کر بیٹھ گیا اور جی ہی جی میں کہا کہ آج جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر لیا ہے یہاں سے نہیں نکلوں گا۔ چنانچہ جب مرغ نے بانگ دی تو موت کی خبر دینے والا قلعے کی فصیل پر چڑھا اور بلند آواز سے پکارا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کی اطلاع دے رہا ہوں۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور کہا بھاگ چلو۔ اللہ نے ابورافع کو قیصر کر دیا۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا 'اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ایسا لگا گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں ہے۔'

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ ابورافع کے گھر میں بچپوں صحابہ کرام گھسے تھے اور سب نے اس کے قتل میں شرکت کی تھی اور اس صحابی نے اس کے اوپر تلوار کا بوجھ ڈال کر قتل کیا تھا وہ حضرت عبداللہ بن امیس تھے۔ اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے جب رات میں ابورافع کو قتل کر لیا اور عبداللہ بن عتیک کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو انہیں اٹھالائے اور قلعہ کی دیوار کے آر پار ایک جگہ چشے کی نہر گئی ہوئی تھی اسی میں گھس گئے۔ ادھر یہود نے آگ جلائی اور ہر طرف دوڑ دوڑ کر دیکھا۔ جب مایوس ہو گئے تو مقتول کے پاس واپس آ گئے۔ صحابہ کرام واپس ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عتیک کو لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

اس سہریہ کی روانگی ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں زیر عمل آئی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ احزاب اور قریظہ کی جنگوں سے فارغ ہو گئے اور جنگی مجاہدین سے نمٹ چکے تو ان قبائل اور اعراب کے خلاف تادیبی حملے شروع کئے جو امن و سلامتی کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے تھے اور قوتِ قاہرہ کے بغیر سکون نہیں رہ سکتے تھے۔ ذیل میں اس سلسلے کے سرایا اور غزوات کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے۔

۲۔ سہریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما احزاب و قریظہ کی جنگوں سے فراغت کے بعد یہ پہلا سہریہ ہے جس کی روانگی عمل میں آئی۔ یہ تیس آدمیوں کی مختصر سی

نفری مشتمل تھا۔

اس سہریہ کو نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطام نامی مقام پر بھیجا گیا تھا۔ ضریہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ ہے۔ روانگی ۱۰ محرم سنہ ۶ کو عمل میں آئی تھی اور نشانہ بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے چھاپہ مارا تو دشمن کے سارے افراد بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے چوپائے اور بکریاں ہانک لیں اور محرم میں ایک دن باقی تھا کہ مدینہ آ گئے۔ یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو بھی گرفتار کر لائے تھے۔ وہ سیلمہ کذاب کے

حکم سے بھیس بدل کر نبی ﷺ کو قتل کرنے نکلے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے ایک کھبے سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو دریافت فرمایا: "مامہ تمہارے نزدیک کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "اے محمد! میرے نزدیک خیر ہے۔ اگر تم قتل کرو تو ایک خون داغے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو تو ایک قدر دان پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو جو چاہو مانگ لو۔" اس کے بعد آپ نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ پھر آپ دوبارہ گذرے تو پھر وہی سوال کیا اور مامہ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپ تیسری بار گذرے تو پھر وہی سوال و جواب ہوا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مامہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے آزاد کر دیا۔ مامہ مسجد نبوی کے قریب کھجور کے ایک باغ میں گئے۔ غسل کیا اور آپ کے پاس واپس آکر مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر کہا: "خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ مینغوض نہ تھا لیکن اب آپ کا چہرہ دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ اور خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ مینغوض نہ تھا مگر اب آپ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔" آپ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا تھا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش رہو! اور حکم دیا کہ عمرہ کر لیں۔ جب وہ دیار قریش میں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ مامہ! تم بد دین ہو گئے ہو؟ مامہ نے کہا: نہیں! بلکہ میں محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں، اور سنو! خدا کی قسم تمہارے پاس پیامہ سے گہروں کا ایک دانہ نہیں آسکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دے دیں۔ پیامہ اہل مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت مامہ نے وطن واپس جا کر مکہ کے لیے غلہ کی روانگی بند کر دی جس سے قریش سخت مشکلات میں پڑ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے لکھا کہ مامہ کو لکھ دیں کہ وہ غلے کی روانگی بند نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

بنو لحيان وہی ہیں جنہوں نے مقام ربيع میں دس صحابہ کرام کو دھوکے سے گھیر کر آٹھ کو قتل کر دیا تھا اور دو کو اہل مکہ کے ہاتھوں فروخت

۳۔ غزوة بنو لحيان

کر دیا تھا جہاں وہ بے دردی سے قتل کر دیتے گئے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا علاقہ حجاز کے اندر بہت دور حدودِ مکہ سے قریب واقع تھا، اور اس وقت مسلمانوں اور قریش و اعراب کے درمیان سخت کشاکش برپا تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ اس علاقے میں بہت اندر تک گھس کر بڑے دشمن کے قریب چلے جانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب کفار کے مختلف گروہوں کے درمیان پھوٹ پڑ گئی، ان کے عوائق کمزور پڑ گئے اور انہوں نے حالات کے سامنے بڑی حد تک گھٹنے ٹیک دیئے تو آپ نے محسوس کیا کہ اب بنو لحيان سے ربيع کے مقتولین کا بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ربيع الاول یا جمادی الاولیٰ ۶ھ میں دو سو صحابہ کی معیت میں ان کا رخ کیا، مدینے میں حضرت ابن اُمّ مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور ظاہر کیا کہ آپ ملک شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ یلغار کرتے ہوئے امج اور عسفان کے درمیان بطنِ نمران نامی ایک وادی میں — جہاں آپ کے صحابہ کرام کو شہید کیا گیا تھا — پہنچے اور ان کے لیے رحمت کی عیاشی کیں۔ ادھر بنو لحيان کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی تھی، اس لیے وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر نکل بھاگے اور ان کا کوئی بھی آدمی گرفت میں نہ آسکا۔ آپ نے ان کی سرزمین میں دو روز قیام فرمایا۔ اس دوران سڑے بھی بھیجے لیکن بنو لحيان نہ مل سکے۔ اس کے بعد آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس شہسوار کراغ الغنیم بھیجے تاکہ قریش کو بھی آپ کی آمد کی خبر ہو جائے۔ اس کے بعد آپ کل چودہ دن مدینے سے باہر گزار کر مدینہ واپس آ گئے۔

اس مہم سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے پے درپے فوجی مہمات اور سریتے روانہ فرمائے۔ ذیل میں ان کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

ربیع الاول یا ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ کو چالیس

۴ - سریتہ نمران | افراد کی کمان دے کر مقام نمران کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ بنو اسد کے ایک چشمے کا نام ہے۔ مسلمانوں کی آمد سن کر دشمن بھاگ گیا اور مسلمان ان کے دو سو اونٹ مدینہ ہانک لائے۔

اسی ربیع الاول یا ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ

۵ - سریتہ ذوالقصد (۱) | عنہ کی سربراہی میں دس افراد کا ایک دستہ ذوالقصد کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے دیار میں واقع تھا۔ دشمن جس کی تعداد ایک سو تھی کمین گاہ میں چھپ گیا اور

جب صحابہ کرام سو گئے تو اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بچ سکتے
میں کامیاب ہو سکے اور وہ بھی زخمی ہو کر۔

۶۔ سریرہ ذوالقاصہ (۲) محمد بن مسلمہ کے رفقاء کی شہادت کے بعد ربیع الآخر ۱۰ھ ہی

میں نبی ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ذوالقاصہ کی جانب روانہ فرمایا۔ انہوں نے چالیس
افراد کی نفری لے کر مذکورہ صحابہ کرام کی شہادت گاہ کا رخ کیا اور رات بھر پیدل سفر کر کے علی الصباح
بنو ثعلبہ کے دیار میں پہنچتے ہی چھا پہ مار دیا۔ لیکن بنو ثعلبہ اس تیزی سے پہاڑوں میں بھاگے کہ
مسلمانوں کی گرفت میں نہ آسکے۔ صرف ایک آدمی پکڑا گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ البتہ مویشی اور بکریاں ہاتھ آئیں۔

یہ سریرہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت ربیع الآخر ۱۰ھ میں هجوم
۷۔ سریرہ جموم کی جانب روانہ کیا گیا۔ جموم، مَرَّ الظَّهْرَانِ (موجودہ وادی فاطمہ) میں بنو سلیم کے

ایک چشمے کا نام ہے۔ حضرت زید وہاں پہنچے تو قبیلہ مزینہ کی ایک عورت جس کا نام حلیمہ تھا گرفت
میں آگئی۔ اس نے بنو سلیم کے ایک مقام کا پتا بتایا جہاں سے بہت مویشی، بکریاں اور قیدی ہاتھ
آتے۔ حضرت زید یہ سب لے کر مدینہ واپس آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مُزنی عورت کو آزاد
کر کے اس کی شادی کر دی۔

یہ سریرہ ایک سو تتر سواروں پر مشتمل تھا اور اسے بھی حضرت زید بن حارثہ
۸۔ سریرہ عنص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں عیص کی جانب روانہ کیا

گیا تھا۔ اس مہم میں قریش کے ایک قافلے کا مال ہاتھ آیا جو رسول اللہ ﷺ کے داماد حضرت
ابوالعاص کی قیادت میں سفر کر رہا تھا۔ ابوالعاص اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ گرفتار تو
نہ ہو سکے لیکن بھاگ کر مدینہ پہنچے اور حضرت زینب کی پناہ لے کر ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ
ﷺ سے کہہ کر قافلے کا مال واپس دلا دیں۔ حضرت زینب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے
یہ بات پیش کی تو آپ نے کسی طرح کا دباؤ ڈالے بغیر صحابہ کرام سے اشارہ کیا کہ مال واپس کر دیں صحابہ
کرام نے تھوڑا زیادہ اور چھوٹا بڑا جو کچھ تھا سب واپس کر دیا۔ ابوالعاص سارا مال لے کر مکہ پہنچے انہیں
ان کے مالکوں کے حوالے کیں، پھر مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی
کھلج کی بنیاد پر حضرت زینب کو ان کے حوالہ کر دیا، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آپ نے پہلے ہی نکاح کی بنیاد پر اس لیے حوالہ کر دیا تھا کہ اس وقت تک کفار پر مسلمان عورتوں کے حرام کئے جانے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور ایک حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ آپ نے نکاح جدید کے ساتھ رخصت کیا تھا یا یہ کہ چھ برس کے بعد رخصت کیا تھا تو یہ نہ معنی صحیح ہے نہ سداً بیشہ بلکہ دونوں لحاظ سے ضعیف ہے۔ اور جو لوگ اسی ضعیف حدیث کے قائل ہیں وہ ایک عجیب متضاد بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوالعاص شہ کے اواخر میں فتح مکہ سے کچھ پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ شہ کے اوائل میں حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تھا حالانکہ اگر یہ دونوں باتیں صحیح مان لی جائیں تو تضاد بالکل واضح ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں ابوالعاص کے اسلام لانے اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے وقت حضرت زینب زندہ ہی کہاں تھیں کہ انہیں ان کے پاس نکاح جدید یا نکاح قدیم کی بنیاد پر ابوالعاص کے حوالے کیا جاتا۔ ہم نے اس موضوع پر بلوغ المرام کی تعلق میں بسط سے گفتگو کی ہے۔

مشہور صاحب مغازی موسیٰ بن عقبہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ شہ میں ابو بصیر اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں پیش آیا تھا لیکن یہ نہ حدیث صحیح کے موافق ہے نہ حدیث ضعیف کے۔

۹۔ سریتہ طرف یا طرق | یہ سریتہ بھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمادی الآخرہ میں طرف یا طرق نامی مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے علاقہ میں تھا۔ حضرت زید کے ساتھ صرف پندرہ آدمی تھے لیکن بدوقول نے خبر پاتے ہی راہ فرار اختیار کی۔ انہیں خطرہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ حضرت زید کو چار اونٹ ہاتھ لگے اور وہ چار روز بعد واپس آئے۔

۱۰۔ سریتہ وادی القری | یہ سریتہ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا اور اس کے کمانڈر بھی حضرت زید ہی تھے۔ وہ رجب شہ میں وادی القری کی جانب روانہ ہوئے۔ مقصد دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانا تھا مگر وادی القری کے باشندوں نے ان پر حملہ کر کے نوصحابہ کو شہید کر دیا اور صرف تین بچے کے جن میں ایک خود حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے یہ

۱۱۔ سریتہ حبط | اس سریتہ کا زمانہ رجب شہ بتایا جاتا ہے مگر سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ

۱۰ دونوں حدیثوں پر کلام کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ۲/۱۹۵، ۱۹۶
۱۱ رحمة للعالمین ۲/۲۲۶، ان سرایا کی تفصیلات رحمة للعالمین، زاد المعاد ۲/۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ اور تلمیح فہوم اہل الاثر کے حواشی ص ۲۸، ۲۹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ہمارے تین سو سواروں کی جمعیت روانہ فرمائی۔ ہمارے امیر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ قریش کے ایک قافلہ کا پتا لگانا تھا۔ ہم اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دوچار ہوئے یہاں تک کہ پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا پڑے۔ اسی لیے اس کا نام حبش حبط پڑ گیا۔ حبط جھاڑے جانے والے پتوں کو کہتے ہیں۔) آخر ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کئے، لیکن اس کے بعد ابو عبیدہ نے اسے منع کر دیا۔ پھر اس کے بعد ہی سمندر نے عنبر نامی ایک مچھلی پھینک دی جس سے ہم آدھے مہینے تک کھاتے رہے اور اس کا تیل بھی لگاتے رہے، یہاں تک کہ ہمارے جسم پہلی حالت پر پلٹ آئے اور تندرست ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی پہلی کا ایک کانٹا لیا اور شکر کے اندر سب سے لمبے آدمی اور سب سے لمبے اونٹ کو دیکھ کر آدمی کو اس پر سوار کیا اور وہ (سوار ہو کر) کانٹے کے نیچے سے گذر گیا۔ ہم نے اس کے گوشت کے کچھ ٹکڑے توشہ کے طور پر رکھ لیے اور جب مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ ایک رزق ہے، جو اللہ نے تمہارے لیے برآمد کیا تھا۔ اس کا گوشت تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ گوشت بھیج دیا۔ واقعہ کی تفصیل ختم ہوئی۔

اوپر جو یہ کہا گیا ہے کہ اس واقعے کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان قریش کے کسی قافلے سے تعرض نہیں کرتے تھے۔



غزوة بنی المصطلق یا غزوة مریض (۵ یا ۶ھ)

یہ غزوہ جنگی نقطہ نظر سے کوئی بھاری بھرم غزوہ نہیں ہے مگر اس حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے کہ اس میں چند واقعات ایسے رونما ہوئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں اضطراب اور پھل مچ گئی اور جس کے نتیجے میں ایک طرف منافقین کا پردہ فاش ہوا تو دوسری طرف ایسے تعزیری قوانین نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف و عظمت اور پاکیزگی نفس کی ایک حناص شکل عطا ہوئی۔ ہم پہلے غزوے کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان واقعات کی تفصیل پیش کریں گے۔

یہ غزوہ — اہل سیر کے بقول شعبان ۵ھ یا ۶ھ میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی صرار آپ سے جنگ کے لیے

اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں انک (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اور معلوم ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینب سے نبی ﷺ کی شادی اور مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہو چکنے کے بعد پیش آیا تھا۔ چونکہ حضرت زینب کی شادی ۵ھ کے بالکل اخیر میں یعنی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ میں ہوئی تھی اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے پہلے میں پیش آیا تھا اس لیے یہ ۵ھ کا شعبان نہیں بلکہ ۶ھ ہی کا شعبان ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اس غزوہ کا زمانہ شعبان ۵ھ بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث انک کے اندر اصحاب انک کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سخت کلامی کا ذکر موجود ہے۔ اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۵ھ کے اخیر میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے اس لیے واقعہ انک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ — اور یہ غزوہ — ۶ھ میں نہیں بلکہ ۵ھ میں پیش آیا۔

اس کا جواب فریق اول نے یہ دیا ہے کہ حدیث انک میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر راوی کا وہم ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت عائشہ سے ابن اسحاق نے بہ سند مہری عن عبد اللہ بن عتبہ عن عائشہ روایت کی ہے تو اس میں سعد بن معاذ کے بجائے اسید بن حضیر کا ذکر ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہی صحیح ہے اور سعد بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔ (دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۱۵)

راقم عرض پر داز ہے کہ گو فریق اول کا استدلال خاصا وزن رکھتا ہے (اور اسی لیے ابتدا میں ہمیں بھی اسی سے اتفاق تھا۔) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کو ساتھ لے کر آ رہا ہے۔ آپ نے بريدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کیلئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس قبیلے میں جا کر حارث بن ابی ضرار سے ملاقات اور بات چیت کی اور واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو حالات سے باخبر کیا۔

جب آپ کو خبر کی صحت کا اچھی طرح یقین آ گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور بہت جلد روانہ ہو گئے۔ روانگی ۲ شعبان کو ہوئی۔ اس غزوے میں آپ کے ہمراہ منافقین کی بھی ایک جماعت تھی جو اس سے پہلے کسی غزوے میں نہیں گئی تھی۔ آپ نے مدینہ کا انتظام حضرت زید بن حارثہ کو راز اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذر کو، اور کہا جاتا ہے کہ نمیکہ بن عبداللہ لیشی کو سونپا تھا۔ حارث بن ابی ضرار نے اسلامی لشکر کی خبر لانے کے لیے ایک جاسوس بھیجا تھا لیکن مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

جب حارث بن ابی ضرار اور اسکے رفقاء کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل کئے جانے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہوئے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب بھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ چشمہ مرسیع تک پہنچے تو بنو مصطلق آمادہ جنگ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی صفت بندی کر لی۔ پورے اسلامی لشکر کے علمبردار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور خاص انصار کا پھر پرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ دیر فریقین میں تیروں کا تبادلہ ہوا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے یکبارگی حملہ کیا، اور فتح یاب ہو گئے۔ مشرکین نے شکست کھائی، کچھ مارے گئے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا، مویشی اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی مارا گیا جسے ایک انصاری نے دشمن کا آدمی سمجھ کر مار دیا تھا۔ اس غزوے کے متعلق اہل سیر کا بیان یہی ہے لیکن علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے،

(نوٹ گذشتہ سے بیوستہ) — لیکن غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس استدلال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے حضرت زینبؓ کی شادی شہدہ کے اخیر میں ہوئی تھی درآنحالیکہ اس پر بعض قرآن کے سوا کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے۔ جبکہ واقعہ انک میں اور اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ (متوفی شہدہ) کی موجودگی متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے جنہیں وہم قرار دینا مشکل ہے۔ اس لیے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت زینبؓ کی شادی شہدہ کے اوائل میں ہوئی ہو اور واقعہ انک اور غزوہ بنی المصطلق — شعبان شہدہ میں پیش آیا ہو۔

۵ مرسیع۔ مہر پیش۔ اور پر زبر، قید کے اطراف میں ساحل سمندر کے قریب بنو مصطلق کے ایک چشمے کا نام تھا۔

کیونکہ اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ نے چشمے کے پاس ان پر چھاپہ مار کر عورتوں کو بچل اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق پر چھاپہ مارا اور وہ غافل تھے۔ الی آخر الحدیث علیہ

قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو بنو المصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں، وہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ ثابت نے انہیں مکاتب بنالیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی جانب سے مقررہ رستم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس شادی کی وجہ سے مسلمانوں نے بنو المصطلق کے ایک سو گھرانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیا۔ کہنے لگے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے کسرال کے لوگ ہیں شیہ

یہ ہے اس غزوے کی روداد۔ باقی رہے وہ واقعات جو اس غزوے میں پیش آئے تو چونکہ ان کی بنیاد عبداللہ بن ابی ریس المنافقین اور اس کے رفقاء تھے اس لئے بیجا نہ ہو گا کہ پہلے اسلامی معاشرے کے اندران کے کردار اور رویے کی ایک جھلک پیش کر دی جائے اور بعد میں اتفاق کی تفصیل دی جائے۔

غزوہ بنی المصطلق سے پہلے منافقین کا رویہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کو اسلام اور مسلمانوں سے عموماً اور رسول اللہ ﷺ

سے خصوصاً بڑی کد تھی چونکہ اوس وغزرج اس کی قیادت متفق ہو چکے تھے اور اس کی تاجپوشی کے لیے مونگوں کا تاج بنایا جا رہا تھا کہ اتنے میں مدینہ کے اندر اسلام کی شعا میں پہنچ گئیں اور لوگوں کی توجہ ابن اُبی سے ہٹ گئی اس لیے اسے احساس تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

اس کی یہ کد اور جلن ابتدائے ہجرت ہی سے واضح تھی جبکہ ابھی اس نے اسلام کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ پھر اسلام کا اظہار کرنے کے بعد بھی اس کی یہی روش رہی۔ چنانچہ اس کے اظہار اسلام سے پہلے ایک بار رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے

۳۵ دیکھئے صحیح بخاری کتاب العتق ار ۳۴۵ فتح الباری ۷/۲۳۱

۳۶ مکاتب اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے یہ طے کر لے کہ وہ ایک مقررہ رقم مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جائیگا۔

۳۷ زاد المعاد ۲/۱۱۲، ۱۱۳ ابن ہشام ۲/۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵

تھے کہ رستے میں ایک مجلس سے گذر ہوا جس میں عبداللہ بن ابی بکرؓ بھی تھا۔ اس نے اپنی ناک ڈھک لی اور بولا، ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مجلس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو کہنے لگا: آپ اپنے گھر میں بیٹھئے، ہماری مجلس میں قرآن سنا سنا کر ہمیں تنگ نہ کیجئے۔

یہ اظہارِ اسلام سے پہلے کی بات ہے، لیکن جنگِ بدر کے بعد جب اس نے ہوا کا رخ دیکھ کر اسلام کا اظہار کیا تب بھی وہ اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کا دشمن ہی رہا اور اسلامی معاشرے میں انتشار برپا کرنے اور اسلام کی آواز کمزور کرنے کی مسلسل تدبیریں سوچتا رہا۔ وہ عدالتِ اسلام سے بڑا غلصانہ ربط رکھتا تھا چنانچہ بنو قینقاع کے معاملے میں نہایت نامعقول طریقے سے دخل انداز ہوا تھا۔ (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) اسی طرح اس نے غزوہٴ اُحد میں بھی شر، بدعہدی مسلمانوں میں تفریق اور ان کی صفوں میں بے چینی و انتشار اور بے چینی پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ (اس کا بھی ذکر گذر چکا ہے)

اس منافق کے مکر و فریب کا یہ عالم تھا کہ یہ اپنے اظہارِ اسلام کے بعد ہر جمعہ کو جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور کہتا: لوگو! یہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے ان کے ذریعے تمہیں عزت و احترام بخشا ہے لہذا ان کی مدد کرو، انہیں قوت پہنچاؤ اور ان کی بات سناؤ اور مانو۔ اس کے بعد بیٹھ جاتا اور رسول اللہ ﷺ اٹھ کر خطبہ دیتے۔ پھر اس کی ڈھٹائی اور بے حیائی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب جنگِ اُحد کے بعد پہلا جمعہ آیا کیونکہ — یہ شخص اس جنگ میں اپنی بدترین دغا بازی کے باوجود خطبہ سے پہلے — پھر کھڑا ہو گیا اور وہی باتیں دہرائی شروع کیں جو اس سے پہلے کہا کرتا تھا؛ لیکن اب کی بار مسلمانوں نے مختلف اطراف سے اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: "اد اللہ کے دشمن بیٹھ جا۔ تو نے جو جو حرکتیں کی ہیں اس کے بعد اب تو اس لائق نہیں رہ گیا ہے۔" اس پر وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور یہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں ان صاحب کی تائید کے لیے اٹھا تو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی مجرمانہ بات کہہ دی۔ اتفاق سے دروازے پر ایک انصاری سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا: تیری بربادی ہو واپس چل! رسول اللہ ﷺ تیرے لیے دعاؤں مغفرت کر دیں گے۔ اس نے کہا: خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے دعاؤں مغفرت کریں۔

علاوہ ازیں ابن اُبی نے بنو نضیر سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا اور ان سے مل کر مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازشیں کیا کرتا تھا۔

اسی طرح ابن اُبی اور اس کے رفقاء نے جنگِ خندق میں مسلمانوں کے اندر اضطراب اور کھلبلی مچانے اور انہیں مرعوب و دہشت زدہ کرنے کے لیے طرح طرح کے جن کئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی حسب ذیل آیات میں کیا ہے:

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 إِلَّا غُرُورًا ○ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا
 وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ○ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ
 إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَأَلُوا الْفِتْنَةَ
 لَأَتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ
 لَا يُولُونَ الدِّبَارَ ○ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ○ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ
 مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ
 مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ○ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا
 وَلَا نَصِيرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ○ وَلَا
 يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ○ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ○ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ
 إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ○ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
 سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ جِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ○ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ
 أَعْمَالَهُمْ ○ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ○
 وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ
 وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قُتِلُوا إِلَّا قَلِيلًا ○ (۳۳: ۱۲-۲۰)

”اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا، اور جب ان میں سے ایک گروہ کہہ رہا تھا کہ لے یثرب والو! اب تمہارے لیے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں لہذا پلٹ چلو۔ اور ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں (یعنی ان کی حفاظت کا انتظام نہیں) حالانکہ وہ کھلے پڑے نہ تھے، یہ لوگ محض بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر شہر کے اطراف سے ان پر دھاوا بول دیا گیا ہوتا اور ان سے قتلے (میں شرکت) کا سوال کیا گیا ہوتا تو یہ اس میں جا پڑتے اور بمشکل ہی کچھ رکتے۔ انہوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ بیٹھ نہ

پھیریں گے اور اللہ سے کتے ہوئے عہد کی باز پرس ہو کر رہنی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم موت پاقتل سے بھاگو گے تو یہ بھگدڑ تمہیں نفع نہ دے گی، اور ایسی صورت میں تمتع کا تھوڑا ہی موقع دیا جائے گا۔ آپ کہہ دیں کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہارے لیے برا ارادہ کرے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کو حامی و مددگار نہیں بلاتیں گے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو روٹے اٹکاتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ، اور جو لڑائی میں محض تھوڑا سا حصہ لیتے ہیں جو تمہارا ساتھ دینے میں انتہائی بخیل ہیں۔ جب خطرہ آپڑے تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی طرف اس طرح دیدے پھر اچھا کر دیکھتے ہیں جیسے مرنے والے پر موت طاری ہو رہی ہے اور جب خطرہ ٹل جائے تو مال و دولت کی جرم میں تمہارا استقبال تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی زبانوں سے کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت ایمان ہی نہیں لاتے ہیں اس لیے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور اللہ پر یہ بات آسان ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں؛ اور اگر وہ دیکھ لیں کہ آجائیں تو یہ چاہیں گے کہ بدوؤں کے درمیان بیٹھے تمہاری خبر پوچھتے رہیں۔ اور اگر یہ تمہارے درمیان رہیں بھی تو کم ہی لڑائی میں حصہ لیں گے۔“

ان آیات میں موقع کی مناسبت سے منافقین کے اندازِ فکر، طرزِ عمل، نفسیات اور خود غرضی و موقع پرستی کا ایک جامع نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

ان سب کے باوجود یہود منافقین اور مشرکین غرض سارے ہی اعدائے اسلام کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اسلام کے غلبے کا سبب مادی تفوق یعنی اسلحے، لشکر اور تعداد کی کثرت نہیں ہے بلکہ اس کا سبب وہ خدا پرستی اور اخلاقی قدریں ہیں جن سے پورا اسلامی معاشرہ اور دینِ اسلام سے تعلق رکھنے والا ہر فرد سرفراز و بہرہ مند ہے۔ ان اعدائے اسلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس فیض کا سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو ان اخلاقی قدروں کا معجزے کی حد تک سب سے بلند نمونہ ہے۔

اسی طرح یہ اعدائے اسلام چار پانچ سال تک برس پیکار رہ کر یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اس دین اور اس کے حاملین کو ہتھیاروں کے بل پر نیست و نابود کرنا ممکن نہیں اس لیے انہوں نے غالباً یہ طے کیا کہ اخلاقی پہلو کو بنیاد بنا کر اس دین کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے کی جنگ چھیڑ دی جائے اور اس کا پہلا نشانہ خاص رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو بنایا جائے چونکہ

منافقین مسلمانوں کی صف میں پانچواں کالم تھے اور مدینہ ہی کے اندر رہتے تھے مسلمانوں سے بلا تردد مل جل سکتے تھے اور ان کے احساسات کو کسی بھی ”مناسب“ موقع پر باسانی بھڑکا سکتے تھے اس لیے اس پروپیگنڈے کی ذمہ داری ان منافقین نے اپنے سر لی، یا ان کے سر ڈالی گئی اور عبداللہ بن ابی ریس المنافقین نے اس کی قیادت کا بیڑا اٹھایا۔

ان کا یہ پروگرام اس وقت ذرا زیادہ کھل کر سامنے آیا جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب کو طلاق دی اور نبی ﷺ نے ان سے شادی کی چونکہ عرب کا دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ وہ مُشَنِّئِ (منہ بولے بیٹے) کو اپنے حقیقی لڑکے کا درجہ دیتے تھے اور اس کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھتے تھے اس لیے جب نبی ﷺ نے حضرت زینب سے شادی کی تو منافقین کو نبی ﷺ کے خلاف شور و شغب برپا کرنے کے لیے اپنی دانست میں دو کمرور پہلو ہاتھ آئے!

ایک یہ کہ حضرت زینب آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ قرآن نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے یہ شادی کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ زینب آپ کے بیٹے — یعنی منہ بولے بیٹے — کی بیوی تھیں اس لیے عرب دستور کے مطابق ان سے شادی کرنا نہایت سنگین جرم اور زبردست گناہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں خوب پروپیگنڈہ کیا گیا اور طرح طرح کے افسانے گھڑے گئے۔ کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ محمد نے زینب کو اچانک دیکھا اور ان کے حسن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نقدِ دل سے بیٹھے اور جب ان کے صاحبزادے زید کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے زینب کا راستہ محمد کیلئے خالی کر دیا۔ منافقین نے اس افسانے کا اتنی قوت سے پروپیگنڈہ کیا کہ اس کے اثرات کتبِ احادیث و تفاسیر میں اب تک چلے آ رہے ہیں۔ اس وقت یہ سارا پروپیگنڈہ کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے اندر اتنا موثر ثابت ہوا کہ بالآخر قرآن مجید میں اس کی بابت واضح آیات نازل ہوئیں جن کے اندر شکوکِ پنہاں کی بیماری کا پورا پورا علاج تھا۔ اس پروپیگنڈے کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سورۃ احزاب کا آغاز ہی اس آیت کریمہ سے ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(۱۱:۳۳)

اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں و منافقین سے نہ دلو بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

یہ منافقین کی حرکتوں اور کارروائیوں کی طرف ایک طائرانہ اشارہ اور ان کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ نبی ﷺ یہ ساری حرکتیں صبر، نرمی اور تملطف کے ساتھ برداشت کر رہے تھے اور عام مسلمان بھی ان کے شر سے دامن بچا کر صبر و برداشت کے ساتھ رہ رہے تھے، کیونکہ انہیں تجربہ تھا کہ منافقین قدرت کی طرف گمراہ رہ کر رسوا کئے جاتے رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَكَّرُونَ ○ (۱۲۶:۹)

وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے میں ڈالا جاتا ہے پھر وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

غزوہ بنو المصطلق میں منافقین کا کردار | جب غزوہ بنی المصطلق پیش آیا اور منافقین بھی اس میں شریک ہوئے تو انہوں نے

ٹھیک وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعِفُوا خِلْقَتَكُمْ يَبْغُونَ كُمُ الْفِتْنَةَ

”اگر وہ تمہارے اندر نکلتے تو تمہیں مزید فساد ہی سے دوچار کرتے اور فتنے کی تلاش میں تمہارے اندر تگ و دو کرتے۔“

چنانچہ اس غزوے میں انہیں بھڑاس نکلنے کے دو مواقع ہاتھ آئے جس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں خاصا اضطراب و انتشار مچایا اور نبی ﷺ کے خلاف بدترین پروپیگنڈہ کیا۔ ان دونوں مواقع کی کسی قدر تفصیلات یہ ہیں:

۱۔ مدینہ سے ذیل ترین آدمی کو نکلنے کی بات | رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر ابھی چشمہ مریض پر قیام

فرما ہی تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے۔ ان ہی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور بھی تھا جس کا نام بھجاء غفاری تھا۔ پانی پر ایک شخص سان بن درجہتی سے اس کی دھکم دھکا ہو گئی اور دونوں لڑ پڑے۔ پھر جہتی نے پکارا: یا معشر الانصار (انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو) اور بھجاء نے آواز دی: یا معشر المہاجرین (مہاجرین! مدد کو آؤ!) رسول اللہ ﷺ (خیر پاتے ہی وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارے

اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے؟ اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔“

اس واقعے کی خبر عبداللہ بن ابی بن سلول کو ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور بولا: ”کیا ان لوگوں نے ایسی حرکت کی ہے؟ یہ ہمارے علاقے میں آکر اب ہمارے ہی حریت اور تہ متقابل ہو گئے ہیں! خدا کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہی مثل صادق آتی ہے جو پہلوں نے کہی ہے کہ اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا تازہ کر دتا کہ وہ تمہیں کو پھاڑ کھائے۔ سنو! خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں کا معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔“ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

”یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیئے۔ دیکھو! تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اگر اسے دینا بند کر دو تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے نہیں گئے۔“

اس وقت مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقم بھی موجود تھے۔ انہوں نے آکر اپنے چچا کو پوری بات کہ سنائی۔ ان کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ بولے حضور! عباد بن بشر سے کہیے کہ اسے قتل کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ”عمر! یہ کیسے مناسب رہے گا لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چل پڑے تو حضرت انسؓ بن حذیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کر کے عرض کیا کہ آج آپ نے بے وقت کوچ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا، ”کیا تمہارے صاحب (یعنی ابن ابی) نے جو کچھ کہا ہے تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی؟ انہوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! آپ اگر چاہیں تو اُسے مدینے سے نکال باہر کریں۔ خدا کی قسم وہ ذلیل ہے اور آپ باعزت ہیں۔“ اس کے بعد انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! اس کے ساتھ نرمی برتنے کیونکہ بخدا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لے آیا جب اس کی قوم اس کی تاج پوشی کیلئے مونگوں کا تاج تیار کر رہی تھی اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔“

پھر آپ شام تک پورا دن اور صبح تک پوری رات چلتے رہے بلکہ اگلے دن کے ابتدائی اوقات میں اتنی دیر تک سفر جاری رکھا کہ دھوپ سے تکلیف ہونے لگی۔ اس کے بعد ترکہ پڑاؤ ڈالا گیا تو لوگ زمین پر جسم رکھتے ہی بے خبر ہو گئے۔ آپ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سکون سے بیٹھ کر گپ لڑانے کا موقع نہ ملے۔

ادھر عبداللہ بن ابی کو جب پتا چلا کہ زید بن ارقم نے بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے وہ بات میں نے نہیں کہی ہے اور نہ اسے زبان پر لایا ہوں۔ اس وقت وہاں انصار کے جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی کہا: یا رسول اللہ! ابھی وہ لڑکا ہے۔ ممکن ہے اسے وہم ہو گیا ہو اور اس شخص نے جو کچھ کہا تھا اسے ٹھیک ٹھیک یاد نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے آپ نے ابن ابی کی بات سچ مان لی۔ حضرت زید کا بیان ہے کہ اس پر مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ ویسٹم سے میں کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ میں صدمے سے اپنے گھر میں بیٹھ رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقین نازل فرمائی جس میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتّٰی يَنْفَضُوا

(۴۱:۶۳)

”یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ

چلتے نہیں“

يَقُولُونَ لَیْن رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَنُخْرِجَنَّكَ اِلَیْهَا الْاَذَلَّ ط (۸۱:۶۳)

”یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کریں گے“
حضرت زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر

سنائیں، پھر فرمایا: اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی بیشہ

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام عبداللہ ہی تھا، اس کے بالکل برعکس نہایت نیک طینت انسان اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے برأت اختیار کر لی اور مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی وہاں پہنچا تو اس سے بولے: خدا کی قسم آپ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت دے دیں، کیونکہ حضور عزیز ہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ اس کے بعد جب نبی ﷺ وہاں تشریف لائے تو آپ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اور تب صاحبزادے نے باپ کا راستہ چھوڑا۔ عبداللہ بن ابی کے ان ہی صاحبزادے حضرت عبداللہ نے آپ سے یہ بھی عرض کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فریادے خدا کی قسم میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔

۲۔ واقعہ انک | اس غزوے کا دوسرا اہم واقعہ انک کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کا اصل

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ بازی فرماتے جس کا قرعہ نکل آتا اسے ہمراہ لے جاتے۔ اس غزوہ میں قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا اور آپ انہیں ساتھ لے گئے غزوے سے واپسی میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا حضرت عائشہؓ اپنی حاجت کے لیے گئیں اور اپنی بہن کا ہار جسے عاریہ لے گئی تھیں کھو بیٹھیں۔ احساس ہوتے ہی فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار غائب ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو آپ کا ہونج اونٹ پر لاداکرتے تھے۔ انہوں نے سمجھا آپ ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں اس لیے اسے اونٹ پر لاد دیا اور ہودج کے ہلکے پن پر نہ چونکے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نو عمر تھیں۔ بدن موٹا اور بوجھل نہ تھا۔ نیز چونکہ کئی آدمیوں نے بل کہ ہودج اٹھایا تھا اس لیے بھی ہلکے پن پر تعجب نہ ہوا۔ اگر صرف ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو انہیں ضرور محسوس ہو جاتا۔

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہار ڈھونڈ کر قیام گاہ پہنچیں تو پورا لشکر جاچکا تھا

اور میدان بالکل خالی پڑا تھا نہ کوئی پکارنے والا تھا نہ جواب دینے والا۔ وہ اس خیال سے وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر وہیں تلاش کرنے آئیں گے لیکن اللہ اپنے امر پر تمنا ہے وہ بالائے عرش سے جو تدبیر چاہتا ہے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔ پھر صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سن کر بیدار ہوئیں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ رسول اللہ ﷺ کی بیوی؟ وہ پچھلی رات کو چلا آ رہا تھا۔ صبح کو اس جگہ پہنچا جہاں آپ موجود تھیں۔ انہوں نے جب حضرت عائشہ کو دیکھا تو پہچان لیا؛ کیونکہ وہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی انہیں دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور اپنی سواری بٹھا کر حضرت عائشہ کے قریب کر دی۔ حضرت عائشہ اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان نے اِنَّا لِلّٰہِ کے سوا زبان سے ایک لفظ نہ نکالا چُپ چاپ سواری کی نکیل تھامی اور بیدل چلتے ہوئے لشکر میں آگئے۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ انہیں اس کیفیت کے ساتھ آنا دیکھ کر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز پر تبصرہ کیا اور اللہ کے دشمن خبیث عبد اللہ بن ابی کو بھڑاس نکالنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کے پہلو میں نفاق اور حسد کی جو چوچکاری سلگ رہی تھی اس نے اس کے کرب پتہاں کو عیاں اور نمایاں کیا، یعنی بدکاری کی تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننا، تہمت کے

خلکے میں رنگ بھرنا، اور اسے پھیلانا بڑھانا اور اُوھیرنا اور بُننا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اسی بات کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے لگے اور جب مدینہ آئے تو ان تہمت تراشوں نے خوب جھمکے پروپیگنڈہ کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ خاموش تھے، کچھ بول نہیں رہے تھے؛ لیکن جب لمبے عرصے تک وحی نہ آئی تو آپ نے حضرت عائشہ سے علیحدگی کے متعلق اپنے خاص صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صراحت کئے بغیر اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ آپ ان سے علیحدگی اختیار کر کے کسی اور سے شادی کر لیں لیکن حضرت اسامہ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ آپ انہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں، اور دشمنوں کی بات پر کان نہ دھریں۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبد بن ابی کی ایذا رسانیوں سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے اسکے قتل کی اجازت چاہی لیکن حضرت سعد بن عبادہ پر جو عبد اللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے سردار تھے، قبائلی حمیت غالب آگئی اور دونوں حضرت میں ترش کلامی ہو گئی جس کے نتیجے میں دونوں قبیلے بھڑک اُٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاصی مشکل سے انہیں خاموش کیا، پھر خود بھی خاموش ہو گئے۔

ادھر حضرت عائشہ کا حال یہ تھا کہ وہ غزوة سے واپس آتے ہی بیمار پڑ گئیں اور ایک مہینے تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ انہیں یہ بات کھٹکتی رہتی تھی کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو لطف و عنایت ہوا کرتی تھی اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ بیماری ختم ہوئی تو وہ ایک رات اُمّ منطلق کے ہمراہ قضائے حاجت کے لیے میدان میں گئیں۔ اتفاق سے اُمّ منطلق اپنی چادر میں پھنس کر پھسل گئیں اور اس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو بد و عادی۔ حضرت عائشہ نے اس حرکت پر انہیں ٹوکا تو انہوں نے حضرت عائشہ کو یہ بتلانے کے لیے کہ میرا بیٹا بھی پروپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے تہمت کا واقعہ کہہ سنا یا۔ حضرت عائشہ نے واپس آ کر اس خبر کا ٹھیک ٹھیک پتالگانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے والدین کے پاس جانے کی اجازت چاہی؛ پھر اجازت پا کر والدین کے پاس تشریف لے گئیں اور صورت حال کا یقینی طور پر علم ہو گیا تو بے اختیار روتے لگیں اور پھر دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ اس دوران نہ نیند کا سرمہ لگایا نہ آنسو کی جھڑی رکی۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ کلمہ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور

اما بعد کہہ کر فرمایا: "اے عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات کا پتا لگا ہے۔ اگر تم اس سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری براءت ظاہر فرمادے گا اور اگر خدا نخواستہ تم سے کوئی گناہ برزد ہوگی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔"

اس وقت حضرت عائشہؓ کے آنسو ایک دم تھم گئے اور اب انہیں آنسو کا ایک قطرہ بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ آپ کو جواب دیں لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے خود ہی کہا: "واللہ میں جانتی ہوں کہ یہ بات سننے سننے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے بالکل سچ سمجھ لیا ہے اس لیے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔ تو آپ لوگ میری بات سچ نہ سمجھیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کر لوں۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں۔ تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے۔ ایسی صورت میں اللہ میرے لیے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثل ہے جسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا کہ:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۙ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ (۱۸:۱۲۱)

"صبر ہی بہتر ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔"

اس کے بعد حضرت عائشہؓ دوسری طرف جا کر لیٹ گئیں اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ پھر جب آپ سے نزولِ وحی کی شدت و کیفیت ختم ہوتی تو آپ مسکرا رہے تھے اور آپ نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ اے عائشہؓ اللہ نے تمہیں بری کر دیا۔ اس پر (خوشی سے) ان کی ماں بولیں (عائشہ!) حضور کی جانب اٹھو (شکر یہ ادا کرو)۔ انہوں نے اپنے دامن کی براءت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت پر اعتماد و وثوق کے سبب قدرے ناز کے انداز میں کہا: "واللہ میں تو ان کی طرف نہ اٹھوں گی اور صرف اللہ کی حمد کروں گی۔"

اس موقع پر واقعہ انک سے متعلق جو آیات اللہ نے نازل فرمائیں وہ سورہ نور کی دس آیات ہیں جو ان الذین جاءوا بالافك عصبه منك سے شروع ہوتی ہیں۔

اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور عتد بن جحش

رضی اللہ عنہم کو اسی اسی کوڑے مارے گئے۔ سلم ابیہ خبیث عبداللہ بن ابی کی پیٹھ اس سزا سے بچ گئی حالانکہ تہمت تراشوں میں وہی سرفہرست تھا اور اسی نے اس معاملے میں سب سے اہم رول ادا کیا تھا۔ اسے سزا نہ دینے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ جن لوگوں پر حدود قائم کر دی جاتی ہیں وہ ان کے لیے اخروی عذاب کی تخفیف اور گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اور عبداللہ بن ابی کو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب عظیم دینے کا اعلان فرما دیا تھا۔ یا پھر وہی مصلحت کار فرما تھی جسکی وجہ سے اس کی اسلام دشمنی کے باوجود اسے قتل نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے امام حاکم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن ابی کو بھی حد لگائی گئی تھی۔ اس طرح ایک مہینے کے بعد مدینہ کی فضا شک و شبہ اور قلق و اضطراب کے بادلوں سے صاف ہو گئی اور عبداللہ بن ابی اس طرح رسوا ہوا کہ دوبارہ سرنہ اٹھا سکا۔ ابن سحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ کوئی گڑبڑ کرتا تو خود اس کی قوم کے لوگ اسے عتاب کرتے، اس کی گرفت کرتے اور اسے سخت سست کہتے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے کہا: اے عمر! کیا خیال ہے؟ دیکھو! واللہ اگر تم نے اس شخص کو اس دن قتل کر دیا ہوتا جس دن تم نے مجھ سے اسے قتل کرنے کی بات کہی تھی تو اس کے بہت سے ہمدرد اٹھ کھڑے ہوتے لیکن اگر آج انہیں ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ حضرت عمر نے کہا: واللہ میری سمجھ میں خوب آ گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ میرے معاملے سے زیادہ بابرکت ہے۔^{۲۱}



۱۱۱۱ اسلامی قانون یہی ہے کہ جو شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت نہ پیش کرے اسے (یعنی اس تہمت لگانے والے کو) اسی کوڑے مارے جائیں۔

۱۱۱۱ صحیح بخاری ۱/۳۶۴، ۲/۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، زاد المعاد ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ابن ہشام ۲/۲۹۷ تا ۳۰۷

۱۱۱۱ ابن ہشام ۲/۲۹۳

غزوة مُرسِيع کے بعد کی فوجی مہمات

۱۔ سرِیہ دُیاری بنی کلب۔ علاقہ دُومۃ الجندل | یہ سرِیہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شعبان ۳ھ میں بھیجا

گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے سامنے بٹھا کر خود اپنے دست مبارک سے بگڑھی بانڈھی اور لڑائی میں سب سے اچھی صورت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ تمہاری اطاعت کریں تو تم ان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دماں پہنچ کر تین روز پیہم اسلام کی دعوت دی۔ بالآخر قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تناصر بنت اصف سے شادی کی۔ یہی حضرت عبدالرحمن کے صاحبزادے ابو سلمہ کی ماں ہیں۔ اس خاتون کے والد اپنی قوم کے سردار اور بادشاہ تھے۔

۲۔ سرِیہ دُیاری بنی سعد۔ علاقہ فدک | یہ سرِیہ شعبان ۳ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ

ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد کی ایک جمعیت یہود کو ملک پہنچانا چاہتی ہے لہذا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو سو آدمی دے کر روانہ فرمایا۔ یہ لوگ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ آخر ایک جاٹوں گرفت میں آیا اور اس نے اقرار کیا کہ ان لوگوں نے خیبر کی کھجوروں کے عوض امداد فراہم کرنے کی پیشکش کی ہے۔ جاٹوں نے یہ بھی بتلایا کہ بنو سعد نے کس جگہ جمعہ بندی کی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر شیخون مار کر پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ البتہ بنو سعد اپنی عورتوں بچوں سمیت بھاگ نکلے۔ ان کا سردار و بر بن علیم تھا۔

۳۔ سرِیہ اُدی القری | یہ سرِیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت رمضان ۳ھ میں روانہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بنو

فزارہ کی ایک شاخ نے دھوکے سے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا لہذا آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سرِیہ میں میں بھی آپ

کے ساتھ تھا۔ جب ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے چھاپہ مارا اور چشمے پر دھاوا بول دیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ پہنچ جائیں میں نے ان کو پکڑنے کی کوشش کی اور ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا تیر دیکھ کر یہ لوگ بھڑک گئے۔ ان میں اُمّ قرفہ نامی ایک عورت تھی جو ایک پرانی پوستیں اوٹھے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے تھی۔ میں ان سب کو کھینچتا ہوا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انہوں نے وہ لڑکی مجھے عطا کی۔ میں نے اس کا کپڑا ہٹا کر دیکھا کہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لڑکی مجھ (سلمہ بن اکوع) سے لے کر مکہ بھیج دی اور اس کے عوض وہاں کے متعدد مسلمان قیدیوں کو رہا کر لیا۔

اُمّ قرفہ ایک شیطان صفت عورت تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تدبیریں کیا کرتی تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے خاندان کے تیس شہسوار بھی تیار کیے تھے لہذا اسے ٹھیک بدلہ مل گیا اور اس کے تیسوں سوار مارے گئے۔

۲۔ سر یہ عرینین | یہ سر یہ شوال ۱۱ھ میں حضرت کرزبن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عکل اور عرینہ کے چند افراد نے مدینہ آکر اسلام کا اظہار کیا اور مدینہ ہی میں قیام کیا۔ لیکن ان کے لیے مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند اونٹوں کے ساتھ چراگاہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیئیں۔ جب یہ لوگ تندرست ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راعی کو قتل کر دیا، اونٹوں کو ہانک لے گئے اور اظہار اسلام کے بعد اب پھر کفر اختیار کیا؛ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش کے لیے کرزبن جابر فہری کو بیس صحابہ کی معیت میں روانہ فرمایا اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ عرینوں پر راستہ اندھا کر دے اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ بنا دے۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ ان پر راستہ اندھا کر دیا۔ چنانچہ وہ پکڑ لیے گئے اور انہوں نے مسلمان چرواہوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے قصاص اور بدلے کے طور پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ آنکھوں میں گرم سلائیاں بھری گئیں اور انہیں حرہ کے ایک گوشے میں چھوڑ دیا گیا جہاں وہ زمین پر تڑپتے تڑپتے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۱۔ دیکھئے صحیح مسلم ۲/۸۹۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سر یہ شوال میں پیش آیا۔ ۲۔ یہ وہی حضرت کرزبن جابر فہری ہیں جنہوں نے غزوہ بدر سے پہلے

غزوہ صفوان میں مدینہ کے چرواہوں پر چھاپہ مارا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے موقع پر ضلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔

۳۔ زاد المعاد ۲/۱۲۲ مع بعض اضافات ۴۔ صحیح بخاری ۲/۶۰۲ وغیرہ

اہل سیر اس کے بعد ایک اور سرئیہ کا ذکر کرتے ہیں جسے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ بن ابی سلمہ کی رفاقت میں شوال ۳۱ھ میں سر کیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری ابوسفیان کو قتل کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے تھے کیونکہ ابوسفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک اعرابی کو مدینہ بھیجا تھا۔ البتہ فریقین میں سے کوئی بھی اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سفر میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے تین کافروں کو قتل کیا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھائی تھی حالانکہ حضرت خبیب کی شہادت کا واقعہ رجم کے چند دن یا چند مہینے بعد کا ہے اور رجم کا واقعہ صرف ۳۱ھ کا ہے اسلئے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آیا یہ دونوں دو الگ الگ سفر کے واقعات تھے جو اہل سیر پر مختلط اور گڈمڈ ہو گئے اور انہوں نے دونوں کو ایک ہی سفر میں ذکر کر دیا یا یہ کہ واقعات دونوں واقعے ایک ہی سفر میں پیش آئے لیکن اہل سیر سے سننے کی تعیین میں غلطی ہو گئی اور انہوں نے اسے ۳۱ھ کے بجائے ۳۲ھ میں ذکر کر دیا۔ حضرت علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعے کو جنگی مہم یا سرئیہ تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم

یہ ہیں وہ سرایا اور غزوات جو جنگِ احزاب و بنی قریظہ کے بعد پیش آئے۔ ان میں سے کسی بھی سرئیے یا غزوتے میں کوئی سخت جنگ نہیں ہوئی صرف بعض بعض میں معمولی قسم کی جھڑپیں ہوئیں۔ لہذا ان مہموں کو جنگ کے بجائے طلایہ گردی، فوجی گشت اور تادیبی نقل و حرکت کہا جاسکتا ہے جس کا مقصد ڈھیٹ بدوؤں اور اکرٹے ہوئے دشمنوں کو خوفزدہ کرنا تھا۔ حالات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوتِ احزاب کے بعد صورتِ حال میں تبدیلی شروع ہو گئی تھی اور عدیلے اسلام کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ اب انہیں یہ امید باقی نہیں رہ گئی تھی کہ دعوتِ اسلام کو توڑا اور اس کی شوکت کو پامال کیا جاسکتا ہے، مگر یہ تبدیلی ذرا اچھی طرح کھل کر اس وقت رونما ہوئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہو چکے۔ یہ صلح دراصل اسلامی قوت کا اعتراف اور اس بات پر مہر تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نمائے عرب میں باقی اور برقرار رہنے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

صلح حدیبیہ (ذی قعدہ)

عمرہ حدیبیہ کا سبب | جب جزیرہ منہ عرب میں حالات بڑی حد تک مسلمانوں کے موافق ہو گئے تو اسلامی دعوت کی کامیابی اور فتح اعظم کے آثار رفتہ رفتہ نمایاں ہونا شروع ہوئے اور مسجد حرام میں جس کا دروازہ مشرکین نے مسلمانوں پر چھ پرہیزگاروں سے بند کر رکھا تھا، مسلمانوں کے لیے عبادت کا حق تسلیم کیے جانے کی تمہیدات شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اندر یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مسجد حرام میں داخل ہوئے، آپ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کی۔ آپ نے صحابہ کرام کو اس خواب کی اطلاع دی تو انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہو گا۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتلایا کہ آپ عمرہ ادا فرمائیں گے لہذا صحابہ کرام بھی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔

مسلمانوں میں وانگی کا اعلان | آپ نے مدینہ اور گرد و پیش کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ لوگ آپ کے ہمراہ روانہ ہوں لیکن بیشتر اعراب نے تاخیر کی۔ ادھر آپ نے دھلے کپڑے پہنے مدینہ پر اپنی اتم مکتوم یا نیٹ لیشی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اپنی قصور نامی اونٹنی پر سوار ہو کر یکم ذی قعدہ ۶۱۰ روز دوشنبہ کو روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ چودہ سو (اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ سو) صحابہ کرام ہمراہ تھے۔ آپ نے مسافرانہ ہتھیار یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا تھا۔

مکہ کی جانب مسلمانوں کی حرکت | آپ کا رخ مکہ کی جانب تھا۔ ذوالخلیفہ پہنچ کر آپ نے ہدیٰ کو قلاش پہنائے۔ کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرہ کا احرام باندھا

۱۔ ہدیٰ — وہ جانور جسے حج و عمرہ کرنے والے مکہ یا منیٰ میں ذبح کرتے ہیں۔ دو درجا بیت میں عرب میں دستور تھا کہ ہدیٰ کا جانور اگر بھیڑ بکری ہے تو علامت کے طور پر گلے میں قلابہ ڈال دیا جاتا تھا اور اگر اونٹ ہے تو کوہان چیر کر خون پوت دیا جاتا تھا۔ ایسے جانور سے کوئی شخص تعرض نہ کرتا تھا بشرطیکہ اس دستور کو برقرار رکھا۔

تاکہ لوگوں کو اطمینان رہے کہ آپ جنگ نہیں کریں گے۔ لگے لگے قبیلہ خزاعہ کا ایک جاسوس بھیج دیا تاکہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ عسفان کے قریب پہنچے تو اس جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ میں کعب بن لؤی (قبیلہ) کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ انھوں نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے احابش (حیف قبائل) کو جمع کر رکھا ہے؛ اور بھی جمعیتیں فراہم کی ہیں اور وہ آپ سے لڑنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور فرمایا: کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ لوگ جو قریش کی اعانت پر کمر بستہ ہیں ہم ان کے اہل و عیال پر ٹوٹ پڑیں اور قبضہ کر لیں؟ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مار اور غم و الم سے دوچار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ ان کی گردن توڑ چکا ہوگا؛ یا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہم خانہ کعبہ کا رخ کریں اور جو راہ میں حائل ہو اس سے لڑائی کریں؟ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ گو ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ البتہ جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوگا اس سے لڑائی کریں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تب چلو۔ چنانچہ لوگوں نے سفر جاری رکھا۔

ادھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دور رکھا جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب احابش سے کتر کر اپنا سفر جاری رکھا تو بنی کعب کے ایک آدمی نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش نے مقام ذی طوی میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور خالد بن ولید دو سو سواروں کا دستہ لے کر کُراعِ الغنیم میں تیار کھڑے ہیں۔ کُراعِ الغنیم، مکہ جانے والی مرکزی اور کاروانی شاہراہ پر واقع ہے، خالد نے مسلمانوں کو روکنے کی بھی کوشش کی چنانچہ انہوں نے اپنے سواروں کو ایسی جگہ تعینات کیا جہاں سے دونوں فریق ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ خالد نے ظہر کی نماز میں جب یہ دیکھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ لوگ غافل تھے ہم نے حملہ کر دیا ہوتا تو انھیں مار لیا ہوتا۔ اس کے بعد طے کیا کہ عصر کی نماز میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے، لیکن اللہ نے اسی دوران صلوٰۃ خوف (حالت جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔

خونریز ٹکرائے سے بچنے کی کوشش اور راستے کی تبدیلی

ادھر رسول اللہ ﷺ نے کُراعِ الغنیم کا مرکزی راستہ چھوڑ کر ایک

دوسرا پریچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ یعنی آپؐ داہنے جانب کترا کر حشر کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک ایسے راستے پر چلے جو ثینتہ المرار پر نکلتا تھا۔ ثینتہ المرار سے حدیبیہ میں اترتے ہیں اور حدیبیہ مکہ کے زیریں علاقہ میں واقع ہے۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ کراغ الغنیم کا وہ مرکزی راستہ جو تنعیم سے گذر کر حرم تک جاتا تھا، اور جس پر خالد بن ولید کا رسالہ تعینات تھا وہ بائیں جانب چھوٹ گیا۔ خالد نے مسلمانوں کے گرد و غبار کو دیکھ کر جب یہ محسوس کیا کہ انہوں نے راستہ تبدیل کر دیا ہے تو گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قریش کو اس نئی صورت حال کے خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے بھاگ بھاگ پہنچے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر بدستور جاری رکھا۔ جب ثینتہ المرار پہنچے تو اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا، حل حل۔ لیکن وہ بیٹھی ہی رہی۔ لوگوں نے کہا، قصور اڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، قصور اڑی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ لوگ کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔ اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آپؐ نے راستہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر نزول فرمایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اسے لوگ ذرا ذرا سا لے رہے تھے، چنانچہ چند ہی لمحوں میں سارا پانی ختم ہو گیا۔ اب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمے میں ڈال دیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اللہ اس چشمے سے مسلسل پانی ابلتا رہا یہاں تک کہ تمام لوگ آسودہ ہو کر واپس ہو گئے۔

بَدِیلِ بْنِ وَرْقَارِکَا تَوْسَطِ | رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو بدیل بن ورقار خزاعی اپنے قبیلہ خزاعہ کے چند افراد کی معیت میں حاضر ہوا۔ تہامہ کے باشندوں میں یہی قبیلہ

(خزاعہ) رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا۔ بدیل نے کہا: میں کعب بن لوی کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے فرادوں پانی کے پاس بڑا اونٹ لے رہے ہیں۔ ان کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔ وہ آپؐ سے لڑنے اور آپؐ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑائیوں نے تھکا دیا ہے اور سخت ضرر پہنچایا ہے اس لیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں، پھر میرے غلبے کی صورت میں جس چیز (میری اطاعت) میں لوگ داخل ہونگے اس میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مدت کے اختتام تک وہ تازہ دم تو ہو ہی چکے ہوں گے۔

اور اگر انہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اپنے دین کے معاملے میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن جُدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔“

عبداللہ نے کہا: ”آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اسے قریش تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد وہ قریش کے پاس پہنچا اور بولا میں ان صاحب کے پاس سے آ رہا ہوں میں نے ان سے ایک بات سنی ہے، اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر یہ قوفوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تم ہم سے ان کی کوئی بات بیان کرو، لیکن جو لوگ سوچھ بوجھ رکھتے تھے انہوں نے کہا: ”لاؤ سناؤ تم نے کیا سنا ہے؟“ بدیل نے کہا: ”میں نے انہیں یہ اور یہ بات کہتے سنا ہے۔ اس پر قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ بدعہد آدمی ہے، چنانچہ جب اس نے آپ کے پاس آ کر گفتگو کی تو آپ نے اس سے وہی بات کہی جو بدیل اور اس کے رفقاء سے کہی تھی۔ اس نے واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کیا۔“

قریش کے ایلچی | اسکے بعد جلس بن علقمہ نامی بنو کنانہ کے ایک آدمی نے کہا، مجھے ان کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا، جاؤ جب وہ نمودار ہوا تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ”یہ فلاں شخص ہے۔ یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہڈی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے لہذا جانوروں کو کھڑا کر دو، صحابہ نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی بیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور بولا: ”میں نے ہڈی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلابے ہیں اور جن کے کولان چیرے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ سے روکا جائے۔“ اس پر قریش اور اس شخص میں کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ وہ تاؤ میں آ گیا۔

اس موقع پر عمرو بن مسعود ثقفی نے مداخلت کی اور بولا، اس شخص (محمد ﷺ) نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہذا اسے قبول کر لو۔ اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا، جاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور گفتگو شروع کی۔ نبی ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔ اس پر عمرو نے کہا: ”اے محمد! یہ بتائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا اپنے آپ سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اُس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو، اور اگر دوسری صورت حال پیش آئی تو خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اسی لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔“

اس پر حضرت ابو بکرؓ نے غصے میں آکر کہا 'جا! بات کی شر مگاہ کو چوس! ہم حضور کو چھوڑ کر بھاگیں گے! عروہ نے کہا 'یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو بکرؓ ہیں۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ کو مخاطب کر کے کہا: 'دیکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی کہ تم نے مجھ پر ایک سان کیا تھا اور میں نے اس کا بدلہ نہیں دیا ہے تو میں یقیناً تمہاری اس بات کا جواب دیتا۔'

اس کے بعد عروہ پھر نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ جب گفتگو کرتا تو آپ کی داڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے سر کے پاس ہی کھڑے تھے۔ ہاتھ میں تلوار تھی اور سر پر خود۔ عروہ جب نبی ﷺ کی داڑھی پر ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولا 'یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ اس پر اس نے کہا... او... بد عہد... کیا میں تیری بد عہدی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں حضرت مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے تھے اور اگر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اسلام تو قبول کر لیتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ اس معاملے میں عروہ کے دوڑ دھوپ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مغیرہ اس کے بھتیجے تھے۔'

اس کے بعد عروہ نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے تعلق خاطر کا منظر دیکھنے لگا۔ پھر اپنے رفقاء کے پاس واپس آیا اور بولا: 'اے قوم! بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھی اسکی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے؛ اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے؛ اور جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے؛ اور انہوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہذا اسے قبول کر لو۔'

وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روکے | جب قریش کے پرجوش اور جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سر پر آوروہ حضرات

صلح کے جو یا ہیں تو انہوں نے صلح میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا اور یہ طے کیا کہ رات کو یہاں سے

نکل کر چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جائیں اور ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔ پھر انہوں نے اس منصوبے پر عمل کے لیے کوشش بھی کی۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں شریا اسی نوجوانوں نے جبلِ نعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن اسلامی پہرے داروں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پھر نبی ﷺ نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ اسی کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ
أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ (۲۴:۲۸)

”وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے؛ اس کے بعد کہ تم کو ان

پر قابو دے چکا تھا۔“

اب رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ ایک سفیر روانہ فرمائیں جو قریش کے سامنے مؤکد طریقے پر آپ کے موجودہ سفر کے مقصد و موقت کی

حضرت عثمان کی سفارت

وضاحت کر دے۔ اس کام کے لیے آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کی کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ آپ حضرت عثمان بن عفان کو بھیج دیں۔ ان کا لقب قبیلہ مکہ ہی میں ہے۔ وہ آپ کا پیغام اچھی طرح پہنچا دیں گے۔ آپ نے حضرت عثمان کو بلایا اور قریش کے پاس روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”انہیں بتلا دو کہ ہضم لڑتے نہیں آتے ہیں، عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ آپ نے حضرت عثمان کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ مکہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح کی بشارت سنا دیں اور یہ بتلا دیں کہ اللہ عزوجل اب اپنے دین کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے یہاں تک کہ ایمان کی وجہ سے کسی کو یہاں روپوش ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر روانہ ہوئے۔ مقام بلح میں قریش کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ قریش نے کہا ہم نے آپ کی بات سُن لی۔ آپ اپنے کام پر جاتے ہیں۔ ادھر سعید بن عاص نے اٹھ کر حضرت عثمان کو مر جا کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو سوار کیا اور ساتھ بٹھا کر اپنی پناہ میں کولے گیا۔ وہاں جا کر حضرت عثمان نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ اس سے فاسخ ہو چکے

تو قریش نے پیشکش کی کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں مگر آپ نے یہ پیشکش مسترد کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرنے سے پہلے خود طواف کریں۔

حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ اور بیعت رضوان | حضرت عثمان اپنی سفارت کی مہم

پوری کر چکے تھے لیکن قریش نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورت حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کریں اور حضرت عثمان کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر واپس کریں، مگر حضرت عثمان کے دیر تک رُکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے یہاں تک کہ لوگوں سے معرکہ آرائی کر لیں۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو بیعت کی دعوت دی۔ صحابہ کرام ٹوٹ پڑے اور اس بات پر بیعت کی کہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے۔ ایک جماعت نے موت پر بیعت کی؛ یعنی مرجائیں گے مگر میدان جنگ نہ چھوڑیں گے۔ سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے بیعت کی۔ حضرت سلم بن اکوع نے تین بار بیعت کی۔ شروع میں، درمیان میں اور اخیر میں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمان بھی آگئے اور انہوں نے بھی بیعت کی۔ اس بیعت میں صرف ایک آدمی نے جو منافق تھا شرکت نہیں کی، اس کا نام جد بن قیس تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی۔ حضرت عمر دست مبارک تھامے ہوئے تھے اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے درخت کی بعض ٹہنیاں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اوپر سے بٹا رکھی تھیں۔ اسی بیعت کا نام بیعت رضوان ہے اور اسی کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۱۸:۲۸)

”اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔“

صلح اور دفعات صلح | بہر حال قریش نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہذا جھٹ سہیل بن عمرو کو معاملات صلح طے کرنے کے لیے روانہ کیا اور یہ تاکید کر دی کہ صلح میں

لازمیہ بات طے کی جائے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے۔ ان ہدایات کو لے کر سہیل بن عمرو آپ کے پاس حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے اسے آنا دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا: تمہارا کام تمہارے لیے سہل کر دیا گیا۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ سہیل نے آپ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور بالآخر طائفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں

۱۔ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے۔ اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا۔ میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ جو محمد کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہونی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔

۴۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر۔ یعنی بھاگ گئے۔ محمد کے پاس جائے گا محمد اسے واپس کر دیں گے لیکن محمد کے ساتھیوں میں سے جو شخص۔ پناہ کی غرض سے بھاگ کر۔ قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا کہ تحریر لکھ دیں اور یہ املا کرایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا، ہم نہیں جانتے رحمن کیا ہے؟ آپ یوں لکھتے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اے اللہ تیرے نام سے) نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ نے یہ املا کرایا، یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا، اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے لہذا آپ محمد بن عبد اللہ لکھو ایسے۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھیں اور لفظ ”رسول اللہ“ مٹادیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹائیں لہذا نبی ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

پھر جب صلح مکمل ہو چکی تو بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ درحقیقت عبدالمطلب کے زمانے ہی سے بنو ہاشم کے حلیف تھے جیسا کہ آغاز کتاب میں گذر چکا ہے، اس لیے اس عہد و پیمان میں داخلہ درحقیقت اسی قدیم حلف کی تاکید اور پختگی تھی۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔

نوشتہ صلح ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل اپنی بیڑیاں گھینٹتے

ابو جندل کی واپسی

آپ نے وہ زبیریں مکہ سے نکل کر آئے تھے۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا، یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ سے معاملہ کرتا ہوں کہ آپ اسے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا، تب میں آپ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔ اس نے کہا، میں آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے فرمایا، نہیں اتنا تو کر ہی دو۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کر سکتا۔ پھر سہیل نے ابو جندل کے چہرے پر چاٹا رسید کیا۔ اور مشرکین کی طرف واپس کرنے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھسیٹا۔ ابو جندل زور زور سے چیخ کر کہنے لگے: مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جندل! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کسادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے اس لیے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما پھل کر ابو جندل کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے پہلو میں پلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندل! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے؛ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ بھی ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے امید تھی کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ (سہیل) کو اڑادیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں تجل سے کام لیا اور معاہدہ صلح نافذ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ معاہدہ صلح لکھو اگر فارغ ہو چکے تو فرمایا اٹھو!

عمر سے حلال ہونے کے لیے قربانی اور بالوں کی کٹائی

اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو۔ لیکن واللہ کوئی بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کے اس پیش آمدہ طرز عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنین نے کہا: یا رسول اللہ اگر آپ ایسا چاہتے ہیں؛ تو پھر آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے کچھ کہے بغیر چُپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف

لائے اور کسی سے کچھ کچھ بغیر ہی کیا۔ یعنی اپنا ہڈی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر منڈانے لگے۔ کیفیت یہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا فرط غم کے سبب ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کئے گئے۔ آپ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابو جہل کے پاس تھا۔ انکی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین جل بھن کر رہ جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قینچی سے کٹانے والوں کے لیے ایک بار۔ اسی سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن عجرہ کے سلسلے میں یہ حکم بھی نازل فرمایا کہ جو شخص اذیت کے سبب اپنا سر (حالت احرام میں) منڈالے وہ روزے یا صدقے یا ذنیحے کی شکل میں فدیہ دے۔

مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار | اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں آگئیں۔ ان کے اولیائے مطالبہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہو چکی ہے اس کی رو سے انہیں واپس کیا جائے لیکن آپ نے یہ مطالبہ اس دلیل کی بنا پر مسترد کر دیا کہ اس دفعہ کے متعلق معاہدے میں جو لفظ لکھا گیا تھا وہ یہ تھا:

وَعَلَىٰ أَنْ لَا يَأْتِيكَ مِنْ رَجُلٍ وَأَنْ كَانَ عَلَىٰ دِينِكَ الْإِرْدَدَةَ عَلَيْنَا

”اور (یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ) ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا آپ اسے لازماً واپس کر دیں گے خواہ وہ آپ ہی کے دین پر کیوں نہ ہو۔“

لہذا عورتیں اس معاہدے میں سرے سے داخل ہی نہ تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں یہ آیت بھی نازل فرمائی:

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ
بِإِيمَانِهِنَّ ۗ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ
يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَآتُوهُم مَّا أَنْفَقُوا ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ
أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفَرِ... (۱۰:۶۰)

”اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر انہیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں۔ البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہراں کو دیے تھے اسے واپس نہ دو اور (پھر) تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جب کہ انہیں ان کے مہراں کو رو۔ اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب کوئی مومنہ عورت ہجرت کر کے آتی تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں اس کا امتحان لیتے کہ،

.. إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ مَعْرُوفٍ فَبَايِعِهِنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۱۲:۶۰)

رہے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے دعا و مغفرت کرو، یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔“

چنانچہ جو عورتیں اس آیت میں ذکر کی ہوئی شرائط کی پابندی کا عہد کریں۔ آپ ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ پھر انہیں واپس نہ کرتے۔

اس حکم کے مطابق مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں کو طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت عمر کی زوجیت میں دو عورتیں تھیں جو شرک پر قائم تھیں۔ آپ نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔ پھر ایک سے معاویہ نے شادی کر لی اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے۔

اس معاہدے کی دفعات کا حاصل | یہ ہے صلح حدیبیہ۔ جو شخص اس کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ

مسلمانوں کی فتح عظیم تھی، کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا ہنسیہ کیے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھنے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر تیسری دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفسیاتی کیفیت کا رفرمانظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے

کاسارا جزیرۃ العرب حلقہ گبوش اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکستِ فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتحِ بین نہیں ہے؟ آخر اہل اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو خوریزہ جنگیں پیش آئی تھیں ان کا نشانہ اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کیے جائیں، انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے، اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصد صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ کشانی !

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزا اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتحِ بین سے ہمکنار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کبھی نہ ہو سکی تھی وہ محض دو سال کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہو گئی۔

دفعہ ۲ بھی درحقیقت اس فتحِ بین کا ایک جزو ہے کیونکہ جنگ کی ابتداء مسلمانوں نے نہیں بلکہ مشرکین نے کی تھی۔ اللہ کا ارشاد ہے :

وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ

” یعنی پہلی بار ان ہی لوگوں نے تم لوگوں سے ابتدا کی۔“

جہاں تک مسلمانوں کی طلائیہ گردیوں اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصد ان سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے اجماعاً غرور اور اللہ کی راہ روکنے سے باز آجائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ کر لیں؛ یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے کے لیے آزاد رہے۔ اب غور کیجئے کہ دس سالہ جنگ بند رکھنے کا معاہدہ آخر اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا تو عہد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنے والا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔

جہاں تک پہلی دفعہ کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے۔

کیونکہ یہ دفعہ درحقیقت اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جسے قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی۔ البتہ اس دفعہ میں قریش کے لیے بھی تشفی کی اتنی سی بات تھی کہ وہ اس ایک سال مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کے سلسلے میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دیکر صرف ایک رعایت حاصل کی جو دفعہ ۲ میں مذکور ہے؛ لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اورینہ الاسلام سے بھاگ نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صورت ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ مرتد ہو جائے، خواہ ظاہراً خواہ درپردہ؛ اور ظاہر ہے کہ جبراً ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

انہ من ذہب منّا الیہم فابعدہ اللہ بہ

”جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگا اسے اللہ نے دُور (یا برباد) کر دیا۔“

باقی رہے مکے کے وہ باشندے جو مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لیے اگرچہ اس معاہدے کی رُو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہر حال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش دا نہیں کر دی تھی، جب مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لیے اپنی آغوش کھول سکتا تھا اور یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا:

وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا (ایضاً صحیح مسلم ۱۰۵/۲)

”ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا۔ اللہ اس کیلئے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنا دے گا۔“

پھر اس قسم کے تحفظات اگرچہ نظر بظاہر قریش نے عز و وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انہیں اپنے بُت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا

ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ کرنے والا ہے؛ لہذا اس کی حفاظت کے لیے اس طرح کے تختہات حاصل کر لینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخ دلی کے ساتھ یہ بشرط منظور کی کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور نچنگی پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کے لیے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔

مسلمانوں کا غم اور حضرت عمر کا مناقشہ | یہ ہے معاہدہ صلح کی دفعات کی حقیقت لیکن ان دفعات میں دو باتیں بظاہر اس قسم کی تھیں کہ ان کی وجہ سے

مسلمانوں کو سخت غم و الم لاحق ہوا۔ ایک یہ کہ آپ نے بتایا تھا کہ آپ بیت اللہ تشریف لے جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے لیکن آپ طواف کیے بغیر واپس ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے قریش کا دباؤ قبول کیا۔ اور وہ صلح کی؟ یہ دونوں باتیں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور گمان و دوسوسے پیدا کر رہی تھیں۔ ادھر مسلمانوں کے احساسات اس قدر مجروح تھے کہ وہ صلح کی دفعات کی گہرائیوں اور مال پر غور کرنے کے بجائے عزن و غم سے ٹدھال تھے اور غالباً سب سے زیادہ غم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تھا۔ چنانچہ انہوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں! انہوں نے کہا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا، تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ انہوں نے کہا، کیا آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا تو بہر حال تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس

پہنچے اور ان سے وہی باتیں کہیں جو رسول اللہ ﷺ سے کہی تھیں اور انہوں نے بھی ٹھیک وہی

جواب دیا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اخیر میں اتنا اور اضافہ کیا کہ آپ ﷺ کی رکاب تھامے رہو یہاں تک کہ موت آجائے، کیونکہ خدا کی قسم آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کی آیات نازل ہوئیں جس میں اس صلح کو فتحِ مبین قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نزول ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پڑھ کر سنایا۔ وہ کہتے لگے یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟ فرمایا، ہاں۔ اس سے ان کے دل کو سکون ہو گیا اور واپس چلے گئے۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تفسیر کا احساس ہوا تو سخت نادم ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اُس روز جو غلطی کی تھی اور جو بات کہہ دی تھی اس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کئے۔ برابر صدقہ و خیرات کرتا رہا۔ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی امید ہے۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لاکر مطمئن ہو چکے تو

گمراہ مسلمانوں کا مسئلہ حل ہو گیا

ایک مسلمان جسے مکہ میں اذیتیں دی جا رہی تھیں چھوٹ کر بھاگ آیا۔ ان کا نام ابو بصیر تھا۔ وہ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور قریش کے حلیف تھے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور یہ کہلوا یا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد و پیمان ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ نبی ﷺ نے ابو بصیر کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں انہیں ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ پہنچ کر اترے اور کھجور کھانے لگے۔ ابو بصیر نے ایک شخص سے کہا، اے فلاں! خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار بڑی عمدہ ہے۔ اس شخص نے اسے نیام سے نکال کر کہا، ہاں ہاں! واللہ یہ بہت عمدہ ہے۔ میں نے اس کا بار بار تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا، ذرا مجھے دکھاؤ، میں بھی دیکھوں۔ اس شخص نے ابو بصیر کو تلوار دے دی اور ابو بصیر نے تلوار لیتے ہی اسے مار کر ڈھیر کر دیا۔

دوسرا شخص بھاگ کر مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ خوفزدہ نظر آتا ہے۔ وہ شخص نبی ﷺ کے پاس پہنچ کر بولا: میرا ساتھی خدا کی قسم قتل کر دیا گیا۔ اور میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں۔ اتنے میں ابو بصیر آگئے اور بولے: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کی طرف پٹا دیا، پھر اللہ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا

۱۔ صلح حدیبیہ کی تفصیلات کے ماخذ یہ ہیں۔ فتح الباری، ۴/۲۳۹ تا ۲۵۸ صحیح بخاری، ۱/۳۸۱ تا ۳۸۱، ۲/۵۹۸، ۳/۱۰۹، صحیح مسلم ۲/۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶۔ ابن ہشام، ۲/۳۸ تا ۳۲۲ زاد المعاد، ۲/۱۲۲ تا ۱۲۴، مختصر السیرہ للشیخ عبد اللہ ص، ۲۰۵ تا ۲۰۶ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۳۹، ۴۰۔

دے گا۔ یہ بات سن کر ابو بصرہ سمجھ گئے کہ اب انہیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آگئے۔ ادھر ابو جندل بن سہیل بھی چھوٹ بھاگے اور ابو بصرہ سے آئے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لاکر بھاگتا وہ ابو بصرہ سے آتا یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملک شام آنے جانے والے کسی بھی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے ضرور چھپ چھپاڑ کرتے اور قافلے والوں کو مار کر ان کا مال لوٹ لیتے۔ قریش نے تنگ آ کر نبی ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا مومن رہے گا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے انھیں بلوایا اور وہ مدینہ آگئے۔

برادران قریش کا قبولِ اسلام | اس معاہدہ صلح کے بعد ۶ کے اوائل میں حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔“



کے سابقہ ماخذ

اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ یہ صحابہ کرام کس سن میں اسلام لائے۔ اسما را الرجال کی عام کتابوں میں اسے ۶ کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ لیکن نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ معروف ہے جو ۶ کا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت خالد اور عثمان بن طلحہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت عمرو بن عاص حبشہ سے واپس آئے تھے کیونکہ انہوں نے حبشہ سے واپس آکر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی۔ اور تینوں حضرات نے ایک ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبھی حضرات ۶ کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔ واللہ اعلم۔

نئی تبدیلی

صلح حدیبیہ درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی کا آغاز تھا، چونکہ اسلام کی عداوت و دشمنی میں قریش سب سے زیادہ مضبوط، مہٹ دھرم اور لڑاکا قوم کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے جب جنگ کے میدان میں پسا ہو کر امن و سلامتی کی طرف آگئے تو احزاب کے تین بازوؤں قریش، غطفان اور یہود میں سے سب سے مضبوط بازو ٹوٹ گیا؛ اور چونکہ قریش ہی پورے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کے نمائندے اور سربراہ تھے اس لیے میدان جنگ سے ان کے ہٹتے ہی بت پرستوں کے جذبات سرد پڑ گئے اور ان کی دشمنانہ روش میں بڑی حد تک تبدیلی آگئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صلح کے بعد غطفان کی طرف سے بھی کسی بڑی تگ و دو اور شور و شر کا مظاہرہ نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے کچھ کیا بھی تو یہود کے بھڑکانے پر۔

جہاں تک یہود کا تعلق ہے تو وہ یثرب سے جلا وطنی کے بعد خیبر کو اپنی دیسہ کاریوں اور سازشوں کا اڈہ بنا چکے تھے وہاں ان کے شیطان انڈے بچے دے رہے تھے اور فتنے کی آگ بھڑکانے میں مصروف تھے۔ وہ مدینہ کے گرد و پیش آباد بدوؤں کو بھڑکاتے رہتے تھے اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خاتمے یا یاکم از کم انہیں بڑے پیمانے پر زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے سب سے پہلا اور فیصلہ کن راست اقدام اسی مرکز شر و فساد کے خلاف کیا۔

بہر حال امن کے اس مرحلے پر جو صلح حدیبیہ کے بعد شروع ہوا تھا مسلمانوں کو اسلامی دعوت پھیلانے اور تبلیغ کرنے کا اہم موقع ہاتھ آ گیا تھا اس لیے اس میدان میں ان کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں جو جنگی سرگرمیوں پر غالب رہیں لہذا مناسب ہو گا کہ اس دور کی دو قسمیں کر دی جائیں۔

(۱) تبلیغی سرگرمیاں، اور بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط (۲) جنگی سرگرمیاں۔

پھر بے جا نہ ہو گا کہ اس مرحلے کی جنگی سرگرمیاں پیش کرنے سے پہلے بادشاہوں اور سربراہوں کے نام خطوط کی تفصیلات پیش کر دی جائیں کیونکہ طبعی طور پر اسلامی دعوت مقدم ہے بلکہ یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے مسلمانوں نے طرح طرح کی مشکلات و مصائب، جنگ اور فتنے، ہنگامے اور اضطرابات برداشت کئے تھے۔

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط

سلسلہ کے اخیر میں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔

آپ نے ان خطوط کے لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو اس لیے نبی ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا محمد ایک سطر میں، رسول ایک سطر میں، اور اللہ ایک سطر میں۔ شکل یہ تھی:

پھر آپ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام کو بطور قاصد منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ علامہ منصور پوری نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے یہ قاصد اپنی خیبر روانگی سے چند دن پہلے یکم محرم ۶۱۰ھ کو روانہ فرمائے تھے۔ اگلی سطور میں وہ خطوط اور ان پر مہر ہونے والے کچھ اثرات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ نجاشی شاہ حبش کے نام خط | اس نجاشی کا نام اصم بن ابجر تھا۔ نبی ﷺ نے اس کے نام جو خط لکھا اسے عمرو بن أمیہ ضمری کے بدست سلسلہ

کے اخیر یا سلسلہ کے شروع میں روانہ فرمایا۔ طبری نے اس خط کی عبارت ذکر کی ہے لیکن اسے بنظر غائر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ خط نہیں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد لکھا تھا بلکہ یہ غالباً اس خط کی عبارت ہے جسے آپ نے مکہ میں حضرت جعفر کو ان کی ہجرت حبشہ کے وقت دیا تھا۔ کیوں کہ خط کے اخیر میں ان مہاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وقد بعثت اليكم ابن عمي جعفرًا ومعه نفر من المسلمين،
فاذا جاءك فاقربهم ودع التجبر.

”میں نے تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا ہے جب

وہ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہرانا اور جبراً اختیار نہ کرنا۔“

یہ سہتی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور خط کی عبارت روایت کی ہے جسے نبی ﷺ

نے نجاشی کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :

”یہ خط ہے محمد نبی کی طرف سے نجاشی اصم شاہ حبش کے نام،

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت

دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اس لئے نہ کوئی بیوی اختیار کی نہ لڑکا؛

اور میں اسکی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں

کیوں کہ میں اس کا رسول ہوں، لہذا اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔“ اسے اہل کتاب ایک ایسی بات کی

طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ زنی

تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔“ اگر تم نے (یہ دعوت) قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔“

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پاریس) نے ایک اور خط کی عبارت درج فرمائی ہے جو ماضی قریب میں دستیاب

ہوا ہے اور صرف ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ ہی خط علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں بھی موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس خط کی عبارت کی تحقیق میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ دور جدید کے

اکتشافات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور اس خط کا فوٹو کتاب کے اندر ثبت فرمایا ہے۔

اس خط کا ترجمہ یہ ہے :

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا

کوئی معبود نہیں، جو قدوس اور سلام ہے۔ امن دینے والا محافظ و نگران ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ

عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور پاکدامن مریم بتول کی طرف ڈال دیا۔

اور اس کی روح اور بچپونکت سے مریم عیسیٰ کے لیے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں

اللہ وحدہ لا شریک لہ کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور

اس بات کی طرف (بلاتا ہوں) کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ

کا رسول (ﷺ) بول اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی لہذا میری نصیحت قبول کرو، اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔“

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بڑے یقینی انداز میں کہا ہے کہ یہی وہ خط ہے جسے رسول اللہ (ﷺ) نے حدیبیہ کے بعد نجاشی کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ جہاں تک اس خط کی استنادی حیثیت کا تعلق ہے تو دلائل پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہتا لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نبی (ﷺ) نے حدیبیہ کے بعد یہی خط روانہ فرمایا تھا، بلکہ یہی نے جو خط ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اس کا انداز ان خطوط سے زیادہ ملتا جلتا ہے جنہیں نبی (ﷺ) نے حدیبیہ کے بعد عیسائی بادشاہوں اور اُمراء کے پاس روانہ فرمایا تھا کیونکہ جس طرح آپ نے ان خطوط میں آیت کریمہ یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء۔ الایۃ درج فرمائی تھی، اسی طرح یہی بھی یہ آیت درج ہے۔ علاوہ انہیں اس خط میں صراحتاً اصمہ کا نام بھی موجود ہے جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نقل کردہ خط میں کسی کا نام نہیں ہے؛ اس لیے میرا گمان غالب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نقل کردہ خط درحقیقت وہ خط ہے جسے رسول اللہ (ﷺ) نے اصمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس میں کوئی نام درج نہیں۔ اس ترتیب کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صرف وہ اندرونی شہادتیں ہیں جو ان خطوط کی عبارتوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پر تعجب ہے کہ موصوف نے ادھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی نقل کر دیا کہ خط کو پورے یقین کے ساتھ نبی (ﷺ) کا وہ خط قرار دیا ہے جو آپ نے اصمہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے نام لکھا تھا حالانکہ اس خط میں صراحت کے ساتھ اصمہ کا نام موجود ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

بہر حال جب عمرو بن اُمیہ ضمیری رضی اللہ عنہ نے نبی (ﷺ) کا خط نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے لے کر آنکھ پر رکھا اور تخت سے زمین پر اترا آیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی (ﷺ) کی طرف اس بارے میں خط لکھا جو یہ ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصمہ کی طرف سے

۱۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، زاد المعاد میں آخری فقرہ
۲۔ اسلام علی من ابغی الہدی کے بجائے انتم انت ہے۔ دیکھئے زاد المعاد ۳/۶۰

۳۔ دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب ”حضور اکرم کی سیاسی زندگی از ص ۱۰۸ تا ۱۱۴ و از ص ۱۲۱ تا ۱۳۱۔

اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت اور برکت ہو۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اما بعد:

اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے عیسیٰ کا معاملہ ذکر کیا ہے۔ خدائے آسمان و زمین کی قسم آپ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰ اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ نے جو کچھ ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چھپرے بھائی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کی، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔ اور میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چھپرے بھائی سے بیعت کی، اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔

نبی ﷺ نے نجاشی سے یہ بھی طلب کیا تھا کہ وہ حضرت جعفر اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو روانہ کر دے۔ پچنانچہ اس نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں ان کی روانگی کا انتظام کر دیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں حضرت جعفر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، براہ راست خیبر پہنچ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسری کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر بال بچے تھے سیدھے مدینہ پہنچے۔ مذکورہ نجاشی نے غزوہ تبوک کے بعد رجب ۶ھ میں وفات پائی۔ نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابہ کرام کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس پر فاتحانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہو کر سریر آرائے سلطنت ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے پاس بھی ایک خط روانہ فرمایا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

۲۔ مقوقس شاہ مصر کے نام خط | نبی ﷺ نے ایک گرامی نامہ جریج بن مٹی کے نام روانہ فرمایا جس کا لقب مقوقس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا بادشاہ

تھا۔ نامہ گرامی یہ ہے :

۱۔ نزاد المعاد ۶۱/۳
۲۔ ابن ہشام ۳۵۹/۲ وغیرہ

۳۔ یہ بات کسی قدر صحیح مسلم کی روایت سے خذ کی جاسکتی ہے جو حضرت انس سے مروی ہے۔ ۹۹/۲
۴۔ یہ نام علامہ منصور پوری نے رحمتہ للعالمین ۱، ۸۰ میں ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا نام بنیامین بتلایا ہے۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۱

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبیط کی جانب۔

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد :

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبیط کا بھی گناہ ہوگا۔ ”اے اہل قبیط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو تمہارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں“

اس خط کو پہنچانے کے لیے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا انتخاب فرمایا گیا۔ وہ مقوقس کے دربار میں پہنچے تو فرمایا ”اس زمین پر تم سے پہلے ایک شخص گذرا ہے جو اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اللہ نے اسے آخرِ اقل کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنا دیا لہذا دوسرے سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔“

مقوقس نے کہا، ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔ حضرت حاطب نے فرمایا: ”ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلے کافی بنا دیا ہے۔ دیکھو، اس نبی نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے؛ یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰ کے لیے بشارت دی تھی اسی طرح حضرت عیسیٰ نے محمد ﷺ کے لیے بشارت دی ہے، اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو پاجھاتا ہے وہ قوم اہل امت ہو جاتی ہے، اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے اور تم نے اس نبی کا عہد پالیا ہے؛ اور پھر ہم تمہیں دینِ مسیح سے روکے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔“

شلہ زاد المعاد لابن قیم ۳/۶۱ ماہی قریب میں یہ خط دستیاب ہوا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا جو نوٹ شائع کیا ہے اس میں اور زاد المعاد کی عبارت میں صرف دو حرف کا فرق ہے۔ زاد المعاد میں ہے ”اسلم یحکم اللہ الخ“ اور خط میں ہے ”فاسلم یحکم اللہ، اسی طرح زاد المعاد میں ہے ”ثم اہل القبیط اور خط میں ہے ”ثم القبیط۔ دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۳۶/۱۳۷

مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی کے معاملے پر غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں نہ جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں میں مزید غور کروں گا۔

مقوقس نے نبی ﷺ کا خط لے کر احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک ڈبھیہ میں رکھ دیا اور مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کر دیا۔ پھر عربی لکھنے والے ایک کاتب کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسب ذیل خط لکھوایا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد بن عبد اللہ کے لیے مقوقس عظیم قبطنی کی طرف سے۔

آپ پر سلام! اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں آپ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبیطوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے اور کپڑے بھیج رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی بھیج رہا ہوں؛ اور آپ پر سلام۔

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ اور سیرین تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا جو حضرت معاویہ کے زمانے تک باقی رہا۔ نبی ﷺ نے ماریہ کو اپنے پاس رکھا، اور انہیں کے بطن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت انصاری کے حوالے کر دیا۔

۳۔ شاہ فارس خسرو پوزیز کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط بادشاہ فارس خسروی (خسرو) کے پاس روانہ کیا جو یہ تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسری عظیم فارس کی جانب

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا فرستادہ ہوں تاکہ جو شخص زندہ

ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافرین پر حق بات ثابت ہو جائے (یعنی حجت تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بھی بار گناہ ہوگا۔“

اس خط کو لے جانے کیلئے آپ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے یہ خط سربازہ بحرین کے حوالے کیا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ سربازہ بحرین نے یہ خط اپنے کسی آدمی کے ذریعہ کسریٰ کے پاس بھیجا یا خود حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو روانہ کیا۔ بہر حال جب یہ خط کسریٰ کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے چاک کر دیا اور نہایت متکبرانہ انداز میں بولا: میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے، اور پھر وہی ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ نے اپنے من کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو مجاز میں ہے اس کے یہاں اپنے دو توانا اور مضبوط آدمی بھیج دو کہ وہ اسے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے دو آدمی منتخب کیے اور انہیں ایک خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کیا جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کے روبرو حاضر ہوئے تو ایک نے کہا: شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے اور باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ساتھ ہی دونوں نے دھکی آمیز باتیں بھی کہیں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔“

ادھر عین اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ دلچسپ مہم درپیش تھی خود خسرو پرویز کے گھرانے کے اندر اس کے خلاف ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارسی فوجوں کی پے درپے شکست کے بعد اب خسرو کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات، اجمادی الاولیٰ ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم وحی کے ذریعہ ہوا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی اور دونوں فارسی نمائندے حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعے کی خبر دی۔ ان دونوں نے کہا: کچھ ہوش ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے آپ کی اس سے بہت معمولی بات بھی قابل اعتراض شمار کی ہے۔ تو کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ بھیجیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اسے میری اس بات کی خبر کر دو۔ اور اس سے یہ بھی کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جہاں تک

کسری پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رُکے گی جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے۔ تم دونوں اُس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیرِ اقتدار ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔ اور تمہیں تمہاری قوم ابنار کا بادشاہ بنا دوں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں مینہ سے روانہ ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور اسے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک خط آیا کہ شیروینے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیروینے اپنے اس خط میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد نے تمہیں لکھا تھا اسے تاحکم ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ کی وجہ سے باذان اور اس کے فارسی رفقاء (جو مین میں موجود تھے) مسلمان ہو گئے۔^{۱۳}

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس گرامی نامہ کی نص مروی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ہر قتل شاہ روم کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ وہ مکتوب یہ ہے :

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے ہر قتل عظیم روم کی طرف

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ اللہ تمہیں تمہارا اجر دو بار دے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر آریسوں (رعایا) کا (بھی) گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں، اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رنج پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔^{۱۴}

اس گرامی نامہ کو پہنچانے کے لیے دُخیہ بن خلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہ خط

سربراہ بصری کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے گا۔ اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی

تفصیل صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے ان سے

بیان کیا کہ ہر قتل نے اس کو قریش کی ایک جماعت سمیت بلوایا۔ یہ جماعت صلح حدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ

اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصہ امن میں ملک شام تجارت کے لیے گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ایللیہ

^{۱۳} معاضرات خضریٰ ۱/۱۴۶ فتح الباری ۸/۱۲۴، ۱۲۸ نیز دیکھئے رحمۃ اللعالمین

^{۱۴} صحیح بخاری ۱/۵۰۴

(بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ ہر قتل نے انھیں اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت اس کے گرداگرد روم کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کونسا آدمی سب سے زیادہ قریبی نسبت رکھتا ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے کہا، میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔ ہر قتل نے کہا، اسے میرے قریب کر دو اور اسکے ساتھیوں کو بھی قریب کر کے اس کی پشت کے پاس بٹھا دو۔ اس کے بعد ہر قتل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ میں اس شخص سے اس آدمی (نبی ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد پہلا سوال جو ہر قتل نے مجھ سے آپ کے بارے میں کیا وہ یہ تھا کہ تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے۔

میں نے کہا: وہ اونچے نسب والا ہے۔

ہر قتل نے کہا: تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہر قتل نے کہا: کیا اس کے باپ داوا میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

ہر قتل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟

میں نے کہا: بلکہ کمزوروں نے۔

ہر قتل نے کہا: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہر قتل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

اس وقت قبصر اس بات پر اللہ کا شکر بجالانے کے لیے جمح سے ایلیار (بیت المقدس) گیا ہوا تھا کہ اللہ نے اس کے ہاتھوں اہل فارس کو شکست فاش دی (دیکھیے صحیح مسلم ۲/۹۹) اس کی تفصیل یہ ہے کہ فارسیوں نے خسرو پر وزیر کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے انکے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کی شرط پر صلح کر لی اور وہ صلح بھی واپس کر دی جس کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچا دیا گیا تھی قبصر اس صلح کے بعد صلح کو اصل جگہ نصب کرنے اور اس فتح میں اللہ کا شکر بجالانے کیلئے ۶۲۹ء یعنی ۶۳۰ء میں ایلیار (بیت المقدس) گیا تھا۔

ہرقل نے کہا: اس نے جو بات کہی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟
میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا وہ بد عہدی بھی کرتا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔ البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فخرے کے سوا مجھے اور کہیں کچھ گھٹیڑے نے کا موقع نہ ملا۔

ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟

میں نے کہا: جنگ ہم دونوں کے درمیان برابر کی چوستی تھی۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔

ہرقل نے کہا: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

میں نے کہا: وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ تمہارے

باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیز، پاک دامنی اور قربت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص

نبی ﷺ کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اپنے نچے نسب کا ہے، اور دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر

اسکے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے۔

اور میں نے یہ دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے

مستہم کرتے تھے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور؟ تو تم نے بتایا کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بنیاد پر جب دلوں میں گھس جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بد عہدی بھی کرتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بد عہدی نہیں کرتے۔

میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے، نیت پرستی سے منع کرتا ہے، اور نماز، سچائی اور پرہیزگاری و پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔

تو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائیگا۔ میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا؛ اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھو تا۔ اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ کر فارغ ہوا تو وہاں آداریں بند ہوئیں اور بڑا شور مچا۔ ہرقل نے ہمارے بارے میں حکم دیا اور ہم باہر کر دیے گئے۔ جب ہم لوگ باہر لائے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابو بکثہ کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو ضمر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آکر رہے گا یہاں تک کہ اللہ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کر دیا۔

یہ قصیر یہ نبی ﷺ کے نام مبارک کا وہ اثر تھا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔ اس نام مبارک

تہ ابو بکثہ کے بیٹے سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ابو بکثہ آپ کے دادا یا نانا میں سے کسی کی کنیت تھی، اور کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کے رضاعی باپ (علیہ السلام) کے شوہر، کی کنیت تھی۔ بہر حال ابو بکثہ غیر معروف شخص ہے۔ اور عرب کا دستور تھا کہ جب کسی کی تنقیص کرنی ہوتی تو اسے اس کے آباء و اجداد میں سے کسی غیر معروف شخص کی طرف منسوب کر دیتے۔

۱۰ بنو الاصفراء صفر کی اولاد۔ اور اصفر کے معنی زرد، یعنی پیلا، رومیوں کو بنو الاصفر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ روم کے جس بیٹے سے رومیوں کی نسل تھی وہ کسی وجہ سے اصفر (پیلا) کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔

کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پہنچانے والے یعنی دُخَیْرہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا۔ لیکن حضرت دُخَیْرہ یہ تحائف لے کر واپس ہوئے تو حُثمیٰ میں قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ حضرت دُخَیْرہ مدینہ پہنچے تو اپنے گھر کے بجائے سیدھے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ تفصیل سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں پانچ سو صحابہ کرام کی ایک جماعت حُثمیٰ روانہ فرمائی۔ حضرت زید نے قبیلہ جذام پر شیخون مارکر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہاتک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔

چونکہ نبی ﷺ اور قبیلہ جذام میں پہلے سے مصالحت کا عہد چلا آ رہا تھا اس لیے اس قبیلہ کے ایک ذہن زید بن رفاعہ جذامی نے جھٹ نبی ﷺ کی خدمت میں احتجاج و فریاد کی۔ زید بن رفاعہ اس قبیلے کے کچھ مزید افراد سمیت پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دُخَیْرہ پر ڈاکہ پڑا تھا تو ان کی مدد بھی کی تھی، اس لیے نبی ﷺ نے ان کا احتجاج قبول کرتے ہوئے مالِ غنیمت اور قیدی واپس کر دیے۔

عام اہل مغازی نے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ سے پہلے بتلایا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے کیونکہ قیصر کے پاس نامہ مبارک کی روایت صلح حدیبیہ کے بعد عمل میں آئی تھی اسی لیے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ حدیبیہ کے بعد کا ہے ۱۵

۵۔ مُثَدِّرِ بْنِ سَاوِيٍّ كَيْفَ كَانَ نَامُ خَطِّهِ | نبی ﷺ نے ایک خط مندر بن سادی حاکم بحرین کے پاس لکھ کر اسے بھی اسلام کی دعوت دی اور اس خط کو حضرت

علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں روانہ فرمایا۔ جواب میں مندر نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا: "اما بعد اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہل بحرین کو پڑھ کر سنا دیا۔ بعض لوگوں نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے حلقہ بگوش ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری زمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں لہذا آپ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیے۔" اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خط لکھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"

محمد رسول اللہ کی جانب سے مندر بن سادی کی طرف

تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت

دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

”اما بعد! میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تمہاری ابھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے؛ لہذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں انہیں اس پر چھوڑ دو۔ اور میں نے خطاکاروں کو معاف کر دیا ہے لہذا ان سے قبول کر لو اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کیے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔“

۶۔ ہوزہ بن علی صاحب پیامہ کے نام خط

نبی ﷺ نے ہوزہ بن علی حاکم پیامہ کے نام حسب ذیل خط لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوزہ بن علی کی جناب

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آ کر رہے گا لہذا اسلام لاؤ سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔“

اس خط کو پہنچانے کے لیے بحیثیت قاصد سلیمان بن عمرو عامری کا انتخاب فرمایا گیا۔ حضرت سلیمان بن مہر لگے ہوئے خط کو لے کر ہوزہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپ کو مہمان بنایا اور مبارکباد دی۔ حضرت سلیمان نے اسے خط پڑھ کر سنایا تو اس نے درمیانی قسم کا جواب دیا، اور نبی ﷺ کی خدمت میں یہ لکھا: آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا۔ اور عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ کارپردازی میرے ذمہ کر دیں میں آپ کی پیروی کر دوں گا۔ اس نے حضرت سلیمان کو تحائف بھی دیے اور ہجر کا بنا ہوا کپڑا بھی دیا۔ حضرت سلیمان نے تحائف لے کر خدمت نبوی میں واپس آئے اور ساری تفصیلاً گوش گزار کیں۔ نبی ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا: اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا

۹۔ زاد المعاد ۳/۶۱، ۶۲ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا نوٹ شائع کیا ہے۔ زاد المعاد کی عبارت اور اس نوٹ والی عبارت میں صرف ایک لفظ کا فرق (یعنی نوٹ میں) ہے لا الہ الاہو کے بجائے لا الہ غیرہ ہے۔

تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا، اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔ پھر حبیبِ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ ہوزہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سنو! یمان میں ایک کذاب نمودار ہونے والا ہے جو میرے بعد قتل کیا جائیگا۔ ایک کہنے والے نے کہا: ”یا رسول اللہ! اسے کون قتل کرے گا؟“ آپ نے فرمایا تم اور تمہارے ساتھی اور واقعہ ایسا ہی ہوا۔“

۷۔ حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق کے نام خط

نبی ﷺ نے اس کے پاس ذیل کا خط رقم فرمایا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اور ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ جو تمہا ہے، اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور تمہارے لیے تمہاری بادشاہت باقی رہے گی۔“

یہ خط قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی حضرت شجاع بن وہب کے بدستِ واہ کیا گیا۔ جب انہوں نے یہ خط حارث کے حوالے کیا تو اس نے کہا: ”مجھ سے میری بادشاہت کون چھین سکتا ہے؟ میں اس پر یلغار کرنے ہی والا ہوں۔“ اور اسلام نہ لایا۔

۸۔ شاہِ عمان کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط شاہِ عمان جعفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا۔ ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ خط کا مضمون

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

یہ تھا۔

محمد بن عبد اللہ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادوں جعفر اور عبد کے نام

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد، میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں؛ تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرہ سے آگاہ کر دوں اور کافرین پر قولِ برحق ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لو گے تو تم ہی دونوں کو والی اور حاکم بناؤں گا۔ اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے

گی۔ تمہاری زمین پر گھوڑوں کی لیتا رہے گی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آجائے گی۔
 اس نکلنے جانے کے لیے ایلچی کی حیثیت سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل
 میں آیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں روانہ ہو کر عمان پہنچا اور عید سے ملاقات کی۔ دونوں بھائیوں میں یہ زیادہ
 دورانہدیش اور نرم خو تھا۔ میں نے کہا، میں تمہارے پاس اور تمہارے بھائی کے پاس رسول اللہ ﷺ
 کا ایلچی بن کر آیا ہوں۔ اس نے کہا، میرا بھائی عمر اور بادشاہت دونوں میں مجھ سے بڑا اور مجھ پر مقدم ہے
 اس لیے میں تم کو اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خط پڑھ لے۔ اس کے بعد اس نے کہا، اچھا! تم دعوت
 کس بات کی دیتے ہو؟

میں نے کہا: ”ہم ایک اللہ کی طرف بلا تے ہیں، جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم
 کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں“
 عبد نے کہا: ”اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے صاحبزادے ہو۔ بتاؤ تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ
 ہمارے لیے اس کا طرز عمل، لائق اتباع ہوگا۔“

میں نے کہا: ”وہ تو محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انہوں
 نے اسلام قبول کیا ہوتا اور آپ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انہیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ نے مجھے اسلام
 کی ہدایت دے دی۔“

عبد نے کہا: تم نے کب ان کی پیروی کی؟

میں نے کہا: ابھی جلد ہی۔

اس نے دریافت کیا: تم کس جگہ اسلام لائے۔

میں نے کہا: نجاشی کے پاس اور تبلیا کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

عبد نے پوچھا: اس کی قوم نے اس کی بادشاہت کا کیا کیا؟

میں نے کہا: اسے برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی۔

اس نے کہا: استغفوں اور راہوں نے بھی اس کی پیروی کی؟

میں نے کہا: ہاں!۔

عبد نے کہا: اے عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو کیونکہ آدمی کی کوئی بھی نصلت جھوٹ سے زیادہ

رسوا کن نہیں۔

میں نے کہا: میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں اور نہ ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔

عبد نے کہا: میں سمجھتا ہوں، ہر قتل کو نجاشی کے اسلام لانے کا علم نہیں۔

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

عبد نے کہا: تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟

میں نے کہا: نجاشی ہر قتل کو خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا، اور محمد

ﷺ کی تصدیق کی تو بولا: خدا کی قسم اب اگر وہ مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ اور جب

اس کی اطلاع ہر قتل کو ہوئی تو اس کے بھائی یثاق نے کہا: کیا تم اپنے غلام کو چھوڑ دو گے کہ وہ تمہیں خراج نہ دے

اور تمہارے بجائے ایک دوسرے شخص کا نیا دین اختیار کر لے؟ ہر قتل نے کہا: یہ ایک آدمی ہے جس نے ایک

دین کو پسند کیا اور اسے اپنے لیے اختیار کر لیا۔ اب میں اس کا کیا کر سکتا ہوں؟ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی

بادشاہت کی حرص نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔

عبد نے کہا: عمرو! دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟

میں نے کہا: واللہ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد نے کہا: اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟

میں نے کہا: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں نیکی

و صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و زیادتی، زنا کاری، شراب نوشی اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے

منع کرتے ہیں۔

عبد نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف بلا تے ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری متابعت

کرتا تو ہم لوگ سوار ہو کر (چل پڑتے) یہاں تک کہ محمد ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے لیکن

میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حرص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔

میں نے کہا: اگر وہ اسلام قبول کر لے تو رسول اللہ ﷺ اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار

رکھیں گے۔ البتہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں پر تقسیم کر دیں گے۔

عبد نے کہا: یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اچھا بتاؤ صدقہ کیا ہے؟

جواب میں میں نے مختلف اموال کے اندر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے صدقات کی

تفصیل بتائی۔ جب اونٹ کی باری آئی تو وہ بولا: لے عمرو! ہمارے ان مویشیوں میں سے بھی صدقہ لیا جائے گا

جو خود ہی درخت چریتے ہیں۔

میں نے کہا: ہاں!

عبد نے کہا: واللہ میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اپنے ملک کی وسعت اور تعداد کی کثرت کے باوجود اس کو مان لے گی۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں اس کی ڈیوڑھی میں چند دن ٹھہرا ہوا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس جا کر میری ساری باتیں بتاتا رہتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا اور میں اندر داخل ہوا۔ چوہداروں نے میرے بازو پکڑ لیے۔ اس نے کہا چھوڑ دو اور مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے بیٹھنا چاہا تو چوہداروں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا۔ میں نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا اپنی بات کہو، میں نے سر بہر خط اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مہر توڑ کر خط پڑھا، جب پورا خط پڑھ چکا تو اپنے بھائی کے حوالہ کر دیا۔ بھائی نے بھی اسی طرح پڑھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: مجھے بتاؤ قریش نے کیا روش اختیار کی ہے؟

میں نے کہا: سب ان کے اطاعت گزار ہو گئے ہیں۔ کوئی دین سے رغبت کی بنا پر اور کوئی تلوار سے خوف زدہ ہو کر۔

بادشاہ نے پوچھا: ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟

میں نے کہا: ہمارے لوگ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو برضا و رغبت قبول کر لیا ہے اور اسے تمام دوسری چیزوں پر ترجیح دی ہے۔ انہیں اللہ کی ہدایت اور اپنی عقل کی رہنمائی سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ گمراہ تھے۔ اب اس علاقہ میں میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوا کوئی اور باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور محمد ﷺ کی پیروی نہ کی تو تمہیں سواروں نے ڈالیں گے اور تمہاری ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔ اس لیے اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمہاری قوم کا حکمران بنا دیں گے۔ تم پر نہ سوار داخل ہوں گے نہ پیادے۔

بادشاہ نے کہا: مجھے آج چھوڑ دو اور کل پھر آؤ۔

اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس واپس آ گیا۔

اس نے کہا: عمرو! مجھے امید ہے کہ اگر بادشاہت کی حرص غالب نہ آئی تو وہ اسلام قبول کر لے گا۔

دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گیا لیکن اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے میں اس کے

بھائی کے پاس واپس آگیا اور بتلایا کہ بادشاہ تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ بھائی نے مجھے اس کے یہاں پہنچا دیا۔ اس نے کہا: ”میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا۔ اگر میں بادشاہت ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دوں جس کے شہسوار یہاں پہنچے بھی نہیں تو میں عرب میں سب سے کمزور سمجھا جاؤں گا اور اگر اس کے شہسوار یہاں پہنچ آئے تو ایسا رن پڑے گا کہ انہیں کبھی اس سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔“

میں نے کہا: اچھا تو میں کل واپس جا رہا ہوں۔

جب اسے میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس نے بھائی سے خلوت میں بات کی اور بولا: ”یہ پیغمبر جن پر غالب آچکا ہے ان کے مقابل ہماری کوئی حیثیت نہیں اور اس نے جس کسی کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے اس نے دعوت قبول کر لی ہے، لہذا دوسرے دن صبح ہی مجھے بلوایا گیا اور بادشاہ اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کی تصدیق کی اور صدقہ وصول کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے مجھے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے میری مخالفت کی اس کے خلاف میرے مددگار ثابت ہوئے۔“

اس واقعے کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ بادشاہوں کی نسبت ان دونوں کے پاس خط کی روانگی خاصی تاخیر سے عمل میں آئی تھی۔ غالباً یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

ان خطوط کے ذریعے نبی ﷺ نے اپنی دعوت نئے زمین کے بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دی۔ اس کے جواب میں کوئی ایمان لایا تو کسی نے کفر کیا؛ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ کفر کرنے والوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہو گئی اور ان کے نزدیک آپ کا دین اور آپ کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔



صلح حدیبیہ کے بعد کی فوجی سرگرمیاں

غزوة غابہ یا غزوة ذی قرد | یہ غزوة درحقیقت بنو فزارہ کی ایک ٹکڑی کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے موشیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا، تعاقب سے عیارت

حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے پہلے یہ پہلا اور واحد غزوة ہے جو رسول اللہ ﷺ کو پیش آیا۔ امام بخاری نے اس کا باب منعقد کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ خیبر سے صرف تین روز پہلے پیش آیا تھا اور یہی بات اس غزوة کے خصوصی کارپرداز حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت صحیح مسلم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جمہور اہل مغازی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے لیکن جو بات صحیح میں بیان کی گئی ہے اہل مغازی کے بیان کے مقابل وہی زیادہ صحیح ہے۔

اس غزوة کے ہیرو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے جو روایات مروی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے نبی ﷺ نے اپنی دو ڈھیل اُونٹنیاں اپنے غلام ربیع اور ایک چرواہے کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور میں بھی ابو طلحہ کا گھوڑا لیے ان کے ساتھ تھا کہ اچانک صبح دم عبدالرحمن فرازی نے اُونٹنیوں پر چھاپہ مارا اور ان سب کو بانک لے گیا اور چرواہے کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا: ربیع! یہ گھوڑا لو۔ اسے ابو طلحہ تک پہنچا دو اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دو۔ اور خود میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف رُخ کیا اور تین بار پکار لگائی: یا صبا حاہ! ہائے صبح کا حملہ۔ پھر میں حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلا۔ ان پر تیر برس اتا جاتا تھا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا۔

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضْعِ

میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن دودھ پینے والے کا دن ہے (یعنی آج پتہ لگ جائے گا کہ کس نے

اپنی ماں کا دودھ پیا ہے)۔

سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ بخدا میں انھیں مسلسل تیروں سے چھلنی کرتا رہا۔ جب کوئی سوار میری طرف پلٹ کر

۱۔ دیکھئے صحیح بخاری باب غزوة ذات قرد ۲/۶۰۳ صحیح مسلم باب غزوة ذی قرد وغیرہ ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵ فتح الباری ۴/۴۶۰۔

آتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتا۔ پھر اسے تیر مار کر زخمی کر دیتا۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ پہاڑ کے تنگ راستے میں داخل ہوئے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور پتھروں سے ان کی ٹخریاں لینے لگا۔ اس طرح میں مسلسل ان کا پیچھا کرتے رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی اونٹنیاں تھیں میں ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور ان لوگوں نے میرے لیے ان سب کو آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن میں نے پھر بھی ان کا پیچھا جاری رکھا اور ان پر تیر برس اتار با یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لیے انہوں نے تمس سے زیادہ چادریں اور تمس سے زیادہ نیرے پھینک دیے۔ وہ لوگ جو کچھ بھی پھینکتے تھے میں اس پر (بطور نشان) تھوڑے سے پتھر ڈال دیتا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے رفقاء پہچان لیں (کہ یہ دشمن سے چھینا ہوا مال ہے)۔ اس کے بعد وہ لوگ ایک گھاٹی کے تنگ موڑ پر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھانے لگے۔ میں بھی ایک چوٹی پر جا بیٹھا۔ یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی پہاڑ پر چڑھ کر میری طرف آئے (جب اتنے قریب آگئے کہ بات سن سکیں تو میں نے کہا، تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں سلمہ بن اکوع ہوں، تم میں سے جس کسی کے پیچھے دوڑوں گا بے دھڑک پالوں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے گا ہرگز نہ پاسکے گا۔ میری یہ بات سُن کر چاروں اُپس چلے گئے اور میں اپنی جگہ جا رہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے چلے آ رہے ہیں۔ سب سے آگے انحرُم تھے، ان کے پیچھے ابوقادہ اور ان کے پیچھے مقداد بن اسود (مخاض پر پہنچ کر) عبدالرحمن اور حضرت انحرُم میں ٹکر ہوئی۔ حضرت انحرُم نے عبدالرحمن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا لیکن عبدالرحمن نے نیزہ مار کر حضرت انحرُم کو قتل کر دیا اور ان کے گھوڑے پر جا بیٹھا مگر اتنے میں حضرت ابوقادہؓ، عبدالرحمن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ بقیہ حملہ آور پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ہم نے انہیں کھدیڑنا شروع کیا۔ میں اُن کے پیچھے پیدل دوڑ رہا تھا۔ سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے ان لوگوں نے اپنا رخ ایک گھاٹی کی طرف موڑا جس میں ذی قرد نام کا ایک چشمہ تھا۔ یہ لوگ پیاسے تھے اور وہاں پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں چشمے سے پرے ہی رکھا اور وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور شہسوار صحابہ دن ڈوبنے کے بعد میرے پاس پہنچے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سب پیاسے تھے۔ اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں زین بیت ان کے تمام گھوڑے چھین لوں اور ان کی گردنیں پکڑ کر حاضر خدمت کر دوں۔ آپ نے فرمایا: اکوع کے بیٹے تم قابو پا گئے ہو تو اب فراموشی برتو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس وقت بنو غطفان میں ان کی مہمان نوازی کی جا رہی ہے۔ (اس غزوے پر) رسول اللہ ﷺ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آج ہمارے سب سے بہتر شہسوار ابوقادہ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہ ہیں۔ اور آپ نے مجھے دو حصے دیے ایک پیادہ کا حصہ اور

ایک شہسوار کا حصہ۔ اور مدینہ واپس ہوتے ہوئے مجھے (یہ شرف بخشا کہ) اپنی عضو بار نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار فرمایا۔

اس غزوے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابن اُمّ مکتوم کو سونپا تھا اور اس غزوے کا پرچم حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔



غزوہ خیبر اور غزوہ وادی لقرنی (حرم)

خیبر، مدینہ کے شمال میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور کھیتیاں بھی۔ اب یہ ایک بستی رہ گئی ہے۔ اس کی آب و ہوا قدرے غیر صحت مند ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جنگ احزاب کے تین بازوؤں میں سے سب سے مضبوط بازو (قریش) کی طرف سے پوری طرح مطمئن اور مامون ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ بقیہ دو بازوؤں۔ یہود اور قبائل نجد۔ سے بھی حساب کتاب چکالیں تاکہ ہر جانب سے مکمل امن و سلامتی حاصل ہو جائے اور پورے علاقے میں سکون کا دور دورہ ہو اور مسلمان ایک پیہم خوزیرہ کشمکش سے نجات پا کر اللہ کی پیغام رسانی اور اس کی دعوت کے لیے فارغ ہو جائیں۔

چونکہ خیبر سازشوں اور دیسہ کاریوں کا گڑھ، فوجی انگھنٹ کامرکز اور لڑانے بھڑانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے کی کان تھا اس لیے سب سے پہلے یہی مقام مسلمانوں کی نگہ التفات کا مستحق تھا۔

رہا یہ سوال کہ خیبر واقعہ ایسا تھا یا نہیں تو اس سلسلے میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اہل خیبر ہی تھے جو جنگ خندق میں مشرکین کے تمام گروہوں کو مسلمانوں پر چڑھالائے تھے۔ پھر یہی تھے جنہوں نے بنو قریظہ کو غدروخیانت پر آمادہ کیا تھا۔ نیز یہی تھے جنہوں نے سلامی معاشرے کے پونچیس کالم منافقین سے اور جنگ احزاب کے تیسرے بازو۔ بنو غطفان اور بدوؤں۔ سے رابطہ پیہم قائم کر رکھا تھا اور خود بھی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اپنی ان کارروائیوں کے ذریعے مسلمانوں کو آزمائشوں میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ نبی ﷺ کو بھی شہید کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو بار بار فوجی نہیں بھیجنی پڑی تھیں اور ان دیسہ کاروں اور سازشیوں کے سربراہوں مثلاً سلام بن ابی ایشق اور ایسز بن زارم کا صفایا کرنا پڑا تھا۔ لیکن ان یہود کے متعلق مسلمانوں کا فرض درحقیقت اس سے بھی کہیں بڑا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی میں قدرے تاخیر سے اس لیے کام کیا تھا کہ ابھی ایک قوت۔ یعنی قریش۔ جو ان یہود سے زیادہ بڑی، طاقتور، جنگجو اور سرکش تھی مسلمانوں کے بمقابلہ تھی؛ اس لیے مسلمان اسے نظر انداز کر کے یہود کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جوہنی قریش کے ساتھ اس محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا ان مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا صاف ہو گئی اور ان

کا یوم الحساب قریب آگیا۔

خیبر کو روانگی | ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آکر ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کے چند دن مدینہ میں قیام فرمایا۔ پھر محرم کے باقی ماندہ ایام میں خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ خیبر اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جو اس نے اپنے ارشاد کے ذریعہ فرمایا تھا:

وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ (۲۰:۴۸)

”اللہ نے تم سے بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کرو گے تو اسکو تمہارے لیے فوری طور پر عطا کر دیا“

”جس کو فوری طور پر ادا کر دیا“ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے اور بہت سے اموالِ غنیمت سے مراد خیبر ہے۔

اسلامی لشکر کی تعداد | چونکہ منافقین اور کمزور ایمان کے لوگ سفر حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اختیار کرنے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اس لیے

لہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے بارے میں حکم دیتے ہوئے فرمایا:

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ

يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ

بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ (۱۵: ۴۸)

”جب تم اموالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو یہ تمہیں پھوٹے گئے لوگ کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے

ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات بدل دیں۔ ان سے کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ

نے پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہے اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو۔

(حالانکہ حقیقت یہ ہے) کہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔“

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی روانگی کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمادیا کہ آپ کے ساتھ

صرف وہی آدمی روانہ ہو سکتا ہے جسے واقعہ جہاد کی رغبت اور خواہش ہے۔ اس اعلان کے نتیجہ میں آپ

کے ساتھ صرف وہی لوگ جاسکے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی اور ان کی

تعداد صرف پچودہ سو تھی۔

اس غزوے کے دوران مدینہ کا انتظام حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو۔ اور ابن اسحاق کے

بقول۔ نیکر بن عبد اللہ لیشی کو سونپا گیا تھا۔ محققین کے نزدیک پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت حضرت
سباع بن عرفطہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہ انکی خدمت میں پہنچے۔ انہوں
نے توشہ فراہم کر دیا اور حضرت ابو ہریرہ خدمت نبوی میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب چل پڑے جب
خدمت نبوی میں پہنچے تو (خیبر فتح ہو چکا تھا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے گفتگو کر کے حضرت ابو ہریرہ
اور ان کے رفقاء کو بھی مال غنیمت میں شریک کر لیا۔

یہود کے لیے منافقین کی سرگرمیاں | اس موقع پر یہود کی حمایت میں منافقین نے بھی خاصی
ہنگ و دو کی۔ چنانچہ اس منافقین عبداللہ بن ابی

نے یہود خیبر کو یہ پیغام بھیجا کہ اب محمدؐ نے تمہاری طرح کیا ہے لہذا چو کنا ہو جاؤ، تیاری کر لو اور دیکھو ڈرنا نہیں
کیونکہ تمہاری تعداد اور تمہارا ساز و سامان زیادہ ہے اور محمدؐ کے رفقاء بہت تھوڑے اور تمہی دست ہیں
اور ان کے پاس ہتھیار بھی بس تھوڑے ہی سے ہیں۔

جب اہل خیبر کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کنانہ بن ابی لہث اور ہوزہ بن قیس کو حصول مدد کے لیے
بنو عطفان کے پاس روانہ کیا، کیونکہ وہ خیبر کے یہودیوں کے حلیف اور مسلمانوں کے خلاف ان کے مددگار
تھے۔ یہود نے پیشکش بھی کی کہ اگر انہیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو خیبر کی نصف پیداوار انہیں دی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے خیبر جاتے ہوئے جبل عفر کو عبور کیا۔ عفر کے عین
کو زریہ ہے اور ص ساکن ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ دونوں پر زریہ ہے۔ پھر

وادی صہبار سے گزرے۔ اس کے بعد ایک اور وادی میں پہنچے جس کا نام ریح ہے۔ (مگر یہ وہ ریح نہیں
ہے جہاں عضل وقارہ کی فداری سے بنو لحيان کے ہاتھوں آٹھ صحابہ کرام کی شہادت اور حضرت زید و خبیب کی
گرفتاری اور پھر مکہ میں شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔)

ریح سے بنو عطفان کی آبادی صرف ایک دن اور ایک رات کی دوری پر واقع تھی اور بنو عطفان نے
تیار ہو کر یہود کی امداد کے لیے خیبر کی راہ لے لی تھی۔ لیکن اثناء راہ میں انہیں اپنے پیچھے کچھ شور و شغب سنائی
پڑا تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر دیا ہے اس لیے وہ واپس پلٹ
گئے اور خیبر کو مسلمانوں کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ماہرین راہ کو بلایا جو لشکر کو راستہ بتانے پر مامور تھے۔

ان میں سے ایک کا نام حسیل تھا۔ ان دونوں سے آپ نے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا جسے اختیار کر کے خیبر میں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں تاکہ اس حکمت عملی کے ذریعے ایک طرف تو یہود کے شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں اور دوسری طرف بنو عطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے کسی مدد کی رسائی کے امکانات ختم کر دیں۔

ایک راہنما نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا۔ چنانچہ وہ آگے چلا۔ ایک مقام پر پہنچ کر جہاں متعدد راستے چھوڑتے تھے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان سب راستوں سے آپ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔" آپ نے فرمایا کہ وہ ہر ایک کا نام بتائے۔ اس نے بتایا کہ ایک نام عزن (سخت اور کھردرا) ہے۔ آپ نے اس پر چلنا منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا "دوسرے کا نام شاش (تفرق و اضطراب) ہے۔ آپ نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ اس نے بتایا تیسرے کا نام حاطب (کڑوا ہوا) ہے۔ آپ نے اس پر بھی چلنے سے انکار کر دیا۔ محسّل نے کہا: اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ محسّل نے کہا: مرحب (کشادگی) نبی ﷺ نے اسی پر چلنا پسند فرمایا۔

راستے کے بعض واقعات | حضرت سلمہ بن اوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ خیبر روانہ ہوئے۔ رات میں سفر طے ہو رہا تھا۔ ایک آدمی نے عامر سے کہا: اے عامر! کیوں نہیں اپنے کچھ نوادرات سناؤ؟۔ عامر شاعر تھے۔ سواری سے اترے اور قوم کی حدی خوانی کرنے لگے۔ اشعار یہ تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءَ لَكَ مَا اتَّقَيْنَا وَ شَبَّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَأْتَيْنَا
وَالْقَيْنَ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنْ أَذَا صِيْحَ بِنَا أَبِينَا
وَبِالْصِّيْحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان! تو ہمیں بخش دے، جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ جب ہمیں لٹکا رہا جاتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں۔ اور لٹکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کون حدی خوان ہے؟ لوگوں نے کہا: عت مر بن اوع۔ آپ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے۔ قوم کے ایک آدمی نے کہا: اب تو (ان کی شہادت) واجب ہو گئی۔ آپ نے ان

کے وجود سے ہمیں بہرہ ور کیوں نہ فرمایا۔

صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ (جنگ کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ کسی انسان کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت کریں تو وہ شہید ہو جاتا ہے۔ اور یہی واقعہ جنگ خیبر میں (حضرت عامر کے ساتھ پیش آیا۔) اسی لیے انہوں نے یہ عرض کی تھی کہ کیوں نہ ان کے لیے درازی عمر کی دعا کی گئی کہ ان کے وجود سے ہم مزید بہرہ ور ہوتے۔

۲۔ خیبر کے بالکل قریب وادعی صہبایں آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر توشے منگوائے تو صرف ستو لائے گئے۔ آپ حکم سے ملنے گئے۔ پھر آپ نے کھائے اور صحابہ نے بھی کھائے۔ اس کے بعد آپ نماز مغرب کے لیے اٹھے تو صرف ملی کی صحابہ نے بھی ملی کی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ (پچھلے ہی وضو پراکتفا کیا۔) پھر آپ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی۔

اسلامی لشکر خیبر کے دامن میں | مسلمانوں نے آخری رات جس کی صبح جنگ شروع ہوئی۔ خیبر کے قریب گذاری لیکن یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

نبی ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہوئے بغیر ان کے قریب نہ جاتے۔ چنانچہ اس رات جب صبح ہوئی تو آپ نے غسل (اندھیرے) میں فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہو کر خیبر کی طرف بڑھے۔ ادھر اہل خیبر بے خبری میں اپنے بچاؤ کے اور کھانچی وغیرہ لے کر اپنی کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو اچانک لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے شہر کی طرف بھاگے کہ خدا کی قسم محمد لشکر سمیت آگئے ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا۔ اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بڑی ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتلایے کہ اس مقام پر اللہ نے آپ کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا ہے یا محض آپ کی جنگی تدبیر اور رائے ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں یہ محض ایک رائے اور تدبیر ہے۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ مقام قلعہ نطاہ سے بہت ہی قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگجو افراد اسی قلعے میں ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پورا پورا علم رہے گا اور ہمیں ان کے حالات کی خبر نہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے اور ہمارے تیر ان تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہم ان کے شیخون سے بھی محفوظ نہ رہیں

۱۔ صحیح بخاری باب غزوة خیبر ۲/۶۰۲ صحیح مسلم باب غزوة ذی قرد وغیرہ ۲/۱۱۵ ۲۔ صحیح مسلم ۲/۱۱۵

۳۔ ایضاً صحیح بخاری ۲/۶۰۳ ۴۔ مناقب الامتدی (غزوة خیبر ص ۱۱۲) ۵۔ صحیح بخاری باب غزوة خیبر ۲/۶۰۳، ۶۰۴

گے۔ پھر یہ مقام کھجوروں کے درمیان ہے، پستی میں واقع ہے اور یہاں کی زمین بھی وہابی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمائیں جو ان مفاسد سے خالی ہو، اور ہم اسی جگہ منتقل ہو کر پڑاؤ ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم نے جو رائے دی بالکل درست ہے۔ اس کے بعد آپ دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

نیز جب آپ خیبر کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ شہر دکھائی پڑنے لگا تو آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ لشکر ٹھہر گیا۔ اور آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّنَا فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا.

”اے اللہ! ساتوں آسمان اور جن پر وہ سایہ نگیں ہیں، ان کے پروردگار! اور ساتوں زمین، اور جن کو وہ اٹھائے

ہوئے ہیں، ان کے پروردگار! اور شیاطین، اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، ان کے پروردگار! ہم تجھ سے

اس بستی کی بھلائی اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں؛ اور اس بستی کے شر سے اور اس

کے باشندوں کے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔“

(اس کے بعد فرمایا: چلو، اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔)

جس رات خیبر کی حدود میں رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے جنگ کی تیاری اور خیبر کے قلعے

فرمایا: میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس

کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام

نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک یہی آرزو باندھے اور اس لگائے تھا کہ جھنڈا اس سے مل

جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ان کی تو

آنکھ آئی ہوئی ہے۔ فرمایا، انہیں بلاؤ۔ وہ لائے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب

دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایاب ہو گئے۔ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں؛ آپ نے فرمایا:

”اطینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو؛ پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور اسلام میں

اللہ کے جو حقوق ان پر واجب تھے ہیں ان سے آگاہ کرو۔ بخدا تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیتے تو یہ تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے^۹۔

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک منطقے میں حسب ذیل پانچ قلعے تھے۔

۱۔ حصن ناغم۔ ۲۔ حصن صعب بن معاذ۔ ۳۔ حصن قلعہ زبیر۔ ۴۔ حصن ابی۔ ۵۔ حصن نزار۔

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر مثل علاقہ نظاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مثل علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

خیبر کی آبادی کا دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے،

۱۔ حصن قموص ریہ قبیلہ بنو نضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا، ۲۔ حصن ویح ۳۔ حصن سلام۔

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت و حفاظت

میں ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو وہ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑائیوں

کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے۔

مذکورہ بالا آٹھ قلعوں میں سے سب سے پہلے قلعہ ناغم پر حملہ ہوا۔

کیونکہ یہ قلعہ اپنے محل وقوع کی نزاکت اور اسٹریٹجی کے

معرکے کا آغاز اور قلعہ ناغم کی فتح

لحاظ سے یہودی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اور یہی قلعہ مرحب نامی اس شہر زور اور جانا باز یہودی کا قلعہ

تھا جسے ایک ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فوج لے کر اس قلعے کے سامنے پہنچے اور یہودی کو اسلام

کی دعوت دی تو انہوں نے یہ دعوت مسترد کر دی اور اپنے بادشاہ مرحب کی کمان میں مسلمانوں کے مقابل

اکھڑے ہوئے۔ میدان جنگ میں اتر کر پہلے مرحب نے دعوت مبارزت دی جس کی کیفیت سلمہ بن اکوع نے یوں

بیان کی ہے کہ جب ہم لوگ خیبر پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھلا تا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا۔

قَدْ عَلِمْتُ خَيْبِرُ اَنْيْ مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بِطَلِّ مَجْرَبُ

اِذَا الْحُرُوبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار! جب جنگ پیکار شعلہ زن ہو۔

^۹ صحیح بخاری باب غزوة خیبر ۲/۶۰۵، ۶۰۶ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے ایک قلعے کی فتح میں متعدد کوششوں کی ناکامی کے

بعد حضرت علی کو جھنڈا دیا گیا تھا لیکن محققین کے نزدیک راجح وہی ہے جس کا ادراک ذکر کیا گیا۔

اس کے مقابل میرے چچا عامر نمودار ہوئے اور فرمایا۔

قد علمت خیر اخی عامر شاکي السلاح بطل معاصر

”خیر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں۔ ہتھیار پوش، شہ زور اور جسنگو“

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحب کی تلوار میرے چچا عامر کی دھال میں جا چھبی اور عامر نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے یہودی کی پنڈلی پر وار کیا تو تلوار کا سر ایلٹ کر ان کے گھٹنے پر آگیا اور بالآخر اسی زخم سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کیے ان کے بارے میں فرمایا کہ انکے لیے دہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانناز مجاہد تھے۔ کم ہی ان جیسا کوئی عرب رُوتے زمین پر بٹھا ہوگا۔ یہہر حال حضرت عامر کے زخمی ہو جانے کے بعد مرحب کے مقابلے کے لیے حضرت علی تشریف لے گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت علی نے یہ اشعار کہے:

أَنَا الَّذِي سَمَّيْتَنِي أُمِّي حَيْدَرَهُ
كَلَيْتَ غَابَاتٍ كَكِرِيهِ الْمُنْظَرَهُ
أَوْ فِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهُ

”میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں نہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔“

اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں صیر ہو گیا۔ پھر حضرت علی ہی کے ہاتھوں فتح حاصل ہوئی۔ اللہ جنگ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ یہود کے قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ کی چوٹی سے ایک یہودی نے جھانک کر پوچھا تم کون ہو؟ حضرت علی نے کہا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہود نے کہا: اس کتاب کی قسم جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی! تم لوگ بلند ہوئے۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یا سر یہ کہتے ہوئے نکلا کہ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے گا۔ اس کے اس چیلنج پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان میں اترے۔ اس پر ان کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میرا بیٹا قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا۔ چنانچہ حضرت زبیر نے یا سر کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد حصن نامم کے پاس زور وار جنگ ہوئی جس میں کئی سربراہ اور وہ یہودی مارے گئے اور بقیہ یہود

نہ صحیح مسلم؛ باب غزوة خیبر ۱۲۲/۲ باب غزوة ذی قرد وغیرہ ۱۱۵/۲ صحیح بخاری باب غزوة خیبر ۶۰۳

لہ مرحب کے قاتل کے بارے میں ماخذ کے اندر بڑا اختلاف ہے اور اس میں بھی سخت اختلاف ہے کس دن وہ مارا گیا اور کس دن یہ قلعہ فتح ہوا۔ مصیبن کی روایت کے سیاق میں بھی کسی قدر اس اختلاف کی علامت موجود ہے۔ ہم نے اوپر جو ترتیب ذکر کی ہے وہ صحیح بخاری کی روایت کے سیاق کو ترجیح دیتے ہوئے قائم کی گئی ہے۔

میں تابِ مقادست نہ رہی۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کا حملہ نہ روک سکے۔ بعض ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ کئی دن جاری رہی اور اس میں مسلمانوں کو شدید مقادست کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم یہود، مسلمانوں کو زیر کرنے سے مایوس ہو چکے تھے اس لیے چپکے چپکے اس قلعے سے منتقل ہو کر قلعہ صعوب میں چلے گئے اور مسلمانوں نے قلعہ ناغم پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ صعوب بن معاذ کی فتح | قلعہ ناغم کے بعد، قلعہ صعوب قوت و حفاظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے حضرت حجاب بن منذر انصاری

رضی اللہ عنہ کی کمان میں اس قلعہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے گھیرے میں لیے رکھا۔ تیسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اس قلعہ کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کی شاخ بنو سہم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم لوگ چور ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یا اللہ! تجھان کا حال معلوم ہے۔ تو جانتا ہے کہ ان کے اندر قوت نہیں اور میرے پاس بھی کچھ نہیں کہ میں انہیں دوں۔ لہذا انہیں یہود کے ایسے قلعے کی فتح سے سرفراز فرما جو سب سے زیادہ کارآمد ہو اور جہاں سب سے زیادہ خوراک اور چربی دستیاب ہو۔ اور جب دعا فرمانے کے بعد نبی ﷺ نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملے کی دعوت دی تو حملہ کرنے میں بنو اسلم ہی پیش پیش تھے۔ اس حملے میں بھی قلعے کے سامنے مبارک اور مار کاٹ ہوئی۔ اللہ عزوجل نے سورج ڈوبنے سے پہلے قلعہ صعوب بن معاذ کی فتح عطا فرمائی۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعے سے زیادہ خوراک اور چربی موجود ہو۔ مسلمانوں نے اس قلعے میں بعض منجیقین اور دبابے بھی پائے۔

ابن اسحاق کی اس روایت میں جس شدید بھوک کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگوں نے رفتح حاصل ہوتے ہی گدھے ذبح کر دیے اور چولہوں پر ہنڈیاں چڑھادیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے گھر بلیو گدھے کے گوشت سے منع فرما دیا۔

قلعہ زبیر کی فتح | قلعہ ناغم اور قلعہ صعوب کی فتح کے بعد یہود نطاۃ کے سارے قلعوں سے نکل کر قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے۔ یہ ایک محفوظ قلعہ تھا۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ راستہ اتنا پرہیز

۱۲ ابن ہشام ۲/۲۲۲

۱۳ لکڑی کا ایک محفوظ اور بند گاڑی ناڈیہ بنایا جاتا تھا جس میں نیچے سے کئی آدمی گھس کر قلعے کی فصیل کو جا پہنچتے تھے اور دشمن کی زد سے محفوظ رہتے ہوئے فصیل میں شگاف کرتے تھے یہی دبابہ کہلاتا تھا۔ اب ٹینک کو دبابہ کہا جاتا ہے۔

اور مشکل تھا کہ یہاں نہ سواروں کی رسائی ہو سکتی تھی نہ پیادوں کی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد محاصرہ قائم کیا اور تین روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے اس کے بعد ایک یہودی نے آکر کہا: "اے ابوالقائم! اگر آپ ایک ہفتہ تک محاصرہ جاری رکھیں تو بھی انہیں کوئی پروا نہ ہوگی۔ البتہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ یہ رات میں نکلتے ہیں پانی پی لیتے اور لے لیتے ہیں پھر قلعے میں واپس چلے جاتے ہیں اور آپ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے۔" اس اطلاع پر آپ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ اس کے بعد یہود نے باہر آکر زبردست جنگ کی جس میں کئی مسلمان مارے گئے اور تقریباً دس یہودی بھی کام آئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

قلعہ ابی کی فتح | قلعہ زبیر شکت کھانے کے بعد یہود، حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اب کی بار دوشہ زور جاتا یہودی یکے بعد دیگرے دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے میدان میں اترے اور دونوں ہی مسلمان جانباڑوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ دوسرے یہودی کے قاتل سُرخ پٹی والے مشہور جانفروش حضرت ابو جہانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ دوسرے یہودی کو قتل کر کے نہایت تیزی سے قلعے میں جا گئے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی قلعے میں جا گھا۔ قلعے کے اندر کچھ دیر تک تو زور دار جنگ ہوئی لیکن اس کے بعد یہودیوں نے قلعے سے کھسکا شروع کر دیا اور بالآخر سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں پہنچ گئے، جو خیبر کے نصف اول (یعنی پہلے منطقے) کا آخری قلعہ تھا۔

قلعہ نزار کی فتح | یہ قلعہ علاقے کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور یہود کو تقریباً یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینے کے باوجود اس قلعے میں داخل نہیں ہو سکتے اس لیے اس قلعے میں انہوں نے عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا جبکہ سابقہ چار قلعوں میں عورتوں اور بچوں کو نہیں رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس قلعے کا سختی سے محاصرہ کیا اور یہود پر سخت دباؤ ڈالا لیکن قلعہ چونکہ ایک بلند اور محفوظ پہاڑی پر واقع تھا اس لیے اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت بن نہیں پڑ رہی تھی۔ ادھر یہود قلعے سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرات نہیں کر رہے تھے۔ البتہ تیر بربسا کر اور پتھر پھینک پھینک کر سخت مقابلہ کر رہے تھے۔

جب اس قلعہ (نزار) کی فتح مسلمانوں کے لیے زیادہ دشوار محسوس ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے منجیق کے آلات نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے چند گولے پھینکے بھی جس سے قلعے کی دیواروں میں تنگاف پڑ گیا اور مسلمان اندر گھس گئے۔ اس کے بعد قلعے کے اندر سخت جنگ ہوئی اور

یہود نے فاش اور بدترین شکست کھائی۔ وہ بقیہ قلعوں کی طرح اس قلعے سے چپکے چپکے کھسک کر نہ نکل سکے بلکہ اس طرح بے محابا بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے اور انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس مضبوط قلعے کی فتح کے بعد خیبر کا نصف اول یعنی نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہو گیا۔ اس علاقے میں چھوٹے چھوٹے کچھ مزید قلعے بھی تھے لیکن اس قلعے کے فتح ہوتے ہی یہودیوں نے ان باقیماندہ قلعوں کو بھی خالی کر دیا اور شہر خیبر کے دوسرے منطقے یعنی کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

خیبر کے نصف ثانی کی فتح | نطاۃ اور شق کا علاقہ فتح ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے کتیبہ و طبع اور سلام کے علاقے کا رخ کیا۔ سلام بنو نضیر کے ایک مشہور یہودی اہل حق کا قلعہ تھا۔ ادھر نطاۃ اور شق کے علاقے سے شکست کھا کر بھاگنے والے سارے یہودی بھی یہیں پہنچے تھے۔ اور نہایت ٹھوس قلعہ بندی کر لی تھی۔

اہل مغازی کے درمیان اختلاف ہے کہ یہاں کے تینوں قلعوں میں سے کسی قلعے پر جنگ ہوئی یا نہیں؟ ابن اسحاق کے بیان میں یہ صراحت ہے کہ قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے جنگ لڑی گئی بلکہ اس کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ محض جنگ کے ذریعے فتح کیا گیا اور یہودیوں کی طرف سے خود پسردگی کے لیے یہاں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔

لیکن واقدی نے دو ٹوک لفظوں میں صراحت کی ہے کہ اس علاقے کے تینوں قلعے بات چیت کے ذریعے مسلمانوں کے حوالے کیے گئے۔ ممکن ہے قلعہ قموص کی حوالگی کے لیے کسی قدر جنگ کے بعد گفت و شنید ہوئی ہو۔ البتہ باقی دونوں قلعے کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کے حوالے کیے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس علاقے۔ کتیبہ۔ میں تشریف لائے تو وہاں کے باشندوں کا سختی سے محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چودہ روز جاری رہا۔ یہود اپنے قلعوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ منجیق نصب فرمائیں۔ جب یہود کو تباہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔

صلح کی بات چیت | پہلے ابن ابی الحقیق نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا میں آپ کے پاس آکر بات چیت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور جب یہ جواب

ملا تو اس نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعے میں جو فوج ہے اس کی جان بخشی کر دی جائیگی اور ان کے بال بچے انہیں کے پاس رہیں گے (یعنی انہیں لونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا، بلکہ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں گے اور اپنے اموال، باغات، زمینیں، سونے، چاندی، گھوڑے، زریں، رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیں گے، صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اور اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اس کے رسول برائی لڑے ہوں گے" یہود نے یہ شرط منظور کر لی اور مصالحت ہو گئی۔ اس مصالحت کے بعد منوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے گئے اور اس طرح خیبر کی فتح مکمل ہو گئی۔

ابو ایقہ کے دونوں بیٹوں کی بد عہدی اور ان کا قتل | اس معاہدے کے علی الرغم ابو ایقہ کے دونوں بیٹوں نے بہت مال

غائب کر دیا۔ ایک کھال غائب کر دی جس میں مال اور حُئی بن اخطب کے زیورات تھے۔ اسے حُئی بن اخطب مدینہ سے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت اپنے ہمراہ لایا تھا۔

ابن اسحق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ بن ابی ایقہ لایا گیا۔ اس کے پاس بنو نضیر کا خزانہ تھا۔ لیکن آپ نے دریافت کیا تو اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اسے خزانے کی جگہ کے بارے میں کوئی علم ہے۔ اس کے بعد ایک یہودی نے آکر بتایا کہ میں کنانہ کو روزانہ اس دیرانے کا چکر لگاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کنانہ سے فرمایا: "یہ بتاؤ کہ اگر یہ خزانہ ہم نے تمہارے پاس سے برآمد کر لیا تو پھر تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے نا؟" اس نے کہا جی ہاں! آپ نے دیرانہ کھودنے کا حکم دیا اور اس سے کچھ خزانہ برآمد ہوا۔ پھر باقیماندہ خزانہ کے متعلق آپ نے دریافت کیا تو اس نے پھر ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے اسے حضرت زبیر کے حوالے کر دیا اور فرمایا: "اسے سزا دو، یہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کا سب ہمیں حاصل ہو جائے۔" حضرت زبیر نے اس کے سینے پر چھاق کی ٹھوکریں ماریں یہاں تک کہ اس کی جان پرین آئی۔ پھر اسے رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے محمود بن مسلمہ کے بدلے اس کی گردن مار دی محمود سایہ حاصل کرنے کے لیے قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے کہ اس شخص نے ان پر چلی کا پاٹ گر کر انہیں قتل کر دیا تھا۔

۱۵ لیکن سنن ابوداؤد میں یہ صراحت ہے کہ آپ نے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے یہود کو اجازت ہوگی کہ خیبر سے جلا وطن ہوتے ہوئے اپنی سواریوں پر جتنا مال لاد سکیں لے جائیں (دیکھئے ابوداؤد باب ما جاد فی حکم ارض خیبر ۲/۴۶)

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالفتح کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا تھا اور ان دونوں کے خلاف مال چھپانے کی گواہی کنانہ کے چچیرے بھائی نے دی تھی۔

اس کے بعد آپ نے حیی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ کو قیدیوں میں شامل کر لیا۔ وہ کنانہ بن ابی لہثیق کی بیوی تھیں اور ابھی دلہن تھیں۔ ان کی حال ہی میں رخصتی ہوئی تھی۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم | رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر سے جلا وطن کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور معاہدہ میں یہی طے بھی ہوا تھا مگر یہود نے کہا: اے محمد! ہمیں اسی سرزمین میں

رہنے دیجئے ہم اس کی دیکھ رکھ کریں گے۔ کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس اتنے غلام دستے جو اس زمین کی دیکھ رکھ اور جوتے بونے کا کام کر سکتے اور نہ خود صحابہ کرام کو اتنی فرصت تھی کہ یہ کام سرانجام دے سکتے۔ اس لیے آپ نے خیبر کی زمین اس شرط پر یہود کے حوالے کر دی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہوگی اس پر برقرار رکھیں گے (اور جب چاہیں گے جلا وطن کر دیں گے) اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ خیبر کی پیداوار کا تخمینہ لگایا کرتے تھے۔

خیبر کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ اسے ۳۶ حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا جامع تھا۔ اس طرح کل تین ہزار چھ سو (۳۶۰۰) حصے ہوئے۔ اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ سو حصے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے تھے۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی صرف ایک ہی حصہ تھا۔ باقی یعنی اٹھارہ سو حصوں پر مشتمل دوسرا نصف، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات و حوادث کے لیے الگ کر لیا تھا۔ اٹھارہ سو حصوں پر خیبر کی تقسیم اس لیے کی گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حدیبیہ کے لیے ایک عطیہ تھا، جو موجود تھے ان کے لیے بھی اور جو موجود نہ تھے ان کے لیے بھی، اور اہل حدیبیہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ جو خیبر آتے ہوئے اپنے ساتھ دو سو گھوڑے لائے تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتا ہے اور گھوڑے کا حصہ ڈبل یعنی دو فوجیوں کے برابر ہوتا ہے اس لیے خیبر کو اٹھارہ سو حصوں پر تقسیم کیا گیا تو دو سو شہسواروں کو تین تین حصے کے حساب سے چھ سو ملے تھے اور بارہ سو پینسٹل فوج کو ایک ایک حصے کے حساب سے بارہ سو حصے ملے۔

خیبر کے اموالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ صحیح بخاری میں مردی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم لوگ آسودہ نہ ہوئے یہاں تک کہ ہم نے خیبر فتح کیا۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی۔ نیز جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو کھجوروں کے وہ درخت واپس کر دیے جو انصار نے امداد کے طور پر انہیں دے رکھے تھے کیونکہ اب ان کے لیے خیبر میں مال اور کھجور کے درخت ہو چکے تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب اور اشعری صحابہ کی آمد | اسی غزوے میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

ان کے ساتھ اشعری مسلمان یعنی حضرت ابوہنی اور ان کے رفقاء بھی تھے رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یمن میں ہیں رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا علم ہوا تو ہم لوگ یعنی میں اور میرے دو بھائی اپنی قوم کے پچاس آدمیوں سمیت اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک کشتی پر سوار آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے لیکن ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں پھینک دیا۔ وہاں حضرت جعفر اور ان کے رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے اور آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہر جائیے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور خدمت نبوی میں اس وقت پہنچ سکے جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ آپ نے ہمارا بھی حصہ لگایا لیکن ہمارے علاوہ کسی بھی شخص کا جو فتح خیبر میں موجود نہ تھا، کوئی حصہ نہیں لگایا۔ صرف شرکاء جنگ ہی کا حصہ لگایا۔ البتہ حضرت جعفر اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہماری کشتی والوں کا بھی حصہ لگایا اور ان کے لیے بھی مال غنیمت تقسیم کیا۔

اور جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کا استقبال کیا اور انہیں بوسہ دیکر فرمایا: واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے؛ خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی۔ یاد رہے کہ ان لوگوں کو بلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمیری کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا اور اس سے کہلوا یا تھا کہ وہ ان لوگوں کو آپ کے پاس روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے دو کشتیوں پر سوار کر کے انہیں روانہ کر دیا۔ یہ کل سولہ آدمی تھے اور ان کے ساتھ ان کے باقی ماندہ بچے اور عورتیں بھی تھیں۔

بقیہ لوگ اس سے پہلے مدینہ آپ کے تھے ۲۲

ہم بتا چکے ہیں کہ جب حضرت صفیہ کا شوہر کنانہ بن ابی العتیق اپنی بد عہدی
حضرت صفیہ سے شادی کے سبب قتل کر دیا گیا تو حضرت صفیہ قیدی عورتوں میں شامل کر لی گئیں۔

اس کے بعد جب یہ قیدی عورتیں جمع کی گئیں تو حضرت دُخیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا؛ اے اللہ کے نبی! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لونڈی دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔ انہوں نے جا کر حضرت صفیہ بنت حُشی کو منتخب کر لیا۔ اس پر ایک آدمی نے آپ کے پاس آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ نے نبی قُرَیظہ اور نبی نضیر کی سیدہ صفیہ کو دُخیہ کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ صرف آپ کے شایانِ شان ہے۔ آپ نے فرمایا؛ دُخیہ کو صفیہ سمیت بلاؤ۔ حضرت دُخیہ ان کو ساتھ لیے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر حضرت دُخیہ سے فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ پھر آپ نے حضرت صفیہ پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ مدینہ واپسی میں سدہ صہبار پہنچ کر حیض سے پاک ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آپ کے لیے آراستہ کیا اور رات کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے دو لہے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور کھجور، گھی اور ستوملا کر ولیمہ کھلایا۔ اور رات میں تین روز شہنائے عروسی کے طور پر ان کے پاس قیام فرمایا۔ اس موقع پر آپ نے ان کے چہرے پر ہر نشان دیکھا؛ دریافت فرمایا؛ یہ کیا ہے؟ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ کے خیر آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آنکھوں میں آگرا ہے۔ بخدا، مجھے آپ کے معاملے کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ لیکن میں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا،

”یہ بادشاہ جو مدینہ میں ہے تم اس کی آرزو کر رہی ہو۔“

نخبر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مصلحین اور کیسے ہو چکے تو سلام
زہر آلود بکری کا واقعہ بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپ کے پاس بھینٹی ہوئی بکری

کا ہدیہ بھیجا۔ اس نے پوچھ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سا عضو زیادہ پسند کرتے ہیں، اور اسے بتایا گیا تھا کہ دستہ؛ اس لیے اس نے دستے میں خوب زہر ملا دیا تھا اور اس کے بعد بقیہ حصہ بھی زہر آلود کر دیا تھا۔ پھر اسے لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے دستہ اٹھا کر

اس کا ایک ٹکڑا چایا لیکن نگلنے کے بجائے تھوک دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر طایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے زینب کو بلایا تو اس نے اقرار کر لیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہمیں اس سے راحت مل جائے گی اور اگر نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپ نے اسے معاف کر دیا۔

اس موقع پر آپ کے ساتھ حضرت بشر بن برار بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک لقمہ نگل لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

روایات میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا یا قتل کر دیا تھا۔ تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے تو آپ نے معاف کر دیا تھا لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہو گئی تو پھر قصاص کے طور پر قتل کر دیا۔^{۱۵}

خیبر کے مختلف معرکوں میں کل مسلمان جو شہید ہوئے ان کی تعداد سولہ ہے۔ چار قریش سے، ایک قبیلہ اشجع سے،

جنگ خیبر میں فریقین کے مقتولین

ایک قبیلہ اسلم سے، ایک اہل خیبر سے، اور بقیہ انصار سے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان معرکوں میں کل ۱۸ مسلمان شہید ہوئے۔ علامہ منصور پوری نے ۱۹ لکھا ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں: "اہل سیر نے شہدائے خیبر کی تعداد پندرہ لکھی ہے۔ مجھے تلاش کرتے ہوئے ۲۳ نام ملے... زینب بنت واہلہ کا نام صرف واقدی نے اور زینب بنت حبیب کا نام صرف طبری نے لیا ہے۔ بشر بن برار بن معرور کا انتقال خاتمہ جنگ کے بعد زہراؑ کو گوشت کھانے سے ہوا جو نبی ﷺ کے لیے دینت ہو دینے بھیجا تھا۔ بشر بن عبدالمنذر کے بارے میں دو روایات ہیں (۱) بدر میں شہید ہوئے۔ (۲) جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔ میرے نزدیک روایت اول قوی ہے۔"

دوسرے فریق یعنی یہود کے مقتولین کی تعداد ۹۳ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہنچ کر مختصر بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے فدک کے یہود کے پاس بھیج دیا تھا لیکن اہل فدک نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی۔ مگر جب اللہ نے خیبر فتح فرما دیا تو ان کے دلوں میں رعب پڑ گیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر بھیج کر

فدک

۱۵ دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۳۹، فتح الباری ۴/۴۹۶، اصل واقعہ صحیح البخاری میں مطولاً اور مختصراً دونوں طرح مروی ہے۔ دیکھئے

اہلِ خیبر کے معاملہ کے مطابق فدک کی نصف پیداوار دینے کی شرائط پر مصالحت کی پیشکش کی۔ آپ نے پیشکش قبول کر لی اور اس طرح فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ (یعنی اسے بزورِ شمشیر فتح نہیں کیا تھا۔)

وادی القریٰ | رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی یہودی کی ایک جماعت تھی اور ان کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہو گئی تھی۔

جب مسلمان وہاں آئے تو یہود نے تیروں سے استقبال کیا۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مارا گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت مبارک ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے جنگِ خیبر میں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے جو چادر چرائی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ لوگوں نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو ایک آدمی ایک تسمبیا دو تسمے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ایک تسمبیا دو تسمے آگ کے ہیں۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے جنگ کے لیے صحابہ کرام کی ترتیب اور صف بندی کی۔ پورے لشکر کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے حوالے کیا۔ ایک پرچم جناب بن منذر کو دیا اور تیسرا پرچم عبادہ بن بشر کو دیا اس کے بعد آپ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور ان کا ایک آدمی میدانِ جنگ میں اترا۔ ادھر سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر دوسرا آدمی نکلا۔ حضرت زبیر نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کے گیارہ آدمی مارے گئے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو نبی ﷺ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اس دن جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے۔ اور پھر پلٹ کر یہود کے بالمقابل چلے جاتے اور انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی دعوت دیتے۔ اس طرح لڑتے لڑتے شام ہو گئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے۔ لیکن ابھی سورج نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہو گا کہ ان کے ہاتھ میں جو کچھ تھا اسے آپ کے حوالے کر دیا۔ یعنی آپ نے بزورِ قوت فتح حاصل کی اور اللہ نے ان کے اموال آپ کو غنیمت میں دیے۔ صحابہ کرام کو بہت سارا ساز و سامان ہاتھ آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے وادی القریٰ میں چار روز قیام فرمایا اور جو مال غنیمت ہاتھ آیا اسے صحابہ کرام پر تقسیم فرما دیا۔ البتہ زمین اور کھجور کے باغات کو یہود کے ہاتھ میں رہنے دیا اور اس کے متعلق ان سے بھی (اہل خیبر جیسا) معاملہ طے کر لیا۔

تیسرا تیمار کے یہودیوں کو جب خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کے سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیش کش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول فرمائی اور یہ یہود اپنے مال و متاع میں مقیم رہے۔ اس کے متعلق آپ نے ایک تحریر بھی عنایت فرمادی تھی جو یہ تھی :

”یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو عاد یا کے لیے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ ان پر نہ زیادتی ہوگی نہ انہیں جلا وطن کیا جائے گا۔ رات معاون ہوگی اور دن سختی بخش یعنی یہ معاہدہ دائمی ہوگا اور یہ تحریر خالد بن سعید نے لکھی۔“

مدینہ کو واپسی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی۔ واپسی کے دوران لوگ ایک وادی کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ پر زمی کرو، تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ اس ہستی کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے۔

نیز اثنائے راہ میں ایک بار رات بھر سفر جاری رکھنے کے بعد آپ نے اخیر رات میں راستے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلال کو یہ تاکید کر کے سو رہے کہ ہمارے لیے رات پر نظر رکھنا یعنی صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا، لیکن حضرت بلال کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ رپورب کی طرف منہ کر کے، اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ سو گئے۔ پھر کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ لوگوں پر دھوپ آگئی۔ اسکے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ پھر لوگوں کو بیدار کیا گیا، اور آپ اس وادی سے نکل کر کچھ آگے تشریف لے گئے۔ پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھانی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔

خیبر کے معرکوں کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی واپسی یا تو دمشق کے صفر کے اخیر میں ہوئی تھی یا پھر ربیع الاول کے مہینے میں۔

۲۹ زاد المعاد ۲/۱۴۶/۱۴۶ نے زاد المعاد ۲/۱۴۶/۱۴۶ نے ابن سعد ۱/۲۶۹/۲۶۹ نے صحیح بخاری ۲/۲۰۵/۲۰۵

۳۰ ابن ہشام ۲/۳۴۰/۳۴۰ یہ واقعہ خاصا مشہور اور عام کتب حدیث میں مروی ہے۔ نیز دیکھئے زاد المعاد ۲/۱۴۶/۱۴۶

سمریہ ابان بن سعید | نبی ﷺ سارے کسپہ سالاروں سے زیادہ اچھی طرح یہ بات جانتے تھے کہ حرام مہینوں کے خاتمے کے بعد مدینہ کو مکمل طور پر خالی چھوڑ دینا تدبیر اور دُور اندیشی کے بالکل خلاف ہے، وراں حالیکہ مدینہ کے گرد و پیش ایسے بدو مقیم ہیں جو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے لیے مسلمانوں کی غفلت کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی لیے جن ایام میں آپؐ خیبر تشریف لے گئے تھے ان ہی ایام میں آپؐ نے بدوؤں کو خوف زدہ کرنے کے لیے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی کمان میں نجد کی جانب ایک سر تہ بھیج دیا تھا۔ ابان بن سعید اپنا فرض ادا کر کے واپس آئے تو نبی ﷺ سے خیبر میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت آپؐ خیبر فتح فرما چکے تھے۔

اغلب یہ ہے کہ یہ سر تہ صفر ۱ھ میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مجھے اس سر تہ کا حال معلوم نہ ہو سکا۔



غزوة ذات الرقاع (۳۳)

جب رسول اللہ ﷺ احزاب کے تین بازوؤں میں سے دو مضبوط بازوؤں کو توڑ کر فارغ ہو گئے تو تیسرے بازو کی طرف توجہ کا بھرپور موقع مل گیا۔ تیسرا بازو وہ بڈو تھے جو نجد کے صحرا میں خمیر زن تھے اور رہ رہ کر لوٹ مار کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔

چونکہ یہ بڈو کسی آبادی یا شہر کے باشندے نہ تھے اور ان کا قیام مکانات اور قلعوں کے اندر نہ تھا اس لیے اہل مکہ اور باشندگان خیبر کی بہ نسبت ان پر پوری طرح قابو پالینا اور ان کے شر و فساد کی آگ مکمل طور پر بجھا دینا سخت دشوار تھا۔ لہذا ان کے حق میں صرف خوف زدہ کرنے والی تادیبی کارروائیاں ہی مفید ہو سکتی تھیں۔

چنانچہ ان بڈوؤں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے کی غرض سے — اور بقول دیگر مدینہ کے اطراف میں چھاپہ مارنے کے ارادے سے جمع ہونے والے بڈوؤں کو پراگندہ کرنے کی غرض سے — نبی ﷺ نے ایک تادیبی حملہ فرمایا جو غزوة ذات الرقاع کے نام سے معروف ہے۔

عام اہل مغازی نے اس غزوة کا تذکرہ ۳۳ھ میں کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کا زمانہ وقوع ۳۲ھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوة میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے شرکت کی تھی، لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوة، غزوة خیبر کے بعد پیش آیا تھا۔ (مہینہ غالباً ربیع الاول کا تھا۔) کیونکہ حضرت ابو ہریرہ اس وقت مدینہ پہنچ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے لیے مدینہ سے جا چکے تھے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ مسلمان ہو کر سیدھے خدمت نبوی ﷺ میں خیبر پہنچے اور جب پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جس سے اس وقت خدمت نبوی میں پہنچے تھے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ لہذا غزوة ذات الرقاع میں ان دونوں صحابہ کی شرکت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوة خیبر کے بعد ہی کسی وقت پیش آیا تھا۔

اہل سیر نے اس غزوة کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ انمار یا بنو عطفان کی دو شاخوں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے اجتماع کی خبر سن کر مدینہ کا انتظام

حضرت ابوذر یا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا اور جھٹ چار سو یا سات سو صحابہ کرام کی معیت میں بلاؤ نجد کا رخ کیا۔ پھر مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر مقام نخل پہنچ کر بنو عطفان کی ایک جمعیت سے سامنا ہوا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ آپ نے اس موقع پر صلوٰۃ خوف (حالت جنگ والی نماز) پڑھائی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے۔ ہم چھ آدمی تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس سے ہمارے قدم چھلنی ہو گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گیا۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹے رہتے تھے۔ اسی لیے اس کا نام ذات الرقاع (چیتھڑوں والا) ہو گیا۔ کیونکہ ہم نے اس غزوے میں اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں باندھ اور لپیٹ رکھی تھیں۔

اور صحیح بخاری ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ ہم لوگ ذات الرقاع میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (دستور یہ تھا کہ) جب ہم کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تو اسے نبی ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ (ایک بار) نبی ﷺ نے پڑاؤ ڈالا اور لوگ درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے اترے اور اسی درخت سے تلوار لٹکا کر سو گئے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہمیں بس وہی یاد آتی تھی کہ اتنے میں ایک مشرک نے آکر رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا: "تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آپ نے فرمایا، نہیں۔ اس نے کہا: "تب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے فرمایا، اللہ۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہمیں اچانک رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے۔ ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں سویا تھا اور اس نے میری تلوار سونت لی۔ اتنے میں میں جاگ گیا اور سونتی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: "تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" میں نے کہا: اللہ۔ تو اب یہ وہی شخص بیٹھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے اس سے اظہارِ غصہ نہ کیا۔

ابوعوانہ کی روایت میں اتنی تفصیل اور ہے کہ (جب آپ نے اس کے سوال کے جواب میں اللہ کہا تو) تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ اچھے پکڑنے والے ہوئے (یعنی احسان کیجئے) آپ نے فرمایا: تم

شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا: میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا میں تمہارے یہاں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آ رہا ہوں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وہ لوگ پیچھے چلے گئے اور آپ نے دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس طرح نبی ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور صحابہ کرام کی دو دو رکعتیں۔ اس روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے یہ نماز مذکورہ واقعہ کے بعد ہی پڑھی گئی تھی۔

صحیح بخاری کی روایت میں جسے مسدود نے ابو عوانہ سے اور انہوں نے ابو بشر سے روایت کیا ہے بتایا گیا ہے کہ اس آدمی کا نام غوث بن حارث تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ واقدی کے نزدیک اس واقعے کی تفصیلات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس انحرافی کا نام دعوٰی تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن واقدی کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ دو واقعات تھے، جو دو الگ الگ غزووں میں پیش آئے تھے۔ واللہ اعلم

اس غزوہ سے واپسی میں صحابہ کرام نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس کے شوہر نے نذرمانی کہ وہ اصحابِ محمد ﷺ کے اندر ایک خون بہا کر رہے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے دو آدمیوں یعنی عباد بن بشر اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پہرے پر مامور کر رکھا تھا۔ جس وقت وہ آیا حضرت عباد کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے اسی حالت میں ان کو تیر مارا، انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر جھٹک دیا۔ اس نے دوسرا اور تیسرا تیر مارا، لیکن انہوں نے نماز نہ توڑی اور سلام پھیر کر ہی فارغ ہوئے۔ پھر اپنے ساتھی کو جگایا۔ ساتھی نے (حالات جان کر) کہا: سبحان اللہ! آپ نے مجھے جگا کیوں نہ دیا؟ انہوں نے کہا: میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا۔ گوارا نہ کیا کہ اسے درمیان میں چھوڑ دوں۔

سنگ دل اعراب کو مرعوب اور خوفزدہ کرنے میں اس غزوے کا بڑا اثر رہا۔ ہم اس غزوے کے بعد پیش

۲ مختصر السیرہ شیخ عبداللہ نجدی ص ۲۶۴، نیز دیکھئے فتح الباری ۴/۲۱۶

۳ صحیح بخاری ۱/۲۰۸، ۲/۵۹۳، صحیح بخاری ۲/۵۹۳، فتح الباری ۴/۲۲۸

آنے والے سرایا کی تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ عطفان کے ان قبائل نے اس غزوے کے بعد سر اٹھانے کی جرات نہ کی بلکہ ڈھیلے پڑتے پڑتے سپر انداز ہو گئے اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ ان اعراب کے کئی قبائل ہم کو فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں اور انہیں غزوہ حنین کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ پھر فتح مکہ سے واپسی کے بعد ان کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے اسلامی حکومت کے عمال بھیجے جاتے ہیں اور وہ باقاعدہ اپنے صدقات ادا کرتے ہیں۔ غرض اس حکمت عملی سے وہ تینوں بازو ٹوٹ گئے جو جنگِ خندق میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس کی وجہ سے پورے علاقے میں امنِ سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے بعد بعض قبائل نے بعض علاقوں میں جو شور و غوغا کیا اس پر مسلمانوں نے بڑی آسانی سے قابو پالیا؛ بلکہ اسی غزوے کے بعد بڑے بڑے شہروں اور ممالک کی فتوحات کا راستہ ہموار ہونا شروع ہوا کیونکہ اس غزوے کے بعد اندرون ملک حالات پوری طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازگار ہو چکے تھے۔

شہ کے چند سرایا

اس غزوے سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے سوالِ شہ تک مدینہ میں قیام فرمایا اور اس دوران متعدد سرایا روانہ کئے۔ بعض کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سرِیہ قدید (صفر یا ربیع الاول ۳ھ) | یہ سرِیہ غالب بن عبد اللہ لیشی کی کمان میں قدید کی قبیلہ بنی ملوح کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی

کہ بنو ملوح نے بشر بن سوید کے رفقاء کو قتل کر دیا تھا اور اسی کے انتقام کے لیے اس سرِیہ کی روانگی عمل میں آئی تھی۔ اس سرِیہ نے رات کو چھاپہ مار کر بہت سے افراد کو قتل کر دیا اور ڈھور ڈنگر ہانک لائے۔ پھر ان کا دشمن نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا لیکن جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو بارش ہونے لگی۔ اور ایک زبردست سیلاب آ گیا جو فریقین کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے بقیہ راستہ بھی سلامتی کے ساتھ طے کر لیا۔

۲۔ سرِیہ جسمی (جمادی الآخرہ ۳ھ) | اس کا ذکر شاہان عالم کے نام خطوط کے باب میں گزر چکا ہے۔

۱۔ زاد المعاد ۲/۱۱۲، نیز اس غزوے کے مباحث کی تفصیلات کے لیے دیکھئے ابن ہشام ۲/۲۰۳ تا ۲۰۹،

زاد المعاد ۲/۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، فتح الباری ۷/۴۱۷ تا ۴۲۸

۳۔ سمریہ ترمیدہ (شعبان ۱۰۰ھ) | یہ سمریہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیس آدمی تھے جو رات میں سفر کرتے اور دن میں روپوش رہتے تھے لیکن بنو ہوازن کو پتا چل گیا اور وہ نکل بھاگے۔ حضرت عمرؓ ان کے علاقے میں پہنچے تو کوئی بھی نہ ملا اور وہ مدینہ پلٹ آئے۔

۴۔ سمریہ اطراف فدک (شعبان ۱۰۰ھ) | یہ سمریہ حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس آدمیوں کے ہمراہ بنو مرہ کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ حضرت بشیر نے ان کے علاقے میں پہنچ کر بھیڑ بکریاں اور چوپائے ہانک لیے اور واپس ہو گئے۔ رات میں دشمن نے آیا۔ مسلمانوں نے جم کر تیر اندازی کی لیکن بالآخر بشیر اور ان کے رفقاء کے تیر ختم ہو گئے۔ ان کے ہاتھ خالی ہو گئے اور اس کے نتیجے میں سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ صرف بشیرؓ زندہ بچے۔ انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر فدک لایا گیا اور وہ وہیں یہود کے پاس مقیم رہے؛ یہاں تک کہ ان کے زخم مندل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مدینہ آئے۔

۵۔ سمریہ میفحہ (رمضان ۱۰۰ھ) | یہ سمریہ حضرت غالب بن عبداللہ النخعی کی قیادت میں بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ کی تادیب کے لیے اور کہا جاتا ہے کہ قبیلہ جہینہ کی شلخ حرقات کی تادیب کے لیے روانہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد ایک سو تیس تھی۔ انہوں نے دشمن پر اجتماعی حملہ کیا اور جس نے بھی سراٹھایا اسے قتل کر دیا۔ پھر چوپائے اور بھیڑ بکریاں ہانک لائے۔ اسی سمریہ میں حضرت أسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا تھا اور اس پر نبی ﷺ نے بطور عقاب فرمایا تھا کہ تم نے اسکا دل چیر کر کیوں نہ معلوم کر لیا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا؟

۶۔ سمریہ خمیر (شوال ۱۰۰ھ) | یہ سمریہ تیس سواروں پر مشتمل تھا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ اسیر یا بشیر بن رزام بنو عطفان کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے جمع کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے اسیر کو یہ اُمید دلا کر کہ رسول اللہ ﷺ اسے خمیر کا گورنر بنا دیں گے، اس کے تیس رفقاء سمیت اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن قرقرہ نیا پہنچ کر فریقین میں بدگمانی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے میں اسیر اور اس کے تیس ساتھیوں کو لڑائی میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

۷۔ سمریہ یمن و جبار (شوال ۱۰۰ھ) | جبار کی جیم پر زبر ہے۔ یہ بنو عطفان، اور کہا جاتا ہے کہ بنو فزارہ اور بنو عذرہ کے علاقہ کا نام ہے۔ یہاں حضرت بشیر بن

کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو تین سو مسلمانوں کی معیت میں روانہ کیا گیا۔ مقصود ایک بڑی جمعیت کو پرانگندہ کرنا تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہی تھی۔ مسلمان راتوں رات سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کو حضرت بشیر کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت بشیر نے بہت سے جانوروں پر قبضہ کیا۔ دو آدمی بھی قید کیے اور جب ان دونوں کو لے کر خدمت نبوی ﷺ میں مدینہ پہنچے تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۸۔ سریر غیبیہ | اسے امام ابن قیم نے عمرہ قضا سے قبل ۸۰۰ کے سرایا میں شمار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ جشم بن معاویہ کا ایک شخص بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر غابہ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنو قیس کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جمع کرے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو حذرہ کو صرف دو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ حضرت ابو حذرہ نے کوئی ایسی جنگی حکمت عملی اختیار کی کہ دشمن کو شکست فاش ہوئی اور وہ بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لائے۔



۱۵۰، ۱۴۹/۲، زاد المعاد ۲/۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ان سرایا کی تفصیلات رحمۃ اللعالمین ۲/۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، زاد المعاد ۲/۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹

عمرہ قضا

امام حاکم کہتے ہیں: یہ خبر تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ذمی قعدہ کا چاند ہو گیا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اپنے عمرہ کی قضا کے طور پر عمرہ کریں اور کوئی بھی آدمی جو حدیبیہ میں حاضر تھا پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ (اس مدت میں) جو لوگ شہید ہو چکے تھے انہیں چھوڑ کر بقیہ سب ہی لوگ روانہ ہوئے اور اہل حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کرنے کے لیے ہمراہ نکلے۔ اس طرح تعداد دو ہزار ہو گئی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ابوہریرہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ساتھ اونٹ ساتھ لیے اور نابغہ بن جندب سلمیٰ کو ان کی دیکھ بھال کا کام سونپا۔ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی لبیک پکارا اور قریش کی جانب سے بدعہدی کے اندیشے کے سبب ہتھیار لیکر، جنگجو افراد کے ساتھ مستعد ہو کر نکلے۔ جب وادی یانحج پہنچے تو سارے ہتھیار یعنی ڈھال، سپر، نیزے سب رکھ دیے اور ان کی حفاظت کے لیے اوس بن غولی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیے اور سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخلے کے وقت اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ مسلمانوں نے تلواریں حائل کر رکھی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔

مشرکین مسلمانوں کا تماشا دیکھنے کے لیے (گھروں سے) نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقان پر (جا بیٹھے تھے) انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ گل (ساتوں) چکر دوڑ کر لگانے کا حکم محض اس لیے نہیں دیا کہ رحمت و شفقت مقصود تھی۔ اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ اس کے علاوہ آپ نے صحابہ کرام کو اضطباع کا بھی حکم دیا تھا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ دایاں

کندھا کھلا رکھیں (اور چادر داہنی بغل کے نیچے سے گزار آگے پیچھے دونوں جانب سے) اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تھے میں اس پہاڑی گھاٹی کے راستے سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ مشرکین نے آپ کو دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ مسلسل بلیک کپڑے تھے، یہاں تک (حرم پہنچ کر) اپنی چھٹری سے حجر اسود کو چھوا، پھر طواف کیا۔ صحابہؓ نے بھی طواف کیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حائل کئے رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

نخلوا بنی الکفار عن سبیلہ	نخلوا فکل الخیر فی رسولہ
قد انزل الرحمن فی تنزیلہ	فی صحف تتلی علی رسولہ
یارب انی مومن بقیلہ	انی رأیت الحق فی قبولہ
بان خیر القتل فی سبیلہ	الیوم نصرکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الہام عن مقیلہ	ویذہل الخلیل عن خلیلہ

”کفار کے پوتو! ان کا راستہ چھوڑ دو۔ راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔ رحمان نے اپنی تنزیل میں اُتارا ہے۔ یعنی ایسے صحیفوں میں جن کی تلاوت اس کے پیغمبر پر کی جاتی ہے۔ اُسے پروردگار! میں ان کی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے قبول کرنے ہی کو حق جانتا ہوں۔ کہ بہترین قتل وہ ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔ آج ہم اس کی تنزیل کے مطابق تمہیں ایسی ماراں گے کہ کھوپڑی اپنی ہڈی سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے ابن رواحہ! تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر کہہ رہے ہو؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر! انہیں رہنے دو کیونکہ یہ ان کے بے تیر کی مار سے بھی زیادہ تیز ہے۔“ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے تین چکر دوڑ کر لگائے۔ مشرکین نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ لوگ جن کے متعلق ہم سمجھ رہے تھے کہ بخار نے انہیں توڑ دیا ہے یہ تو ایسے اور ایسے لوگوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔

۱۰ روایات کے اندر ان اشعار اور ان کی ترتیب میں بڑا اضطراب ہے۔ ہم نے متفرق اشعار کو یکجا کر دیا ہے۔

۱۱ جامع ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی انشاد الشعر ۲/۱۰۷ ۱۲ صحیح مسلم ۱/۱۱۲

طواف سے فارغ ہو کر آپ نے صفا و مروہ کی سعی کی۔ اس وقت آپ کی ہڈی یعنی قربانی کے جانور مروہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں۔ اس کے بعد مروہ ہی کے پاس جانوروں کو قربان کر دیا۔ پھر وہیں سر منڈایا۔ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو یا حج بیچ دیا گیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آکر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تین روز قیام فرمایا۔ چوتھے دن صبح ہوئی تو مشرکین نے حضرت علیؑ کے پاس آکر کہا، اپنے صاحب سے کہو کہ ہمارے یہاں سے روانہ ہو جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل آئے اور مقام سرف میں اتر کر قیام فرمایا۔

مکہ سے آپ کی روانگی کے وقت پیچھے پیچھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی چچا چچا پکارتے ہوئے آگئیں۔ انہیں حضرت علیؑ نے لے لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ حضرت جعفرؑ اور حضرت زیدؑ کے درمیان ان کے متعلق اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ (ہر ایک مدعی تھا کہ وہی ان کی پرورش کا زیادہ حقدار ہے) نبی ﷺ نے حضرت جعفرؑ کے حق میں فیصلہ کیا کیونکہ اس بچی کی خالہ انہیں کی زوجیت میں تھی۔

اسی عمر کے سفر میں نبی ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث عامریہ سے شادی کی۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مکہ پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے حضرت میمونہؓ کے پاس بھیج دیا تھا اور انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عباسؑ کو سونپ دیا تھا۔ کیونکہ حضرت میمونہؓ کی بہن حضرت ام الفضلؓ انہیں کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت عباسؑ نے حضرت میمونہؓ کی شادی نبی ﷺ سے کر دی پھر آپؐ مکے سے واپسی کے وقت حضرت ابو رافعؓ کو پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ حضرت میمونہؓ کو سوار کر کے آپ کی خدمت میں لے آئیں۔ چنانچہ آپؐ سرف پہنچے تو وہ آپؐ کی خدمت میں پہنچادی گئیں۔

اس عمرہ کا نام عمرہ قضا یا تو اس لیے پڑا کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا یا اس لیے کہ یہ حدیبیہ میں طے کردہ صلح کے مطابق کیا گیا تھا۔ (اور اس طرح کی مصاکحت کو عربی میں قضا اور مقاضا کہتے ہیں) اس دوسری وجہ کو محققین نے راجح قرار دیا ہے۔ نیز اس عمرہ کو چار نام سے یاد کیا جاتا ہے! عمرہ قضا، عمرہ قضیہ، عمرہ قضا اور عمرہ صلح۔

چند اور سرایا

۱۔ سرریہ ابو العوجاء (ذی الحجہ ۳۵ھ) رسول اللہ ﷺ نے پچاس آدمیوں کو حضرت ابو العوجاء کی سرکردگی میں بنو سلیم کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے

روانہ کیا لیکن جب بنو سلیم کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ تم جس بات کی دعوت دیتے ہو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے سخت لڑائی کی جس میں ابو العوجاء زخمی ہو گئے، تاہم مسلمانوں نے دشمن کے دو آدمی قید کئے۔

۲۔ سرریہ غالب بن عبد اللہ (صفر ۳۵ھ) انہیں دو سو آدمیوں کے ہمراہ فدک کے اطراف میں حضرت بشیر بن سعد کے رفقاء کی شہادت گاہ میں بھیجا

گیا تھا۔ ان لوگوں نے دشمن کے جانوروں پر قبضہ کیا اور ان کے متعدد افراد قتل کئے۔

۳۔ سرریہ ذات اطلح (ربیع الاول ۳۵ھ) اس سرریہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنو قضاعہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑی جمعیت فراہم کر رکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صرف پندرہ صحابہ کرام کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے سامنا ہونے پر انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے ان کو تیروں سے چھلنی کر کے سب کو شہید کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی زندہ بچا جو مقتولین کے درمیان سے اٹھالایا گیا۔

۴۔ سرریہ ذات عرق (ربیع الاول ۳۵ھ) اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنو ہوازن نے بار بار دشمنوں کو کمک پہنچائی تھی اس لیے پچیس آدمیوں کی کمان

دے کر حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ دشمن کے جانباز ہانک لاتے لیکن جنگ اور چھیڑ چھاڑ کی نوبت نہیں آئی۔



معرکہ موتہ

موتہ (میم پیش اور دوا ساکن) اردن میں بَلْقَاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے جہاں سے بیت المقدس دودن کی مسافت پر واقع ہے۔ زیر بحث معرکہ یہیں پیش آیا تھا۔
یہ سب سے بڑا خونریز معرکہ تھا جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آیا اور یہی معرکہ عیسائی ممالک کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس کا زمانہ وقوع جمادی الاولیٰ ۶۲۹ء مطابق اگست یا ستمبر ۶۲۹ء ہے۔

معرکہ کا سبب | اس معرکہ کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عسیر ازوی رضی اللہ عنہ کو اپنا خطو دے کر حاکم بصری کے پاس روانہ کیا تو انہیں قیصر روم کے گورنر شریل بن عمرو غسانی نے جو بقاء پر مامور تھا گرفتار کر لیا اور مضبوطی کے ساتھ باندھ کر ان کی گردن مار دی۔ یاد رہے کہ سفیروں اور قاصدوں کا قتل نہایت بدترین جرم تھا جو اعلان جنگ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری اور آپ نے اس علاقہ پر فوج کشی کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اور یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے پہلے جنگ احزاب کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہونکا تھا۔

لشکر کے امراء اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت | رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ

رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید قتل کر دیے جائیں تو جعفر اور جعفر قتل کر دیے جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔ آپ نے لشکر کے لیے سفید پرچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ لشکر کو آپ نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ جس مقام پر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے تھے وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ اللہ سے مدد مانگیں اور لڑائی کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر

کرنے والوں سے غزوه کرو۔ اور دیکھو بد عہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور انتہائی عمر رسیدہ بڑھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک دنیا کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔

اسلامی شکر کی روانگی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کا گریہ | جب اسلامی شکر روانگی کے لیے تیار ہو گیا تو

لوگوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے مقررہ سپہ سالاروں کو الوداع کہا اور سلام کیا۔ اس وقت ایک سپہ سالار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: دیکھو، خدا کی قسم (اس کا سبب) دنیا کی محبت یا تمہارے ساتھ میرا تعلق خاطر نہیں ہے بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے، آیت یہ ہے:

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ○ (۷۱:۱۹)

”تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تمہارے رب پر ایک لازمی اور فیصلہ کی ہوئی بات ہے۔“

میں نہیں جانتا کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد کیسے پلٹ سکوں گا؟ مسلمانوں نے کہا، اللہ سلامتی کے ساتھ آپ لوگوں کا ساتھی ہو، آپ کی طرف سے دفاع کرے اور آپ کو ہماری طرف نیکی اور غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا:

لكنني اسأل الرحمن مغفرة

وضربة ذات قرع تقذف الزيدا

او طعنة سيدي حران مجهزة

بعربة تنفذ الاحشاء والكبد

حتى يقال اذا مروا على جدتي

يا ارشد الله من غاز وقد رسدا

”لیکن میں رحمن سے مغفرت کا، اور استخوان شکن، مغز پاش تلوار کی کاٹ کا، یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں، آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا سوال کرتا ہوں تاکہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو کہیں ہاتے وہ غازی جسے اللہ نے ہدایت دی اور جو ہدایت یافتہ رہا۔“

اس کے بعد شکر روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی مشایعت کرتے ہوئے نیت الوداع تک

تشریف لے گئے اور وہیں سے اسے الوداع کہا۔

اسلامی لشکر کی پیش رفت اور خوفناک ناگہانی حالت سے سابقہ

اسلامی لشکر شمال کی طرف بڑھتا ہوا معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی (اردنی) علاقے میں واقع ہے۔ یہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور یہیں جاسوسوں نے اطلاع پہنچائی کہ ہرقل قیصر روم بقیعہ کے علاقے میں مآب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کا لشکر لے کر خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لحم و جذام، بلقین و بہرا اور بلی (قبائل عرب) کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کے حساب میں سرے سے یہ بات تھی ہی نہیں کہ انہیں کسی ایسے لشکر جرار سے سابقہ پیش آئے گا جس سے وہ اس

معان میں مجلس شوریٰ

دور دراز سرزمین میں ایک دم اچانک دوچار ہو گئے تھے۔ اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا تین ہزار کا ذرا جتنا لشکر دو لاکھ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے ٹکرا جائے یا کیا کرے؟ مسلمان حیران تھے اور اسی حیرانی میں معان کے اندر دو راتیں غور اور مشورہ کرتے ہوئے گزار دیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر دشمن کی تعداد کی اطلاع دیں۔ اس کے بعد یا تو آپ کی طرف سے مزید کمک ملے گی، یا اور کوئی حکم ملے گا اور اس کی تعمیل کی جائے گی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور یہ کہہ کر لوگوں کو گرما دیا کہ لوگو! خدا کی قسم، جس چیز سے آپ کتر رہے ہیں یہ تو وہی شہادت ہے جس کی طلب میں آپ نکلے ہیں۔ یاد رہے دشمن سے ہماری لڑائی تعداد، قوت اور کثرت کے بل پر نہیں ہے بلکہ ہم محض اس دین کے بل پر لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں مشرف کیا ہے۔ اس لئے چلنے آگے بڑھنے! ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہو کر رہے گی۔ یا تو ہم غالب آئیں گے یا شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ بالآخر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہوئی بات طے پا گئی۔

غرض اسلامی لشکر نے معان میں دو راتیں گزارنے کے بعد دشمن کی جانب پیش قدمی کی

دشمن کی طرف اسلامی لشکر کی پیش قدمی

اور بقیعہ کی ایک بستی میں جس کا نام "مشارف" تھا ہرقل کی فوجوں سے اس کا سامنا ہوا۔ اس کے بعد دشمن

مزید قریب آگیا اور مسلمان "موتہ" کی جانب سمٹ کر خمیہ زن ہو گئے۔ پھر لشکر کی جنگی ترتیب قائم کی گئی۔
 میمنہ پر قطیب بن قتادہ عذری مقرر کئے گئے اور میسرہ پر عباده بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ۔

اس کے بعد موتہ
 ہی میں فریقین

جنگ کا آغاز اور سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت

کے درمیان ٹکراؤ ہوا اور نہایت تلخ لڑائی شروع ہوئی۔ تین ہزار کی نفری دو لاکھ ٹڈی دل کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ عجیب و غریب معرکہ تھا؛ دنیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی لیکن جب ایمان کی بادِ بہاری چلتی ہے تو اسی طرح کے عجائبات ظہور میں آتے ہیں۔

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے چہیتے حضرت زید بن عارثہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا اور ایسی بے جگری سے لڑے کہ اسلامی شہبازوں کے علاوہ کہیں اور اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ لڑتے رہے، لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گتھ گتھ گئے اور جامِ شہادت نوش فرما کر زمین پر آ رہے۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انہوں نے لپک کر جھنڈا اٹھایا اور بے نظیر جنگ شروع کر دی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی تو اپنے سُرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے۔ کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کرتے اور روکتے رہے یہاں تک کہ دشمن کی ضرب سے داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مسلسل بلند رکھا یہاں تک کہ بائیں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقیماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور اس وقت تک بلند رکھا جب تک کہ خلعتِ شہادت سے سرفراز نہ ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رومی نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ ان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اللہ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنت میں دو بازو عطا کئے جن کے ذریعہ وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا لقب جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین پڑ گیا۔
 (طیار معنی اڑنے والا اور ذوالجناحین معنی دو بازوؤں والا)

امام بخاری نے نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ موتہ کے روز حضرت جعفر کے پاس جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے، کھڑے ہو کر ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے پچاس زخم شمار کئے۔ ان میں سے کوئی بھی زخم پیچھے نہیں رکھا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان اس طرح مروی ہے کہ میں بھی اس غزوے

میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ ہم نے جعفر بن ابی طالب کو تلاش کیا تو انہیں مقتولین میں پایا اور ان کے جسم میں نیزے اور تیر کے نوے سے زیادہ زخم پائے۔ نافع سے عمری کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ”ہم نے یہ سب زخم ان کے جسم کے اگلے حصے میں پائے۔“

اس طرح کی شجاعت و بسالت سے بھرپور جنگ کے بعد جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیے گئے تو اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر سوار آگے بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے؛ لیکن انہیں کسی قدر ہچکچاہٹ ہوئی، حتیٰ کہ تھوڑا سا گریز بھی کیا۔ لیکن اس کے بعد کہنے لگے :

اقتت یا نفس لتنز لئنه سارہة اولتطاوعنه

ان أجلب الناس وشدوا الرينه مالی اراك تکرهین البجنه

”اے نفس قسم ہے کہ تو ضرور مد مقابل اتر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی، اگر لوگوں نے جنگ برپا

کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے کیوں جنت سے گریزاں دیکھ رہا ہوں۔“

اس کے بعد وہ مقابل میں اتر آئے۔ اتنے میں ان کا چھپرا بھاتی ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی لے آیا

اور بولا: ”اس کے ذریعہ اپنی پیٹھ مضبوط کر لو کیونکہ ان دنوں تمہیں سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

انہوں نے ہڈی لے کر ایک بار نوچی پھر پھینک کر تلوار تعام لی اور آگے بڑھ کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔“

جھنڈا، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے ہاتھ میں

اس موقع پر قبیلہ
بنو عجلان کے ثابت

بن ارقم نامی ایک صحابی نے لپک کر جھنڈا اٹھایا اور فرمایا: ”مسلمانو! اپنے کسی آدمی کو سپہ سالار بنا لو۔“

صحابہ نے کہا: آپ ہی یہ کام انجام دیں۔ انہوں نے کہا: میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔ اس کے بعد صحابہ نے

حضرت خالد بن ولید کو منتخب کیا اور انہوں نے جھنڈا لیتے ہی نہایت پُر زور جنگ کی۔ چنانچہ صحیح بخاری

میں خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ میں نو تلواریں

ٹوٹ گئیں۔ پھر میرے ہاتھ میں صرف ایک مینی بانا (چھوٹی سی تلوار) باقی بچا۔ اور ایک دوسری روایت

میں اُن کا بیان اس طرح مروی ہے کہ میرے ہاتھ میں جنگ موتہ کے روز نو تلواریں ٹوٹ گئیں اور ایک

کے ایضاً ۲/۱۱۱

شہ نفع الباری ۵۱۲/۴ بظاہر دونوں حدیث میں تعداد کا اختلاف ہے۔ تطبیق یہ دی گئی ہے کہ تیروں کے زخم شامل

کر کے تعداد بڑھ جاتی ہے۔ (دیکھئے نفع الباری) ۹ صحیح بخاری، باب غزوة موتہ من ارض الشام ۲/۱۱۱

یہی بانامیرے ہاتھ میں چپک کر رہ گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے جنگ مُوتہ ہی کے روز جبکہ ابھی میدان جنگ سے کسی قسم کی اطلاع نہیں آئی تھی وحی کی بنا پر فرمایا کہ جھنڈا زینے لیا، اور وہ شہید کر دیے گئے پھر جعفر نے لیا، وہ بھی شہید کر دیے گئے پھر ابن رواحہ نے لیا، اور وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا (اور ایسی جنگ لڑی کہ) اللہ نے ان پر فتح عطا کی۔

خاتمہ جنگ
 انتہائی شجاعت و بسالت اور زبردست جاں بازی و جاں سپاری کے باوجود یہ بات انتہائی تعجب انگیز تھی کہ مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا لشکر رومیوں کے اس لشکرِ جرار کی طوفانی لہروں کے سامنے ڈٹا رہ جاتے؛ لہذا اس نازک مرحلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اس گرداب سے نکلانے کے لیے جس میں وہ خود کود پڑے تھے، اپنی مہارت اور کمال ہنرمندی کا مظاہرہ کیا۔ روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ اس معرکے کا آخری انجام کیا ہوا۔ تمام روایات پر نظر ڈالنے سے صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کے پہلے روز حضرت خالد بن ولید دن بھر رومیوں کے ہم مقابل ڈٹے رہے؛ لیکن وہ ایک ایسی جنگی چال کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جس کے ذریعہ رومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کو پیچھے ہٹالیں کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمان بھاگ کھڑے ہوتے اور رومیوں نے تعاقب شروع کر دیا تو مسلمانوں کو ان کے پنجے سے بچانا سخت مشکل ہوگا۔

چنانچہ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو انہوں نے لشکر کی ہیئت اور وضع تبدیل کر دی اور اس کی ایک نئی ترتیب قائم کی۔ مقدمہ (اگلی لائن) کو ساقہ (پھلی لائن) اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ رکھ دیا، اور میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ سے بدل دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر دشمن چونک گیا اور کہنے لگا کہ انہیں کمک پہنچ گئی ہے۔ غرض رومی ابتدا ہی میں مرعوب ہو گئے۔ ادھر جب دونوں لشکروں کا آمناسا منا ہوا اور کچھ دیر تک جھڑپ ہو چکی تو حضرت خالد نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا پیچھا نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں اور کوئی چال چل کر انہیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمانوں کے

تعاقب کی بات نہ سوچی۔ ادھر مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر مدینہ واپس آ گئے۔

فریقین کے مقتولین | اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ رومیوں کے مقتولین کی تعداد کا علم نہ ہو سکا۔ البتہ جنگ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب تنہا حضرت خالد کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں تو مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کتنی رہی ہوگی۔

اس معرکے کا اثر | اس معرکے کی سختیاں جس انتقام کے لیے جھیلی گئی تھیں مسلمان اگرچہ وہ انتقام نہ لے سکے، لیکن اس معرکے نے مسلمانوں کی ساکھ اور شہرت

میں بڑا اضافہ کیا۔ اس کی وجہ سے سارے عرب انگشت بدنداں رہ گئے۔ کیونکہ رومی اس وقت روستے زمین پر سب سے بڑی قوت تھے۔ عرب سمجھتے تھے کہ ان سے ٹکرانا خودکشی کے مترادف ہے۔ اس لیے تین ہزار کی ذرا جتنی نفری کا دو لاکھ کے بھاری بھرم لشکر سے ٹکر کر کوئی قابل ذکر نقصان اٹھاتے بغیر واپس آ جانا عجوبہ روزگار سے کم نہ تھا۔ اور اس سے یہ حقیقت بڑی سختی کے ساتھ ثابت ہوتی تھی کہ عرب اب تک جس قسم کے لوگوں سے واقف اور آشنا تھے، مسلمان ان سے الگ تھلگ ایک دوسری ہی طرز کے لوگ ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے مؤید و منصور ہیں اور ان کے راہنما واقعۃً اللہ کے رسول ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صدی قبائل جو مسلمانوں سے مسلسل برس پر یکا رہتے تھے، اس معرکے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ بنو سلیتم، اشجع، عطفان، ذبیان اور فزارہ وغیرہ قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

یہی معرکہ ہے جس سے رومیوں کے ساتھ خونریز ٹکڑ شروع ہوئی جو آگے چل کر رومی ممالک کی فتوحات اور دور دراز علاقوں پر مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

سریہ ذات السلاسل | جب رسول اللہ ﷺ کو معرکہ موتہ کے سلسلے میں مشارف شام کے

اندر رہنے والے عرب قبائل کے موقف کا علم ہوا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے تو آپ نے ایک ایسی حکمت بالغہ کی ضرورت محسوس کی جس کے ذریعے ایک طرف تو ان عرب قبائل اور رومیوں کے درمیان تفرقہ پڑ جائے اور دوسری طرف خود مسلمانوں سے ان کی دوستی ہو جائے تاکہ اس علاقے میں دوبارہ آپ کے خلاف اتنی بڑی جمعیت نہ سراہم

۱۲ دیکھئے فتح الباری ۴/۵۱۳، ۵۱۴، زاد المعاد ۲/۱۵۶، معرکے کی تفصیل سابقہ مأخذ سمیت ان دونوں مأخذ سے لی گئی ہے۔

نہ ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی دادی قبیلہ بلی سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے جنگ موتہ کے بعد ہی یعنی جمادی الاخرہ ۶۲۷ء میں ان کی تالیفِ قلب کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطرافِ مدینہ پر تلہ بولنے کے ارادہ سے ایک نفری فراہم کر رکھی ہے لہذا آپ نے حضرت عمرو بن عاص کو ان کی جانب روانہ کیا۔ ممکن ہے دونوں سبب اکٹھا ہو گئے ہوں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور اس کے ساتھ کالی جھنڈیاں بھی دیں اور ان کی کمان میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار کی تین سو نفری دے کر انہیں رخصت فرمایا۔ ان کے ساتھ تیس گھوڑے بھی تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ بلی اور عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی جمعیت بہت بڑی ہے۔ اس لیے حضرت عمرو نے حضرت رافع بن مکیش جہنی کو کمک طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو علم دے کر ان کی سرکردگی میں دو سو فوجیوں کی کمک روانہ فرمائی۔ جس میں رؤساء مہاجرین مثلاً ابو بکر و عمرؓ اور سردارانِ انصار بھی تھے۔ حضرت ابو عبیدہ کو حکم دیا گیا تھا کہ عمرو بن عاص سے جا ملیں اور دونوں مل کر کام کریں، اختلاف نہ کریں۔ وہاں پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرنی چاہی لیکن حضرت عمرو نے کہا آپ میرے پاس کمک کے طور پر آتے ہیں امیر میں ہوں۔ ابو عبیدہ نے ان کی بات مان لی اور نماز حضرت عمروؓ ہی پڑھاتے رہے۔

کمک آجانے کے بعد یہ فوج مزید آگے بڑھ کر قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئی اور اس علاقہ کو روندتی ہوئی اس کے دور و راز حدود تک جا پہنچی۔ اخیر میں ایک لشکر سے ٹڈ بھیر ہوئی لیکن جب مسلمانوں نے اس پر حملہ کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ کر بکھر گیا۔

اس کے بعد عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو ایچی بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی بہ سلامت واپسی کی اطلاع دی اور غزوے کی تفصیل سنائی۔

ذات السلاسل (پہلی سین کو پیش اور زبر دونوں پڑھنا درست ہے) دادی القرظی سے آگے ایک خطہ زمین کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس دن ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبیلہ جذام

کی سرزمین میں واقع سلسل نامی ایک چشمنے پر اترے تھے اسی لیے اس مہم کا نام ذات السلاسل پڑ گیا۔
 اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ نجد کے اندر قبیلہ محارب کے علاقہ میں خضرہ
 نامی ایک مقام پر بنو عطفان لشکر جمع کر رہے تھے لہذا ان کی سرکوبی
 کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو قتادہ کو پندرہ آدمیوں کی جمیعت دے کر روانہ کیا۔ انہوں نے دشمن
 کے متعدد آدمیوں کو قتل اور قید کیا اور مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ اس مہم میں وہ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔



غزوة فتح مکہ

امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ یہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار کو وہ کو عزت بخشی اور اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو جسے دنیا والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے؛ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت کی طنائیں جو زار کے شانوں پر تن گئیں، اور اس کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے اور رُوسے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک دمک سے جگمگا اٹھا۔

اس غزوے کا سبب | صلح حدیبیہ کے ذکر میں ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ اس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جو کوئی محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکتا ہے اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی تصور کی جائے گی۔

اس دفعہ کے تحت بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قبیلوں میں دور جاہلیت سے عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی، اس لیے جب اسلام کی آمد آمد ہوئی، اور صلح حدیبیہ ہو گئی، اور دونوں فریق ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ بنو خزاعہ سے پرانا بدلہ چکالیں۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ دہلی نے بنو بکر کی ایک جماعت ساتھ لے کر شعبان ۳ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ و تیر نامی ایک چشمے پر خمیہ زن تھے۔ ان کے متعدد افراد مارے گئے۔ کچھ بھڑپ اور لڑائی بھی ہوئی۔ ادھر قریش نے اس حملے میں ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی، بلکہ ان کے کچھ آدمی بھی رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر لڑائی میں شریک ہوئے۔ بہر حال حملہ آوروں نے بنو خزاعہ کو کھدیڑ کر حرم تک پہنچا دیا۔ حرم پہنچ کر بنو بکر نے کہا: "اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل

نقشه فتح مکہ

مرکز الظہران اور
مدینہ کا راستہ

اسلامی فوج

جنتا بعلی

سنی عرفات اور طائف کا راستہ

جبل شیبان

جبل ابونیس

جبل خندم

جذہ کا راستہ

بین کاراستہ

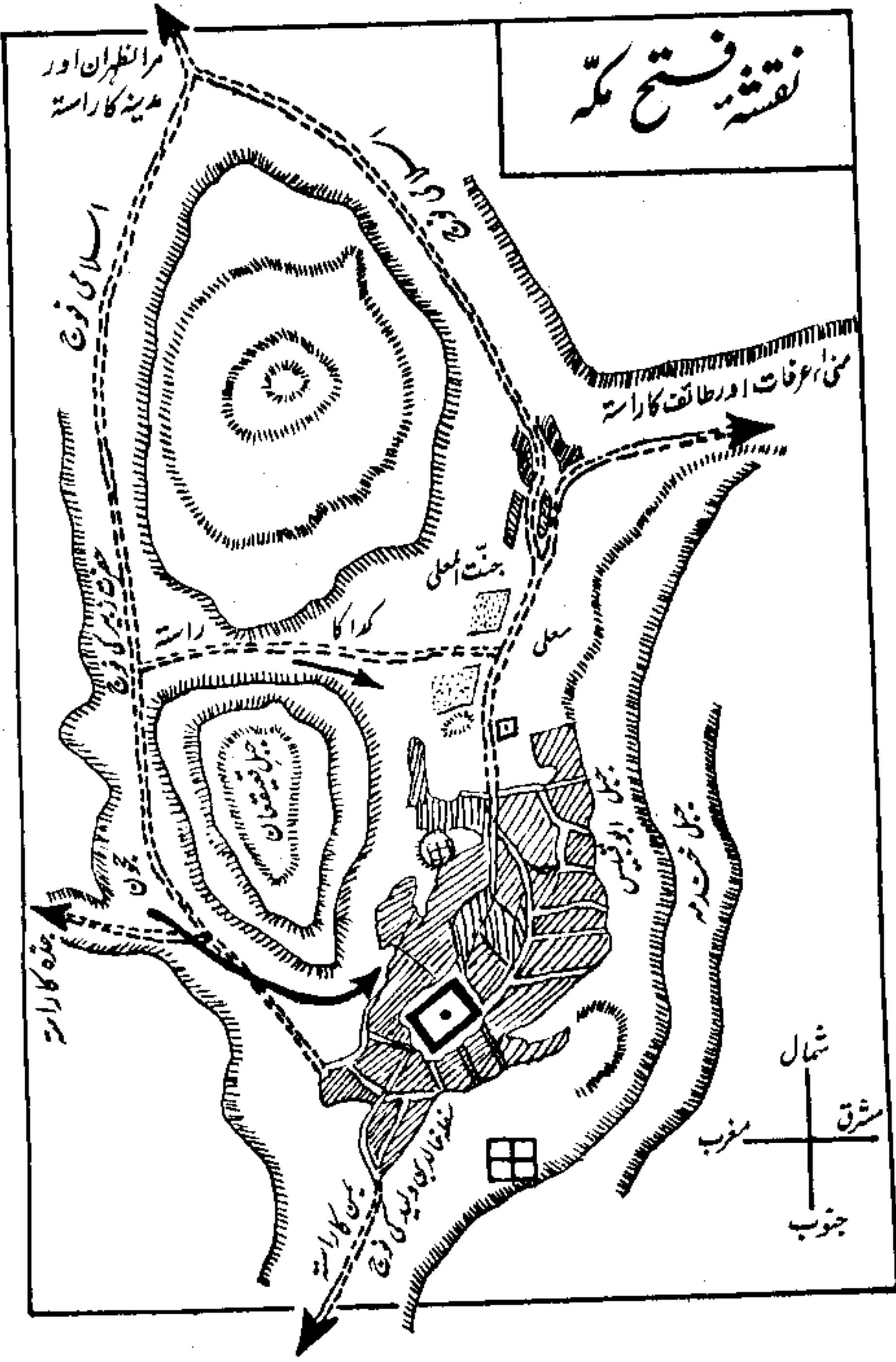
نظف خاندی ولیدی کی فوج

شمال

شرق

مغرب

جنوب



ہو گئے۔ تمہارا اللہ!... تمہارا اللہ!۔ اس کے جواب میں نوفل نے ایک بڑی بات کہی، بولا: ”بنو بکر! آج کوئی اللہ نہیں، اپنا بدلہ چکالو۔ میری عمر کی قسم! تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے۔“

ادھر بنو خزاعہ نے مکہ پہنچ کر بَدِیل بن وَرْقَاءِ خُزَاعِی اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی اور عمرو بن سالم خُزَاعِی نے وہاں سے نکل کر فوراً مدینہ کا رخ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت آپ مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کہا:

یارب انی ناشد محمدا	حلفنا وحلف ابیہ الا قلدا
قد کنتم ولدا وکنا والدا	ثمة أسلمنا ولم ننزع یدا
فانصر۔ هداک اللہ۔ نصر ایدا	وادع عباد اللہ یا تو امددا
فیہم رسول اللہ قد تحبردا	ابیض مثل البدر یسومعدا
ان سیم خسفا وجہہ تربدا	فی فیلق کالبحر یجری مزیدا
ان قریشا اخلفوک الموعدا	ونقضوا میثاقک المؤکدا
وجعلوا لی فی کداء رصدا	وزعموا ان لست ادعو احدا
وہم اذل و اقل عددا	ہم بدیتونا با لوتی ہجدا

و قتلونا رکعاً و سجداً

”اے پروردگار! میں محمد ﷺ سے انکے عہد اور ان کے والد کے قدیم عہد کی دہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے۔ پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ پر زور مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو پکاریئے، وہ مدد کو آئیں گے۔ جن میں اللہ کے رسول ہوں گے، ہتھیار پوش، اور چڑھے ہوئے چودھویں کے چاند کی طرح گوئے اور خوبصورت۔ اگر ان پر ظلم اور ان کی توہین کی جائے تو چہرہ تہمتاً اٹھتا ہے۔ آپ ایک ایسے لشکرِ جبار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔ یقیناً قریش نے آپ کے عہد کی

۱۱۰ اشارہ اس عہد کی طرف ہے جو بنو خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان عبدالمطلب کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا ذکر ابتداء کتاب میں کیا جا چکا ہے۔

خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ پیمانہ توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے کدو میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو (مدد کے لیے) نہ پکاروں گا حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انہوں نے تیرہ رات میں حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔ (یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو بن سالم تیری مدد کی گئی۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی پڑا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی سرکردگی میں بنو خزاعہ کی ایک جماعت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح قریش نے بنو بکر کی پشتیبانی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

تجدید صلح کے لیے ابوسفیانؓ مدینہ میں

اس میں شبہ نہیں کہ قریش اور ان کے حلیفوں نے جو کچھ کیا تھا وہ کھلی ہوئی بدعہدی اور

صریح پیمانہ شکنی تھی جس کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔ اسی لیے خود قریش کو بھی اپنی بدعہدی کا بہت جلد احساس ہو گیا اور انہوں نے اس کے انجام کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں طے کیا کہ وہ اپنے سپہ سالار ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح کے لیے مدینہ روانہ کریں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ قریش اپنی اس عہد شکنی کے بعد اب کیا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ”گویا میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عہد کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے آ گیا ہے۔“

ادھر ابوسفیان طے شدہ قرارداد کے مطابق روانہ ہو کر غطفان پہنچا تو بدیل بن ورقاء سے ملاقات ہوئی۔ بدیل مدینہ سے مکہ واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ نبی ﷺ کے پاس سے ہو کر آ رہا ہے۔ پوچھا بدیل! کہاں سے آرہے ہو؟ بدیل نے کہا، میں خزاعہ کے ہمراہ اس ساحل اور وادی میں گیا ہوا تھا۔ پوچھا کیا تم محمد کے پاس نہیں گئے تھے؟ بدیل نے کہا، نہیں۔

مگر جب بدیل مکہ کی جانب روانہ ہو گیا تو ابوسفیان نے کہا، اگر وہ مدینہ گیا تھا تو وہاں اپنے اونٹ (کو) گٹھلی کا چارہ کھلایا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنا اونٹ بٹھایا تھا اور اس کی

تہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عبد مناف کی ماں یعنی قحطی کی بیوی حبیبہ بنو خزاعہ سے تھیں۔ اس لیے پورا خاندان نبوت بنو خزاعہ کی اولاد ٹھہرا۔

مینگنی لے کر توڑی تو اس میں کھجور کی گٹھلی نظر آئی۔ ابوسفیان نے کہا، 'میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدیل، محمد کے پاس گیا تھا۔'

بہر حال ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: 'بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھایا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟ انہوں نے کہا: 'یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں۔' ابوسفیان کہنے لگا: 'خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔'

پھر ابوسفیان وہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کریں۔ انہوں نے کہا، 'میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا، 'بھلا میں تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروں گا خدا کی قسم اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ذریعے تم لوگوں سے جہاد کروں گا۔ اس کے بعد وہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس پہنچا۔ وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور حضرت حسن بھی تھے جو ابھی چھوٹے سے بچے تھے اور سامنے گھٹنوں گھٹنوں چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: 'اے علی! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبتی تعلق ہے۔ میں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح میں نامراد آیا اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمد سے سفارش کر دو۔ حضرت علی نے کہا: ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے۔ ہم اس بارے میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: 'کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں کہ اپنے اس بیٹے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: 'واللہ! میرا یہ بیٹا اس درجہ کو نہیں پہنچا ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی پناہ دے بھی نہیں سکتا۔' ان کوششوں اور ناکامیوں کے بعد ابوسفیان کی آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ اس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سخت گھبراہٹ، کش مکش اور مایوسی دنا امیدی کی حالت میں کہا: 'ابو الحسن! میں دیکھتا ہوں معاملات سنگین ہو گئے ہیں، لہذا مجھے کوئی راستہ بتاؤ۔' حضرت علی نے کہا: 'خدا کی قسم! میں

تہارے لیے کوئی کارآمد چیز نہیں جانتا۔ البتہ تم بنوکانانہ کے سردار ہو، لہذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو، اس کے بعد اپنی سرزمین میں واپس چلے جاؤ۔" ابوسفیان نے کہا: "کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ میرے لیے کچھ کارآمد ہوگا؟" حضرت علیؑ نے کہا: "نہیں خدا کی قسم میں اسے کارآمد تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر رہا ہوں۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

قریش کے پاس پہنچا تو وہ پوچھنے لگے کہ پیچھے کا کیا حال ہے؟ ابوسفیان نے کہا: "میں محمدؐ کے پاس گیا۔ بات کی تو واللہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابو قحافہ کے بیٹے کے پاس گیا تو اس کے اندر کوئی بھلائی نہیں پائی۔ اس کے بعد عمر بن خطابؓ کے پاس گیا تو اسے سب سے کٹر دشمن پایا۔ پھر علیؑ کے پاس گیا تو اسے سب سے نرم پایا۔ اس نے مجھے ایک رائے دی اور میں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن پتا نہیں وہ کارآمد بھی ہے یا نہیں؟ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا رائے تھی؟ ابوسفیان نے کہا: "وہ رائے یہ تھی کہ میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دوں، اور میں نے ایسا ہی کیا۔"

قریش نے کہا، تو کیا محمدؐ نے اسے ناقد قرار دیا۔ ابوسفیان نے کہا، نہیں۔ لوگوں نے کہا، تیری تباہی ہو، اس شخص (علیؑ) نے تیرے ساتھ محض مذاق کیا۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی صورت نہ بن سکی۔

غزوے کی تیاری اور انحصار کی کوشش | طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد شکنی کی

خبر آنے سے تین روز پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا ساز و سامان تیار کر دیں لیکن کسی کو پتا نہ چلے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو پوچھا، بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا، واللہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ بنو آصف یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں پھر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کدھر کا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا، واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصبح عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو لے کر پہنچ گیا اور یارب انی ناشد محمداً... الخ ولے اشعار کہے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ اس کے بعد بدیل آیا، پھر ابوسفیان آیا تو لوگوں کو حالات کا ٹھیک ٹھیک علم ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے بتلایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ!

جاسوسوں اور خبروں کو تشریح تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر ایک دم جا پہنچیں۔

پھر کمال انخلاء اور رازداری کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے شروع ماہ رمضان ۳ھ میں حضرت ابوقحافہ بن ربیع کی قیادت میں آٹھ آدمیوں کا ایک سر یہ بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام ذی شیب اور ذی المروة کے درمیان مدینہ سے تقریباً ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ اسی علاقے کا رخ کریں گے اور یہی خبریں ادھر ادھر پھیلیں لیکن یہ سر یہ جب اپنے مقررہ مقام پر پہنچ گیا تو اسے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ یہ بھی آپ سے جا ملا۔

ادھر حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع دے بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا تھا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا تھا۔ عورت سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر روانہ ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ کو وحی سے حاطب کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جاؤ روضہ فلاح پہنچو۔ وہاں ایک ہودج نشین عورت طے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا۔ یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عورت موجود تھی۔ اس سے کہا کہ وہ نیچے اترے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔ جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو بولی اچھا منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے

لکھ یہ سر یہ ہے جس کی ملاقات عامر بن اخطب سے ہوئی تو عامر نے اسلامی دستور کے مطابق سلام کیا۔ لیکن معلم بن جثامہ نے کسی سابقہ رنجش کے سبب اسے قتل کر دیا اور اس کے اونٹ اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَقِيَ الْيَكْمَ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (الآیہ یعنی جو تم سے سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں)۔ اس کے بعد صحابہ کرام معلم کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے کہ آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں لیکن جب معلم آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے تین بار فرمایا اے اللہ! معلم کو نہ بخش۔ اس کے بعد معلم اپنے کپڑے کے دامن سے اپنے آنسو پونچتا ہوا اٹھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کی قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مغفرت کی دعا کر دی تھی۔ دیکھئے زاد المعاد ۲/ ۱۵۰،

چوٹی کھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے دیکھا تو اس میں تحریر تھا: (عاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب) پھر قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاطب کو بلا کر پوچھا کہ عاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے رسول! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان میں چپکا ہوا تھا اور میرے اہل و عیال اور بال بچے وہیں ہیں لیکن قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے قرابت دار ہیں جو ان کی حفاظت کریں گے۔ اس لیے جب مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیے میں اس کی گردن مار دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نینت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے۔ اور عمر! تمہیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

اس طرح اللہ نے جاسوسوں کو بکڑ لیا اور مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

۱۰۔ رمضان المبارک ۶۱۰ھ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ کا رخ کیا۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے۔ مدینہ پر ابوہریرہ غفاری

اسلامی شکر مکہ کی راہ میں

۵۔ سہیلی نے بعض منازمی کے حوالے سے خط کا مضمون یہ بیان کیا ہے: ابا عبد! اے جماعت قریش! رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس رات جیسا، سبیل رواں کی طرح بڑھتا ہوا شکر لے کر آرہے ہیں اور بخدا اگر وہ تنہا بھی تمہارے پاس آجائیں تو اللہ ان کی مدد کریگا اور ان سے اپنا وعدہ پورا کرے گا لہذا تم لوگ اپنے متعلق سوچ لو۔ (تلام واقدی نے اپنی ایک مرسل سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عاطب نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، اور عکرمہ کے پاس یہ لکھا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں غزوے کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا ارادہ تم لوگوں کے سوا کسی اور کا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔ (فتح الباری ۴/۵۲۱)

۶۔ صحیح بخاری ۱/۲۲۲، ۲/۱۱۲، حضرت نبیر اور حضرت ابوہریرہ کے ناموں کا اضافہ صحیح بخاری کی بعض دوسری روایات میں ہے۔

رضی اللہ عنہ کی تقرری ہوئی۔

محفل میں یا اس سے کچھ اور آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ملے۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ پھر ابواء میں آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ ملے۔ آپ نے ان دونوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت ازیت پہنچایا کرتے اور آپ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کے چچیرے بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے جتاؤ، اور وہی کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا کہ : تَاللّٰهِ لَقَدْ اَشْرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنَّا لَكَاٰ لَخٰطِئِيْنَ (۹۱:۱۱۲) ”خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔“ کیونکہ آپ ﷺ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کسی اور کا جواب آپ سے عمدہ رہا ہو۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہی کیا اور جواب میں فوراً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْنَا الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ (۹۲:۱۱۲) ”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الرحیم ہے۔“ اس پر ابوسفیان نے آپ کو پسند اشعار سنائے جن میں سے بعض یہ تھے :

لعمرك اني حين احمل راية لتغلب خيل اللات خيل محمد
لكالم دلج الحيران اظلم ليله فهذا اواني حين اهدى فاهدي
هداني هاد غير نفسي ودلني على الله من طردته كل مطرد

”تیری عمر کی قسم! جس وقت میں نے اس لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد کے شہسوار پر غالب آجائیں تو میری کیفیت رات کے اس مسافر کی سی تھی جو تیرہ دن رات میں حیران دسرگردان ہو، لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ مجھے ہدایت دی جائے اور میں ہدایت پاؤں۔ مجھے میرے نفس کی بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی اور اللہ کا راستہ اسی شخص نے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔“

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ آپ اور صحابہ روزے سے تھے لیکن عثمان اور قدید کے درمیان

مَرَّ الظَّهْرَانِ فِيْ سَلَامِيْ شَكَرًا بِرَأْوِ

کدید نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی روزہ توڑ دیا۔ اس کے

بعد پھر آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ رات کے ابتدائی اوقات میں مراظہران - وادی فاطمہ - پہنچ کر نزول فرمایا۔ وہاں آپ کے حکم سے لوگوں نے انگ انگ آگ جلائی۔ اس طرح دس ہزار (چولہوں میں) آگ جلائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

مراظہران میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی لکڑہارا یا کوئی بھی آدمی مل جائے تو اس سے قریش کے پاس خبر بھیج دیں تاکہ وہ مکتے میں رسول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔

ابوسفیان دربار نبوت میں

ادھر اللہ تعالیٰ نے قریش پر ساری خبروں کی رسائی روک دی تھی اس لیے انہیں حالات کا کچھ علم نہ تھا؛ البتہ وہ خوف اور اندیشے سے دوچار تھے اور ابوسفیان باہر جا جا کر خبروں کا پتا لگا تا رہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء خبروں کا پتا لگانے کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی پڑی۔ وہ باہم رو و قدح کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! میں نے آج رات جیسی آگ اور ایسا شکر تو کبھی دیکھا ہی نہیں، اور جو اب میں بدیل کہہ رہا تھا۔ یہ خدا کی قسم بنو خزاعہ ہیں۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا، خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا، ابوحنظلہ! اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بولا، ابو الفضل! میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں لوگوں سمیت ہلے قریش کی تباہی۔ واللہ! اس نے کہا، اب کیا حیلہ ہے؟ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ میں نے کہا، واللہ اگر وہ تمہیں پا گئے

بعد میں ابوسفیان کے اسلام میں بڑی خوبی آگئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا سیما کے سبب رسول اللہ ﷺ کی طرف سراٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے تھے اور فرماتے تھے مجھے توقع ہے کہ یہ حمزہ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے، مجھ پر نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کہی۔ زاد المعاد ۲/۱۶۲، ۱۶۳

تو تمہاری گردن مار دیں گے لہذا اس نچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لیے امان طلب کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب کسی آلاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے 'کون ہے؟' مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا نچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپ کے نچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آلاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے کہا، 'کون ہے؟' اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے، 'ابوسفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔ اس کے بعد وہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے اور میں نے بھی نچر کو اڑ لگائی۔ میں آگے بڑھ گیا اور نچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا گھا۔ اتنے میں عمر بن خطاب بھی گھس آئے اور بولے کہ لے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے۔ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں۔ میں نے کہا، 'لے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ کا سر پکڑ لیا اور کہا، 'خدا کی قسم آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے سرگوشی نہ کرے گا۔ جب ابوسفیان کے بارے میں حضرت عمرؓ نے بار بار کہا تو میں نے کہا، 'عمر! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر یہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا عباس! ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے۔ اگر وہ اسلام لاتے۔ زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ میرے لیے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، 'عباس! اسے (یعنی ابوسفیان کو) اپنے ڈیرے میں لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لے آنا۔ اس حکم کے مطابق میں اسے ڈیرے میں لے گیا اور صبح خدمت نبوی ﷺ میں حاضر کیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، 'ابوسفیان! تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپ نے فرمایا، 'ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں

اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کس قدر علیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں! اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر میں نے کہا، اے! گردن مارے جانے کی نوبت آنے سے پہلے پہلے اسلام قبول کر لو اور یہ شہادت و اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہذا اسے کوئی اعزاز دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جاتے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

اسی صبح — منگل، ۱۰ رمضان ۶۱۰ء کی صبح —
اسلامی لشکر مراً الظہران سے مکے کی جانب
 رسول اللہ ﷺ مراً الظہران سے مکہ روانہ

ہوئے اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو دادی کی تنگنا سے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ سکے۔ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھر پھر سے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ جواب میں حضرت عباسؓ — بطور مثال — کہتے کہ بنو سلیم ہیں۔ تو ابوسفیان کہتا کہ مجھے سکیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا کہ اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے، مُزینہ ہیں۔ ابوسفیان کہتا: مجھے مُزینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ سارے قبیلے ایک ایک کر کے گزر گئے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان حضرت عباسؓ سے اس کی بابت ضرور دریافت کرتا اور جب وہ اسے بتاتے تو وہ کہتا کہ مجھے بنی فلاں سے کیا واسطہ؟ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سزوتے کے جلو میں تشریف لائے۔ آپؐ مہاجرین انصار کے درمیان فروش تھے۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوسے کی باڑھ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابوسفیان نے کہا: سبحان اللہ! اے عباسؓ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا: ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو واللہ بڑی زبردست ہوگئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اب تو یہی کہا جلتے گا۔

اس موقع پر ایک واقعہ اور پیش آیا۔ انصار کا پھر یہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو بولے :

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الحرمة

”آج خوزیزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت حلال کر لی جائے گی۔“

آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ اس کے بعد جب وہاں سے رسول اللہ ﷺ گزرے تو ابوسفیان نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے وہ بات نہیں سنی جو سعد نے کہی ہے؟ آپ نے فرمایا سعد نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: یہ اور یہ بات کہی ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں بلکہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعد کے پاس آدمی بھیج کر جھنڈا ان سے لے لیا اور ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔ گویا جھنڈا حضرت سعد کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جھنڈا حضرت زبیر کے حوالے کر دیا تھا۔

اسلامی شکر اچانک قریش کے سر پر

جب رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے پاس سے گزر چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اب

دور کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا: ”قریش کے لوگو! یہ محمد ﷺ ہیں۔ تمہارے پاس اتنا شکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں؛ لہذا جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اُسے امان ہے۔“ یہ سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ اٹھی اور اس کی مونچھ پکڑ کر بولی۔ مار ڈالو اس مشک کی طرح چربی سے بھرے ہوئے پتی پنڈلیوں والے کو۔ براہویسے پیشرو خبر رساں کا۔

ابوسفیان نے کہا: تمہاری بربادی ہو۔ دیکھو تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ﷺ ایسا شکر لے کر آئے ہیں جس سے مقابلے کی تاب نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ تجھے مارے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کئے دیتے ہیں۔ اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ ہو رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ قریش کے یہ احمق

ادباش مسلمانوں سے لڑنے کے لیے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کی کمان میں خذمہ کے اندر جمع ہوئے۔ ان میں بنو بکر کا ایک آدمی حماس بن قیس بھی تھا جو اس سے پہلے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا۔ جس پر اس کی بیوی نے (ایک روز) کہا 'یہ کاہے کی تیاری ہے جو میں دیکھ رہی ہوں؟' اس نے کہا، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی تیاری ہے۔ اس پر بیوی نے کہا، 'خدا کی قسم، محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے مقابل کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ اس نے کہا، 'خدا کی قسم، مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمہارا خادم بناؤں گا۔' اس کے بعد کہنے لگا،

ان یقبلوا الیوم فمائی علة هذا سلاح کامل و آلة
و ذو غرارین سریع السلة

"اگر وہ آج مد مقابل آگئے تو میرے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ مکمل ہتھیار، دراز آتی والا نیزہ اور جھٹ سوتی جانے والی دودھاری تلوار ہے۔"

خذمہ کی لڑائی میں یہ شخص بھی آیا ہوا تھا۔

اسلامی شکر ذی طویٰ میں | ادھر رسول اللہ ﷺ مرا النظر ان سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس دوران اللہ کے بخشے ہوئے اعزازِ فسح پر فرط تواضع سے آپ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے جا لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ نے شکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالد بن ولید کو دابنہ پہلو پر رکھا۔ اس میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور کچھ دوسرے قبائل عرب تھے۔ اور خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں، یہاں تک کہ صفا پر آپ سے آئیں۔

حضرت زبیر بن عوام بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا پھر پرا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مکے میں بالائی حصے یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں آپ کا جھنڈا گاڑ کر آپ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔

حضرت ابو عبیدہ پیادے پر مقرر تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ کے آگے آئیں۔

مکہ میں اسلامی شکر کا داخلہ | ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے اپنے مقصد پر

راستوں سے چل پڑے۔

حضرت خالد اور ان کے رفقا کی راہ میں جو مشرک بھی آیا اسے مٹا دیا گیا؛ البتہ ان کے رفقاء میں سے بھی کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ نے جام شہادت نوش کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں لشکر سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستے پر چل پڑے اور اسی دوران انہیں قتل کر دیا گیا۔ خدمہ پہنچ کر حضرت خالد اور ان کے رفقا کی مڈ بھیر قریش کے اوباشوں سے ہوئی۔ معمولی سی بھڑپ میں بارہ مشرک مارے گئے اور اس کے بعد مشرکین میں جگہ بڑھ گئی۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرتا رہتا تھا بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے بولا: دروازہ بند کر لو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے؟ کہنے لگا:

انک لو شہدت یوم الخندمہ اذ فرصفوان و فرعکرمہ
واستقبلنا با لسیوف المسلمة یقطعن کل ساعد و جمجمہ
ضربا فلا یسمع الا غمغمہ لہم نہیت خلفنا و ہمہ

لم تنطقی فی اللوم ادنی کلمہ

"اگر تم نے جنگ خندمہ کا حال دیکھا ہوتا جب کہ صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوتے اور سوتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا، جو کلاتیاں اور کھوپڑیاں اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ پیچھے سولے ان کے شور و غوغا اور ہہمہ کے کچھ سنا ہی نہیں پڑتا تھا، تو تم ملامت کی ادنیٰ بات نہ کہتیں۔"

اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہ صفا پر رسول اللہ

ﷺ سے جا ملے۔

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حجوں میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا گاڑا اور آپ کے لیے ایک قبۂ نصب کیا۔ پھر مسلسل وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ | مسجد حرام میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور نبوتوں سے تطہیر

آگے پیچھے اور گرد و پیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو چوما اور اس کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی

اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ (۱۸:۱۷)
 ”حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل جانے والی چیز ہے۔“

جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ○ (۲۹:۲۴)
 ”حق آگیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہو گئی۔“

اور آپ کی ٹھوکر سے بُت چہروں کے بل گرتے جلتے تھے۔

آپ نے طواف اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر فرمایا تھا اور حالتِ احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ تکمیل طواف کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے خانہ کعبہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو تصویریں نظر آئیں جن میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا، ”اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کئے۔“ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی دکھی۔ اسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تصویریں آپ کے حکم سے مٹا دی گئیں۔

خانہ کعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قریش سے خطاب
 اس کے بعد آپ نے اندر سے دروازہ بند

کر لیا۔ حضرت اسامہ اور بلالؓ بھی اندر ہی تھے۔ پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کا رخ کیا۔ جب دیوار صرف تین ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئی تو وہیں ٹھہر گئے۔ دو کھبے آپ کے بائیں جانب تھے، ایک کھبا دہنے جانب اور تین کھبے پیچھے۔ ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ کھبے تھے۔ پھر وہیں آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کے اندر دنی حصے کا چکر لگایا۔ تمام گوشوں میں تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ قریش (سامنے) مسجد حرام میں صفیں لگانے کھچا کھچ بھرے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ آپ کیا کرتے ہیں! آپ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے، قریش نیچے تھے انہیں یوں مخاطب فرمایا:

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بند سے کی مدد کی اور تنہا سارے جتھوں کو شکست دی۔ سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کو

پانی پلانے کے علاوہ سارا اعزاز یا کمال یا خون میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ یاد رکھو قتلِ خطا شبہ عمد میں۔ جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو۔ منغلط دیت ہے، یعنی سوادنٹ جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے شکم میں ان کے بچے ہوں۔

اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا۔ سارے لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳۰﴾

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا:

آج کوئی سرزنش نہیں

”اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَتُوبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے حضرت علیؓ نے۔ جن کے ہاتھ میں کعبے کی کنجی تھی۔ حاضر خدمت ہو کر

کعبے کی کنجی (حق بھق دار رسید)

عرض کیا: حضور ہمارے لیے حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرما دیجئے۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔ ایک اور روایت کے بموجب یہ گزارش حضرت عباسؓ نے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلا لیا گیا۔ آپ نے فرمایا: عثمان! یہ لو اپنی کنجی۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔“ طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ نے کنجی دیتے ہوئے فرمایا: ”اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔ اے عثمان! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے؛ لہذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے معرفت کے ساتھ کھانا۔“

کعبے کی چھت پر اذان بلالی

اب نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے پر چڑھ کر اذان کہیں۔

اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید اور عارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عتاب نے کہا، اللہ نے اسید (کو فوت کر کے اس) پر یہ کرم کیا کہ وہ یہ (اذان) نہ سن سکا ورنہ اسے ایک ناگوار چیز سننی پڑتی۔ اس پر عارث نے کہا، سنو! واللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ برحق ہیں تو میں ان کا پیر و کار بن جاؤں گا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا، دیکھو! واللہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اگر میں بولوں گا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں، وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ نے ان کی گفتگو دہرا دی۔ اس پر عارث اور عتاب بول اٹھے، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم! کوئی شخص ہمارے ساتھ تھا ہی نہیں کہ ہماری اس گفتگو سے آگاہ ہوتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو خبر دی ہوگی۔

فتح یا شکرانے کی نماز

اسی روز رسول اللہ ﷺ اُمّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور ان کے گھر میں ہی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے کسی نے اس کو چاشت کی نماز سمجھا اور کسی نے فتح کی نماز۔ اُمّ ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا، اے اُمّ ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ اُمّ ہانی کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اُمّ ہانی نے ان دونوں کو چھپا کر گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو ان کے بارے میں سوال کیا اور مذکورہ جواب سے بہرہ ور ہوئیں۔

اکابر مجرہن کا خون رائیگاں قرار دیدیا گیا

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرہن میں سے نو آدمیوں کا خون رائیگاں قرار

دیتے ہوئے حکم دیا کہ اگر وہ کبے کے پردے کے نیچے بھی پاتے جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

- (۱) عبدالعزیٰ بن حنظل (۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۳) عکرمہ بن ابی جہل (۴) عارث بن نفیل بن وہب (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ہببار بن اسود (۷، ۸) ابن حنظل کی دو لونڈیاں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں (۹) سارہ، جو اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ اسی کے پاس حاطب کا خط

پایا گیا تھا۔

ابن ابی مریح کا معاملہ یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں لے جا کر جان بخشی کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کی جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کچھ دیر تک اس امید میں خاموش رہے کہ کوئی صحابی اٹھ کر اسے قتل کر دیں گے۔ کیونکہ یہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کر چکا تھا اور ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا لیکن پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا (تاہم اس کے بعد کارداران کے حین اسلام کا آئینہ دار ہے۔ رضی اللہ عنہ)

عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر مین کی راہ لی لیکن اس کی بیوی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان کی طالب ہوئی اور آپ نے امان دے دی۔ اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچھے پیچھے گئی اور اسے ساتھ لے آئی۔ اس نے واپس آ کر اسلام قبول کیا اور اس کے اسلام کی کیفیت بہت اچھی رہی۔

ابن نطل خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

مقیس بن صبابہ کو حضرت نمیکہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ مقیس بھی پہلے مسلمان ہو چکا تھا لیکن پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تھا۔

حارث، مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

ہبار بن اسود وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچھ کا مارا تھا کہ وہ ہودج سے ایک چٹان پر جاگری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ یہ شخص فتح مکہ کے روز نکل بھاگا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔

ابن نطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کی گئی۔ دوسری کے لیے امان طلب کی گئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح سارہ کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (خلاصہ یہ کہ نو میں سے چار قتل کئے گئے، پانچ کی جان بخشی ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جن لوگوں کا خون رائیگاں قرار دیا گیا ان کے ضمن میں ابو مشر نے حارث بن طلال غزاعی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ امام حاکم نے اسی فہرست میں کعب بن زہیر کا ذکر کیا ہے۔ کعب کا واقعہ مشہور ہے۔ اس نے بعد میں آ کر اسلام قبول کیا اور

نبی ﷺ کی مدح کی۔ (اسی فہرست میں) وحشی بن حرب اور ابوسفیان کی بیوی ہمنذرت عقبہ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ابن نطل کی لونڈی ارنب ہے جو قتل کی گئی اور ام سعد ہے۔ یہ بھی قتل کی گئی۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح مردوں کی تعداد آٹھ اور عورتوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں لونڈیاں ارنب اور ام سعد ہوں اور اختلاف محض نام کا ہو یا کنیت اور لقب کے اعتبار سے اختلاف ہو گیا ہو۔

صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر کا قبول اسلام | صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں قرار دیا گیا تھا لیکن قریش کا ایک

بڑا لیڈر ہونے کی حیثیت سے اُسے اپنی جان کا خطرہ تھا؛ اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا۔ عمیر بن وہب بھی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر کو اپنی وہ بگڑی بھی دے دی جو مکہ میں داخلے کے وقت آپ نے سر پر باندھ رکھی تھی۔ عمیر صفوان کے پاس پہنچے تو وہ جدہ سے مین جانے کے لیے سمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمیر اسے واپس لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے دو مہینے کا اختیار دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں چار مہینے کا اختیار ہے۔ اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ آپ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔

فضالہ ایک جری آدمی تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ طواف کر رہے تھے وہ قتل کی نیت سے آپ کے پاس آیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کا خطبہ | فتح کے دوسرے دن خطبہ دینے کیلئے رسول اللہ ﷺ لوگوں

کے درمیان پھر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور اس کے شایان شان اس کی تجمید کی پھر فرمایا: "لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا۔ پھر آج اس کی

حرمت اسی طرح پٹ آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے۔“

ایک روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ یہاں کا کاٹنا نہ کاٹنا جائے، شکار نہ بھگایا جائے اور گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ البتہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا تعارف کر لے اور یہاں کی گھاس نہ اکھاڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مگر اذخر (عرب کی مشہور گھاس جو موج کی ہم شکل ہوتی ہے اور چائے اور دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے) کیونکہ یہ لوہار اور گھری (ضروریات) کی چیز ہے! آپ نے فرمایا: مگر اذخر۔

بنو خزاعہ نے اس روز بنو لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا کیونکہ بنو لیث کے ہاتھوں ان کا ایک آدمی جاہلیت میں مارا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا: خزاعہ کے لوگو! اپنا ہاتھ قتل سے روک لو، کیونکہ قتل اگر نافع ہوتا تو بہت قتل ہو چکا۔ تم نے ایک ایسا آدمی قتل کیا ہے کہ میں اس کی دیت لازماً ادا کروں گا۔ پھر میرے اس مقام کے بعد اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دد باتوں کا اختیار ہوگا؛ چاہیں تو قاتل کا خون بہائیں اور چاہیں تو اس سے دیت لیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (اے) میرے لیے لکھو دیجئے۔ آپ نے فرمایا: ابو شاہ کے لیے لکھ دو۔

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کی تکمیل فرما چکے — اور معلوم ہے کہ یہی آپ کا شہر، آپ کی جائے پیدائش اور وطن تھا۔ تو انصار نے آپس

انصار کے اندیشے

میں کہا: کیا خیال ہے اب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی اپنی سرزمین اور آپ کا شہر فتح کرا دیا ہے تو آپ یہیں قیام فرمائیں گے؟ اس وقت آپ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے۔ دُعا سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا تم لوگوں نے کیا بات کی ہے؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں یا رسول اللہ۔ مگر آپ نے اصرار فرمایا تو بالآخر ان لوگوں نے بتلادیا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی پناہ! اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ کی فتح عطا فرمادی تو اہل مکہ پر حتی واضح ہو گیا اور وہ جان گئے کہ اسلام کے سوا کامیابی کی کوئی راہ نہیں اس لیے وہ اسلام

بیعت

کے تابعدار بنتے ہوئے بیعت کے لیے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے

۱۔ ان روایات کے لیے دیکھیے صحیح بخاری ۱/۲۲، ۲۱۶، ۲۳۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۲۹/۲، ۴۱۵، ۴۱۷،

صحیح مسلم ۱/۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ابن ہشام ۲/۲۱۵، ۲۱۶، سنن ابی داؤد ۱/۲۷۶

بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمانے
رہتے تھے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی کہ جہاں تک ہو سکے گا آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔
اس موقع پر تفسیر مدارک میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مردوں کی بیعت فارغ

ہو چکے تو وہیں صفاہی پر عورتوں سے بیعت یعنی شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے تھے اور
آپ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، اور انہیں آپ کی باتیں پہنچا رہے تھے۔ اسی دوران
ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھیس بدل کر آئی۔ دراصل حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ اس نے جو حرکت
کی تھی اس کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں رسول اللہ ﷺ اسے پہچان نہ لیں۔ ادھر رسول اللہ
ﷺ نے (بیعت شروع کی) تو فرمایا، میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی
کو شریک نہ کرو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہی بات دہراتے ہوئے) عورتوں سے اس بات پر بیعت لی
کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اور چوری نہ کرو گی۔ اس
پر ہندہ بول اٹھی، ابوسفیان نجیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو بہ ابوسفیان نے
(جو وہیں موجود تھے) کہا، تم جو کچھ لے لو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے۔
آپ نے ہندہ کو پہچان لیا۔ فرمایا، اچھا..... تو تم ہو ہندہ! وہ بولی ہاں، اے اللہ کے نبی جو کچھ
گذر چکا ہے اسے معاف فرما دیجئے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور زنا نہ کرو گی۔ اس پر ہندہ نے کہا، بھلا کہیں حُرّہ (آزاد عورت)
بھی زنا کرتی ہے! پھر آپ نے فرمایا، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، ہم نے تو بچپن میں
انہیں پالا پوسا لیکن بڑے ہونے پر آپ لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس لیے آپ اور وہ ہی بہتر جانیں۔
یاد رہے کہ ہندہ کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کے دن قتل کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ہنستے ہنستے چت
لیٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی تلبسم فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، اور کوئی بہتان نہ گھڑو گی۔ ہندہ نے کہا، واللہ بہتان بڑی بڑی بات
ہے اور آپ ہمیں واقعی رشد اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا، اور کسی معروف بات میں
رسول کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا، خدا کی قسم ہم اپنی اس مجلس میں اپنے دلوں کے اندر یہ بات لے کر
نہیں بیٹھی ہیں کہ آپ کی نافرمانی بھی کریں گی۔

پھر واپس ہو کر ہندہ نے اپنا بت توڑ دیا۔ وہ اسے توڑتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔ ہم تیرے متعلق

مکہ میں نبی ﷺ کا قیام اور کام

مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے انیس روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپ شعاثر اسلام کی تجدید کرتے رہے

اور لوگوں کو ہدایت و تقویٰ کی تلقین فرماتے رہے۔ اپنی دنوں آپ کے حکم سے حضرت ابواسید خزاعی نے نئے سرے سے حدودِ حرم کے کھجے نصب کئے۔ آپ نے اسلام کی دعوت اور مکہ کے آس پاس بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا بھی روانہ کئے اور اس طرح سارے بُت توڑ ڈالے گئے۔ آپ کے مُنادی نے مکے میں اعلان کیا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بُت نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔

۱۔ فتح مکہ سے یک سو ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ رمضان ۶

سرایا اور وفود

شہ کو حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں عُزَیّی کے انہدام کے لیے ایک سر

روانہ فرمایا۔ عُزَیّی نخلہ میں تھا۔ قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا بُت تھا۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تیس سواروں کی معیت میں نخلہ جا کر اسے ڈھا دیا۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا بھی تھا؟ حضرت خالد نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تب تو درحقیقت تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ پھر سے جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ حضرت خالد پھر سے اور تلوار سونتے ہوئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اب کی بار ان کی جانب ایک ننگی، کالی، پراگندہ سر عورت نکلی مجاور سے چیخ چیخ کر پکارنے لگا لیکن اتنے میں حضرت خالد نے اس زور کی تلوار ماری کہ اس عورت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ کر خبر دی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! وہی عُزَیّی تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے۔

۲۔ اس کے بعد آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسی مہینے سُواع نامی بُت ڈھانے کے لیے روانہ کیا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر رباط میں بنو ہذیل کا ایک بُت تھا۔ جب حضرت عمرو وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈھانے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا: تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمرو نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: (قدرة) روک دیے جاؤ گے۔ حضرت عمرو نے کہا: تم اب تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس! کیا یہ سنایا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد بُت کے

پاس جا کر اسے توڑ ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانہ والا مکان ڈھادیں۔ لیکن اس میں کچھ نہ ملا۔ پھر مجاور سے فرمایا، کہو کیسا رہا؟ اس نے کہا، میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔

۳۔ اسی ماہ حضرت سعد بن زید اشہلی کو بیس سواردے کر مناتہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ یہ قنید کے پاس مشعل میں اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا۔ جب حضرت سعد وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے ان سے کہا، تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا مناتہ کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ حضرت سعد مناتہ کی طرف بڑھے تو ایک کالی شگی، پرگندہ سر عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر ہائے ہائے کر رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا، مناتہ! اپنے کچھ نافرمانوں کو پکڑ لے۔ لیکن اتنے میں حضرت سعد نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر بت ڈھادیا اور اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ خزانے میں کچھ نہ ملا۔

۴۔ عزیٰ کو ڈھا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی ماہ شعبان ۶ھ میں بنو جذیمہ کے پاس روانہ فرمایا، لیکن مقصود حملہ نہیں بلکہ اسلام کی تبلیغ تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو افراد لے کر روانہ ہوئے اور بنو جذیمہ کے پاس پہنچ کر اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلعمنا (ہم اسلام لائے) کے بجائے صباانا صباانا (ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم نے اپنا دین چھوڑا) کہا۔ اس پر حضرت خالد نے ان کا قتل اور ان کی گرفتاری شروع کر دی اور ایک ایک قیدی اپنے ہر ساتھی کے حوالے کیا۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے؛ لیکن حضرت ابن عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو بار فرمایا: "اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف براءت اختیار کرتا ہوں۔"

اس موقع پر صرف بنو سلیم کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا تھا۔ انصار و مہاجرین نے قتل نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر ان کے مقتولین کی دیت اور ان کے نقصانات کا معاوضہ ادا فرمایا۔ اس معاملے میں حضرت خالد اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ سخت کلامی اور کشیدگی ہو گئی تھی۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے مندرجہ بالا: خالد! ٹھہر جاؤ۔ میرے رفقا کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ خدا کی قسم اگر اُحد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارا کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی میرے رفقا میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک

شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔^۳

یہ ہے غزوة فتح مکہ۔ یہی وہ فیصلہ کن معرکہ اور فتح عظیم ہے جس نے بُت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر رکھ دی اور اس کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ جزیرۃ العرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش اور کوئی وجہ جواز نہ رہ گئی، کیونکہ عام قبائل منظر تھے کہ مسلمانوں اور بُت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؛ ان قبائل کو یہ بات بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم پر وہی مسلط ہو سکتا ہے جو حق پر ہو۔ ان کے اس یقینِ کامل میں مزید حد درجہ سختگی نصف صدی پہلے اصحابِ نبیل ابرہہ اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ سے آگئی تھی کیونکہ اہل عرب نے دیکھ لیا تھا کہ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں نے بیت اللہ کا رخ کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر کے بھس بنا دیا۔

یاد رہے کہ صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا پیش خمیہ اور تمہید تھی۔ اس کی وجہ سے امن و امان کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ لوگ کھل کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے متعلق تبادلاً خیال اور بحثیں ہوتی تھیں۔ مکہ کے جو لوگ درپردہ مسلمان تھے انہیں بھی اس صلح کے بعد اپنے دین کے اظہار و تبلیغ اور اس پر بحث و مناظرہ کا موقع ملا۔ ان حالات کے نتیجے میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے یہاں تک کہ اسلامی لشکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوے میں تین ہزار سے زیادہ نہ ہو سکی تھی اس غزوة فتح مکہ میں دس ہزار تک جا پہنچی۔

اس فیصلہ کن غزوے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹا دیا جو قبول اسلام کی راہ میں روک بنا ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی اور دینی اُفق پر مسلمانوں کا سوج چمک رہا تھا اور اب دینی سربراہی اور دنیوی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ آچکی تھی۔

گویا صلح حدیبیہ کے بعد جو مسلمانوں کے حق میں مفید تغیر شروع ہوا تھا اس فتح کے ذریعے مکمل اور تمام ہو گیا اور اس کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوا جو پورے طور پر مسلمانوں کے حق میں تھا اور جس میں پوری صورت حال مسلمانوں کے قابو میں تھی؛ اور عرب اقوام کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ وفود کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی دعوت لے کر چار دانگ عالم میں پھیل جائیں۔ اگلے دو برسوں میں اسی کی تیاری کی گئی۔

^۳ اس غزوے کی تفصیلات ذیل کے ماخذ سے لی گئی ہیں۔ ابن ہشام ۲/۳۸۹ تا ۴۳۷، صحیح بخاری ۱/ کتاب الجہاد اور کتاب المناکب، ۲/۹۱۲ تا ۹۱۵، فتح الباری ۸/۳ تا ۲۷، صحیح مسلم ۱/۴۳۷، کتاب الجہاد اور کتاب المناکب، ۲/۹۱۲ تا ۹۱۵، زاد المعاد ۲/۱۶۰ تا ۱۶۸، مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۳۲۲ تا ۳۵۱

یہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو آپ کی اسلامی دعوت کے ان نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپ نے تقریباً ۲۳ سال کی طویل جدوجہد، مشکلات، مشقت، ہنگاموں اور فتنوں، فسادات اور جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ان طویل برسوں میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اس کی وجہ سے حالات کا دھارا بدل گیا اور عرب کی فضا میں تغیر آ گیا۔ یہ فتح درحقیقت اپنے ماقبل اور مابعد کے دونوں مابوں کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ اور انصار تھے اور پورا عرب اس بارے میں انکے تابع تھا اس لیے قریش کی سپرانڈامی کے معنی یہ تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا کام تمام ہو گیا۔

یہ آخری مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ مجاہدہ اور قتال۔

۲۔ قبولِ اسلام کے لیے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ۔

یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور اس مرحلے میں آگے پیچھے بھی اور ایک دوسرے کے دوران بھی پیش آتی رہی ہیں۔ البتہ ہم نے کتابی ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ ذکر کریں۔ چونکہ پچھلے صفحات میں معرکہ جنگ کا تذکرہ چل رہا تھا اور اگلی جنگ اسی کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہاں جنگوں ہی کا ذکر پہلے کیا جا رہا ہے۔

غزوة حنین

مکہ کی فتح ایک اچانک ضرب کے بعد حاصل ہوئی تھی جس پر عرب ششدر تھے اور ہمسایہ قبائل میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس ناگہانی امر واقعہ کو دفع کر سکیں۔ اس لیے بعض اڑیل، طاقتور اور متکبر قبائل کو چھوڑ کر بقیہ سارے قبیلوں نے سپر ڈال دی تھی۔ اڑیل قبیلوں میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ ان کے ساتھ مُضَر، جُشم اور سعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان سب قبیلوں کا تعلق قبیس عیلان سے تھا۔ انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزت نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے سپر انداز ہو جائیں۔ اس لیے ان قبائل نے مالک بن عوف نصری کے پاس جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں پر یلغار کی جائے۔

دشمن کی روانگی اور اوطاس میں پڑاؤ | اس فیصلے کے بعد مسلمانوں سے جنگ کے لئے ان کی روانگی عمل میں آئی تو جنرل کمانڈر — مالک بن

عوف — لوگوں کے ساتھ ان کے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خمیر زن ہوا۔ یہ حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکے کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔

ماہر جنگ کی زبانی سپہ سالار کی تغلیط | اوطاس میں اُترنے کے بعد لوگ کمانڈر کے پاس جمع ہوئے۔ ان میں دُرَید بن صَتمہ بھی تھا — یہ

بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اب اپنی جنگی واقفیت اور مشورہ کے سوا کچھ کرنے کے لائق نہ تھا۔ لیکن وہ اصلاً بڑا بہادر اور ماہر جنگجو رہ چکا تھا — اس نے دریافت کیا، تم لوگ کس وادی میں ہو؟ جواب دیا، اوطاس میں۔ اس نے کہا، یہ سواروں کی بہترین جولان گاہ ہے؛ نہ پتھر ملی اور کھائی دار ہے نہ بھربھری نشیب۔ لیکن کیا بات ہے کہ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ڈھینچ، بچوں کا گریہ اور بکریوں کی میاہٹ سن رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا، مالک بن عوف، فوج کے ساتھ ان کی عورتیں، تیچے اور مال مویشی بھی کھینچ لایا ہے! اس

پر دُرُیْد نے مالک کو بلایا اور پوچھا "تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا " میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں، تاکہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔ دُرُیْد نے کہا: "واللہ! تم نیسے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی تمہارے لیے شمشیر و سناں سے مسلح آدمی ہی مفید ہے۔ اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رُہوا ہونا پڑے گا۔" پھر دُرُیْد نے بعض قبائل اور سرداروں کے متعلق سوال کیا اور اس کے بعد کہا: "اے مالک تم نے بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مد مقابل لا کر کوئی صحیح کام نہیں کیا ہے۔ انہیں ان کے علاقے کے محفوظ مقامات اور ان کی قوم کی بالائی جگہوں میں بھیج دو۔ اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر بد دینوں سے ٹکرو۔ اگر تم نے فتح حاصل کی تو پیچھے والے تم سے آن ملیں گے اور اگر تمہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا تو تمہارے اہل و عیال اور مال مویشی بہر حال محفوظ رہیں گے۔"

لیکن جنرل کمانڈر، مالک نے یہ مشورہ مسترد کر دیا اور کہا: "خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ واللہ! تو ہوازن میری اطاعت کریں یا میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا اور یہ میری پیٹھ کے آر پار نکل جاتے گی۔" درحقیقت مالک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا بھی نام یا مشورہ شامل ہو۔ ہوازن نے کہا "ہم نے تمہاری اطاعت کی۔ اس پر درید نے کہا "یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ رصیح طور پر (شریک ہوں اور نہ بالکل) انگ ہوں:

يَا لَيْتَنِي فَيَهَا جَذَعُ أَخْبَ فَيَهَا وَاضِعُ

اَقُوْدُ وَطَفَاءَ الدَّمْعِ كَأَنَّهَا شَاةٌ صَدَعُ

"کاش میں اس میں جوان ہوتا۔ تگ دتا ز اور بھاگ دوڑ کرتا۔ ٹانگ کے لمبے بالوں والے اور میانہ قسم کی بکری جیسے گھوڑے کی قیادت کرتا۔"

اس کے بعد مالک کے وہ جاسوس آئے جو مسلمانوں کے حالات کا پتا لگانے پر مامور کئے گئے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

مالک نے کہا "تمہاری تباہی ہو تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے کچھ چنگبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے، اور اتنے میں واللہ ہماری وہ حالت ہو گئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔"

ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی دشمن کی روانگی کی خبریں مل چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ابوصدرد اسلمی رضی اللہ عنہ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ جَاسُوسُ

کو یہ حکم دے کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کے درمیان گھس کر قیام کریں اور ان کے حالات کا ٹھیک ٹھیک پتالگا کرواپس آئیں اور آپ کو اطلاع دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ سے حنین کی طرف
سینچر ۲، شوال ۳۵ء کو رسول اللہ ﷺ نے
مکہ سے کوچ فرمایا۔ آج آپ کو مکہ میں آئے ہوئے

ایسواں دن تھا۔ بارہ ہزار کی فوج آپ کے ہمراہ تھی۔ دس ہزار وہ جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ہمراہ تشریف لائی تھی اور دو ہزار باشندگان مکہ سے، جن میں اکثریت نو مسلموں کی تھی۔ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ سے سوزیدہیں مع آلات و اوزار ادھار لیں اور عثاب بن اریضہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

دوپہر بعد ایک سوار نے آکر بتایا کہ میں نے فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے اور بکریاں سب ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: یہ سب ان شاء اللہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوگا۔ رات آئی تو حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ طور پر سنتری کے فرائض انجام دیئے۔

حنین جاتے ہوئے لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا ہر اور نخت دیکھا جس کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ (مشرکہین) عرب اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور وہاں درگاہ اور میلہ لگاتے تھے۔ بعض فوجیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، آپ ہمارے لیے بھی ذاتِ انواط بنا دیجئے جیسے ان کے لیے ذاتِ انواط ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ اجْعَلْ لَنَا الْهَآكِمَا لَهُمُ الْهَيْةُ ”ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان کے لیے معبود ہیں“ یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقوں پر سوار ہو گے۔

(اشنارہ میں) بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا تھا کہ ہم آج ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری تھی۔

اسلامی لشکر پر تیر اندازوں کا اچانک حملہ
اسلامی لشکر منگل اور بدھ کی درمیانی رات
۱۰ شوال کو حنین پہنچا لیکن مالک بن عوف

۲ دیکھئے سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۲/۳۱۷ باب فضل الحرس فی سبیل اللہ

۳ ترمذی فتن، باب لترکین سنن من کان قبلکم ۲/۴۱۱ منہ ۱/۵/۲۸۱

یہاں پہلے ہی پہنچ کر اور اپنا لشکر رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اُتار کر اسے راستوں، گذرگاہوں گھاٹیوں، پوشیدہ جگہوں اور دروں میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور اسے یہ حکم دے چکا تھا کہ مسلمان جو نہی نمودار ہوں انہیں تیروں سے چھلنی کر دینا، پھران پر یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑتا۔

ادھر سحر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تنظیم فرمائی اور پرچم باندھ باندھ کر لوگوں میں تقسیم کیے پھر صبح کے بھٹے میں مسلمانوں نے آگے بڑھ کر وادی حنین میں قدم رکھا۔ وہ دشمن کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ انہیں مطلق علم نہ تھا کہ اس وادی کے تنگ دروں کے اندر ثقیف و ہوازن کے جیلے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں، اس لیے وہ بے خبری کے عالم میں پورے اطمینان کے ساتھ اُتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ان پر دشمن کے پڑے کے پڑے یک دم اکٹھے ٹوٹ پڑے۔ اس اچانک حملے سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور ان میں ایسی بھگڑ مچی کہ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہ رہا تھا، بالکل فاش شکست تھی، یہاں تک کہ ابوسفیان بن حرب نے جو ابھی نیا نیا مسلمان تھا — کہا، اب ان کی بھگڑ سمندر سے پہلے نہ رُکے گی۔ اور جبلہ یا کلدہ بن جنید نے پیچ کر کہا، دیکھو آج جادو باطل ہو گیا۔

یہ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان جو صحیح بخاری میں مروی ہے اس سے مختلف ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہوازن تیر انداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔

اور حضرت انس کا بیان جو صحیح مسلم میں مروی ہے وہ بظاہر اس سے بھی قدسے مختلف ہے مگر بڑی حد تک اس کا موید ہے۔ حضرت انس کا ارشاد ہے کہ ہم نے مکہ فتح کیا۔ پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین اتنی عمدہ صفیں بنا کر آئے جو میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ سواروں کی صف، پھر پیادوں کی صف، پھران کے پیچھے عورتیں، پھر بھیڑ بکریاں، پھر دوسرے چوپائے۔ ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید تھے، مگر ہمارے سوار دشمن کی تیر اندازی کی وجہ سے ہمارے پیچھے پناہ گیر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔

بہر حال جب بھگڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ نے دائیں طرف ہو کر پکارا: لوگو! میری طرف آؤ میں

عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ اس وقت اس جگہ آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور اہل خاندان کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان نازک ترین لمحات میں رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر شجاعت کا ظہور ہوا، یعنی اس شدید بھگڑ کے باوجود آپ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ پیش قدمی کیلئے اپنے خنجر کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

"میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

لیکن اس وقت ابوسفیان بن عارث نے آپ کے خنجر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباسؓ نے رکاب تھام لی تھی۔ دونوں خنجر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو۔ جن کی آواز خاصی بلند تھی۔ حکم دیا کہ صحابہ کرام کو پکاریں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا اور دخت والو....! (بیعت رضوان والو....!) کہاں ہو؟ واللہ وہ لوگ میری آواز سن کر اس طرح مڑے جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے اور جواباً کہا، ہاں ہاں آئے آئے۔ حالت یہ تھی کہ آدمی اپنے اونٹ کو موڑنے کی کوشش کرتا اور نہ موڑ پاتا تو اپنی زرہ اس کی گردن میں ڈال پھینکتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اونٹ سے کود جاتا اور اونٹ کو چھوڑ چھاڑ کر آواز کی جانب دوڑتا۔ اس طرح جب آپ کے پاس سو آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کا استقبال کیا اور لڑائی شروع کر دی۔

اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی۔ او.... انصاریو! او.... انصاریو! پھر یہ پکار بنو عارث بن خزرج کے اندر محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی رفتار سے ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھتے دیکھتے فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو گھسان کارن پڑ رہا تھا۔ فرمایا: "اب چولھا گرم ہو گیا ہے" پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے مندرمایا: "شَاهَتِ الْوَجُوهُُ چہرے بگڑ جائیں" یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی

۱۵ ابن اسحاق کے بقول ان کی تعداد نو یا دس تھی۔ نودی کا ارشاد ہے کہ آپ کے ساتھ بارہ آدمی ثابت قدم رہے۔ امام احمد اور حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ میں حنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے مگر آپ کے ساتھ اسی مہاجرین و انصار ثابت قدم رہے۔ ہم اپنے قدموں پر (پیدل) تھے اور ہم نے پیٹھ نہیں پھیری۔ ترمذی نے بہ سند حسن، ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے لوگوں کو حنین کے روز دیکھا کہ انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سو آدمی بھی نہیں۔

آنکھ اس سے بھرنے لگی ہو۔ اس کے بعد ان کی قوت ٹوٹتی چلی گئی اور ان کا کام زوال پذیر ہوتا چلا گیا
دشمن کی شکستِ فاش مٹی پھینکنے کے بعد چند ہی ساعتیں گزری تھیں کہ دشمن کو فاش
 شکست ہو گئی۔ ثقیف کے تقریباً ستر آدمی قتل کئے گئے اور ان
 کے پاس جو کچھ مال، ہتھیار، عورتیں اور بچے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

یہی وہ تغیر ہے جس کی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے :

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ
 بِمَا رَحَبَتْ ثُمَّ وَكَيْتُمْ مُدْبِرِينَ ○ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ (۲۶/۲۵:۹)

اور (اللہ نے) حنین کے دن (تمہاری مدد کی) جب تمہیں تمہاری کثرت نے غرور میں ڈال دیا تھا۔
 پس وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم لوگ پیٹھے پھیر کر
 بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے
 تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے والوں کو سزا دی اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔“

تعاقب شکست کھانے کے بعد دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا، ایک نخلہ کی طرف
 بھاگا اور ایک نے اوطاس کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ
 کی سرکردگی میں تعاقب کرنے والوں کی ایک جماعت اوطاس کی طرف روانہ کی۔ فریقین میں تھوڑی سی
 جھڑپ ہوئی اس کے بعد مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے۔ البتہ اسی جھڑپ میں اس دستے کے کمانڈر ابو عامر
 اشعری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

مسلمان شہسواروں کی ایک دوسری جماعت نے نخلہ کی طرف پسپا ہونے والے مشرکین کا تعاقب
 کیا اور دُرید بن صمہ کو جا پکڑا جسے ربیعہ بن ربيع نے قتل کر دیا۔

شکست خوردہ مشرکین کے تیسرے اور سب سے بڑے گروہ کے تعاقب میں جس نے طائف کی
 راہ لی تھی، خود رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت جمع فرمانے کے بعد روانہ ہوئے۔

غنیمت مالِ غنیمت یہ تھا: قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکری چالیس ہزار سے زیادہ،
 چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم) جس کی مقدار چھ کونسل سے چند
 ہی کیلو کم ہوتی ہے) رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے جبرائیل میں روک کر حضرت
 مسعود بن عمرو غفاریؓ کی نگرانی میں دے دیا اور جب تک غزوة طائف سے فارغ نہ ہو گئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔

قیدیوں میں شہداء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک علامت کے ذریعہ پہچان لیا۔ پھر ان کی بڑی قدر و عزت کی۔ اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔

غزوہ طائف

یہ غزوہ درحقیقت غزوہ حنین کا پھیلاؤ ہے۔ چونکہ ہوازن و ثقیف کے بیشتر شکت خوردہ افراد اپنے جنرل کانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف ہی آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر اور حمرانہ میں مال غنیمت جمع فرما کر اسی ماہ شوال ۶ھ میں طائف کا قصد فرمایا۔

اس مقصد کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک ہزار فوج کا ہر اول دستہ روانہ کیا گیا؛ پھر آپ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ راستہ میں نخلہ، یمانہ، پھر قرن منازل پھر لیہ سے گزر ہوا۔ لیہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا۔ آپ نے اسے منہدم کر دیا۔ پھر سفر جاری رکھتے ہوئے طائف پہنچے اور قلعہ طائف کے قریب خمیر زن ہو کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے قدرے طول پکڑا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ یہ چالیس دن تک جاری رہا۔ اہل سیر میں سے بعض نے اس کی مدت بیس دن بتائی ہے، بعض نے دس دن سے زیادہ، بعض نے اٹھارہ دن اور بعض نے پندرہ دن۔

دوران محاصرہ دونوں طرف سے تیر اندازی اور پتھر بازی کے واقعات بھی پیش آتے رہے، بلکہ پہلے پہل جب مسلمانوں نے محاصرہ کیا تو قلعہ کے اندر سے ان پر اس شدت سے تیر اندازی کی گئی کہ معلوم ہوتا تھا ٹنڈی دل چھایا ہوا ہے۔ اس سے متعدد مسلمان زخمی ہوئے، بارہ شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اٹھا کر موجودہ مسجد طائف کے پاس لے جانا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے اہل طائف پر منجبتی نصب کی اور متعدد گولے پھینکے جس سے قلعہ کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت دباہ کے اندر گھس

کر آگ لگانے کے لیے دیوار تک پہنچ گئی۔ لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے جس سے مجبور ہو کر مسلمان دبابہ کے نیچے سے باہر نکل آئے۔ مگر باہر نکلے تو دشمن نے ان پر تیروں کی بارش کر دی جس سے بعض مسلمان شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو زیر کرنے کے لیے ایک اور جنگی حکمتِ عملی کے طور پر حکم دیا کہ انگوڑ کے درخت کاٹ کر جلادیں جائیں۔ مسلمانوں نے ذرا بڑھ چڑھ کر ہی کٹائی کر دی۔ اس پر ثقیف نے اللہ اور قربت کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ درختوں کو کاٹنا بند کر دیں۔ آپ نے اللہ کے واسطے اور قربت کی خاطر ہاتھ روک لیا۔ دورانِ محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا جو غلامِ قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تنیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں میں آ شامل ہوئے۔ انہیں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخہ یا گماری کی مدد سے (جس کے ذریعہ رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے) ٹھک کر نیچے آئے تھے۔ (چونکہ گماری کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابوبکر رکھ دی۔ ان سب غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا اور ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائے۔ یہ حادثہ قلعہ والوں کے لیے بڑا جانکاح تھا۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور قلعہ قابو میں آنا نظر نہ آیا اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش اور گرم لوہوں کی زد پڑی اور ادھر اہل قلعہ نے سال بھر کا سامانِ خورد و نوش بھی جمع کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معادیہ وہیلی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا، "لو مڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ اس پر ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے۔ لیکن یہ اعلان صحابہ کرام پر گراں گزرا۔ وہ کہنے لگے، "ہو نہ ہو طائف فتح کیے بغیر واپس ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "اچھا تو کل صبح لڑائی پر چلنا ہے چنانچہ دوسرے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن چوٹ کھانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ ہم ان شاء اللہ کل واپس ہوں گے۔ اس پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے بے چوں و چرا رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے۔

اس کے بعد جب لوگوں نے ڈیرہ ڈنڈا اٹھا کر کوچ کیا تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو:

اِسْبُوْنَ ، تَاثِبُوْنَ ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

ہم پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت گزار ہیں، اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۔

کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ثقیف پر بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ثقیف کو

ہدایت دے اور انہیں لے آ۔

رسول اللہ ﷺ طائف سے محاصرہ ختم کر کے واپس آئے تو جعرانہ میں کئی روز مالِ غنیمت تقسیم کیے بغیر

ٹھہرے رہے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ کی خدمت میں آجائے اور اس نے جو کچھ کھویا ہے سب لے جائے۔ لیکن تاخیر کے باوجود جب آپ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپ نے مال کی تقسیم شروع کر دی تاکہ قبائل کے سردار اور مکہ کے اشراف جو بڑی حرص سے جھانک رہے تھے ان کی زبان خاموش ہو جائے۔ مولفۃ القلوبؒ کی قسمت نے سب سے پہلے یادری کی اور انہیں بڑے بڑے حصے دیتے گئے۔

ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (کچھ کم چھ کیلو چاندی) اور ایک سوادنٹ عطا کئے گئے۔ اس نے کہا، میرا بیٹا یزید؟ آپ نے اتنا ہی یزید کو بھی دیا۔ اس نے کہا، اور میرا بیٹا معاویہ؟ آپ نے اتنا ہی معاویہ کو بھی دیا۔ (یعنی تنہا ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تقریباً ۸ کیلو چاندی اور تین سوادنٹ حاصل ہو گئے) حکیم بن حزام کو ایک سوادنٹ دیے گئے۔ اس نے مزید سوادنٹوں کا سوال کیا تو اس نے پھر ایک سو اونٹ دیے گئے۔ اسی طرح صفوان بن امیہ کو سو اونٹ، پھر سوادنٹ اور پھر سوادنٹ (یعنی تین سو اونٹ) دیے گئے۔

حارث بن کلدہ کو بھی سوادنٹ دیے گئے اور کچھ مزید قرشی وغیر قرشی رُوساء کو سو سوادنٹ دیے گئے۔ کچھ دوسروں کو پچاس پچاس اور چالیس چالیس اونٹ دیے گئے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ اتفاق سے آپ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تمہارے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کر دوں گا۔ پھر تم

۱۰ وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں اور ان کا دل جوڑنے کے لیے انہیں مالی مدد دی جائے تاکہ وہ سلام

پر مضبوطی سے جم جائیں۔ اللہ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى قاضی عیاض ۸۶/۱

مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ جھوٹا۔“

اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ کے بازو میں کھڑے ہو کر اس کی کوبان سے کچھ بال لیے اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! واللہ میرے لیے تمہارے مال نے میں سے کچھ بھی نہیں سٹی کہ اتنا بال بھی نہیں۔ صرف خمس ہے اور خمس بھی تم پر ہی پٹا دیا جاتا ہے۔“

مؤلفۃ القلوب کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت اور فوج کو یکجا کر کے لوگوں پر غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو ایک ایک فوجی کے حصے میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس دکھلا دیجئے اور وہ اس کی طرف بڑھتے لپکتے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے اسبابِ کشش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لیے پُر جوش بن جائیں۔ ﷻ

یہ سیاست پہلے پہل سمجھی نہ جاسکی اسی لیے کچھ زبانوں پر

انصار کا حزن و اضطراب

حرفِ اعتراض آگیا۔ انصار پر خصوصاً اس سیاست کی زد پڑی

تھی۔ کیونکہ وہ سب کے سب حنین کے ان عطایا سے بالکل محروم رکھے گئے۔ حالانکہ مشکل کے وقت انہیں کو پکارا گیا تھا اور وہی اڑ کر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ کی تھی کہ فاش شکست شاندار فتح میں تبدیل ہو گئی تھی لیکن اب وہ دیکھ رہے تھے کہ بھاگنے والوں کے ہاتھ پر ہیں اور وہ خود محروم وہی دست۔ ﷻ

ابن اسحاق نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور قبائل عرب کو وہ عطیے دیے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے جی ہی جی میں تیج و تاب کھایا اور ان میں بہت چرمیگوئی ہوئی یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا: خدا کی قسم رسول اللہ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ!

آپ نے اس حاصل شدہ مال نے میں جو کچھ کیلئے ہے اس پر انصار اپنے جی ہی جی میں آپ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ آپ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا، قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیے لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ نے فرمایا: ”اے سعد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ انہوں نے کہا، ”یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”اچھا تو اپنی قوم کو اس چھو لداری میں جمع کر دینے کے لئے نکل کر انصار کو اس چھو لداری میں جمع کیا۔ کچھ مہاجرین بھی آگئے تو انہیں داخل ہونے دیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگ بھی آگئے تو انہیں واپس کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ انصار آپ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے، اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا:

”انصار کے لوگو! تمہاری یہ کیا چیز میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے! اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے! کیا ایسا نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور محتاج تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ اور باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیے؟“ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ اور اس کے رسول کا بڑا فضل و کرم ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟“ انصار نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! بھلا ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا فضل و کرم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”دیکھو! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور سچ ہی کہو گے اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔“ کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ محتاج تھے، ہم نے آپ کی غمخواری و غمگساری کی؛

اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی اس عارضی دولت کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا؛ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں پٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔

اے اللہ رحم فرما انصار پر اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے: ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہو گئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔

وفد ہوازن کی آمد غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آ گیا۔ یہ کل چودہ آدمی تھے۔ ان کا سربراہ زہیر بن صرد تھا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کا

رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے سوال کیا کہ آپ مہربانی کر کے قیدی اور مال واپس کر دیں۔ اور اس انداز کی بات کی کہ دل پیچ جائے۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو۔ اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے اس لیے بتاؤ کہ تمہیں اپنے بال بچے زیادہ محبوب ہیں یا مال؟ انہوں نے کہا ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں اور مومنین کو رسول اللہ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ اس کے بعد جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواباً آپ نے فرمایا جہاں تک اس حصے کا تعلق ہے جو میرا ہے اور بنی عبدالمطلب کا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے، اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔ اس پر انصار اور مہاجرین نے اٹھ کر کہا، جو کچھ ہمارا ہے وہ سب بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اقرع بن حابس نے کہا، لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں؛ اور عیینہ بن حصن نے کہا کہ جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا وہ بھی آپ کے لیے نہیں ہے؛ اور عباس بن مرداس نے کہا، جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیم نے کہا، جی نہیں، جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: تم لوگوں نے میری توہین کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھو یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں (اور اسی غرض سے) میں نے ان

۱۳ ابن ہشام ۲/۴۹۹، ۵۰۰۔ ایسی ہی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ۲/۶۲۰، ۶۲۱

۱۵ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان میں انکے نواسرانی تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اس کے بعد آپ سے گفتگو کی۔ اور عرض کی کہ لے اللہ کے رسول! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں مائیں اور بہنیں ہیں۔ اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ اور یہی قوم کے لیے رسوائی کا سبب ہوتی ہیں۔ (فتح الباری ۳۳/۸) واضح رہے کہ ماؤں وغیرہ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ ان کے خطیب زہیر بن صرد تھے۔ ابو برقان کے ضبط میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہیں ابو مردان اور ابو ثردان بھی کہا گیا ہے۔

کے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انہوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا لہذا جس کسی کے پاس کوئی قیدی ہو، اور وہ بخوشی واپس کر دے تو یہ بہت اچھی راہ ہے اور جو کوئی اپنے حق کو روکنا ہی چاہتا ہو تو وہ بھی ان کے قیدی تو انہیں واپس ہی کر دے۔ البتہ آئندہ جو سب سے پہلا مال نے حاصل ہوگا اس سے ہم اس شخص کو ایک کے بدلے چھ دیں گے۔ لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم جان نہ سکے کہ آپ میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں؛ لہذا آپ لوگ واپس جائیں اور آپ کے چودھری حضرات آپ کے معاملے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ اس کے بعد سارے لوگوں نے ان کے بال بچے واپس کر دیے۔ صرف عیینہ بن حصن رہ گیا جس کے حصے میں ایک بڑھیا آئی تھی۔ اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبلی چادر عطا فرما کر واپس کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر جبرائیل ہی سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا۔ اس کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا والی بنا کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ واپسی ۲۴ ذیقعدہ ۳ھ کو ہوئی۔

عمرہ اور مدینہ کو واپسی

محمد غزالی کہتے ہیں؛ ان فاتحانہ اوقات میں جبکہ اللہ نے آپ کے سر پر فتح مبین کا تاج رکھا اور اس وقت میں جبکہ آپ اسی شہرِ عظیم میں آٹھ سال پہلے تشریف لائے تھے کتنا لمبا چوڑا فاصلہ ہے۔ آپ یہاں اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو کھدڑ دیا گیا تھا اور آپ امان کے طالب تھے۔ اجنبی اور وحشت زدہ تھے اور آپ کو انس و الفت کی تلاش تھی۔ وہاں کے باشندوں نے آپ کی خوب متدرو منزلت کی، آپ کو جگہ دی، اور آپ کی مدد کی، اور جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا تھا اس کی پیروی کی اور آپ کی خاطر ساری دنیا کی عداوت بیچ سمجھی۔ اب وہی آپ ہیں کہ جس شہر نے ایک خوف زدہ مہاجر کی حیثیت سے آپ کا استقبال کیا تھا آج آٹھ سال بعد وہی شہر آپ کا اس حیثیت سے استقبال کر رہا ہے کہ مکہ آپ کے زیرِ نگین ہے اور اس نے اپنی کبریائی اور جاہلیت کو آپ کے پیروں تلے ڈال دیا ہے اور آپ اس کی پھلی خطا معاف کر کے اسے اسلام کے ذریعے سرفرازی بخش رہے ہیں۔

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (۹۰:۱۲)

یقیناً جو شخص استبازی اور صبر اختیار کرے تو بلاشبہ اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ۱۶

۱۶ فقہ السیرہ ص ۳۰۳، فتح مکہ اور غزوہ طائف کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زاد المعاد ۲/۱۶۰ تا ۲۰۱،

ابن ہشام ۲/۳۸۹ تا ۵۰۱، صحیح بخاری ۲/۶۱۲ تا ۶۲۲، فتح الباری ۸/۳ تا ۸۵

فتح مکہ کے بعد کے سرایا اور عمال کی فہرست

اس طویل اور کامیاب سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قدرے طویل قیام فرمایا۔ اس دوران آپ و فرود کا استقبال فرماتے رہے، حکومت کے عمال بھیجتے رہے، داعیانِ دین کو روانہ فرماتے رہے اور جنہیں اللہ کے دین میں داخلے اور عرب کے اندر اُبھرنے والی قوت کو تسلیم کرنے میں تکبر مانع تھا انہیں سرنگوں فرماتے رہے۔ ان امور کا مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے۔

گذشتہ مباحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اواخر میں تشریف لائے تھے۔ ۹ھ کا ہلالِ محرم طلوع ہوتے ہی آپ نے

تحصیل دارانِ زکوٰۃ

قبائل کے پاس صدقات کی وصولی کے لیے عمال روانہ فرمائے جن کی فہرست یہ ہے :

وہ قبیلہ جس سے زکوٰۃ وصول کرنی تھی

عمال کے نام

- | | |
|------------------------|-----------------------|
| بنو تمیم | ۱۔ عیینہ بن حصن |
| اسلم اور غفار | ۲۔ یزید بن الحصین |
| سُلَیْم اور مَرْزِیْنہ | ۳۔ عبّاد بن بشر اشہلی |
| جہینہ | ۴۔ رافع بن کمیث |
| بنو فزارہ | ۵۔ عمرو بن العاص |
| بنو کلاب | ۶۔ ضحاک بن سفیان |
| بنو کعب | ۷۔ بشر بن سفیان |
| بنو ذبیان | ۸۔ ابن اللثیبیہ ازدی |
| شہرِ صنعاء | ۹۔ مہاجر بن ابی اُمیہ |
| علاقہ حَضْرَمَوْت | ۱۰۔ زیاد بن لبید |
| طی اور بنو اسد | ۱۱۔ عدی بن حاتم |
| بنو خنظلہ | ۱۲۔ مالک بن نویرہ |

ان کی موجودگی میں ان کے خلاف اسود غسی نے صنعاء میں خروج کیا تھا

بنو سعد (کی ایک شاخ)

۱۳- زبرقان بن بدر

بنو سعد (کی دوسری شاخ)

۱۲- قیس بن عاصم

علاقہ بحرین

۱۵- علاء بن الحضرمی

علاقہ نجران (زکوٰۃ اور جزیرہ دونوں وصول کرنے کے لیے)

۱۴- علی بن ابی طالب

واضح رہے کہ یہ سارے عمال محرم ۹ھ ہی میں روانہ نہیں کر دیے گئے تھے بلکہ بعض بعض کی روانگی خاصی تاخیر سے اس وقت عمل میں آئی تھی جب متعلقہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ البتہ اس اہتمام کے ساتھ ان عمال کی روانگی کی ابتداء محرم ۹ھ میں ہوتی تھی اور اسی سے صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی دعوت کی کامیابی کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ باقی رہا فتح مکہ کے بعد کا دور تو اس میں تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

جس طرح قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے گئے اسی طرح جزیرۃ العرب

سرایا

کے عام علاقوں میں امن و امان قائم ہو چکنے کے باوجود بعض مقامات پر متعدد فوجی مہمات

بھی بھیجی گئیں۔ فہرست یہ ہے :

عیثینہ کو پچاس سواروں کی کمان دے کر بنو تمیم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو تمیم نے قبائل کو

۱- سریر بن عیثینہ بن حصن فزاری (محرم ۹ھ)

بھڑکا کر جزیرہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ اس مہم میں کوئی مہاجر یا انصاری نہ تھا۔

عیثینہ بن حصن رات کو چلتے اور دن کو چھپتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ صحرا میں بنو تمیم پر پہلہ بول دیا۔ وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان کے گیارہ آدمی، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے جنہیں مدینہ لاکر رطب بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

پھر ان کے سلسلے میں بنو تمیم کے دس سردار آئے اور نبی ﷺ کے دروازے پر جا کر یوں آواز لگائی، اے محمد! ہمارے پاس آؤ۔ آپ باہر تشریف لائے تو یہ لوگ آپ سے چپٹ کر باتیں کرنے لگے۔ پھر آپ ان کے ساتھ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے فخر و مباہات میں مقابلہ کی خواہش ظاہر کی اور اپنے خطیب عطار بن حاجب کو پیش کیا۔ اس نے تقریر کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطیب اسلام حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو حکم دیا، اور انہوں نے جوابی تقریر کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے بڑھایا اور اس نے کچھ فخریہ اشعار کہے۔ اس کا جواب

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دیا۔

جب دونوں خطیب اور دونوں شاعر فارغ ہو چکے تو اقرع بن حابس نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ پُر زور اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ پُر گو ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اونچی ہیں اور ان کی باتیں ہماری باتوں سے زیادہ بلند پایہ ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بہترین تحالف سے نوازا اور ان کی عورتیں اور بچے انہیں پس کر دیے۔

۲۔ سرِ تیبہ قطیبہ بن عامر (صفر ۳۹ھ)

یہ سرِ تیبہ کے قریب تبالہ کے علاقے میں قبیلہ خثعم کی ایک شاخ کی جانب روانہ کیا گیا۔ قطیبہ بیس آدمیوں کے درمیان

روانہ ہوتے۔ دس اونٹ تھے جن پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے شیخون مارا جس پر سخت لڑائی بھڑک اُٹھی اور فریقین کے خاصے افراد زخمی ہوئے۔ قطیبہ کچھ دوسرے افراد سمیت مارے گئے تاہم مسلمان بھیڑ بکریوں اور بال بچوں کو مدینہ ہانک لاتے۔

۳۔ سرِ تیبہ ضحاک بن سفیان کلابی (ربیع الاول ۳۹ھ)

یہ سرِ تیبہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ کیا گیا تھا لیکن

انہوں نے انکار کرتے ہوئے جنگ پھیر دی۔ مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور ان کا ایک آدمی تہ تیغ کیا۔ انہیں تین سو آدمی کی کمان دے کر ساحل جدہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ کچھ حبشی ساحل جدہ کے قریب جمع ہو گئے تھے اور وہ اہل مکہ کے خلاف ڈاکہ زنی کرنا چاہتے تھے۔ علقمہ نے سمند میں اتر کر ایک جزیرہ تک پیش قدمی کی۔ حبشیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

۴۔ سرِ تیبہ علقمہ بن مجرمدیلمی (ربیع الآخر ۳۹ھ)

انہیں قبیلہ طی کے ایک بُت کو جس کا نام قلس (کلیسا) تھا۔ ڈھانے کیلئے

۵۔ سرِ تیبہ علی بن ابی طالب (ربیع الاول ۳۹ھ)

بھیجا گیا تھا۔ آپ کی سرکردگی میں ایک سو اونٹ اور سچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمی تھے۔ جھنڈیاں کالی اور پھر پراسفید تھا۔ مسلمانوں نے فجر کے وقت حاتم طائی کے محلہ پر چھا پہ مار کر قلس کو ڈھا دیا اور قیدیوں، چوپایوں اور

۱۔ اہل مغازی کا بیان یہ ہے کہ یہ واقعہ محرم ۳۹ھ میں پیش آیا لیکن یہ بات یقینی طور پر عمل نظر ہے کیونکہ واقعہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرع بن حابس اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ خود اہل سیر ہی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن کے قیدیوں کو واپس کرنے کے لیے کہا تو اسی اقرع بن حابس نے کہا کہ میں اور بنو تمیم واپس نہ کریں گے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اقرع بن حابس اس محرم ۳۹ھ والے واقعہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ ۲۔ فتح الباری ۵۹/۸

بھیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ انہیں قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی بھی تھیں۔ البتہ حاتم کے صاحبزادے عدی ملک شام بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے قلس کے خزانے میں تین تلواریں اور تین زرد ہیں پائیں اور راستے میں مال غنیمت تقسیم کر لیا۔ البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کر دیا اور آل حاتم کو تقسیم نہیں کیا۔ مدینہ پہنچے تو حاتم کی صاحبزادی نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہاں جو آسکتا تھا لاپتہ ہے۔ والد گزر چکے ہیں اور میں بڑھیا ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ مجھ پر احسان کیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا، تمہارے لیے کون آسکتا تھا۔ بولیں، عدی بن حاتم۔ فرمایا، وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگا ہے۔ پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن اس نے پھر یہی بات دہرائی۔ اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو کل فرمایا تھا۔ تیسرے دن پھر اس نے وہی بات کہی تو آپ نے احسان فرماتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔ اس وقت آپ کے بازو میں ایک صحابی تھے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے کہا، آپ ﷺ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپ نے سواری فراہم کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔

حاتم کی صاحبزادی لوٹ کر اپنے بھائی عدی کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتلایا کہ آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ تمہارے باپ بھی ویسا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔ چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ انہیں اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: ”تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کیا تمہیں اللہ کے سوا کسی اور معبود کا علم ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ پھر آپ نے کچھ دیر گفتگو کی اس کے بعد فرمایا: ”اچھا تم اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ اکبر کہا جائے تو کیا تم اللہ سے بڑی کوئی چیز جانتے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔“ انہوں نے کہا تو میں ایک رُخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے انہیں ایک انصاری کے ہاں ٹھہرا دیا گیا اور وہ صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ابن اسحاق نے حضرت عدی سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے انہیں اپنے سامنے

اپنے گھر میں بیٹھایا تو فرمایا، اور.....! عدی بن حاتم! کیا تم مذہباً رکوسی نہ تھے؟ عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا، کیا تم اپنی قوم میں مال غنیمت کا چوتھائی لینے پر عمل پیرا نہیں تھے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا، حالانکہ یہ تمہارے دین میں حلال نہیں۔ میں نے کہا، ہاں قسم بخدا۔ اور اسی سے میں نے جان لیا کہ واقعی آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، کیونکہ آپ وہ بات جانتے ہیں جو جانی نہیں جاتی۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اے عدی! اسلام لاؤ سلامت رہو گے میں نے کہا، میں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارا دین تم سے بہتر طور پر جانتا ہوں۔ میں نے کہا، آپ میرا دین مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! کیا ایسا نہیں کہ تم مذہباً رکوسی ہو، اور پھر بھی اپنی قوم کے مال غنیمت کا چوتھائی کھاتے ہو؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین کی رو سے حلال نہیں۔ آپ کی اس بات پر مجھے سرنگوں ہو جانا پڑا۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی سے مروی ہے کہ میں خدمت نبوی میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرے آدمی نے آکر رہزنی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا عدی: تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی چلو بھر کر سونایا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کر لے تو کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

اسی روایت کے اخیر میں حضرت عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ اور میں خود ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اور اگر تم لوگوں کی زندگی دراز ہوئی تو تم لوگ وہ چیز بھی دیکھ لو گے جو نبی ابوالقاسم ﷺ نے فرمائی تھی کہ آدمی چلو بھر سونایا چاندی نکالے گا۔



غزوة تبوک ۴

غزوة فتح مکہ، حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکہ کے بعد اہل عرب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اسی لیے حالات کی رفتار کیسے بدل گئی اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ اس کا کچھ اندازہ ان تفصیلات سے لگ سکے گا جنہیں ہم دفود کے باب میں پیش کریں گے اور کچھ اندازہ اس تعداد سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو حجۃ الوداع میں حاضر ہوئی تھی۔ بہر حال اب اندرونی مشکلات کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور مسلمان شریعتِ الہی کی تعلیم عام کرنے اور اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے مکیہ ہو گئے تھے۔

مگر اب ایک ایسی طاقت کا رخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو کسی وجہ جواز کے بغیر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ یہ طاقت رومیوں کی تھی جو اس وقت

غزوة کا سبب

روتے زمین پر سب سے بڑی فوجی قوت کی حیثیت رکھتی تھی۔ پچھلے اوراق میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس چھیڑ چھاڑ کی ابتداء شریعیل بن عمرو غسانی کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر اڑومی رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر بصری کے حکمران کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا تھا جس نے رومیوں سے سرزمین موتہ میں خوفناک ٹکر لی مگر یہ لشکر ان متکبر ظالموں سے انتقام لینے میں کامیاب نہ ہوا، البتہ اس نے دُور و نزدیک کے عرب باشندوں پر نہایت بہترین اثرات چھوڑے۔ قیصر روم ان اثرات کو اور ان کے نتیجے میں عرب قبائل کے اندر روم سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی کے لیے پیدا ہونے والے جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یقیناً یہ ایک ”خطرہ“ تھا، جو قدم بہ قدم اس کی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا اور عرب سے ملی ہوئی سرحد شام کے لیے چیلنج بنا جا رہا تھا اس لیے قیصر نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک عظیم اور ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے پہلے کچل دینا ضروری ہے تاکہ روم سے متصل عرب علاقوں میں ”فتنے“ اور ”ہنگامے“ سر نہ اٹھاسکیں۔ ان مصلحتوں کے پیش نظر ابھی جنگِ موتہ پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قیصر نے رومی باشندوں اور

اپنے ماتحت عربوں یعنی آل غسان وغیرہ پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک خونریز اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری میں لگ گیا۔

روم و غسان کی تیاریوں کی عام خبریں | ادھر مدینہ میں پے در پے خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رومی مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکے

کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمہ وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اور ان کے کان کسی بھی غیر مانوس آواز کو سن کر فوراً کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رومیوں کا ریلہ آگیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ اسی سال ۹ھ میں نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے ایلاء کر لیا تھا اور انہیں چھوڑ کر ایک بالاخانہ میں علیحدہ ہو گئے تھے صحابہ کرام کو ابتداء حقیقت حال معلوم نہ ہو سکی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے اور اس کی وجہ سے صحابہ کرام میں شدید رنج و غم پھیل گیا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا ایک انصاری ساتھی تھا۔ جب میں (خدمت نبوی میں) موجود نہ رہتا تو وہ میرے پاس خبر لاتا؛ اور جب وہ موجود نہ ہوتا تو میں اس کے پاس خبر لے جاتا۔ یہ دونوں ہی عوالی مدینہ میں رہتے تھے، ایک دوسرے کے پڑوسی تھے اور باری باری خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ اس زمانے میں ہمیں شاہ غسان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر یورش کرنا چاہتا ہے اور اس کے ڈر سے ہمارے سینے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روز اچانک میرا انصاری ساتھی دروازہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا، کھولو کھولو۔ میں نے کہا، کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہوگئی، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمر نے کہا، ہم میں چرچا تھا کہ آل غسان ہم پر چڑھانی کرنے کے لیے گھوڑوں کو نعل لگوا رہے ہیں۔ ایک روز میرا ساتھی اپنی باری پر گیا اور عشاء کے وقت واپس آکر میرا دروازہ بڑے زور سے پٹیا اور کہا، کیا وہ (عمر) سویا ہوا ہے؟ میں گھبرا کر باہر آیا۔ اس نے کہا کہ بڑا حادثہ ہو گیا۔ میں نے کہا، کیا ہوا؟ کیا غسانی آگئے؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑا اور لمبا حادثہ، رسول اللہ

لے عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔ اگر یہ قسم چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لیے ہے تو اس پر شرعاً کوئی حکم لاگو نہ ہوگا اور اگر یہ ایلام چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے ہے تو پھر چار ماہ پورے ہوتے ہی شرعی عدالت دخیل ہوگی کہ شوہر یا تو بیوی کو بیوی کی طرح رکھے یا اسے طلاق دے۔ بعض صحابہ کے بقول فقط چار ماہ کی مدت گزر جانے سے طلاق پڑ جائے گی۔ ۲/۳۰ صبح بخاری

ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ الخ

اس سے اس صورت حال کی شگنی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اس وقت رومیوں کی جانب سے مسلمانوں کو درپیش تھی۔ اس میں مزید اضافہ منافقین کی ان ریشہ دوانیوں سے ہوا جو انہوں نے رومیوں کی تیاری کی خبریں مدینہ پہنچنے کے بعد شروع کیں۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ یہ منافقین دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر میدان میں کامیاب ہیں اور روئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے بلکہ جو رکاوٹیں آپ کی راہ میں حائل ہوتی ہیں وہ پاش پاش ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ان منافقین نے یہ امید باندھ لی کہ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے اپنے سینوں میں جو دیرینہ آرزو چھپا رکھی ہے اور جس گردشِ دوران کا وہ عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں اب اس کی تکمیل کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اپنے اسی تصور کی بناء پر انہوں نے ایک مسجد کی شکل میں (جو مسجدِ ضرار کے نام سے مشہور ہوئی) وسیعہ کاری اور سازش کا ایک بھٹ تیار کیا جس کی بنیاد اہل ایمان کے درمیان تفرقہ اندازی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور ان سے لڑنے والوں کے لیے گھات کی جگہ فراہم کرنے کے ناپاک مقصد پر رکھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ اس میں نماز پڑھادیں۔ اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ وہ اہل ایمان کو فریب میں رکھیں اور انہیں پتہ نہ لگنے دیں کہ اس مسجد میں ان کے خلاف سازش اور وسیعہ کاری کی کارروائیاں انجام دی جا رہی ہیں اور مسلمان اس مسجد میں آنے جانے والوں پر نظر نہ رکھیں۔ اس طرح یہ مسجد، منافقین اور ان کے بیرونی دوستوں کے لیے ایک پُر امن گھونسلے اور بھٹ کا کام دے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس ”مسجد“ میں نماز کی ادائیگی کو جنگ سے واپسی تک کے لیے مؤخر کر دیا کیونکہ آپ تیاری میں مشغول تھے۔ اس طرح منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ نے ان کا پردہ واپسی سے پہلے ہی چاک کر دیا۔ چنانچہ آپ نے غزوے سے واپس آ کر اس مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے اسے منہدم کر دیا۔

ان حالات اور خبروں کا مسلمان سامنا کر ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک ملک شام سے

روم و عثمان کی تیاریوں کی خاص خبریں

تیل لے کر آنے والے بنظیوں سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکرِ جرار تیار کیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے۔ اپنے جھڈے تلے عیسائی قبائل لخم و جذام وغیرہ کو بھی

۱۱۱ نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی نسل جنہیں کسی وقت شمالی حجاز میں بڑا عروج حاصل تھا۔ زوال کے بعد رفتہ رفتہ یہ لوگ معمولی کسانوں اور تاجروں کے درجہ میں آ گئے۔ ۱۱۱ ایضاً صحیح بخاری ۱/۳۳۲

جمع کر لیا ہے اور ان کا ہر اول دستہ بقتل پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ مجسم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آ گیا۔

پھر جس بات سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا لوگ تنگی اور

حالات کی نزاکت میں اضافہ

تھپتھالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ سواریاں کم تھیں، پھل پک چکے تھے، اس لیے لوگ پھل اور سائے میں رہنا چاہتے تھے۔ وہ فی الفور روانگی نہ چاہتے تھے۔ ان سب پر مستزاد مسافت کی دوری اور راستے کی پیچیدگی اور دشواری تھی۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ حالات و تغیرات کا مطالعہ

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ

کہیں زیادہ دقت نظر سے فرما رہے تھے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر آپ نے ان فیصلہ کن لمحات میں رومیوں سے جنگ لڑنے میں کاہلی اور سستی سے کام لیا، رومیوں کو مسلمانوں کے زیر اثر علاقوں میں گھسنے دیا، اور وہ مدینہ تک بڑھ اور چڑھ آئے تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت بُرے اثرات مرتب ہونگے۔ مسلمانوں کی فوجی ساکھ اکھڑ جائے گی اور وہ جاہلیت جو جنگِ حنین میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری دم توڑ رہی ہے دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اور منافقین جو مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابو عامر فاسق کے ذریعہ شاہِ روم سے رابطہ قائم کئے ہوتے ہیں، پیچھے سے عین اس دقتِ مسلمانوں کے شکم میں خنجر گھونپ دیں گے جب آگے سے رومیوں کا ریلہ ان پر خونخوار حملے کر رہا ہوگا۔ اس طرح وہ بہت ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی جو آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہو جائیں گی جو طویل اور خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی گئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ ان نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے اس لیے عسرت و شدت کے باوجود آپ نے

طے کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود ان کے علاقے اور حدود میں گھس کر ان کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

یہ معاملہ طے کر لینے کے بعد آپ نے صحابہ کرام میں اعلان فرما دیا کہ لڑائی کی تیاری کریں قبائل

رومیوں سے جنگ کی تیاری کا اعلان

عرب اور اہل مکہ کو بھی پیغام دیا کہ لڑائی کے لیے نکل پڑیں۔ آپ کا دستور تھا کہ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور ہی جانب روانہ ہوتے۔ لیکن صورت حال کی نزاکت اور تنگی کی شدت کے سبب اب کی بار آپ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ رومیوں سے جنگ کا ارادہ ہے، تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں۔ آپ نے

اس موقع پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب بھی دی اور جنگ ہی پر ابھارنے کے لیے سورہ توبہ کا بھی ایک ٹکڑا نازل ہوا۔ ساتھ ہی آپ نے صدقہ و خیرات کرنے کی فضیلت بیان کی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی۔

غزوے کی تیاری کے لیے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ

صحابہ کرام نے جو نبی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا کہ آپ

رومیوں سے جنگ کی دعوت دے رہے ہیں جھٹ اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑے اور پوری تیز رفتاری سے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قبیلے اور برادریاں ہر چہار جانب سے مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں اور سولے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی، کسی مسلمان نے اس غزوے سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔ البتہ تین مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں کہ صحیح الایمان ہونے کے باوجود انہوں نے غزوے میں شرکت نہ کی۔ حالت یہ تھی کہ حاجت مند اور فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری فراہم کر دیں تاکہ وہ بھی رومیوں سے ہونے والی اس جنگ میں شرکت کر سکیں۔ اور جب آپ ان سے معذرت کرتے کہ :

لَا آجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا
أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ○ (۹۲ : ۹)

”میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔“

اسی طرح مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سواونٹ تھے اور دو سواونٹ (تقریباً ساڑھے اسیس کیلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سواونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کیلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اُلٹے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، آج کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سواونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

ادھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کیلو) چاندی لے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضر خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے حضرت طلحہؓ، سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمہؓ بھی کافی مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نوے و سق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کیلو، ۱۳ ۱/۲ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ بقیہ صحابہ بھی پے درپے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک دوا صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپ کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا اور بخل سے کام نہ لیا۔ صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طعنہ زنی کرتے تھے کہ یہ ریاکار ہے اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا، ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ ایک دو کھجور سے قیصر کی مملکت فتح کرنے اُٹھے ہیں۔ (۷۹:۹)

اس دھوم دھام جوش و خروش اور بھاگ دوڑ کے نتیجے میں لشکر اسلامی لشکر تبوک کی راہ میں تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو اور کہا جاتا ہے کہ سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اس لیے وہ مدینہ سے نکل پڑے اور رسول اللہ ﷺ سے جالاحق ہوئے۔ لیکن آپ نے انہیں پھر مدینہ واپس کر دیا اور فرمایا: ”کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰؑ سے حضرت ہارونؑ کو تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس انتظام کے بعد شمال کی جانب کوچ فرمایا (نسائی کی روایت کے مطابق یہ جموات کا دن تھا) منزل تبوک تھی لیکن لشکر بڑا تھا۔ تیس ہزار مردان جنگی تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر کبھی فراہم نہ ہوا تھا اس لیے مسلمان ہر چند مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کر سکے تھے، بلکہ سواری اور توڑے کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں درم آگیا تھا۔ مجبوراً اونٹوں کو قلت کے باوجود ذبح کرنا

پڑا تاکہ اس کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جا سکے۔ اسی لیے اس کا نام حبشِ عسرت (تنگی کا شکر) پڑ گیا۔

تبوک کی راہ میں شکر کا گزر حجر یعنی دیارِ ثمود سے ہوا۔ ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکانات بنائے تھے۔ صحابہ کرام نے وہاں کے کنویں سے پانی لے لیا تھا لیکن جب چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم یہاں کا پانی نہ پینا اور اس سے نماز کے لیے وضو نہ کرنا اور جو آٹا تم لوگوں نے گوندھ رکھا ہے اسے جانوروں کو کھلا دو، خود نہ کھاؤ۔" آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حجر (دیارِ ثمود) سے گزرے تو فرمایا: "ان ظالموں کی جائے سکونت میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان پر آئی تھی، ہاں مگر روتے ہوئے۔" پھر آپ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔

راستے میں شکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے بادل بھیج دیا، بارش ہوئی۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لا دیا۔ پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: "کل انشاء اللہ تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے لیکن چاشت سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ لہذا جو شخص وہاں پہنچے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، یہاں تک کہ میں آ جاؤں۔" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ پہنچے تو وہاں دو آدمی پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا تم دونوں نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے ان دونوں سے جو کچھ اللہ نے چاہا، فرمایا۔ پھر چشمے سے چلو گے۔ ذریعہ تھوڑا تھوڑا پانی نکالا یہاں تک کہ قدرے جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھویا، اور اسے چشمے میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد چشمے سے خوب پانی آیا۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس مقام کو باغات سے ہر ابھر دیکھو گے۔"

راستے ہی میں یا تبوک پہنچ کر۔ روایات میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی لہذا کوئی نہ اٹھے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوطی سے

باندھ دئے چنانچہ سخت آندھی چلی۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا تو آندھی نے اسے اڑا کر طلی کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی اور مغرب اور عشاء

کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی کرتے تھے اور جمع تاخیر بھی۔ (جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں ظہر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھی جائیں۔ اور جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر دونوں عصر کے وقت میں اور مغرب و عشاء دونوں عشاء کے وقت میں پڑھی جائیں۔)

اسلامی شکر تبوک میں | ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اہل لشکر

کو مخاطب کر کے نہایت بلوغ خطبہ دیا۔ آپ نے جوامع الکلم ارشاد فرمائے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی رغبت دلائی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری دی۔ اس طرح فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ ان میں توشے، ضروریات اور سامان کی کمی کے سبب جو نقص اور خلل تھا وہ اس کا بھی ازالہ ہو گیا۔ دوسری طرف رومیوں اور ان کے حلیفوں کا یہ حال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر ان کے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں آگے بڑھنے اور ٹکرائے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرون ملک مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کا اثر جزیرہ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر بہت عمدہ مرتب ہوا اور مسلمانوں نے ایسے ایسے اہم سیاسی فوائد حاصل کئے کہ جنگ کی صورت میں اس کا حاصل کرنا آسان نہ ہوتا۔ تفصیل یہ ہے :

ایلیہ کے حاکم یحٰنہ بن ربیع نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیرہ کی ادائیگی منظور کی اور صلح کا معاہدہ کیا۔ جزیرہ اور اذرح کے باشندوں نے بھی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر جزیرہ دینا منظور کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی جو ان کے پاس محفوظ تھی۔ آپ نے حاکم ایلیہ کو بھی ایک تحریر لکھ کر دی جو یہ تھی۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم : یہ پروانہ امن ہے اللہ کی جانب سے اور نبی محمد رسول اللہ کی جانب سے یحٰنہ بن ربیع اور باشندگان ایلیہ کے لیے۔ خشکی اور سمندریں ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لیے اللہ کا ذمہ ہے اور محمد نبی کا ذمہ ہے اور یہی ذمہ ان شامی اور سمندری باشندوں کے لیے ہے جو یحٰنہ کے ساتھ ہوں۔ ہاں! اگر ان کا کوئی آدمی کوئی گڑبڑ کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کے آگے روک نہ بن سکے گا اور جو آدمی

اس کا مال لے لے گا اس کے لیے وہ حلال ہوگا۔ انہیں کسی چشمے پر اترنے اور خشکی یا سمندر کے کسی راستے پر چلنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔“

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کا رسالہ دے کر دومتہ الجندل کے حاکم اگنیدر کے پاس بھیجا اور فرمایا تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے۔ جب اتنے فاصلے پر رہ گئے کہ قلعہ صاف نظر آرہا تھا تو اچانک ایک نیل گائے نکلی اور قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اگنیدر اس کے شکار کو نکلا۔ چاندنی رات تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے سواروں نے اُسے جالیا اور گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اس کی جان بخشی کی اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زریں اور چار سو نیرے دینے کی شرط پر مصالحت فرمائی۔ اس نے جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔ چنانچہ آپ نے اس سے یمن سمیت دومتہ، تبوک، ایلہ اور تیماء کے شرائط کے مطابق معاملے طے کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر وہ قبائل جو اب تک رومیوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے، سمجھ گئے کہ اب اپنے ان پرانے سرپرستوں پر اعتماد کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہے اس لیے وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس طرح اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہو کر براہ راست رومی سرحد سے جا ملیں اور رومیوں کے آلہ کاروں کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔

مدینہ کو واپسی

اسلامی لشکر تبوک سے منظر و منصور واپس آیا۔ کوئی مکر نہ ہوتی۔ اللہ جنگ کے معاملے میں مومنین کے لیے کافی ہوا۔ البتہ راستے میں ایک جگہ ایک گھاٹی کے پاس بارہ منافقین نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت آپ اس گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت عمارؓ تھے جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ تھے جو اونٹنی ہانک رہے تھے۔ باقی صحابہ کرام دُور وادی کے نشیب سے گزر رہے تھے اس لیے منافقین نے اس موقع کو اپنے ناپاک مقصد کے لیے غنیمت سمجھا اور آپ کی طرف قدم بڑھایا۔ ادھر آپ اور آپ کے دونوں ساتھی حسب معمول راستے طے کر رہے تھے کہ پیچھے سے ان منافقین کے قدموں کی چاپیں سنائی دیں۔ یہ سب چہروں پر ڈھانٹا باندھے ہوئے تھے اور اب آپ پر تقریباً چڑھ ہی آئے تھے کہ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کی سواروں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی، جس سے اللہ نے انہیں مرعوب کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام بتائے اور ان کے ارادے سے باخبر کیا۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ کو

رسول اللہ ﷺ کا ”رازداں“ کہا جاتا ہے۔ اسی واقعہ سے متعلق اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ ”وَهُمْوَا بِمَا لَمْ يَنَالُوا“ انہوں نے اس کام کا قصد کیا جسے وہ نہ پاسکے۔“

خاتمہ سفر پر جب دُور سے نبی ﷺ کو مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے تو آپ نے فرمایا: ”یہ رہا طابہ“ اور یہ رہا اُحد، یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ادھر مدینہ میں آپ کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں بچے اور بچیاں باہر نکل پڑیں اور زبردست اعزاز کے ساتھ لشکر کا استقبال کرتے ہوئے یہ نغمہ گنگنایا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا إِلَهُ دَاعٍ

”ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔“

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے رجب میں روانہ ہوتے تھے اور واپس آئے تو رمضان کا ہیمنہ تھا۔ اس سفر میں پورے پچاس روز صرف ہوتے۔۔۔ کس دن تبوک میں اور تیس دن آمد و رفت میں۔ یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔

مخلفین | یہ غزوہ اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش بھی تھا جس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہو گئی۔ اور اس قسم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے! ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
(۱۷۹:۳)

”اللہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ نہیں سکتا جس پر تم لوگ ہو یہاں تک کہ نجیث کو پاکیزہ سے علیحدہ کر دے۔“

چنانچہ اس غزوہ میں سارے کے سارے مومنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ اسے چھوڑ دو۔ اگر اس میں خیر ہے تو اللہ اسے جلد ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ غرض اس غزوے سے یا تو وہ لوگ پیچھے رہے جو معذور تھے یا وہ لوگ جو منافق تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے ایمان کا جھوٹا

دعویٰ کیا تھا اور اب جھوٹا عذر پیش کر کے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پیچھے بیٹھ رہے تھے یا سرے سے اجازت لیے بغیر ہی بیٹھے رہ گئے تھے۔ ہاں تین آدمی ایسے تھے جو سچے اور پکے مومن تھے اور کسی وجہ جواز کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں اللہ نے آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو حسب معمول سب سے پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کی خاطر بیٹھ گئے۔ ادھر منافقین نے جن کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی، آکر عذر پیش کرنے شروع کر دیئے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے ان سے ان کا ظاہر قبول کرتے ہوئے بیعت کر لی اور دُعائے مغفرت کی اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔

باقی رہے تینوں مومنین صادقین — یعنی حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن زید اور ہلال بن امیہ۔ تو انہوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات چیت نہ کریں۔ چنانچہ ان کے خلاف سخت بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ لوگ بدل گئے، زمین بھیانک بن گئی اور کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی۔ خود ان کی اپنی جان پر بن آئی۔ سختی یہاں تک بڑھی کہ چالیس روز گزرنے کے بعد حکم دیا گیا کہ اپنی عورتوں سے بھی الگ رہیں جب بائیکاٹ پر پچاس روز پورے ہو گئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کئے جانے کا مشورہ نازل کیا۔ ارشاد ہوا :

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○ (۱۱۸: ۹)

اور اللہ نے ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول کی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جان بھی ان پر تنگ ہو گئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) کوئی جاتے پناہ نہیں ہے مگر اسی کی طرف۔ پھر اللہ ان پر رجوع ہوا تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ اس فیصلے کے نزول پر مسلمان عموماً اور یہ تینوں صحابہ کرام خصوصاً بے حد حساب خوش ہوتے۔ لوگوں نے دوڑ دوڑ کر بشارت دی۔ خوشی سے چہرے کھل اٹھے اور انعامات اور صدقے دیئے۔ درحقیقت یہ ان کی زندگی کا

تہ واقعہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ تعداد منافقین انصار کی تھی۔ ان کے علاوہ بنی غفار وغیرہ اعراب میں سے معذرت کرنے والوں کی تعداد بھی بیاسی تھی؛ پھر عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکاران کے علاوہ تھے اور ان کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی۔ (دیکھئے فتح الباری ۸/۱۱۹)

سب سے باسعادت دن تھا۔

اسی طرح جو لوگ مزدوری کی وجہ سے شریکِ غزوہ نہ ہو سکے تھے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ
حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ (۹: ۹۱)

”مزدوروں پر، مریضوں پر اور جو لوگ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ پائیں ان پر کوئی حرج نہیں جب کہ وہ

اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔“

ان کے متعلق نبی ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا: ”مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو دادی بھی ملے گی وہ تمہارے ساتھ رہے، انہیں عذر نہ روک رکھا تھا۔ لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (ہمارے ساتھ تھے)؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔“

یہ غزوہ جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا اثر پھیلانے اور اسے تقویت پہنچانے میں بڑا موثر ثابت ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس طرح جاہلین اور منافقین کی وہ بچی کھچی آرزوئیں اور امیدیں بھی ختم ہو گئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردشِ زمانہ کے انتظار میں ان کے نہاں خانہ دل میں پنہاں تھیں، کیونکہ ان کی ساری امیدوں اور آرزوئوں کا محور رومی طاقت تھی اور اس غزوے میں اس کا بھی بھرم کھل گیا تھا اس لیے ان حضرات کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے امر واقعہ کے سامنے سپردِ وال دی کہ اب اس سے بھاگنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی راہ ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اور اسی صورتِ حال کی بناء پر اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی تھی کہ مسلمان، منافقین کے ساتھ رفق و نرمی کا معاملہ کریں؛ لہذا اللہ نے ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے صدقے قبول کرنے، ان کی نماز جنازہ پڑھنے، ان کے لیے دُعا سے مغفرت کرنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے روک دیا اور انہوں نے مسجد کے نام پر سازش اور دسیہ کاری کا جو گھونسلہ تعمیر کیا تھا اسے ڈھا دینے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بارے میں ایسی ایسی آیات نازل فرمائیں کہ وہ بالکل ننگے ہو گئے اور انہیں پہچاننے میں کوئی ابہام نہ رہا۔ گویا اہل مدینہ کے لیے ان آیات نے ان منافقین پر انگلیاں رکھ دیں۔

اس غزوے کے اثرات کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد (بلکہ اس سے پہلے بھی)

عرب کے دنوں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آنا شروع ہو گئے تھے، لیکن ان کی بھرمار اس غزوے کے بعد ہی ہوئی۔

اس غزوے سے متعلق قرآن کا نزول

اس غزوے سے متعلق سورہ توبہ کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ کچھ روانگی سے پہلے، کچھ روانگی کے بعد دوران سفر، اور کچھ مدینہ واپس آنے کے بعد۔ ان آیات میں غزوے کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، منافقین کا پردہ کھولا گیا ہے، مخلص مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور منافقین جو غزوے میں گئے تھے اور جو نہیں گئے تھے ان کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سنہ کے بعض اہم واقعات

اس سن (۶۱۰ء) میں تاریخی اہمیت کے متعدد واقعات پیش آئے :

- ۱۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد عُوَیْمِرِ عَجَلَانِی اور ان کی بیوی کے درمیان لعان ہوا۔
- ۲۔ غامدیہ عورت کو جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بدکاری کا اقرار کیا تھا، رجم کیا گیا۔ اس عورت نے بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا لیا تب اسے رجم کیا گیا تھا۔
- ۳۔ اُصْحَمَہ نِجَاشِی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔
- ۴۔ نبی ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر آپ کو سخت غم ہوا اور آپ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔
- ۵۔ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد اس المناقین عبداللہ بن ابی نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دُعائے مغفرت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بعد میں وحی نازل ہوئی اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

۱۔ اس غزوے کی تفصیل مآخذ ذیل سے لی گئی ہیں : ابن ہشام ۲/ ۵۱۵ تا ۵۳۷ ، زاد المعاد ۳/ ۲ تا ۱۳ ، صحیح بخاری ۲/ ۶۳۳ تا ۶۳۷ د ۲۵۲/ ۱ ، صحیح مسلم مع شرح نووی ۲/ ۲۲۶ ، فتح الباری ۸/ ۱۱۰ تا ۱۲۶ ، مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ص ۲۹۱ تا ۳۰۷ ۔

حج ۹۰ (زیر امارت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اسی سال ذی قعدہ یا ذی الحجہ (۹۰ھ) میں رسول اللہ ﷺ نے مناسکِ حج قائم کرنے کی غرض سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔

اس کے بعد سورہ براءت کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کئے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عسل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں۔ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلے میں عرب کا یہی دستور تھا (کہ آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ خاندان سے باہر کے کسی آدمی کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات عرج یا وادی ضحمان میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے دریافت کیا کہ امیر ہو یا مامور؟ حضرت علی نے کہا، نہیں بلکہ مامور ہوں۔ پھر دونوں آگے بڑھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دسویں تاریخ) یعنی قربانی کا دن آیا تو حضرت علی بن ابی طالب نے حجرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ یعنی تمام عہد والوں کا عہد ختم کر دیا اور انہیں چار مہینے کی مہلت دی۔ اسی طرح جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ تھا انہیں بھی چار مہینے کی مہلت دی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے عہد نبھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی تھی، ان کا عہد ان کی طے کردہ مدت تک برقرار رکھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیج کر یہ اعلان عام کرایا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔

یہ اعلان گویا جزیرۃ العرب سے بُت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔ یعنی اس سال کے بعد بُت پرستی کے لیے آمد و رفت کی کوئی گنجائش نہیں رہے۔

۱۔ اس حج کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح بخاری ۱/۲۲۰، ۲۵۱، ۲/۶۲۶، ۶۴۱، زاد المعاد ۳/۴۵، ۲۶، ابن ہشام ۲/۵۴۳ تا ۵۴۶۔ اور کتب تفسیر ابتدا سورہ براءت۔

غزوات پر ایک نظر

نبی ﷺ کے غزوات، سرایا اور فوجی مہمات پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی شخص جو جنگ کے ماحول، پس منظر و پیش منظر اور آثار و نتائج کا علم رکھتا ہو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نبی ﷺ دنیا کے سب سے بڑے اور باکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپ کی سوجھ بوجھ سب سے زیادہ درست اور آپ کی فراست اور بیدار مغزی سب سے زیادہ گہری تھی۔ آپ جس طرح نبوت و رسالت کے اوصاف میں تیار اسل اور اعظم الانبیاء تھے، اسی طرح فوجی قیادت کے وصف میں بھی آپ یگانہ روزگار اور نادر عبقریت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ نے جو بھی معرکہ آرائی کی اس کے لیے ایسے حالات و جہات کا انتخاب فرمایا جو عزم و تدبیر اور حکمت و شجاعت کے عین مطابق تھے۔ کسی معرکہ میں حکمت عملی، لشکر کی ترتیب اور حساس مراکز پر اس کی تعیناتی، موزوں ترین مقام جنگ کے انتخاب اور جنگی پلاننگ وغیرہ میں آپ سے کبھی کوئی چوک نہیں ہوئی اور اسی لیے اس بنیاد پر آپ کو کبھی کوئی زک نہیں اٹھانی پڑی، بلکہ ان تمام جنگی معاملات و مسائل کے سلسلے میں آپ نے اپنے عملی اقدامات سے ثابت کر دیا کہ دنیا بڑے بڑے کمانڈروں کے تعلق سے جس طرح کی قیادت کا علم رکھتی ہے آپ اس سے بہت کچھ مختلف ایک زالی ہی قسم کی کمانڈرانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ جس کے ساتھ شکست کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اُحد اور حنین میں جو کچھ پیش آیا اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی کسی حکمت عملی کی خامی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے حنین میں کچھ افرادِ شکر کی بعض کمزوریاں کارفرما تھیں اور اُحد میں آپ کی نہایت اہم حکمت عملی اور لازمی ہدایات کو نہایت فیصلہ کن لمحات میں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

پھر ان دونوں غزوات میں جب مسلمانوں کو زک اٹھانے کی نوبت آئی تو آپ نے جس عبقریت کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپ دشمن کے مد مقابل ڈٹے رہے اور اپنی نادر روزگار حکمت عملی سے اسے یا تو اس کے مقصد میں ناکام بنا دیا۔ جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ یا جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ دیا کہ مسلمانوں کی شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی۔ جیسا کہ حنین میں ہوا۔ حالانکہ اُحد جیسی خطرناک صورت حال اور حنین جیسی بے لگام جھگڑ پہ سالاروں کی قوتِ فیصلہ سلب کر لیتی ہے اور ان کے اعصاب پر اتنا بدترین

اثر ڈالتی ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں رہ جاتی۔

یہ گفتگو تو ان غزوات کے خالص فوجی اور جنگی پہلو سے تھی۔ باقی رہے دوسرے گوشے تو وہ بھی بے حد اہم ہیں۔ آپ نے ان غزوات کے ذریعے امن و امان قائم کیا، نقتے کی آگ بجھائی، اسلام و بت پرستی کی کشمکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور مصالحت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح آپ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کر لیا کہ آپ کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مخلص ہیں اور کون سے لوگ منافق جوہاں خاندول میں غد و خیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی جنہوں نے آپ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس و روم سے ٹکمرلی، اور جنگی پلاننگ اور تکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات و سرزمین سے، اموال و باغات سے، چشموں اور کھیتوں سے، آرام و باعزت مقام سے اور مزے دار نعمتوں سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کے لیے رہائش، کھیتی، پیٹھے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اخراجات جنگ مہیا کئے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کئے بغیر حاصل کیا۔

آپ نے ان اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لیے دور جاہلیت میں جنگ کے شعلے بھڑکا کرتے تھے، یعنی دور جاہلیت میں جنگ نام تھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدد کا، کمزوروں کو کھینچنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے کا، عورتوں کی بے حرمتی کرنے اور بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی روح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر ملک میں انسانی معاشرہ کے لیے باعث اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو ظہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی سلیح جدوجہد کی جائے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھارے ہو، اُلٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقتور کمزور ہو جائے جب تک کہ اس سے

کمزور کا حق لے نہ لیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنی یہ ہو گیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس جنگ کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ کی زمین کو غدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کر کے اس کی جگہ امن و امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور مروت و انسانیت کا نظم بجالایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا سریرہ کا امیر مقرر فرماتے تو اسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عزوجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے: ”اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بد عہدی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کو قتل نہ کرو، اللہ کی اسی طرح آپ آسانی بتنے کا حکم دیتے اور فرماتے: ”آسانی کرو، سختی نہ کرو۔ لوگوں کو سکون دلاؤ، متنفر نہ کرو۔“ اور جب رات میں آپ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپ نے کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور لوٹ مار سے روکا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ لوٹ کا مال مُردار کی طرح ہی حرام ہے۔ اسی طرح آپ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا، سوائے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آن پڑے اور درخت کاٹے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: ”کسی زخمی پر حملہ نہ کرو کسی بھلے گئے والے کا پیچھا نہ کرو، اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔“ آپ نے یہ سنت بھی جاری فرمائی کہ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے معاہدین (غیر مسلم شہریوں) کے قتل سے بھی نہایت سختی سے روکا یہاں تک کہ فرمایا: ”جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے پائی جاتی ہے۔“

یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد و ضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں سے پاک و صاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہو گیا۔

اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

جیسا کہ ہم نے عرض کیا غزوہ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے بُت پرستی کا کام تمام کر دیا اور سارے عرب کے لیے حق و باطل کی پہچان ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے ان کے شبہات جاتے رہے۔ اسی لیے اس کے بعد انہوں نے بڑی تیز رفتاری سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر (آباد) تھے جو لوگوں کی گزرگاہ تھا۔ ہمارے ہاں سے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس آدمی — یعنی نبی ﷺ — کا کیا حال ہے؟ اور کیا ہے؟ لوگ کہتے: ”وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اسے پیغمبر بنایا ہے؛ اس کے پاس وحی بھی ہے؛ اللہ نے یہ اور یہ وحی کی ہے۔“ میں یہ بات یاد کر لیتا تھا، گویا وہ میرے سینے میں چپک جاتی تھی اور عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کہتے تھے: ”اسے اور اس کی قوم کو رہنما آزمانی کے لیے (چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگیا تو سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ (مدینہ کی جانب) پیش رفت کی اور میرے والد بھی میری قوم کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب (خدمتِ نبوی سے) واپس آئے تو فرمایا: ”میں تمہارے پاس خدا کی قسم ایک نبی برحق کے پاس سے آ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو۔ اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے۔“

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں، اسلام کو قوت بخشنے میں، اہل عرب کا موقف متعین کرنے میں اور اسلام کے سامنے انہیں سپر انداز کرنے میں کتنے گہرے اور دُور رس اثرات رکھتا تھا۔ یہ کیفیت غزوہ تبوک کے بعد سچتے سے سچتے تر ہو گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو برسوں ۹ھ اور ۱۰ھ — میں مدینہ آنے والے وفود کا تانا بانا بندھا ہوا تھا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا اس کی تعداد غزوہ تبوک میں (جبکہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزرا تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے

ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہو گیا؛ پھر ہم حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار اہل اسلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے گرداگرد اس طرح بیک پکارتا، تکبیر کہتا اور حمد و تسبیح کے نغمے گنگناتا ہے کہ آفاق گونج اٹھتے ہیں اور وادی و کوہسار نعمت توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اہلِ معاذی نے جن دُفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ لیکن یہاں نہ تو ان

دُفود

سب کے ذکر کی گنجائش ہے اور نہ ان کے تفصیلی بیان میں کوئی بڑا فائدہ ہی مضمر ہے اس لیے ہم صرف انہی دُفود کا ذکر کر رہے ہیں جو تاریخی حیثیت سے اہمیت و ندرت کے حامل ہیں۔ قارئین کرام کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگرچہ عام قبائل کے دُفود فتح مکہ کے بعد خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہونا شروع ہوئے تھے

لیکن بعض بعض قبائل ایسے بھی تھے جن کے دُفود فتح مکہ سے پہلے ہی مدینہ آچکے تھے۔ یہاں ہم ان کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔

۱۔ وفد عبدالقیس — اس قبیلے کا وفد دوبار خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ پہلی بار ۶ھ میں یا اس سے بھی پہلے اور دوسری بار عام الوفود ۹ھ میں۔ پہلی بار اس کی آمد کی وجہ یہ ہوئی کہ اس قبیلے کا ایک شخص

منقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ آیا جایا کرتا تھا۔ وہ جب نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد پہلی بار مدینہ آیا اور اسے اسلام کا علم ہوا تو وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کا ایک خط لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور ان کے ۱۳ یا ۱۴ آدمیوں کا ایک وفد خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ اسی وفد اس وفد نے نبی ﷺ سے ایمان اور مشروبات کے متعلق سوال کیا تھا۔ اس وفد کا

سربراہ اللہ شیح العصریؓ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ (۱) دُور اندیشی اور (۲) بُرُوباری۔

دوسری بار اس قبیلے کا وفد جیسا کہ بتایا گیا دُفود والے سال میں آیا تھا۔ اس وقت ان کی تعداد چالیس تھی اور ان میں علماء بن جارد و عبدی تھا جو نصرانی تھا، لیکن مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام بہت خوب رہا۔

۲۔ وفدِ دُوس — یہ وفد ۶ھ کے اوائل میں مدینہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ آپ پھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ اس قبیلے کے سربراہ حضرت طفیل بن عمرو دُوسی رضی اللہ عنہ اس وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ پھر انہوں نے اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل کیا لیکن ان کی قوم برابر نالتی اور تاخیر کرتی رہی یہاں تک کہ حضرت طفیل ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پھر انہوں نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ قبیلہ دُوس پر

بددعا کر دیجئے لیکن آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ اور آپ کی اس دُعا کے بعد اس قبیلے کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیل نے اپنی قوم کے شریا سستی گھرانوں کی جمعیت لے کر مکہ کے اوائل میں اس وقت مدینہ ہجرت کی جب نبی ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ خیبر میں آپ کے ساتھ جا ملے۔

۳۔ فرزہ بن عمرو جذامی کا پیغام رسان — حضرت فرزہ، رومی سپاہ کے اندر ایک عربی کمانڈر تھے! انہیں رومیوں نے اپنی حدود سے متصل عرب علاقوں کا گورنر بنا رکھا تھا۔ ان کا مرکز معان (جنوبی اردن) تھا اور عملداری گردو پیش کے علاقے میں تھی۔ انہوں نے جنگِ مؤتہ (۶۲۹ء) میں مسلمانوں کی معرکہ آرائی، شجاعت اور جنگی پختگی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور ایک قاصد بھیج کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ تحفہ میں ایک سفید خچر بھی بھجوایا۔ رومیوں کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے تو انہیں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا پھر اختیار دیا کہ یا تو مرتد ہو جائیں یا موت کے لیے تیار رہیں۔ انہوں نے ارتداد پر موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ انہیں فلسطین میں عفرات نامی ایک چشمے پر سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔

۴۔ وفدِ صداء — یہ وفد ۶۲۹ء میں حجاز سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے چار سو مسلمانوں کی ایک مہم تیار کر کے اسے حکم دیا کہ یمن کا وہ گوشہ روند آویں جس میں قبیلہ صداء رہتا ہے۔ یہ مہم ابھی وادی قناتہ کے سرے پر خیمہ زن تھی کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ بھاگ بھاگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پیچھے جو لوگ ہیں میں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں لہذا آپ لشکر واپس بلا لیں۔ اور میں آپ کے لیے اپنی قوم کا ضامن ہوں۔ آپ نے وادی قناتہ ہی سے لشکر واپس بلا لیا۔ اس کے بعد حضرت زیاد نے اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں ترغیب دی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان کی ترغیب پر پندرہ آدمی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام پر بیعت کی۔ پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کی، اور ان میں اسلام پھیل گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے ایک سو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شرفِ باریابی حاصل کیا۔

۵۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کی آمد — یہ شخص ایک شاعر خانوادے کا چشم و چراغ تھا اور خود بھی عرب کا عظیم ترین شاعر تھا۔ یہ کافر تھا اور نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کے بقول یہ بھی ان

مجرموں کی فہرست میں شامل تھا جن کے متعلق فتح مکہ کے موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ لیکن یہ شخص نبیؐ نکلا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف (۶۳۰ء) سے واپس ہوتے تو کعب کے پاس اس کے بھائی بھیر بن زہیر نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے کئی ان افراد کو قتل کر دیا ہے جو آپ کی ہجو کرتے اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے تھے۔ قریش کے بچے کچھ شعرا میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے ہیں نکل بھاگا ہے لہذا اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اڑ کر آ جاؤ، کیونکہ کوئی بھی شخص توبہ کر کے آپ کے پاس آجائے تو آپ اسے قتل نہیں کرتے؛ اور اگر یہ بات منظور نہیں تو پھر جہاں نجات مل سکے نکل بھاگو۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں مزید خط و کتابت ہوئی جس کے نتیجے میں کعب بن زہیر کو زمین تنگ محسوس ہونے لگی اور اسے اپنی جان کے لئے پڑتے نظر آئے اس لیے آخر کار وہ مدینہ آ گیا اور جہینہ کے ایک آدمی کے ہاں مہمان ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو جہینہ نے اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا بیٹھا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسے پہچانتے نہ تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے اور آپ سے امن کا خواستگار بن کر آیا ہے تو کیا اگر میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں تو آپ اس کے اسلام کو قبول فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ یہ سن کر ایک انصاری صحابی اس پر جھپٹ پڑے اور اس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: چھوڑ دو، یہ شخص تائب ہو کر اور پھلی باتوں سے دست کش ہو کر آیا ہے۔ اس کے بعد اسی موقع پر کعب بن زہیر نے اپنا مشہور قصیدہ آپ کو پڑھ کر سنایا جس کی ابتدا یوں ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اشرہالم یفد، مکبول

”سعاد دُور ہو گئی تو میرا دل بے قرار ہے۔ اس کے پیچھے دارفہم اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا۔“

اس قصیدے میں کعب نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کرتے ہوئے اور آپ کی مدح کرتے

ہوتے آگے یوں کہا ہے:

نُبْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْعَدَ بِي وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُولُ
مَهْلًا هَذَا الَّذِي أَعْطَاكَ نَافِلَةً ... قُرْآنُ نِيهَا مَوَاعِيظًا وَتَفْصِيلُ
لَا نَأْخُذُ بِأَقْوَالِ الْوَشَاةِ وَلَمْ أَدُنِّبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِي الْإِقْأَوِيلُ
لَقَدْ أَقَوْمٌ مَقَامًا لَوْ يَتَوَمُّ بِهِ أَرَى وَأَسْمَعُ مَا لَوْ يَسْمَعُ الْفِيلُ

لَفَلَّ يَرَعْدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ
 حَتَّى وَضَعْتُ يَمِينِي مَا أَنْزَعْتُهُ
 فَهَلُّهُ وَأَخُوفٌ عِنْدِي إِذَا كَلَّمْتُهُ
 مَنْ ضِعْفٌ بِضِرَاءِ الْأَرْضِ مَخْدَرُهُ
 مِنْ الرِّسُولِ لِنُورٍ يُسْتَضَاءُ بِهِ
 مِنْ الرِّسُولِ بِإِذْنِ اللَّهِ تَنْوِيلُ
 فِي كَفِّ ذِي نَقَعَاتٍ قَيْلَهُ الْقَيْلُ
 وَقِيلُ ! إِنَّكَ مَنْسُوبٌ وَمَسْتَوْلُ
 فِي بَطْنِ عَشْرِغَيْلٍ دُونَهُ غَيْلُ
 مُهَيَّبٌ مِنْ سَيْفِ اللَّهِ مَسْلُوقُ

مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھکی دی ہے، حالانکہ اللہ کے رسول سے درگزر کی توقع ہے۔ آپؐ ٹھہریں چغلوں کی بات نہ لیں۔ وہ ذات آپؐ کی رہنمائی کرے جس نے آپؐ کو نصائح اور تفصیل سے پُر قرآن کا تحفہ دیا ہے۔ اگرچہ میرے بارے میں باتیں بہت کہی گئی ہیں، لیکن میں نے جرم نہیں کیا ہے۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں اور وہ باتیں دیکھ اور سن رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہو اور ان باتوں کو سُننے اور دیکھنے تو تھرا تھرا رہ جاتے۔ سوائے اس صورت کے کہ اس پر اللہ کے اذن سے رسولؐ کی نوازش ہو۔ حتیٰ کہ میں نے اپنا ہاتھ کسی نزال کے بغیر اس ہستی معترم کے ہاتھ میں رکھ دیا جسے انتقام پر پوری قدرت ہے اور جس کی بات بات ہے۔ جب میں اس سے بات کرتا ہوں۔ دراصل ایک مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہاری طرف (غلاں فلاں باتیں) منسوب ہیں اور تم سے باز پرس کی جائے گی۔ تو وہ میرے نزدیک اس شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کا کچھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں واقع کسی ایسی سخت زمین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسولؐ ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔“

اس کے بعد کعب بن زہیر نے مہاجرین قریش کی تعریف کی، کیونکہ کعب کی آمد پر ان کے کسی آدمی نے خیر کے سوا کوئی بات اور حرکت نہیں کی تھی، لیکن ان کی مدح کے دوران انصار پر طنز کی، کیونکہ ان کے ایک آدمی نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی تھی۔ چنانچہ کہا

يَمْشُونَ مَشَى الْجَمَالِ الزَّهْرِ عَيْصِمَهُمْ
 ضَرْبٌ إِذَا عَرِدَ السُّودَ التَّنَابِيلُ

”وہ (قریش) خوبصورت، منگتے اونٹ کی چال چلتے ہیں اور شمیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے جب کہ ناٹے کھوٹے، کالے کھوٹے لوگ راستہ چھوڑ کر بھاگتے ہیں۔“

لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا اور اس کے اسلام میں عہدگی آگئی تو اس نے ایک قصیدہ انصار کی مدح میں کہا اور ان کی شان میں اس سے جو غلطی ہو گئی تھی اس کی تلافی کی۔ چنانچہ اس قصیدے میں کہا:

مَنْ سَرَّهُ كَرَمُ الْحَيَاةِ فَلْيَبْزِلْ
 فِي مَقْنَبٍ مِنْ صَالِحِي الْأَنْصَارِ

ورثوالمکارم کابرا عن کابرو إن الخیار ہم بنوالاخیار

”جسے کریمانہ زندگی پسند ہو وہ ہمیشہ صالح انصار کے کسی دستے میں رہے۔ انہوں نے خوبیاں باپ دادا

سے ورثہ میں پائی ہیں۔ درحقیقت اچھے لوگ وہی ہیں جو اچھوں کی اولاد ہوں۔“

۶۔ وفدِ عذرہ — یہ وفدِ صفر ۹ھ میں مدینہ آیا۔ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں حمزہ بن نعمان بھی تھے۔

جب وفد سے پوچھا گیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو ان کے نمائندے نے کہا، ہم بنو عذرہ ہیں۔ قصی کے انخیانی بھائی۔ ہم نے ہی قصی کی تائید کی تھی اور خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ (یہاں) ہمارے رشتے اور قربت دایاں ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ملکِ شام کے فتح کیے جانے کی بشارت دی۔ نیز انہیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے سے منع کیا اور ان ذبیحوں سے روکا جنہیں یہ لوگ (حالتِ شرک میں) ذبح کیا کرتے تھے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا اور چند روز ٹھہر کر واپس گیا۔

۷۔ وفدِ بلی — یہ ربیع الاول ۹ھ میں مدینہ آیا اور علقہ بگوشِ اسلام ہو کر تین روز مقیم رہا۔ دورانِ قیام وفد کے رئیس ابو الضبیب نے دریافت کیا کہ کیا ضیانت میں بھی اجر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کر دے وہ صدقہ ہے۔ اس نے پوچھا: مدتِ ضیانت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا: تین دن۔ اس نے پوچھا: کسی لاپتہ شخص کی گمشدہ بھیڑ بکری مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑیے کے لیے ہے۔ اس کے بعد اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ اسکا مالک اُسے پا جائے۔

۸۔ وفدِ ثقیف — یہ وفدِ رمضان ۹ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر ہوا۔ اس قبیلے میں اسلام پھیلنے کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ ذمی قعدہ ۸ھ میں جب غزوہ طائف سے واپس ہوئے تو آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس قبیلے کے سردار عمرو بن مسعود نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنے قبیلہ میں واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ چونکہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صرف یہی نہیں کہ اس کی بات مانی جاتی تھی بلکہ اسے اس قبیلے کے لوگ اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن جب اس نے اسلام کی دعوت دی تو اس توقع کے بالکل برعکس لوگوں نے اس پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا۔ پھر اسے قتل کرنے کے بعد چند مہینے تو یوں ہی مقیم رہے لیکن اس کے بعد انہیں احساس ہوا کہ گرد و پیش کا علاقہ جو مسلمان ہو چکا ہے اس سے ہم مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے لہذا انہوں نے باہم مشورہ کر کے

طے کیا کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں اور اس کے لیے عبد یاکیل بن عمرو سے بات چیت کی مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا جا چکا ہے اس لیے اس نے کہا، میں یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک میرے ساتھ مزید کچھ آدمی نہ بھیجوں۔ لوگوں نے اس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ حلیفوں میں سے دو آدمی اور بنی مالک میں سے تین آدمی لگا دیئے۔ اس طرح کل چھ آدمیوں کا وفد تیار ہو گیا۔ اسی وفد میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

جب یہ لوگ خدمت نبویؐ میں پہنچے تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے ایک گوشے میں ایک قبۃ لگوا دیا تاکہ یہ قرآن سن سکیں اور صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر ان کے سردار نے سوال کیا کہ آپ اپنے اور ثقیف کے درمیان ایک معاہدہ صلح لکھ دیں جس میں زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت ہو۔ ان کے معبود "لات" کو برقرار رہنے دیا جائے انہیں نماز سے معاف رکھا جائے اور ان کے بت خود ان کے ہاتھوں سے نہ ٹر وائے جائیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی بات منظور نہ کی۔ لہذا انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا مگر انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سپر ڈالنے کے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی۔ آخر انہوں نے یہی کیا اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ البتہ یہ شرط لگائی کہ "لات" کو ڈھانے کا انتظام رسول اللہ ﷺ خود فرمادیں، ثقیف اسے اپنے ہاتھوں سے ہرگز نہ ڈھائیں گے۔ آپ نے یہ شرط منظور کر لی اور ایک نوشتہ لکھ دیا اور عثمان بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر بنا دیا کیونکہ وہی اسلام کو سمجھنے اور دین و قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش اور عریض تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وفد کے ارکان ہر روز صبح خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے لیکن عثمان بن ابی العاص کو اپنے ڈیڑھے پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے جب وفد واپس آکر دوپہر میں قیلو کہرتا تو حضرت عثمان بن ابی العاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پڑھتے اور دین کی باتیں دریافت کرتے اور جب آپ کو استراحت فرماتے ہوئے پاتے تو اسی مقصد کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلے جاتے (حضرت عثمان بن ابی العاص کی گورنری بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب خلافت صدیقی میں ارتداد کی لہر چلی اور ثقیف نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے مخاطب کر کے کہا: "ثقیف کے لوگو! تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے مرتد نہ ہو۔"

یہ سن کر لوگ ارتداد سے رک گئے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔

بہر حال وفد نے اپنی قوم میں واپس آکر اصل حقیقت چھپائے رکھی اور قوم کے سامنے لڑائی اور مار دھاڑ کا ہوا کھڑا کیا اور حزن و غم کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور زنا، شراب اور سُود چھوڑ دیں ورنہ سخت لڑائی کی جائے گی۔ یہ سن کر پہلے تو ثقیف پر سخت جاہلیہ غالب آئی اور وہ دو تین روز تک لڑائی ہی کی بات سوچتے رہے، لیکن پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے گزارش کی کہ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جائے اور آپ کے مطالبات تسلیم کر لے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر وفد نے اصل حقیقت ظاہر کی اور جن باتوں پر مصاحبت ہو چکی تھی ان کا اظہار کیا۔ ثقیف نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لات کو ڈھلنے کے لیے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں چند صحابہ کی ایک ذرا سی نفری روانہ فرمائی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر گزرا اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے کہا واللہ میں ذرا آپ لوگوں کو ثقیف پر ہنساؤں گا۔ اس کے بعد لات پر گزما کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پٹکنے لگے۔ یہ بناؤٹی منظر دیکھ کر اہل طائف پر ہول طاری ہو گیا۔ کہنے لگے: اللہ مغیرہ کو ہلاک کرے، اسے دیوی نے مار ڈالا۔ اتنے میں حضرت مغیرہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اللہ تمہارا بُرا کرے۔ یہ تو پتھر اور مٹی کا تماشہ ہے۔ پھر انہوں نے دروازے پر ضرب لگائی اور اسے توڑ دیا۔ اس کے بعد سب سے اونچی دیوار پر چڑھے اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی چڑھے۔ پھر اسے ڈھالتے ڈھالتے زمین کے برابر کر دیا حتیٰ کہ اس کی بنیاد بھی کھود ڈالی اور اس کا زیور اور لباس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر ثقیف دم بخود رہ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زیور اور لباس لے کر اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ اسی دن تقسیم فرما دیا اور نبی کی نصرت اور دین کے اعزاز پر اللہ کی حمد کی ہے۔

۹۔ شاہانِ مین کا خط — تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد شاہانِ حمیر یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور زین، ہمدان اور معافر کے سربراہ نعمان بن قیل کا خط آیا۔ نامہ بر مالک بن مُرہ رہادی تھا۔ ان بادشاہوں نے اپنے اسلام لانے اور شرک و اہل شرک سے علیحدگی اختیار کرنے کی اطلاع دے کر اسے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک جوانی خط لکھ کر واضح فرمایا کہ اہل ایمان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ آپ نے اس خط میں معاہدین کے لیے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بھی دیا تھا،

بشرطیکہ وہ مقررہ جزیرہ ادا کریں۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ صحابہ کو یمن روانہ فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

۱۰۔ وفد ہمدان — یہ وفد ۹ھ میں تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھ کر، جو کچھ انہوں نے مانگا تھا عطا فرمادیا اور لکٹ بن نسط کو ان کا امیر مقرر کیا، ان کی قوم کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کا گورنر بنایا اور باقی لوگوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیج دیا۔ وہ چھ مہینے مقیم رہ کر دعوت دیتے رہے لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خالد کو واپس بھیج دیں۔ حضرت علیؓ نے قبیلہ ہمدان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کا خط سنایا اور اسلام کی دعوت دی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی بشارت بھیجی۔ آپ نے خط پڑھا تو سجدے میں گر گئے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلام، ہمدان پر سلام۔

۱۱۔ وفد بنی قریظہ — یہ وفد ۹ھ میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد آیا۔ اس میں دس سے کچھ زیادہ افراد تھے اور سب کے سب اسلام لا چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے علاقے کی قحط سالی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کی۔ آپ نے فرمایا: ”اے اللہ! اپنے ملک اور اپنے چوپایوں کو میرا بکر، اپنی رحمت پھیلا، اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔ اے اللہ! ہم پر ایسی بارش برساجو ہماری فریاد سنی کر دے، راحت پہنچا دے، خوشگوار ہو، پھیلی ہوئی ہمہ گیر ہو جلد آئے، دیر نہ کرے، نفع بخش ہو، نقصان رساں نہ ہو۔ اے اللہ! رحمت کی بارش، عذاب کی بارش نہیں اور نہ ڈھانے والی، نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر، اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔“

۱۲۔ وفد نجران — (ان پر زبر، ج ساکن۔ مکہ سے یمن کی جانب سات مرحلے پر ایک بڑا علاقہ تھا جو ۳۷ بستیوں پر مشتمل تھا۔ تیز رفتار سوار ایک دن میں پورا علاقہ طے کر سکتا تھا۔ اس علاقہ میں ایک لاکھ مردان جنگی تھے جو سب کے سب عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔)

نجران کا وفد ۹ھ میں آیا۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ۲۴ آدمی اشراف سے تھے جن میں سے تین آدمیوں کو اہل نجران کی سربراہی دے کر دگی حاصل تھی۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت و حکومت کا کام تھا

اور اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا سید جو ثقفانی اور سیاسی امور کا نگران تھا اور اس کا نام ایہم یا شریضیل تھا۔ تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی سربراہ اور روحانی پیشوا تھا۔ اس کا نام ابو عارثہ بن علقمہ تھا۔

دفد نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس روز دن بھر توقف کیا یہاں تک کہ آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ۝ (۱۳: ۵۹/۶۰)

”بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے اے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر“

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھر انہیں غور و فکر کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اگلی صبح ہوئی — درآنحالیکہ دفد کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کر چکے تھے — تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور آپ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سمیت ایک چادر میں لپٹے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں۔ جب دفد نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تنہائی میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور سید دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: ”دیکھو مباہلہ نہ کرنا۔ خدا کی قسم اگر یہ نبی ہے، اور ہم نے اس سے ملامت کر لی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ رُوئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔“ آخر ان کی

رائے یہ ٹھہری کہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنے بارے میں حکم بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس پیش کش پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا، اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصاحبت فرمائی؛ ایک ہزار ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں۔ اور طے کیا کہ ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔ اس کے عوض آپ نے انہیں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی مرحمت فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ دیا۔ ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی آپ ان کے ہاں ایک امین (امانت دار) آدمی روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لیے اس اُمت کے امین حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ سید اور عاقب نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان سے صدقات اور جزیہ لے لانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

۱۳۔ وفد بنی حنیفہ — یہ وفد ۹ھ میں مدینہ آیا۔ اس میں مُسَلِمٌ کَذَّابٌ سمیت سترہ آدمی تھے۔^۹ مسیلمہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: مسیلمہ بن تمام بن کبیر بن حبیب بن حارث — یہ وفد ایک انصاری صحابی کے مکان پر اُترا۔ پھر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ البتہ مسیلمہ کذاب کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ تمام روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکڑ، تکبر اور امارت کی ہوس کا اظہار کیا اور وفد کے باقی ارکان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ نبی ﷺ نے پہلے تو قولاً اور فعلاً اچھے اور شریفانہ برتاؤ کے ذریعہ اس کی دلجوئی کرنی چاہی لیکن جب دیکھا کہ اس شخص پر اس برتاؤ کا کوئی مفید اثر نہیں پڑا تو آپ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ اس کے اندر شر ہے۔

اس سے قبل نبی ﷺ یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ کے پاس روتے زمین کے خزانے لاکر رکھ دیے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آپڑے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور رنجِ وہ محسوس ہوئے۔ چنانچہ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ آپ نے پھونک دیا تو وہ

۹ فتح الباری ۸/۹۲، ۹۵، زاد المعاد ۳/۳۸ تا ۴۱۔ وفدِ نجران کی تفصیلات میں روایات کے اندر خاصا اضطراب

ہے اور اسی وجہ سے بعض محققین کا رجحان ہے کہ نجران کا وفد دوبارہ مدینہ آیا۔ لیکن ہمارے نزدیک وہی بات

راجح ہے جسے ہم نے اوپر مختصراً بیان کیا ہے۔ ۹ فتح الباری ۸/۸۷

دونوں اڑ گئے۔ اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دو کذاب (پہلے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔ چنانچہ جب مسلمہ کذاب نے اڑا اور انکار کا اظہار کیا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد نے کاروبار حکومت کو اپنے بعد میرے حوالے کرنا طے کیا، تو میں ان کی پیروی کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپ کے ہمراہ آپ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شکس رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمہ اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ آپ اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور گفتگو فرمائی۔ اس نے کہا: "اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت کے معاملے میں آپ کو آزاد چھوڑ دیں، لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لیے طے فرمادیں۔" آپ نے (کھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: "اگر تم مجھ سے یہ ٹکڑا چاہو گے تو تمہیں یہ بھی نہ دوں گا؛ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جاسکتے، اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ خدا کی قسم! میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے وہ (خواب) جو دکھلایا گیا ہے۔ اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔" اس کے بعد آپ واپس چلے آئے۔

بالآخر وہی ہوا جس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فراست سے کر لیا تھا؛ یعنی مسلمہ کذاب یمامہ واپس جا کر پہلے تو اپنے بارے میں غور کرتا رہا، پھر دعویٰ کیا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کارِ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور سب گھڑنے لگا۔ اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب حلال کر دی اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ شہادت بھی دیتا رہا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ کر اس کی پیروی کا وہم آواز بن گئی۔ نتیجہً اس کا معاملہ نہایت سنگین ہو گیا۔ اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ اسے یمامہ کا رحمان کہا جانے لگا۔ اب اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا: "مجھے اس کام میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ آدھی حکومت ہمارے لیے ہے اور آدھی قریش کے لیے۔" رسول اللہ ﷺ نے جواب میں لکھا: "زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام مقبول کے لیے ہے۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسلمہ کے قاصد بن کر نبی ﷺ کے پاس آئے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا: "تم دونوں شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" انہوں نے کہا: "ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسلمہ اللہ کا رسول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ اور اس

کے رسول (محمد) پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔

یسا کہ کذاب نے سنہ ۱۱ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ربيع الاول ۱۱ھ میں برہم خلافت صدیقی
یامہ کے اندر قتل کیا گیا۔ اس کا قاتل وہی وحشی تھا جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا۔

ایک مدعی نبوت تو یہ تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ ایک دوسرا مدعی نبوت انسود غنسی تھا جس نے یمن
میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ اسے نبی ﷺ کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے حضرت فیروز
نے قتل کیا۔ پھر آپ کے پاس اس کے متعلق وحی آئی اور آپ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے باخبر کیا۔ اس کے
بعد یمن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس باقاعدہ خبر آئی۔

۱۴۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ — اس وفد میں دشمن خدا عامر بن طفیل، حضرت لبید کا انخیانی بھائی اربد بن
قیس، خالد بن جعفر اور جبار بن اسلم شامل تھے۔ یہ سب اپنی قوم کے سربراہ آدرہ اور شیطان تھے۔ عامر بن طفیل
وہی شخص ہے جس نے بصرہ پر ستر صحابہ کرام کو شہید کرایا تھا۔ ان لوگوں نے جب مدینہ آنے کا ارادہ کیا تو
عامر اور اربد نے باہم سازش کی کہ نبی ﷺ کو دھوکا دے کر اچانک قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ وفد مدینہ
پہنچا تو عامر نے نبی ﷺ سے گفتگو شروع کی اور اربد گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچا اور بالشت بھر
تلوار میان سے باہر نکالی، لیکن اس کے بعد اللہ نے اس کا ہاتھ روک لیا اور وہ تلوار بے نیام نہ کر سکا۔

اللہ نے اپنے نبی کو محفوظ رکھا۔ نبی ﷺ نے ان دونوں پر بددعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر اللہ نے
اربد اور اس کے اونٹ پر بجلی گرا دی جس سے اربد جل مرا۔ ادھر عامر ایک سلولہ عورت کے ہاں اُترا،
اور اسی دوران اس کی گردن میں گلی نکل آئی۔ اس کے بعد وہ یہ کہتا ہوا مر گیا کہ: آہ! اونٹ کی گلی جیسی گلی،
اور ایک سلولہ عورت کے گھر میں موت؟

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عامر نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا: میں آپ کو تین باتوں کا اختیار
دیتا ہوں (۱) آپ کے لیے دادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے (۲) یا میں آپ کے بعد آپ
کا خلیفہ ہوں (۳) درنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھاؤں گا۔
اس کے بعد وہ ایک عورت کے گھر میں طاعون کا شکار ہو گیا (جس پر اس نے فرط غم سے) کہا، کیا اونٹ کی
گلی جیسی گلی ہے اور وہ بھی بنی فلاں کی ایک عورت کے گھر میں ہے میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ۔ پھر وہ سوار ہوا،
اور اپنے گھوڑے ہی پر مر گیا۔

۱۵۔ وفد تجیب — یہ وفد اپنی قوم کے صدقات کو جو فقرار سے فاضل نہج گئے تھے، لے کر مدینہ آیا۔ وفد میں تیرہ آدمی تھے جو قرآن و سن پڑھتے اور سیکھتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں تو آپ نے وہ باتیں انہیں لکھ دیں۔ وہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو بھیجا جو ڈیرے پر بیٹھ رہ گیا تھا۔ نوجوان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: حضور! خدا کی قسم! مجھے میرے علاقے سے اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لانی ہے کہ آپ اللہ عزوجل سے میرے لیے یہ دُعا فرمادیں کہ وہ مجھے اپنی بخشش و رحمت سے نوازے اور میری مالداری میرے دل میں رکھ دے۔ آپ نے اس کے لیے یہ دُعا فرمائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص سب سے زیادہ قناعت پسند ہو گیا اور جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی تو وہ بھی اسلام پر ثابت قدم رہی۔ پھر اہل وفد نے حجۃ الوداع سنہ ۶ میں نبی ﷺ سے دوبارہ ملاقات کی۔

۱۶۔ وفد طئی — اس وفد کے ساتھ عرب کے مشہور شہسوار زید الخلیل بھی تھے۔ ان لوگوں نے جب نبی ﷺ سے گفتگو کی اور آپ نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت اچھے مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے عرب کے جس کسی آدمی کی خوبی بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کچھ کمتر ہی پایا۔ مگر اس کے برعکس زید الخلیل کی شہرت ان کی خوبیوں کو نہیں پہنچ سکی، اور آپ نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔

اس طرح ۶ اور سنہ ۷ میں پے در پے وفد آئے۔ اہل یمن نے یمن، ازد، قضاعہ کے بنی سعد، ہذیم، بنی عامر بن قیس، بنی اسد، بہرا، خولان، محارب، بنی حارث بن کعب، غامد، بنی منتفق، سلامان، بنی عبس، مزینہ، مراد، زبید، کندہ، ذی مرہ، غسان، بنی عیش اور نضج کے وفد کا تذکرہ کیا ہے۔ نضج کا وفد آخری وفد تھا جو محرم ۷ کے وسط میں آیا تھا اور دو سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ باقی بیشتر وفد کی آمد ۷ اور ۸ میں ہوئی تھی۔ صرف بعض وفد ۷ تک متاخر ہوئے تھے۔

ان وفد کی پے پے آمد سے پتا لگتا ہے کہ اس وقت اسلامی دعوت کو کس قدر فروغ اور قبول عام حاصل ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب مدینہ کو کتنی قدر اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ اس کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں سمجھتے تھے۔ درحقیقت مدینہ جزیرۃ العرب کا دار الحکومت بن چکا تھا اور کسی کے لیے اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سب لوگوں کے دلوں میں دین اسلام اثر کر چکا تھا۔ کیونکہ ان میں ابھی بہت سے ایسے اکھڑے بدو تھے جو محض اپنے سرداروں

کی متابعت میں مسلمان ہو گئے تھے ورنہ ان میں قتل و غارت گری کا جو رجحان جبر پکڑ چکا تھا اس سے وہ پاک صاف نہیں ہو سکتے تھے اور ابھی اسلامی تعلیمات نے انہیں پورے طور پر مہذب نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم کی سورہ توبہ میں ان کے بعض افراد کے اوصاف یوں بیان کئے گئے ہیں:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۗ عَلَيْهِمُ دَائِرَةُ السُّوءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۹۱/۹۷-۹۹)

”اعراب (بدو) کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض اعراب جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔ ان ہی پر بُری گردش ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

جبکہ کچھ دوسرے افراد کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے:

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۗ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۖ تَسِيدُ خَلَمَهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۹۹:۹)

”اور بعض اعراب اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربت اور رسول کی دعوت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے۔ عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔“

جہاں تک کہ، مدینہ، ثقیف، یمن اور بحرین کے بہت سے شہری باشندوں کا تعلق ہے، تو ان کے اندر اسلام نچتے تھا اور ان ہی میں سے کبار صحابہ اور ساداتِ مسلمین ہوئے۔^{۱۲}

^{۱۲} یہ بات نخضری نے محاضرات ۱/۱۴۴ میں کہی ہے۔ اور جن ذمہ کا ذکر کیا گیا یا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ان کی تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری ۱/۱۳، ۲/۲۲۶ تا ۲۳۰، ابن ہشام ۲/۵۰۱ تا ۵۰۳، ۵۱۰ تا ۵۱۴، ۵۳۷ تا ۵۴۲، ۵۴۶ تا ۵۵۰، زاد المعاد ۳/۲۶ تا ۴۰، فتح الباری ۸/۸۳ تا ۱۰۳، رحمة للعالمین ۱/۱۸۴ تا ۲۱۷۔

دعوت کی کامیابی اور اثرات

اب ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام کے تذکرہ تک پہنچ رہے ہیں۔ لیکن اس تذکرہ کے لیے رہوارِ قلم کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا اٹھ کر آپ کے اس جلیل الشان عمل پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو آپ کی زندگی کا خلاصہ ہے اور جس کی بنا پر آپ کو تمام نبیوں اور پیغمبروں میں یہ امتیازی مقام حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر اولین و آخرین کی سیادت کا تاج رکھ دیا۔

آپ ﷺ سے کہا گیا کہ،

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِلُ ○ قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ (۲/۱:۴۳)

”اے چادر پوشِ برات میں کھڑا ہو مگر تھوڑا“

اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ (۲/۱:۴۴)

”اے کھیل پوش! اٹھ اور لوگوں کو سنگین انجام سے ڈرا دے۔“

پھر کیا تھا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کاندھے پر اس روئے زمین کی سب سے بڑی امانت کا بار گراں اٹھائے۔ مسلسل کھڑے رہے؛ یعنی ساری انسانیت کا بوجھ سائے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ،

آپ نے اس انسانی ضمیر کے میدان میں جنگ و جہاد اور تنگ و تاز کا بوجھ اٹھایا جو جاہلیت کے اوہام و تصورات کے اندر غرق تھا؛ جسے زمین اور اس کی گونا گوں کشش کے بار نے بوجھل کر رکھا تھا؛ جو شہوات کی بیڑیوں اور پھندوں میں جکڑا ہوا تھا اور جب اس ضمیر کو اپنے بعض صحابہ کی صورت میں جاہلیت اور حیاتِ ارضی کے تہ و تہ بوجھ سے آزاد کر لیا تو ایک دوسرے میدان میں ایک دوسرا معرکہ، بلکہ معرکوں پر معرکے شروع کر دیئے۔ یعنی دعوتِ الہی کے وہ دشمن جو دعوت اور اس پر ایمان لانے والوں کے خلاف ٹوٹے پڑے تھے اور اس پاکیزہ پودے کو پینے، مٹی کے اندر جڑ پکڑنے، فضا میں شاخیں لہرانے اور پھلنے پھولنے سے پہلے اس کی

نموگاہ ہی میں مار ڈانا چاہتے تھے۔ ان دشمنانِ دعوت کے ساتھ آپ نے سپہم معرکہ آرائیاں شروع کیں اور ابھی آپ جزیرۃ العرب کے معرکوں سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ روم نے اس نئی امت کو دبوچنے کے لیے اس کی سرحدوں پر تیاریاں شروع کر دیں۔

پھر ان تمام کارروائیوں کے دوران ابھی پہلا معرکہ — یعنی ضمیر کا معرکہ — ختم نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دائمی معرکہ ہے۔ اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور وہ انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں گھس کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور ایک لحظہ کے لیے ڈھیلا نہیں پڑتا۔ محمد ﷺ دعوت الی اللہ کے کام میں جھے ہوئے تھے اور متفرق میدان کے سپہم معرکوں میں مصروف تھے۔ دنیا آپ کے قدموں پر ڈھیر تھی مگر آپ تنگی و ترشی سے گذر بسر کر رہے تھے۔ اہل ایمان آپ کے گرد اگردامن و راحت کا سایہ پھیلا رہے تھے مگر آپ جہد و مشقت اپنائے ہوئے تھے۔ مسلسل اور کڑی محنت سے سابقہ تھا مگر ان سب پر آپ نے صبر جمیل اختیار کر رکھا تھا۔ رات میں قیام فرماتے تھے؛ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے، اس کے قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر قرات کرتے تھے اور ساری دنیا سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ اس طرح آپ نے مسلسل اور سپہم معرکہ آرائی میں بیس برس سے اوپر گزار دیئے اور اس دوران آپ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے معاملے سے غافل نہ کر سکا یہاں تک کہ اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلمیں حیران رہ گئیں۔ سارا جزیرۃ العرب آپ کے تابع فرمان ہو گیا اس کے اُنق سے جاہلیت کا غبار چھٹ گیا، بیمار عقلمیں تندرست ہو گئیں، یہاں تک کہ بتوں کو چھوڑ بلکہ توڑ دیا گیا، توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی، ایمانِ جدید سے حیات پائے ہوئے صحرا کا شہستان وجود آذانوں سے لرزنے لگا اور اس کی پہنائیوں کو اللہ اکبر کی صدا میں چیرنے لگیں۔ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کرتے اور اللہ کے احکام قائم کرتے ہوئے شمال و جنوب میں پھیل گئے۔

بکھری ہوئی قومیں اور قبیلے ایک ہو گئے۔ انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہو گیا۔ اب نہ کوئی قاہر ہے نہ مقہور، نہ مالک ہے نہ مملوک، نہ حاکم ہے نہ محکوم، نہ ظالم ہے نہ مظلوم، بلکہ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے

سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام بجالاتے ہیں۔ اللہ نے اُن سے جاہلیت کا غرور و نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے، ورنہ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

غرض اس دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت، اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا۔ نوع انسانی کو دنیاوی مسائل اور اُغروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔ بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، رُوئے زمین متغیر ہو گیا تاریخ کا دھارا مر گیا اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔

اس دعوت سے پہلے دنیا پر جاہلیت کی کارفرمائی تھی۔ اس کا ضمیر متعفن تھا اور موج بدبودار تھی۔ قدریں اور پیمانے مختلف تھے۔ ظلم اور غلامی کا دور دورہ تھا۔ فاجرانہ خوش حالی اور تباہ کن محرومی کی موج نے دنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اس پر کفر و گمراہی کے تاریک اور دبیز پردے پڑے ہوئے تھے، حالانکہ آسمانی مذاہب و اَدیان موجود تھے مگر ان میں تخریف نے جگہ پالی تھی اور ضعف سرایت کر گیا تھا۔ اس کی گرفت ختم ہو چکی تھی اور وہ محض بے جان و بے رُوح قسم کے جامد رسم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب اس دعوت نے انسانی زندگی پر اپنا اثر دکھایا تو انسانی رُوح کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تحقن اور گندگی و انارکی سے نجات دلائی اور معاشرہ انسانی کو ظلم و طغیان، پرگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسوا کن تسلط سے چھٹکارا دلایا اور دنیا کو عفت و نطافت، ایجادات و تعمیر، آزادی و تجدید، معرفت و یقین، وثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لیے تعمیر کیا گئے۔

ان تبدیلیوں کی بدولت جزیرۃ العرب نے ایک ایسی بابرکت اٹھان کا مشاہدہ کیا جس کی نظیر انسانی وجود کے کسی دور میں نہیں دکھی گئی اور اس جزیرے کی تاریخ اپنی عمر کے ان یگانہ روزگار ایام میں اس طرح جگمگائی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں جگمگائی تھی۔

حجۃ الوداع

دعوت و تبلیغ کا کام پورا ہو گیا اور اللہ کی الوہیت کے اثبات اس کے ماسوا کی الوہیت کی نفی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر و تشکیل عمل میں آگئی۔ اب گویا غیبی ہاتھ آپ کے قلب و شعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دنیا میں آپ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو سلسلہ میں مین کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے فرمایا: اے معاذ! غالباً تم مجھ سے میرے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزر دو گے۔ اور حضرت معاذؓ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔

درحقیقت اللہ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اس دعوت کے ثمرات دکھلا دے جس کی راہ میں آپ نے بیس برس سے زیادہ عرصہ تک طرح طرح کی مشکلات اور مشقتیں برداشت کی تھیں اور اس کی صورت یہ ہو کہ آپ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائلِ عرب کے افراد و نمائندگان کے ساتھ جمع ہوں، پھر وہ آپ سے دین کے احکام و شرائع حاصل کریں اور آپ ان سے یہ شہادت لیں کہ آپ نے امانت ادا کر دی، پیغامِ رب کی تبلیغ فرمادی۔ اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا فرمادیا۔ اس مشیتِ ایزدی کے مطابق نبی ﷺ نے جب اس تاریخی حجِ مبرور کے لیے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو مسلمانانِ عرب جو حق پر پہنچنا شروع ہو گئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقشِ پا کو اپنے لیے نشانِ راہ بنائے اور آپ کی اقتدار کرے۔ پھر سینچر کے دن جبکہ ذی قعدہ میں چار دن باقی تھے رسول اللہ ﷺ نے کوچ کی تیاری فرمائی۔ بٹے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہ بند پہنا، چادر اوڑھی، قربانی کے

۱۔ یہ بات صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے باب حجۃ النبی ﷺ ۱/۲۹۴

۲۔ حافظ ابن حجر نے اس کی بہت عمدہ تحقیق کی ہے اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ ذیقعدہ کے پانچ دن باقی تھے تب آپ روانہ ہوئے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۸/۱۰۴

جانوروں کو قلاوہ پہنایا اور ظہر کے بعد کوچ فرما دیا اور عصر سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی اور رات بھر خمیزن ہے۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام سے فرمایا: رات میسے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والے نے آکر کہا، اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کوا، حج میں عمرہ ہے، پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپ نے احرام کے لیے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسم اطہر اور سر مبارک میں اپنے ہاتھ سے ذریزہ اور مشک آمیز خوشبو لگائی۔ خوشبو کی چمک آپ کی مانگ اور دائرہ میں دکھائی پڑتی تھی مگر آپ نے یہ خوشبودھونی نہیں بلکہ برقرار رکھی۔ پھر اپنا تہبند پہنا، چادر اوڑھی، دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مصلے ہی پر حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھتے ہوئے صدائے لبیک بلند کی پھر باہر تشریف لائے، قصوار اونٹنی پر سوار ہوئے اور دوبارہ صدائے لبیک بلند کی۔ اس کے بعد اونٹنی پر سوار کھلے میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی لبیک پکارا۔

اس کے بعد آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتہ بھر بعد جب آپ سر شام مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر گئے۔ وہیں رات گزاری اور فجر کی نماز پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مکہ میں صبح دم داخل ہوئے۔ یہ اتوار ۴ ذی الحجہ ۱۰ سالہ کا دن تھا۔ راستے میں آٹھ راتیں گزری تھیں۔ اوسط رفتار سے اس مسافت کا یہی حساب بھی ہے۔ مسجد حرام پہنچ کر آپ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی مگر احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا اور اپنے ساتھ ہڈی (قربانی کے جانور) لائے تھے۔ طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے بالائی مکہ میں حجوں کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طواف حج کے سوا کوئی اور طواف نہیں کیا۔ آپ کے جو صحابہ کرام اپنے ساتھ ہڈی (قربانی کا جانور) نہیں لائے تھے آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنا احرام عمرہ میں تبدیل کر دیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے پوری طرح حلال ہو جائیں، لیکن چونکہ آپ خود حلال نہیں ہو رہے تھے اس لیے صحابہ کرام کو تردد ہوا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے مصلے کی وہ بات پہلے جان گیا ہوتا جو بعد میں معلوم ہوتی تو میں ہڈی نہ لاتا۔ اور اگر میرے ساتھ ہڈی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر صحابہ کرام نے سب اطاعت خم کر دیا اور جن کے پاس ہڈی نہ تھی وہ حلال ہو گئے۔

آٹھ ذی الحجہ — ترویجہ کے دن — آپ منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ۹ ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچ وقت کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ پھر اتنی دیر توقف فرمایا کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس کے بعد عرفہ کو چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو وادی بمرہ میں قبہ تیار تھا۔ اسی میں نزول فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ کے حکم سے قصوار پر کجاوہ کسا گیا اور آپ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپ نے ان کے درمیان ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

”لوگو! میری بات سن لو! کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔“

تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں بہنے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنو سعد میں دو دھپنی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ بڈیل نے اُسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا، اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا، اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں لہذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال

کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔
یہ سن کر آپ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اے اللہ گواہ رہے۔

آپ کے ارشادات کو ربیعہ بن امیہ بن خلف اپنی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:
الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا (۲:۵)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔“
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو رونے لگے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا، اس لیے کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور پھر اقامت کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلال نے پھر اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد سوار ہو کر آپ جائے وقوف پر تشریف لے گئے۔ اپنی اونٹنی قصوٰ کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور جبل مشاة رسیدل چلنے والوں کی راہ میں واقع ریتیلے تودے کو سامنے کیا اور قبلہ رخ مسلسل راسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ تھوڑی زردی ختم ہوئی، پھر سورج کی ٹمکیہ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت اسامہ کو پیچھے بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مزدلفہ تشریف لائے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے۔

۱۔ ابن ماجہ، ابن عساکر، رحمۃ اللعالمین ۲۶۳/۱ صحیح مسلم ۳۹۷/۱

۲۔ ابن ہشام ۶۰۵/۲ بخاری عن ابن عمر ذیکھے رحمۃ اللعالمین ۲۶۵/۱

البتہ صبح نمودار ہوتے ہی اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد قصوار پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ سے دعا کی اور اس کی تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات کہے۔ یہاں اتنی دیر تک ٹھہرے رہے کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے اور اب کی بار حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کیا۔ بطنِ محشر میں پہنچے تو سواری کو ذرا تیزی سے دوڑایا۔ پھر جو درمیانی راستہ حجرہ کبریٰ پر نکلتا تھا اس سے چل کر حجرہ کبریٰ پر پہنچے۔ اس زمانے میں وہاں ایک درخت بھی تھا

اور حجرہ کبریٰ اس درخت کی نسبت سے بھی معروف تھا۔ اس کے علاوہ حجرہ کبریٰ کو حجرہ عقبہ اور حجرہ اولیٰ بھی کہتے ہیں۔ پھر آپ نے حجرہ کبریٰ کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں جنہیں چنگی میں لے کر چلایا جاسکتا تھا۔ آپ نے یہ کنکریاں بطن وادی میں کھڑے ہو کر ماری تھیں۔ اس کے بعد آپ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹ ذبح کئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سوئپ دیا اور انہوں نے بقیہ ۳ اونٹ ذبح کئے۔ اس طرح سوا اونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؑ کو بھی اپنی ہڈی (قربانی) میں شریک فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر بانڈی میں ڈالا اور پکایا گیا۔ پھر آپ نے اور حضرت علیؑ نے اس گوشت میں سے کچھ تناول فرمایا اور اس کا شور باپیا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر مکہ تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ اسے طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔ اور مکہ ہی میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر چاہ زمزم پر بنو عبد المطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ حجاج کرام کو زمزم کا پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "بنو عبد المطلب تم لوگ پانی کھینچو۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ پانی پلانے کے اس کام میں لوگ تمہیں مغلوب کر دیں گے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا"۔ یعنی اگر صحت بہ کرام رسول اللہ ﷺ کو خود پانی کھینچتے ہوئے دیکھتے تو ہر صحابی خود پانی کھینچنے کی کوشش کرتا۔ اور اس طرح حجاج کو زمزم پلانے کا جو شرف بنو عبد المطلب کو حاصل تھا اس کا نظم ان کے قابو میں نہ رہ جاتا۔ چنانچہ بنو عبد المطلب نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپ نے اس میں سے حسبِ خواہش پیا۔

آج یوم النحر تھا۔ یعنی ذی الحجہ کی دس تاریخ تھی۔ نبی ﷺ نے آج بھی دن چڑھے رچاشت کے وقت) ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ خطبہ کے وقت آپؐ نجر پر سوار تھے اور حضرت علیؑ آپ کے ارشادات صحابہ کو سن رہے تھے۔ صحابہ کرام کچھ بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آپ نے آج کے خطبے میں بھی کل کی کئی باتیں دہرائیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یوم النحر دس ذی الحجہ کو خطبہ دیا۔ فرمایا:

”زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی بسیت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ہینے کا ہے جن میں سے چار ہینے حرام کے ہیں؛ تین پے در پے یعنی ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کون سا ہینہ ہے؟ ہم نے کہا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپ نے فرمایا، کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں آپ نے فرمایا، اچھا تو یہ دن کون سا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر قربانی کا دن، یعنی دس ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا، اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوکے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس ہینے میں تمہارا آج کے دن کی حرمت ہے۔

اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، ہذا دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تاؤ! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ صحابہ نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ! گواہ رہ۔

جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک (یہ باتیں) پہنچائی جائیں گی وہ بعض (موجودہ) سننے والے سے کہیں زیادہ ان باتوں کے دروست کو سمجھ سکیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا: ”یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی اور پر جرم نہیں کرتا یعنی اس جرم کی پاداش میں کوئی اور نہیں بلکہ خود مجرم ہی پکڑا جائے گا۔“ یاد رکھو! کوئی جرم کرنے والا اپنے بیٹے پر یا کوئی بیٹا اپنے باپ پر جرم نہیں کرتا یعنی باپ کے جرم میں بیٹے کو یا بیٹے کے جرم میں باپ کو نہیں پکڑا جائے گا۔ یاد رکھو! شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے لیکن اپنے جن اعمال کو تم لوگ حقیر سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی سے راضی ہو گا۔^{۱۳} اس کے بعد آپ ایام تشریق (۱۱-۱۲-۱۳ ذی الحجہ کو) منیٰ میں مقیم رہے۔ اس دوران آپ حج کے مناسک بھی ادا فرما رہے تھے اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھا رہے تھے۔ اللہ کا ذکر بھی فرما رہے تھے۔ ملتِ ابراہیمی کے سنن ہدیٰ بھی قائم کر رہے تھے اور شرک کے آثار و نشانات کا صفایا بھی فرما رہے تھے۔ آپ نے ایام تشریق میں بھی ایک دن خطبہ دیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں بسند حسن مروی ہے کہ حضرت سرار بنت بنہان رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رؤس کے دن خطبہ دیا اور فرمایا، کیا یہ ایام تشریق کا درمیانی دن نہیں ہے؟ آپ کا آج کا خطبہ بھی کل ریموم النحر کے خطبے جیسا تھا اور یہ خطبہ سورہ نصر کے نزول کے بعد دیا گیا تھا۔

ایام تشریق کے خاتمے پر دوسرے یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے منیٰ سے کوچ فرمایا۔ اور وادی ابطح کے خیف بنی کنانہ میں فرودکش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سوکر اٹھے پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طوافِ وداع فرمائے۔ اور اب تمام مناسک حج سے فارغ ہو کر آپ نے سواری کا رخ مدینہ منورہ کی راہ پر ڈال دیا اس لیے نہیں کہ وہاں پہنچ کر راحت فرمائیں بلکہ اس لیے کہ اب پھر اللہ کی خاطر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز فرمائیں۔^{۱۴}

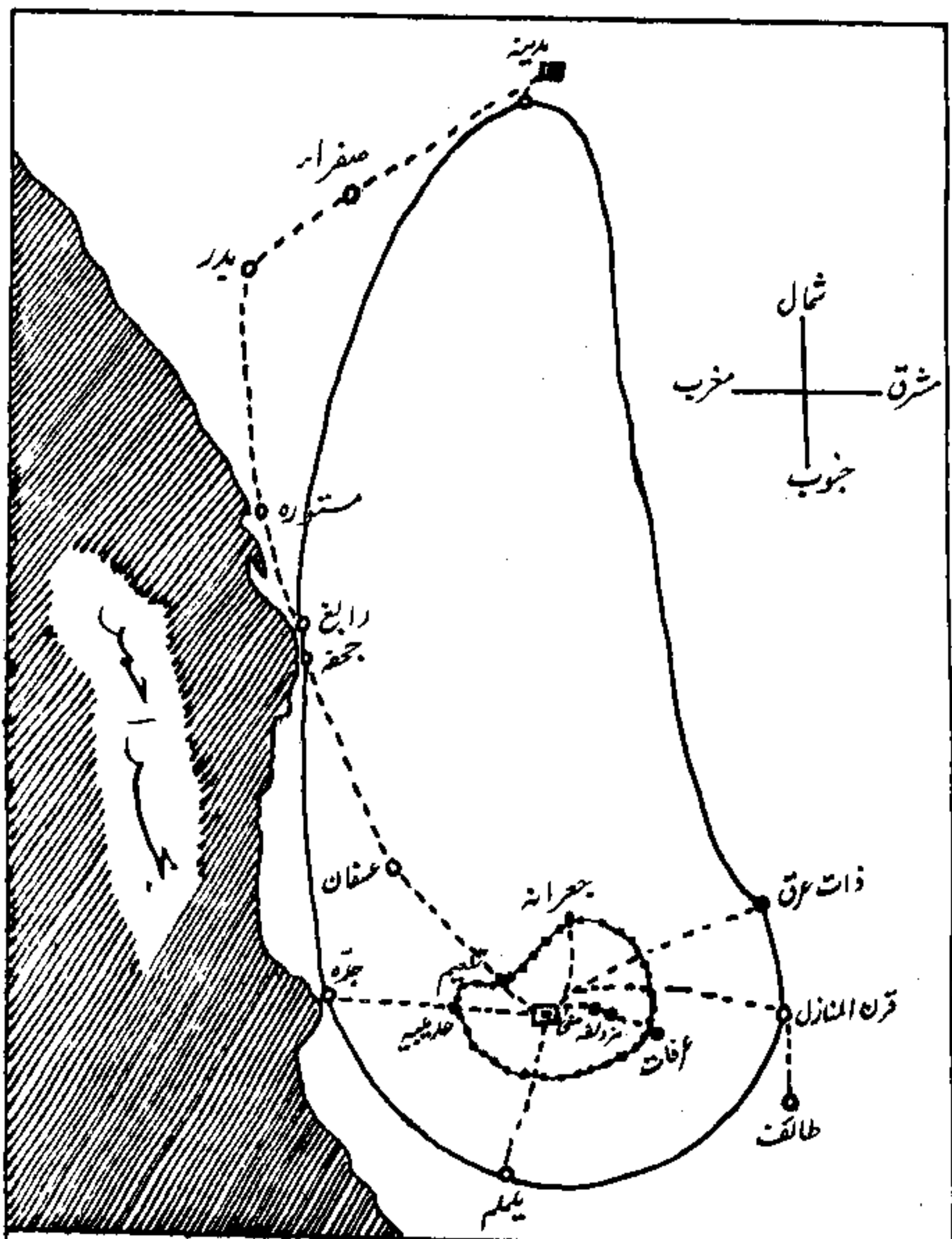
^{۱۳} ترمذی ۲/۲۸، ۱۳۵، ابن ماجہ کتاب الحج، مشکوٰۃ ۱/۲۳۴

^{۱۴} یعنی ۱۳ ذی الحجہ رعون المعبود ۲/۱۴۳، ابو داؤد باب اتی یوم یخطب بنی ۱/۲۶۹

^{۱۵} حجۃ الوداع کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب المناسک ج ۱ و ج ۲/۱۶۳۱

صحیح مسلم باب حجۃ النسبی ﷺ، فتح الباری ج ۳- شرح کتاب المناسک اور ج ۸/۱۰۳ تا ۱۱۰

ابن ہشام ۲/۶۰۱ تا ۶۰۵ زاد المعاد ۱/۱۹۶، ۲۱۸ تا ۲۲۰



خط میقات

حد و حرم

راستہ

حد و حرم اور میقات کا نقشہ

آخری فوجی مہم

رومن امپائر کی کبریائی کو گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے اسی لیے اس کی قلمرو میں رہنے والا کوئی شخص اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا تو اس کے جان کی خیر نہ رہتی، جیسا کہ معان کے رومی گورنر حضرت فرزہ بن عمرو جذامی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ اس جرات بے محابا اور اس غرور بے جا کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صفر ۶۲۷ء میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے حکم دیا کہ بقیعہ کا علاقہ اور داروم کی فلسطینی سرزمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے ان کی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی کو بہ تصور کرنے کی گنجائش نہ دی جائے کہ کلیسا کے تشدد پر نئی باز پرس ہے والا ہیں اور اسلام قبول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی موت کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اور اس مہم کے اندر شمولیت میں تاخیر کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو ان سے پہلے ان کے والد کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کر چکے ہو، حالانکہ وہ خدا کی قسم سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور یہ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

بہر حال صحابہ کرام حضرت اسامہ کے گرد اگرد جمع ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن بھی ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویشناک خبروں کے سبب آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائے۔

رفیقِ اعلیٰ کی جانب

اللوداعی آثار | جب دعوتِ دین مکمل ہو گئی اور عرب کی تکمیل اسلام کے ہاتھ میں آگئی تو رسول اللہ ﷺ کے جذبات و احساسات احوال و ظروف اور گفتار و کردار سے ایسی علامات نمودار ہونا شروع ہوئیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ اس حیاتِ مستعار کو اور اس جہانِ فانی کے باشندگان کو الوداع کہنے والے ہیں۔ مثلاً: آپ نے رمضان سنہ ۶ میں یس دن اعتکاف فرمایا جبکہ ہمیشہ دس دن ہی اعتکاف فرمایا کرتے تھے پھر حضرت جبریلؑ نے آپ کو اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرایا کرتے تھے۔ آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد اپنے اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں۔“ حیرتِ عقبہ کے پاس فرمایا: ”مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔“ آپ پر ایامِ تشریق کے وسط میں سورہ نصر نازل ہوئی اور اس سے آپ نے سمجھ لیا کہ اب دُنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ موت کی اطلاع ہے۔

اوائلِ صفر ۶ میں آپ دامنِ اُحد میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے اس طرح دُعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر منبر پر فزوکشن ہوئے۔ اور فرمایا: ”ہیں تمہارا میرا کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوضِ روضِ کوثر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دُنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔“

ایک روز نصف رات کو آپ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دُعا سے مغفرت کی۔ فرمایا: ”اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔“ نقتی تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے

ہیں اور بعد والا پہلے والے سے زیادہ بُرا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آٹنے والے ہیں۔

مرض کا آغاز ۲۹ صفر ۱۱۰۰ھ روز و شب کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا

اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۳ یا ۴ دن تھی۔

آخری ہفتہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ اس دوران آپ ازواجِ مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں

کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپ کا جو مقصود تھا ازواجِ مطہرات اسے سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ منتقل ہوتے ہوئے حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر درمیان میں چل رہے تھے۔ سر پر پٹی بندھی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس کیفیت کے ساتھ آپ حضرت عائشہ کے مکان میں تشریف لائے اور پھر حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ وہیں گزارا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معمولات اور رسول اللہ ﷺ سے حفظ کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ پر دم کرتی رہتی تھیں اور برکت کی اُمید میں آپ کا ہاتھ آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی رہتی تھیں۔

وفات سے پانچ دن پہلے وفات سے پانچ دن پہلے روز چہار شنبہ (بدھ) کو جسم کی حرارت میں مزید شدت آگئی جس کی وجہ سے

تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: ”مجھ پر مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر وصیت کر سکوں۔“ اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپ کو ایک لنگن میں بٹھا دیا گیا اور آپ کے اوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ”بس بس“ کہنے لگے۔

اس وقت آپ نے کچھ تخفیف محسوس کی اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منبر پر فزوش ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ دیا۔ صحابہ کرام گردا گرد جمع تھے۔ فرمایا: ”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔“ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔

ایک روایت میں ہے: ”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی

قبروں کو مسجد بنا لیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: ”تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔“ لے پھر آپ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: ”میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے اور کسی کی بے آبروئی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔“ اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا، آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا، ”انہیں ادا کر دو۔“ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ فرمایا:

”میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں؛ لہذا ان کے نیکو کار سے قبول کرنا اور ان کے خطا کار سے درگزر کرنا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہذا تمہارا جو آدمی کسی نفع اور نقصان پہنچانے والے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکو کاروں سے قبول کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی چمک مک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اسے دے دے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔“ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ”ہم اپنے مال باپ سمیت آپ پر قربان۔ اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا، اس بڑھے کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک مک اور زیب و زینت میں سے جو کچھ چاہے اللہ اسے دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ بڑھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے مال باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔ لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ

ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر اپنی رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ صاحبِ احسان ابو بکرؓ ہیں اور اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی اور کو خلیل بنانا تو ابو بکرؓ کو خلیل بنانا۔ لیکن ران کے ساتھ) اسلام کی اخوت و محبت (کا تعلق) ہے۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے لازماً بند کر دیا جائے، سوائے ابو بکرؓ کے دروازے کے۔

چار دن پہلے وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب کہ آپؐ سخت تکلیف سے دوچار تھے

فرمایا: لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا: آپؐ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ بس اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔ اس پر گھر کے اندر موجود لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور وہ جھگڑ پڑے۔ کوئی کہہ رہا تھا: لاؤ رسول اللہ ﷺ لکھ دیں۔ اور کوئی وہی کہہ رہا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، اس طرح لوگوں نے جب زیادہ شور و شغب اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

پھر اسی روز آپؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی: ایک اس بات کی وصیت کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ دوسرے اس بات کی وصیت کی کہ وفود کی اسی طرح نوازش کرنا جس طرح آپؐ کیا کرتے تھے۔ البتہ تیسری بات کو راوی بھول گیا غالباً یہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی وصیت تھی یا شکرِ اسامہ کو روانہ کرنے کی وصیت تھی یا آپؐ کا یہ ارشاد تھا کہ "نماز اور تمہارے زیر دست" یعنی غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ مرض کی شدت کے باوجود اس دن تک، یعنی وفات سے چار دن پہلے جمعرات تک تمام نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپؐ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ والمرسلات عرفاً پڑھی۔

لیکن عشاء کے وقت مرض کا ثقل اتنا بڑھ گیا کہ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی حضرت عائشہ

۵- متفق علیہ: مشکوٰۃ ۲/۵۴۶، ۵۵۴، صحیح بخاری ۱/۵۱۶

۶- متفق علیہ: صحیح بخاری ۱/۲۲۱، ۲۲۹، ۲۲۹، ۲۳۸/۲

۷- صحیح بخاری عن ام الفضل، باب مرض النبی ﷺ، ۲/۳۳۶

رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ! سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور اس کے بعد اٹھنا چاہا، لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت کیا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: "نہیں یا رسول اللہ! سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس کے بعد دوبارہ اور پھر سہ بارہ وہی بات پیش آئی جو پہلی بار پیش آچکی تھی کہ آپ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کی پڑھائی ہوتی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے تین یا چار بار مراجعہ فرمایا کہ امامت کا کام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو سونپ دیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ لوگ ابو بکرؓ کے بارے میں بدشگون نہ ہوں، لیکن نبی ﷺ نے ہر بار انکار فرمادیا اور فرمایا: تم سب یوسف وایاں ہو۔ ابو بکرؓ کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

ایک دن یا دو دن پہلے ہفتہ یا اتوار کو نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے تخفیف محسوس کی، چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں

۹ متفق علیہ مشکوٰۃ ۱۰۲/۱
حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں جو عورتیں عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں وہ بظاہر تو اس کے فعل کے گھٹیا پن کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جب انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں تو معلوم ہوا کہ یہ خود بھی درپردہ ان پر فریفتہ ہیں۔ یعنی وہ زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل میں کچھ اور ہی بات تھی یہی معاملہ یہاں بھی تھا۔ بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریہ و زاری کے سبب قراوت نہ کر سکیں گے یا سنا نہ سکیں گے لیکن دل میں یہ بات تھی کہ اگر خدا نخواستہ حضور اسی مرض میں رحلت فرما گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نحوست اور بدشگونئی کا خیال لوگوں کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس گزارش میں دیگر ازوج مطہرات بھی شریک تھیں اس لیے آپ نے فرمایا تم سب یوسف وایاں ہو یعنی تمہارے بھی دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ کہہ رہی ہو۔

سے فرمایا کہ مجھے ان کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ آپ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدار کر رہے تھے اور صحابہ کرام کو تکبیر سنا رہے تھے۔

ایک دن پہلے وفات سے ایک دن پہلے بروز اتوار نبی ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ پاس میں سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرما دیتے۔ رات میں چراغ جلانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیل پڑوسن سے ادھا لیا۔ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع رکوتی ۷۵ کیلو جو کے عوض رہن رکھی ہوتی تھی۔

حیات مبارکہ کا آخری دن حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو شنبہ کے روز سمان نماز فجر میں مصروف تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے۔ کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے نظر ڈالی۔ پھر تبسم فرمایا۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑ کے س پیچھے ہٹے کہ صف میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکے اس اچانک ظہور سے مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑ جائیں یعنی آپ کی مزاج پرسی کے لیے نماز توڑ دیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرایا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھے چاشت کے وقت آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپ نے انہیں پھر بلایا اور کچھ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعد میں ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ پہلی بار نبی ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے۔ اس لیے میں روئی۔ پھر آپ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے اہل و

عیال میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی۔ اس پر میں سنسی اُٹھا

نبی ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ (سرار) ہیں۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ جس شدید کرب سے دوچار تھے اسے دیکھ کر حضرت فاطمہؓ

بے ساختہ پکار اٹھیں۔ وَاکْرَبَّ اَبَاہُ ۱۶ اے اباجان کی تکلیف آپ نے فرمایا، تمہارے
ابا پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔ ۱۷

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی۔

ازواجِ مطہرات کو بلایا اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا جسے

آپ کو خیر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے "اے عائشہ!

خیر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا اس کی تکلیف برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے محسوس

ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جاں کٹی جا رہی ہے۔" ۱۸

آپ نے صحابہ کرام کو بھی وصیت فرمائی۔ فرمایا "الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"

"نماز، نماز، اور تمہارے زیر دست" (یعنی لونڈی، غلام) آپ نے یہ الفاظ کسی بار دہرائے۔ ۱۹

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ

کی اپنے اُوپر ٹیک لگوا دی۔ ان کا بیان ہے کہ اللہ کی ایک نعمت

نزع رواں

مجھ پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینے سے ٹیک

لگائے ہوئے وفات پائی اور آپ کی موت کے وقت اللہ نے میرا لعاب اور آپ کا لعاب

اکٹھا کر دیا۔ ہوا یہ کہ عبدالرحمن بن ابی بکر آپ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک

تھی اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے ٹیک لگاتے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ مسواک کی طرف دیکھ

رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے لیے لے لوں؟ آپ نے

سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مسواک لے کر آپ کو دی تو آپ کو کڑی محسوس ہوئی۔ میں

۱۴ بخاری ۲ / ۶۳۸

۱۵ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو اور بشارت دینے کا یہ واقعہ حیات مبارکہ کے آخری دن

نہیں بلکہ آخری ہفتے میں پیش آیا تھا۔ دیکھئے رحمۃ للعالمین ۱ / ۲۸۲

۱۶ صحیح بخاری ۲ / ۶۴۱ ۱۷ صحیح بخاری ۲ / ۶۳۷

نے کہا سے آپ کے لیے نرم کردوں؟ آپ نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ میں نے سواک نرم کر دی اور آپ نے نہایت اچھی طرح سواک کی۔ آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لیے سختیاں ہیں" ۱۹

سواک سے فارغ ہوتے ہی آپ نے ہاتھ یا انگلی اٹھائی، نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما ہے تھے: "ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ ۲۰

آخری فقرہ تین بار دہرایا، اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیقِ اعلیٰ سے جالاحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ واقعہ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ یومِ دو شنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر تقریباً ۶۰ سال چار دن ہو چکی تھی۔

اس حادثہ و لنگار کی خبر فوراً پھیل گئی۔ اہل مدینہ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا۔ آفاق و اطراف تاریک ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ۲۱

آپ کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرطِ غم سے فرمایا: یا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبَّآ دَعَاہُ، یا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّتْهُ الْفِرْدَوْسُ مَا وَاہُ، یا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلِ نَنَعَاہُ۔ ۲۲

"ہائے ابا جان! جنہوں نے پروردگار کی پکار پر لبیک کہا۔ ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریلؑ کو آپ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔"

۱۹ صحیح بخاری ۲/۶۴۰

۲۰ ایضاً صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ و باب آخر ما کلم النبی ﷺ ۲/۶۳۸ تا ۶۴۱

۲۱ دارمی، مشکوٰۃ ۲/۵۲۷ ۲۲ صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ۲/۶۴۱

وفات کی خبر سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

کیا کچھ منافقین سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ بن عمران علیہ السلام تشریف لے گئے تھے، اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آ گئے تھے، حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ضرور پٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ ۲۳

ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سنخ میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا موقف

لائے اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ پھر لوگوں سے کوئی بات کہنے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا۔ آپ کا جسد مبارک دھاریار یعنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر نے رُخ انور سے چادر ہٹائی اور اُسے چومنا اور روتے۔ پھر فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عمر بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمر نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کرام حضرت عمر کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا:

أَمَّا بَعْدَ - مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ،
وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَالَ اللَّهُ: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا
رَسُولٌ قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○ (۱۲۴:۳)

”اما بعد، تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے: محمد نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ (محمد) مر جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑ کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑ کے بل پلٹ جائے تو یاد رکھے کہ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔“

صحابہ کرام کو جواب تک فرطِ غم سے حیران و ششدر تھے انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سن کر یقین آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحلت فرما چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے اُن سے یہ آیت اخذ کی۔ اور اب جس کسی انسان کو میں سُنتا تو وہ اسی کو تلاوت کر رہا ہوتا۔

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”واللہ میں نے جوں ہی ابو بکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا انتہائی متحیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ ابو بکر کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا۔ کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔“

تجہیز و تکفین اور تدفین | ادھر نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی آپ کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ

میں ہاجرین و انصار کے درمیان بحث و مناقشہ ہوا، مجادلہ و گفتگو ہوئی، تردید و تنقید ہوئی اور بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ اس کام میں دو شنبہ کا باقی ماندہ دن گذر گیا اور رات آگئی۔ لوگ نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بجائے اس دوسرے کام میں مشغول رہے۔ پھر رات گذری اور منگل کی صبح ہوئی۔ اس وقت تک آپ کا جسدِ مبارک ایک دھاریدار مینی چادر سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

منگل کے روز آپ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے: حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہما، حضرت عباس، فضل اور قثم آپ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ اور شقران پانی بہا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس نے آپ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔ اس کے بعد آپ کو تین سفید مینی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھودی۔ قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی تھی۔ اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرام نے حجرہ شریف میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ کے خانوادہ ربوہ (اشم) نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور انکے بعد بچوں نے۔ نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گذر گیا اور چہار شنبہ ربدھ کی رات آگئی۔ رات میں آپ کے جسدِ پاک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے ربدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں پھاوڑوں کی آواز سنی۔ ۲۶

۲۵ صحیح بخاری ۱/۱۶۹ - صحیح مسلم ۱/۳۰۶

۲۶ مختصر سیرۃ الرسول للشیخ عبداللہ ص ۴۷۱ - واقعہ وفات کی تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ اور اس کے بعد کے چند ابواب مع فتح الباری نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب وفاة النبی ﷺ، ابن ہشام ۲/۶۴۹ تا ۶۶۵ - تلیق فہوم اہل الاثر ص ۳۸، ۳۹ - رحمۃ للعالمین ۱/۲۷۷ تا ۲۸۶ - اوقات کی تعیین بالعموم رحمۃ للعالمین سے لی گئی ہے۔

خانہ نبوت

۱۔ ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کا گھرانہ آپ اور آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ شادی کے وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال۔ حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی تھیں اور ان کے بیٹے جی آپ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ آپ کی اولاد میں حضرت ابراہیم کے ماسوا تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں ان ہی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ صاحبزادگان میں سے تو کوئی زندہ نہ بچا البتہ صاحبزادیاں حیات رہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ۔ زینب کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے چھوٹی زاد بھائی حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی۔ رقیہ اور ام کلثوم کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہ کی شادی جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ تک حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کے بطن سے حسن، حسین، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

معلوم ہے کہ نبی ﷺ کو اُمت کے بالمقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ مختلف اغراض کے پیش نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جن عورتوں سے آپ نے عقد فرمایا ان کی تعداد گیارہ تھی، جن میں سے نو عورتیں آپ کی رحلت کے وقت حیات تھیں اور دو عورتیں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں یعنی حضرت خدیجہ اور ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، ان کے علاوہ مزید دو عورتیں ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس پر اتفاق ہے کہ انہیں آپ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان ازدواج مطہرات کے نام اور ان کے مختصر حالات ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سُوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ: ان سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں شادی کی۔ آپ سے پہلے حضرت سُوْدَةُ اپنے چچے

بھائی سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا؛ ان سے رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے گیارہویں برس ماہ شوال میں شادی کی یعنی حضرت سوڈہؓ سے شادی کے ایک سال بعد اور ہجرت سے دو برس پانچ ماہ پہلے۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے سات ماہ بعد شوال سلسلہ میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی اور وہ باکرہ تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور باکرہ عورت سے آپ نے شادی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور اُمت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحب علم تھیں۔

۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا۔ ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں رحلت کر گئے اور وہ بیوہ ہو گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی شادی کا یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا؛ یہ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مروت اور رقت و رأفت کے سبب ان کا لقب اُم المساکین پڑ گیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن محش کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ۳ھ میں ان سے شادی کر لی۔ مگر صرف آٹھ ماہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔

۶۔ اُم سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا؛ یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخرہ ۳ھ میں حضرت ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد شوال ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

۷۔ زینب بنت محش بن ریاب رضی اللہ عنہا؛ یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی پہلے حضرت زید بن حارثہ سے ہوئی تھی جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت زید سے نباہ نہ ہو سکا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ خاتمہ عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مطالب کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی؛ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا، (۳۳:۳۴) جب زید نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپ کی زوجیت میں دے دیا۔

انہیں کے تعلق سے سورہ احزاب کی مزید کئی آیات نازل ہوئیں جن میں مُتَّبِعِيہِ پالک،

کے قضیے کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا گیا — تفصیل آگے آرہی ہے — حضرت زینب سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ذی قعدہ ۳ھ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

۸۔ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: ان کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنوالمصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جویریہ بنوالمصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انہوں نے حضرت جویریہ سے مکاتبت کر لی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کر دینے کا معاملہ طے کر لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا فرمادی اور ان سے شادی کر لی۔ یہ شعبان ۳ھ یا ۴ھ کا واقعہ ہے۔

۹۔ اُمّ حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ یہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئی تھیں لیکن عبید اللہ نے وہاں جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اور پھر وہیں انتقال کر گیا لیکن اُمّ حبیبہ اپنے دین اور اپنی ہجرت پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محرم ۳ھ میں عمرو بن اُمیہ ضمیری کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دے۔ اس نے اُمّ حبیبہ کی منظوری کے بعد ان سے آپ کا نکاح کر دیا اور شہبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔

۱۰۔ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا: یہ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر میں قید کی گئیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۳ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ ام الفضل بابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ ۳ھ میں عمرہ قضا سے فارغ ہونے — اور صحیح قول کے مطابق احرام سے حلال ہونے — کے بعد شادی کی۔

یہ گیارہ بیویاں ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اور آپ کی صحبت و رفاقت میں رہیں۔ ان میں سے دو بیویاں یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکین کی وفات آپ کی زندگی ہی میں ہوئی اور نو بیویاں آپ کی وفات کے بعد حیات رہیں۔ ان کے علاوہ دو اور خواتین جو آپ کے پاس رخصت نہیں کی گئیں ان میں سے ایک قبیلہ بنو کلاب سے تعلق

رکھتی تھیں اور ایک قبیلہ کندہ سے۔ یہی قبیلہ کندہ والی خاتون جونہی کی نسبت سے معروف ہیں ان کا آپ سے عقد ہوا تھا یا نہیں اور ان کا نام و نسب کیا تھا اس بارے میں اہل بیرو کے درمیان بڑے اختلافات ہیں جنکی تفصیل کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ آپ نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا: ایک ماریہ قبلیہ کو جنہیں مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں ۲۸ یا ۲۹ شوال ۳۱ھ مطابق ۲۷ جنوری ۶۲۲ء کو مدینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

دوسری لونڈی ریحانہ بنت زید تھیں جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا اور وہ آپ کی لونڈی تھیں۔ ان کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے بحیثیت لونڈی نہیں رکھا تھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی لیکن ابن قیم کی نظر میں پہلا قول راجح ہے۔ ابو عبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک کا نام جمیلہ بتایا جاتا ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور لونڈی تھیں جنہیں حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو ہبہ کیا تھا۔

یہاں ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ایک پہلو پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی جوانی کے نہایت پر قوت اور عمدہ ایام یعنی تقریباً تیس برس صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیئے اور وہ بھی ایسی بیوی پر جو تقریباً بڑھیا تھی یعنی پہلے حضرت خدیجہ پر اور پھر حضرت سودہ پر۔ تو کیا یہ تصور کسی بھی درجے میں معقول ہو سکتا ہے کہ اس طرح اتنا عرصہ گزار دینے کے بعد جب آپ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے تو آپ کے اندر یکایک جنسی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ آپ کو پے در پے نو شادیاں کرنی پڑیں۔ جی نہیں! آپ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوشمند آدمی اس تصور کو معقول تسلیم نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اتنی بہت ساری شادیاں کچھ دوسرے ہی اغراض و مقاصد کے تحت کی تھیں جو عام شادیوں کے مقررہ مقصد سے بہت ہی زیادہ عظیم القدر اور جلیل المرتبہ تھے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے شادی کر کے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پے درپے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم کی شادی کر کے اور حضرت علیؓ سے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ کی شادی کر کے جو رشتہائے مصاہرت قائم کیے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان چاروں بزرگوں سے اپنے تعلقات نہایت پختہ کر لیں کیونکہ یہ چاروں بزرگ پچھیدہ ترین مراحل میں اسلام کے لیے فداکاری و جہاں سپاری کا جو امتیازی وصف رکھتے تھے وہ معروف ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتہ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات تھی۔ اس دستور کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ دیں اور ان کے بغض و نفرت کی چٹنگاری بجھا دیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابو جہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو خالد بن ولید میں وہ سختی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ اُحد میں کر چکے تھے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی مرضی خوشی اور خواہش سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح جب آپ نے ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ سے شادی کر لی تو پھر ابوسفیان آپ کے مد مقابل نہ آیا اور جب حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ آپ کی زوجیت میں آگئیں تو قبیلہ بنی المصطلق اور قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی چھوڑ دی۔ حضور کے عقد میں ان دونوں بیویوں کے آنے کے بعد تاریخ میں ان کے قبیلوں کی کسی شورش اور جنگی تگ و دو کا سراغ نہیں ملتا، بلکہ حضرت جویریہ تو اپنی قوم کیلئے ساری عورتوں سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئیں، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی تو صحابہ کرام نے ان کے ایک سو گھرانوں کو جو قید میں تھے آزاد کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے کسرامی ہیں۔ ان کے دلوں پر اس احسان کا جو زبردست اثر ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے۔

ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غیر مذہب قوم کو تربیت دینے، اس کا تزکیہ نفس کرنے اور تہذیب و تمدن سکھانے پر مامور تھے جو تہذیب و ثقافت

سے، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں حصہ لینے کی ذمہ داریوں سے بالکل نا آشنا تھی، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی لہذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جاسکتی تھی حالانکہ ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم اور ضروری نہ تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری تھی۔

اس لیے نبی ﷺ کے پاس صرف یہی ایک سبیل رہ گئی تھی کہ آپ مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی عورتوں کو منتخب فرمائیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں۔ پھر آپ انہیں تعلیم و تربیت دیں، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں، انہیں احکام شریعت سکھادیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے اس طرح آراستہ کر دیں کہ وہ دیہاتی اور شہری، بوڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کر سکیں اور انہیں مسائل شریعت سکھاسکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لیے کافی ہو سکیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خانگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر ان امہات المؤمنین ہی کے سر ہے ان میں بھی بالخصوص وہ امہات المؤمنین جنہوں نے طویل عمر پائی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے افعال و اقوال خوب خوب روایت کئے ہیں۔

نبی ﷺ کا ایک نکاح ایک ایسی جاہلی رسم توڑنے کے لیے بھی عمل میں آیا تھا جو عرب معاشرہ میں پشتہا پشت سے چلی آرہی تھی اور بڑی پختہ ہو چکی تھی۔ یہ رسم تھی کسی کو متبسنی بنانے کی۔ متبسنی کو جاہلی دور میں وہی حقوق اور حرمتیں حاصل تھیں جو حقیقی بیٹے کو ہوا کرتی ہیں۔ پھر یہ دستور اور اصول عرب معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا مٹانا آسان نہ تھا لیکن یہ اصول ان بنیادوں اور اصولوں سے نہایت سختی کے ساتھ ٹکراتا تھا جنہیں اسلام نے نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے معاملات میں مسترد فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ جاہلیت کا یہ اصول اپنے دامن میں بہت سے ایسے مفاسد اور فواحش بھی لیے ہوئے تھا جن سے معاشرے کو پاک کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ لہذا اس جاہلی اصول کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینب بنت جحش سے فرمادی حضرت

زینب پہلے حضرت زید کے عقد میں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے متبنی (منہ بولے بیٹے) تھے مگر دونوں میں نباہ مشکل ہو گیا اور حضرت زید نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آراتھے اور جنگِ حندق کے لیے جمع ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبنی بنانے کی رسم کے خاتمے کے اشارے مل چکے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر ان ہی حالات میں حضرت زید نے طلاق دیدی اور پھر آپ کو حضرت زینب سے شادی کرنی پڑی تو منافقین، مشرکین اور یہودیوں کا بتنگڑ بنا کر آپ کے خلاف سخت پڑیگندہ کریں گے اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے دوسوسوں میں مبتلا کر کے ان پر بے اثرات ڈالیں گے اس لیے آپ کی کوشش تھی کہ حضرت زید طلاق نہ دیں تاکہ اس کی سرے سے نوبت ہی نہ آئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آپ کو (محبت امیر) تنبیہ کی چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ
وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ
(۳۴: ۳۳)

”اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے انعام کیا ہے یعنی حضرت زید سے کہ تم اپنے اوپر اپنی بیوی کو روک رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور آپ اپنے نفس میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا؛ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق تھا کہ آپ اس سے ڈرتے“

بالآخر حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے ہی دی۔ پھر ان کی عدت گذر گئی تو ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا اللہ نے آپ پر یہ نکاح لازم کر دیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیت کریمہ یہ ہے۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۗ (۳۴: ۳۳)

”جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کی شادی آپ سے کر دی تاکہ مؤمنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں پر کوئی حرج نہ رہ جائے جبکہ وہ منہ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں“

اس کا مقصد یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں سے متعلق جاہلی اصول عملاً بھی توڑ دیا جائے، جس طرح اس سے پہلے اس ارشاد کے ذریعہ قولاً توڑا جا چکا تھا:

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ (۵:۳۳)

”انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔“
 مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنِّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (۳۰:۳۳)
 ”محمد، تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“
 اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب معاشرے میں کوئی رواج اچھی طرح جڑ پکڑ لیتا ہے تو محض بات کے ذریعے اسے مٹانا یا اس میں تبدیلی لانا بیشتر اوقات ممکن نہیں ہوا کرتا؛ بلکہ جو شخص اس کے خاتمے یا تبدیلی کا داعی ہو اس کا عملی نمونہ موجود رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس حرکت کا ظہور ہوا اس سے اس حقیقت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ اس موقع پر کہاں تو مسلمانوں کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ جب عروہ بن مسعود ثقفی نے انہیں دیکھا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تھوک اور کھٹکار بھی ان میں سے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ ہی میں پڑ رہا ہے، اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام آپ کے وضو سے گرنے والا پانی لینے کے لیے اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں الجھ پڑیں گے جی ہاں! یہ وہی صحابہ کرام تھے جو درخت کے نیچے موت یا عدم فرار پر بیعت کرنے کیلئے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے اور یہ وہی صحابہ کرام تھے جن میں ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جاں نثاران رسول بھی تھے۔ لیکن انہی صحابہ کرام کو — جو آپ پر مرثنا اپنی انتہائی سعادت و کامیابی سمجھتے تھے —

جب آپ نے صلح کا معاہدہ طے کر لینے کے بعد حکم دیا کہ اٹھ کر اپنی ہڈی (قربانی کے جانور) ذبح کر دیں تو آپ کے حکم کی بجا آوری کے لیے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا یہاں تک کہ آپ قلع و اضطراب سے دوچار ہو گئے۔ لیکن جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اٹھ کر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیں، اور آپ نے ایسا ہی کیا تو ہر شخص آپ کے طرز عمل کی پیروی کے لیے دوڑ پڑا اور تمام صحابہ نے لپک لپک کر اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی پختہ رواج کو مٹانے کے لیے قول اور عمل کے اثرات میں کتنا زیادہ فرق ہے۔ اس لیے مُتَبَنِّی کا جاہلی اصول عملی طور پر توڑنے کے لیے آپ کا نکاح آپ کے منہ بولے

بیٹے حضرت زید کی مطلقہ سے کرایا گیا۔

اس نکاح کا عمل میں آنا تھا کہ منافقین نے آپ کے خلاف نہایت وسیع پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور طرح طرح کے دوسے اور افواہیں پھیلائیں جس کے کچھ نہ کچھ اثرات سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑے۔ اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک شرعی پہلو بھی منافقین کے ہاتھ آ گیا تھا کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جبکہ مسلمان بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی حلت جانتے ہی نہ تھے۔ ان سب کے علاوہ پروپیگنڈہ کی اصل جان یہ تھی کہ حضرت زید، رسول اللہ ﷺ کے بیٹے سمجھے جاتے تھے اور بیٹے کی بیوی سے شادی بڑی فحش کاری خیال کی جاتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس اہم موضوع سے متعلق کافی وشافی آیات نازل کیں اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہایت بلند پایہ اور مخصوص مقاصد کے تحت اپنے رسول ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہے۔

اُمہات المؤمنین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رہائش نہایت شریفانہ، باعزت، بلند پایہ اور عمدہ انداز کی تھی۔ ازواج مطہرات بھی، شرف، قناعت، صبر، تواضع، خدمت اور ازدواجی حقوق کی نگہداشت کا مرقع تھیں۔ حالانکہ آپ بڑی روکھی بھکی اور سخت زندگی گزار رہے تھے جسے برداشت کر لینا دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی میدے کی نرم روٹی کھائی ہو یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے اور نہ آپ نے اپنی آنکھ سے کبھی بھنی ہوئی بکری دیکھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گذر جاتے، تیسرے مہینے کا چاند نظر آ جاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپ لوگ کیا کھاتی تھیں۔ فرمایا کہ بس دو کالی چیزیں۔ یعنی کھجور اور پانی۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔

اس تنگی و ترشی کے باوجود ازواج مطہرات سے کوئی لائق عقاب حرکت صادر نہ ہوئی۔ صرف ایک دفعہ ایسا ہوا اور وہ بھی اس لیے کہ ایک تو انسانی فطرت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے کہ

اسی بنیاد پر کچھ احکامات مشروع کرنے تھے۔ پناںچہ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر آیت تخییر نازل فرمائی جو یہ تھی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكِ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا
فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(۲۹/۲۸:۳۳)

” اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ساز و سامان

دے کر بھلائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے۔“

اب ان ازواجِ مطہرات کے شرف اور عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ان سب نے اللہ اور اس کے رسول کو ترجیح دی اور ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا کی طرف مائل نہ ہوئیں۔

اسی طرح سوکنوں کے درمیان جو واقعات روزمرہ کا معمول ہوا کرتے ہیں، ازواجِ مطہرات کے درمیان کثرت تعداد کے باوجود اس طرح کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آتے اور وہ بھی بقا ضابطہ بشریت، اور اس پر بھی جب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تو دوبارہ اس طرح کی کسی حرکت کا ظہور نہیں ہوا۔ سورہ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

انہی میں یہ عرض کر دینا بھی بیجا نہ ہو گا کہ ہم اس موقع پر تعددِ ازواج کے موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے، کیونکہ جو لوگ اس موضوع پر سب سے زیادہ لے دے کرتے ہیں یعنی باشندگانِ یورپ وہ خود جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں؛ جس تلخی و بدبختی کا جام نوش کر رہے ہیں۔ جس طرح کی رسوائیوں اور جرائم میں لست پت ہیں اور تعددِ ازواج کے اصول سے منحرف ہو کر جس قسم کے رنج و الم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر طرح کی بحث و جدل سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اہل یورپ کی بدبختانہ زندگی تعددِ ازواج کے اصول کے مبنی برحق ہونے کی سب سے سچی گواہ ہے اور اصحابِ نظر کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

اخلاق و اوصاف

نبی کریم ﷺ ایسے جمالِ خلق اور کمالِ خلق سے مُتَّصِف تھے جو حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ اس جمال و کمال کا اثر یہ تھا کہ دل آپ کی تعظیم اور قدر و منزلت کے جذبات سے خود بخود لبریز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی حفاظت اور اجلال و تکریم میں لوگوں نے ایسی ایسی فداکاریاں جہاں شہری کا ثبوت دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی اور شخصیت کے سلسلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ کے رفقاء اور ہم نشین وارفنگی کی حد تک آپ سے محبت کرتے تھے۔ انہیں گوارا نہ تھا کہ آپ کو غراش تک آجاتے خواہ اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اس طرح کی محبت کی وجہ یہی تھی کہ عادتاً جن کمالات پر جان چھڑکی جاتی ہے ان کمالات سے جس قدر حصہ وافر آپ کو عطا ہوا تھا کسی اور انسان کو نہ ملا۔ ذیل میں ہم عاجزی و بے مائیگی کے اعتراف کے ساتھ ان روایات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق آپ کے جمال و کمال سے ہے۔

ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اُمّ مَعْبُد خُزَاعِیہ کے خیمے سے گزرے تو **حُلِیۃ مُبَارَک** اس نے آپ کی روانگی کے بعد اپنے شوہر سے آپ کے حلیہ مبارک کا جو نقشہ کھینچا وہ یہ تھا: چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، نہ تو ندے پن کا عیب نہ گنچے پن کی خامی، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پکیہ، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، سیاہ سرگیں پلکیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پُرشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک و پُر جمال، قریب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دو ٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑھی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ ناما کہ نگاہ میں نہ بچھے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شانوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بناتے ہوئے کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو پیک کر بجالاتے ہیں۔ مطاع و مکرم نہ ترش رُو، نہ لغو گو لیجے۔

حضرت براء کا بیان ہے کہ آپ کا پیکر درمیانی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی۔ بال دونوں کانوں کی لٹمک پہنچتے تھے۔ میں نے آپ کو سُرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔ کبھی کوئی چیز آپ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھی تھی۔

پہلے آپ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے بال میں لنگھی کرتے تو مانگ نہ نکالتے، لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔

حضرت براء کہتے ہیں: آپ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا تھا، انہوں نے کہا: نہیں بلکہ چاند جیسا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ گول تھا۔

ربیع بنت مَعُوذ کہتی ہیں کہ اگر تم حضور کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ کو دیکھا، آپ پر سُرخ جوڑا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا، اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اس نتیجہ پر پہنچا کہ) آپ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ لگتا تھا سورج آپ کے چہرے میں رواں دواں ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تیز رفتار نہیں دیکھا۔ لگتا تھا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے تھے اور آپ بالکل بے فکر تھے۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب آپ خوش ہوتے تو چہرہ دکھ اٹھتا، گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ ایک بار آپ حضرت عائشہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہ نے ابو کبیر ندلی کا یہ شعر پڑھا:

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسْرَةٍ وَجْهَهُ بَرَقَ كَبْرَقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ
”جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو“

ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

۱۱	ایضاً ایضاً	۵۰۳/۱	ایضاً	۵۰۳/۱
۱۲	ایضاً	۵۰۲/۱	صحیح بخاری	۵۰۲/۱
۱۳	صحیح مسلم	۲۵۸/۲	صحیح مسلم	۲۵۹/۲
۱۴	مشکوٰۃ	۵۱۴/۲	ترمذی فی الشمائل	ص ۱۴۷
۱۵	جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاسودی	۳۰۶/۳	مشکوٰۃ	۵۱۸/۲
۱۶	صحیح بخاری	۵۰۲/۱	رحمۃ للعالمین	۱۴۲/۲

أمین مصطفیٰ بالخیر يدعو كضوء البدر زايله الظلام
 "آپ امین ہیں، چنیدہ درگزیہ میں، خیر کی دعوت دیتے ہیں، گویا ماہِ کامل کی روشنی میں جس سے تاریکی اٹھ چولی کھیل رہی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کا یہ شعر پڑھتے جو ہرم بن سان کے بارے میں کہا گیا تھا کہ:
 لو كنت من شيء سوى البشر كنت المضيء لليلة البدر
 "اگر آپ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے"
 پھر فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے۔

جب آپ غضبناک ہوتے تو چہرہ سُرخ ہو جاتا گویا دونوں رخساروں میں دانہ انار چھوڑ دیا گیا ہے۔
 حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ آپ کی پنڈلیاں قدرے پتی تھیں اور آپ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے
 آنکھیں سرگیں تھیں تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ نے آنکھوں میں سُرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سُرمہ نہ لگا ہوتا۔
 حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ آپ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے۔
 جب آپ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور صیانت نکلتا دکھائی دیتا۔

گردن گویا چاندی کی صفائی لیے ہوئے گڑیا کی گردن تھی۔ پلکیں طویل، داڑھی گھنی، پیشانی
 کشادہ، ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے الگ، ناک اونچی، رخسار ہلکے، لبہ سے ناف تک چھڑی کی طرح دوڑا
 ہوا بال، اور اس کے سوا شکم اور سینے پر کہیں بال نہیں۔ البتہ بازو اور مونڈھوں پر بال تھے۔ شکم
 اور سینہ برابر، سینہ مسطح اور کشادہ، کلاسیاں بڑی بڑی ہتھیلیاں کشادہ، قد کھڑا، تلوے خالی، اعضا
 بڑے بڑے جب چلتے تو جھلکے کے ساتھ چلتے، قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے اور سہل رفتار سے چلتے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حریر دیا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے
 زیادہ نرم ہو۔ اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برون
 سے زیادہ ٹھنڈا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت جابر بن سمرہ جو بچے تھے۔ کہتے ہیں: "آپ نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے

۱۹ خلاصۃ السیرۃ ۲۱۰ ایضاً خلاصۃ السیرۃ ۲۱۰

۲۰ مشکوٰۃ ۱/۲۲۱، ترمذی: ابواب القدر، باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر ۲/۳۵

۲۱ جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۲/۳۰۶ ۲۲ ترمذی مشکوٰۃ ۲/۵۱۸

۲۳ خلاصۃ السیرۃ ۱۹، ۲۰ ۲۴ صحیح بخاری ۱/۵۰۳ صحیح مسلم ۲/۲۵۷ ۲۵ صحیح بخاری ۱/۵۰۲

آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی گویا آپ نے اسے عطار کے عطر دان سے نکالا ہے۔
حضرت انس کا بیان ہے کہ آپ کا پسینہ گویا موتی ہوتا تھا، اور حضرت ام سلمہ کہتی ہیں
کہ یہ پسینہ ہی سب سے عمدہ خوشبو ہوا کرتی تھی۔

حضرت جابر کہتے ہیں: آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور
گزرتا تو آپ کے جسم یا پسینہ کی خوشبو کی وجہ سے جان جاتا کہ آپ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔
آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہربوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسم مبارک ہی کے
مشابہ تھی۔ یہ بائیں کندھے کی کری (زم ہڈی) کے پاس تھی۔ اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جھگٹ تھا۔

نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ
طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت،

کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق

معانی کی صحت اور تکلف سے دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلم (جامع باتوں) سے نوانے
گئے تھے۔ آپ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا؛ چنانچہ آپ ہر قبیلے سے
اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ میں بدویوں کا زور بیان اور قوتِ مخاطب
اور شہریوں کی شستگی الفاظ اور شستگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائید ربانی الگ سے۔

بُردباری، قوتِ برداشت، قدرتِ پاکر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے
جسکے ذریعہ اللہ نے آپ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و دربار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی
جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا عالم یہ تھا کہ آپ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی
اور بد معاشوں کی خود سری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار
دیا جاتا تو آپ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا
کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دُور رہتے۔ آپ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا؟
البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ سب سے بڑھ کر غیظ و غضب سے دُور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔

جو دو کرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اس شخص کی طرح بخشش و نوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکرِ جو دو سخا تھے، اور آپ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریل آپ سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبریل رمضان میں آپ سے ہر رات ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ پس رسول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں رخصانِ رحمت سے مالا مال کر کے بھیجی ہوئی ہو اسے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔ حضرت جابر کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے نہیں کہہ دیا ہو۔^{۳۲}

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا الغرض نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسا ہوتے ہیں مگر آپ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب زور کارن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طون دوڑے تو راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ (مگر خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے۔ اس وقت آپ ابو طلحہ کے بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار جمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں، ڈرو نہیں (کوئی خطرہ نہیں)۔ آپ سب سے زیادہ جیادار اور پست نگاہ تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ جیادار تھے۔ جب آپ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتلا لگ جاتا۔ سلمہ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا عالم یہ تھا کہ کسی سے ناگوار بات رُو در رُو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ تک پہنچتی تو نام لیکر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہ رہے ہیں۔ فرزدق کے اس شعر کے

۳۲ ایضاً ۵۰۲/۱ ۳۳ ایضاً ایضاً
۳۴ شفاء قاضی عیاض ۸۹/۱ صحاح و سنن میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔

۳۵ صحیح مسلم ۲/۲۵۲ - صحیح بخاری ۱/۲۰۷ ۳۶ صحیح بخاری ۱/۵۰۲

سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ تھے :

یغضی حياء و یغضی من مہابتہ فلا یکلوا الاحین یبتسم
 ”آپ حیا کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی ہیں،
 چنانچہ آپ سے اسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب آپ تبسم فرما رہے ہوں۔“

آپ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہیہ اور عظیم الامانتہ تھے۔ اس کا اعتراف
 آپ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ نبوت سے پہلے آپ کو امین کہا جاتا تھا اور دور جاہلیت
 میں آپ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لاتے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی
 ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ سے کہا: ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ جو کچھ لے کر آتے ہیں اسے
 جھٹلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَانَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظَّٰلِمِیْنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (۶، ۳۳)

”یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“

ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس (نبی ﷺ) نے جو بات کہی ہے اس کے
 کہنے سے پہلے تم لوگ ان پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ”نہیں“
 آپ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے
 خدام و عاشریہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ صحابہ کرام کو کھڑے ہونے سے
 منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقراء کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت
 منظور فرماتے تھے، صحابہ کرام میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ
 فرماتی ہیں کہ آپ اپنے جوتے خود نکتے تھے، اپنے کپڑے خود دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام
 کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے
 اپنے کپڑے خود ہی دیکھتے کہ کہیں اس میں جؤل نہ ہو، اپنی بکری خود دہنتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔
 آپ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہ رحمی فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے
 زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے تھے، رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ
 کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بد خلقی سے سب سے زیادہ دور و نفور تھے۔ نہ عاداتاً فحش گو تھے
 نہ بہ مکلف فحش کہتے تھے، نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ بازار میں چختے چلاتے تھے نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی
 سے دیتے تھے، بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ چھوڑتے تھے

اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترغیب اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو آف نہیں کہا۔ نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا، ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے

کہا کھال اتارنا میرے ذمہ، تیسرے نے کہا، پکانا میرے ذمہ، نبی ﷺ نے فرمایا ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمہ صحابہ نے عرض کیا ہم آپ کا کام کر دیں گے آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیونکہ اللہ اپنے بندے کی حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقاء میں ممتاز سمجھے۔ اس کے بعد آپ نے اٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

آیئے ذرا ہند بن ابی ہالہ کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ ہند اپنی ایک طویل روایت میں کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پیہم غموں سے دوچار تھے۔ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپ کے لیے راحت نہ تھی۔ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے۔ از اول تا آخر بات پورے منہ سے کرتے تھے، یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دو ٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم خو تھے، جفا جو اور حقیقت نہ تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کی نہ بُرائی کرتے تھے نہ تعریف حق کو کوئی نقصان پہنچانا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپ کے غضب کو روکا نہ جاسکتا تھا۔ البتہ کشادہ دل تھے؛ اپنے نفس کے لیے نہ غضبناک ہوتے نہ انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری تھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت تھیلی پلٹتے۔ جب غضبناک ہوتے تو رخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہ پست فرمایا۔ آپ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی۔ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔

لا یعنی بات سے زبان روک رکھتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ لوگوں کے شر سے محتاط رہتے اور ان سے بچاؤ اختیار فرماتے تھے لیکن اس کے لیے کسی سے اپنی خندہ جبینی ختم نہ فرماتے تھے۔

اپنے اصحاب کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ اچھی چیز کی تحسین و تصویب فرماتے اور بری چیز کی تفتیح و توہین۔ مُعتدل تھے، افراط و تفریط سے دور تھے۔ غافل نہ ہوتے تھے کہ مبادا لوگ بھی غافل یا طول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کیلئے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ فرماتے تھے، نہ حق سے تجاوز فرما کر ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جو لوگ آپ کے قریب رہتے تھے وہ سب اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہو؛ اور سب سے زیادہ قدر آپ کے نزدیک اس کی تھی جو سب سے اچھا نمکسار و مددگار ہو۔

آپ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے۔ جگہیں متعین نہ فرماتے۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے، حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آپ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ اتنے صبر کے ساتھ اس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ اسے عطا کئے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا، یہاں تک آپ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ کی مجلس حلم و حیا، اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ عزموں پر عیب لگتے تھے۔ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا۔ لوگ تقویٰ کی بدولت باہم محبت و ہمدردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجتمند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو انس عطا کرتے تھے۔

آپ کے چہرے پر ہمیشہ بشارت رہتی سہل خوا اور نرم پہلو تھے جنفا جو اور سخت خونہ تھے۔ نہ چیختے چلاتے تھے، نہ فحش کہتے تھے نہ زیادہ عتاب فرماتے تھے نہ بہت تعریف کرتے تھے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل بہتے تھے۔ آپ سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا؛ (۱) ریاست سے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) اور لایعنی بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا یعنی آپ (۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو عار نہیں دلاتے تھے (۳) اور کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپ وہی بات نوک زبان پر لاتے تھے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ مکالم فرماتے تو آپ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے۔ لوگ آپ کے پاس گپ بازی نہ کرتے۔ آپ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ان

کی بات وہی ہوتی جو ان کا پہلا شخص کرتا۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے آپ بھی ہنستے اور جس بات پر سب لوگ تعجب کرتے اس پر آپ بھی تعجب کرتے۔ اجنبی آدمی درشت کلامی سے کام لیتا تو اس پر آپ صبر کرتے اور فرماتے "جب تم لوگ حاجتمند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامانِ ضرورت سے نواز دو۔" آپ احسان کا بدلہ دینے والے کے سوا کسی سے شکر کے طالب نہ ہوتے تھے۔

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے، بہت زیادہ خاموش رہتے۔ بلا ضرورت نہ بولتے جو شخص نامناسب بات بولتا اس سے رخ پھیر لیتے۔ آپ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دو ٹوک؛ نہ فضول نہ کوتاہ۔ آپ کے صحابہ کی ہنسی بھی آپ کی توقیر و اقتدار میں مسکراہٹ ہی کی حد تک ہوتی۔ لیکہ

حاصل یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپ کے رب نے آپ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اس نے خود آپ کی تعریف میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۳:۶۸) "یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں" اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف کھنچ آتے، دلوں میں آپ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ پر وارفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ کی قوم کی اکڑ اور سختی نرمی میں تبدیل ہوتی یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔ یاد رہے کہ ہم نے پچھلے صفحات میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیوں ہیں ورنہ آپ کے مجد و شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جا سکتی ہے۔ بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد و کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منور ہوا کہ کتابِ الہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی اع

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

صفی الرحمن المبارکپوری

۱۶۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ / ۷ جون ۱۹۸۲ء

حسین آباد۔ مبارک پور
ضلع عظیم گڑھ (یوپی) ہند